ابو الکلام آزاد

شورش کاشمیری

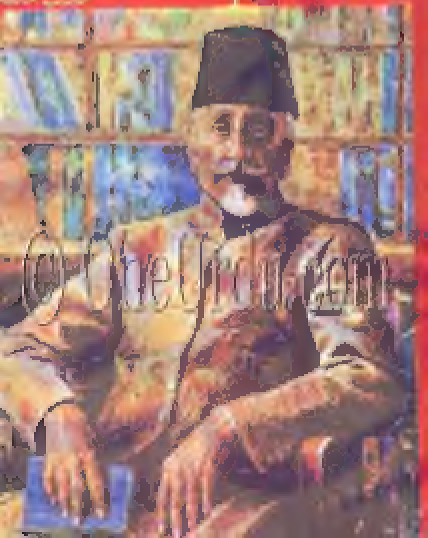

ابوالکلام آزادؒ

(سوانح و افکار)

شورش کاشمیری

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

جون 2009ء

کتاب : مولانا ابوالکلام آزاد

مصنف : شورش کاشمیری

مطبع : زیال پرنٹنگ پریس، لاہور

ناشر : مطبوعات چٹان، لاہور

اشاعت : سوم

قیمت : -/600روپے

تقسیم کنندگان : الفیصل ناشران و تاجران کتب

مطبوعات چٹان لاہور

۸۸- میکلوڈ روڈ ● لاہور

© OneUrdu.com

© OneUrdu.com

مولانا ابوالکلامؒ اور مہاتما گاندھی

برصغیر میں —— برطانوی سامراج سے حصولِ آزادی کیلئے مشاورت!

© OneUrdu.com

۱۹۵۵ء میں سعودی عرب کے فرمانروا شاہ سعود بھارت کے دورے پر آئے تو
مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے رفقا جواہر لال نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد کے ہمراہ اُن کا استقبال کیا۔

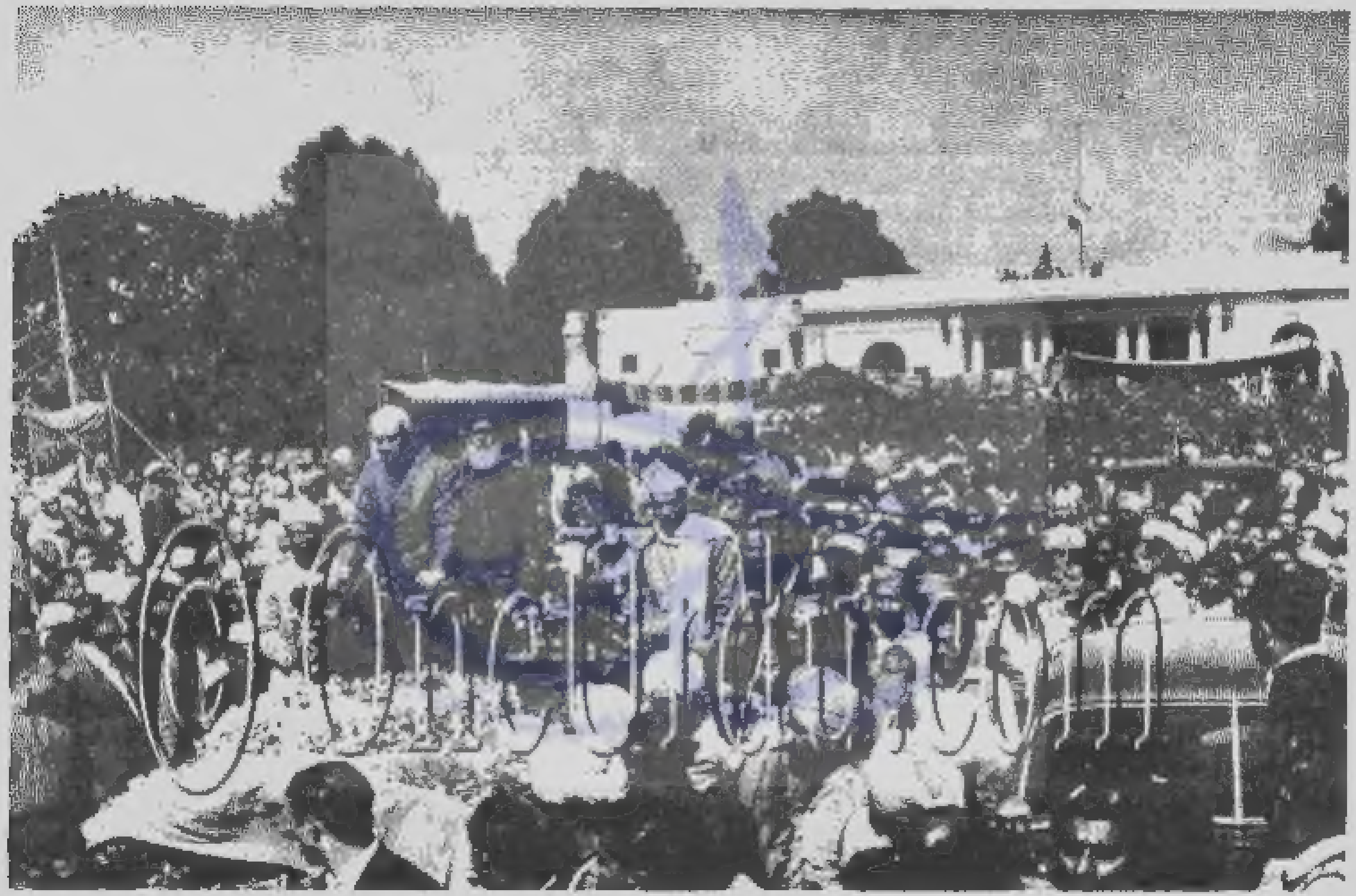

مولانا کا سفر آخرت ——

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک
مری وفا کے، مرے فکر و فن کے افسانے

© OneUrdu.com

مولاناؒ کے اسلوبِ تحریر کا آستانہ میرے قلم کی سجدہ گاہ ہے

——— شورش کاشمیریؒ

© OneUrdu.com

مولانا کے عہد شباب کا ایک عکس —

من شمع جانگدازم، تو صبح دلکشائی
سوزم گرت نبینم، میرم چو رخ نمائی

© OneUrdu.com

بہ ملکِ جم ندہم مصرعِ نظیری را
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاندان

مولانا آزادؔ نے اپنے خاندان سے متعلق جو روایتیں بیان کی ہیں اور ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کے حسب ونسب سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطابق مولانا کا خاندان شہنشاہ بابر کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آیا تھا۔ یہاں خاندان کس حیثیت میں آئے اور کیونکر آئے اس کے متعلق کوئی روایت یا تذکرہ نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ ہرات سے چلے تو ہندوستان کے حدود میں داخل ہونے کے بعد اولاً کہاں قیام کیا، ثانیاً کہاں کہاں پھرتے پھراتے اور ٹھہرتے ٹھہراتے رہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ پہلے انہوں نے آگرہ کو مسکن بنایا پھر دہلی منتقل ہو گئے۔ وہ علمی ذوق رکھنے والے لوگ تھے۔ ان میں شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ بہلول دہلوی پہلے فرد تھے جو اکبری عہد کے مشاہیر علما اور اصحاب سلوک وطریقت کی صف اوّل میں تھے۔ انہیں شیخ محمد داؤد جھنی وال سے سلوک وطریقت میں شرف بیعت حاصل تھا اور علوم معقول ومنقول میں سید رفیع الدین سلامی شیرازی سے فیضیاب ہوئے تھے۔

جب بعض علما نے اکبر کے امام وقت ہونے کا محضر تیار کیا اور دار الحکومت کے تمام علما نے اس پر مہریں کیں تو شیخ بہلول دہلوی نے تصدیق وافتا سے انکار کر دیا اور فرمایا ”جس قدر ہو چکا کافی ہے ہم فقیروں اور گوشہ نشینوں کو تکلیف کیوں دی گئی ہے؟“

دوسری چیز مولانا عبد اللہ سلطان پوری (شیخ الاسلام) کا حسد وعناد تھا۔ شیخ بہلول نے سید محمد جونپوری کے متعلق لکھا کہ وہ کبار اولیاء اللہ میں سے ہیں اور ان کی تکفیر وتضلیل سے متعلق علما غلطی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کتاب تحریر کی کہ سید محمد جونپوری کی ولایت حق ہے لیکن

ان کے مہدی موعود ہونے کا اعتقاد باطل ہے۔ شیخ الاسلام کے ہاتھ محضر آ گیا۔ اس سے پہلے کہ شیخ الاسلام کوئی کارروائی کرتا، شیخ بہلول دہلوی اپنے مریدوں اور شاگردوں کی ایک جماعت سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ مرزا عزیز کوکلتاش (خان اعظم)، چند برس بعد حج کو گئے وہ شیخ سے نہایت درجہ حسن اعتقاد رکھتے تھے ان کی منت سماجت کر کے اپنے ہمراہ واپس لے آئے۔ لیکن مراجعت سے چند ماہ بعد [illegible] کا انتقال ہو گیا۔ [illegible] نے [illegible] فرمایا۔

"[illegible] ہوئے ڈرتا ہوں کہیں [illegible]"

[illegible] خاندان سے متعلق مولانا نے تذکرہ [illegible] میں لکھا ہے کہ

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے

مولانا [illegible] دہلی کے مشہور خاندان [illegible] سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان میں [illegible] درس و افتاء اور سلوک و ولایت [illegible] مولانا کے جد امجد سلسلے میں مولانا محمد محسن [illegible] مستقل [illegible] مولانا خیر الدین [illegible] دہلی [illegible] محمد افضل کے [illegible] محسن اور محمد محسن کے بیٹے محمد ہادی [illegible] محمد ہادی کے [illegible] خیر الدین کے [illegible] پردادا تھے اور محمد محسن پردادا کے والد۔

محمد افضل نے علم و طریقت میں [illegible] شاہ [illegible] کے لقب سے ملقب ہوئے اور دہلی کے سربرآوردہ اہل طریقت میں شمار کئے گئے۔ محمد ہادی ان محمد افضل ہی کے پوتے تھے۔ مولانا نے "ہماری آزادی" میں لکھا ہے کہ محمد ہادی آگرہ میں قلعہ دار تھے۔

شیخ بہلول دہلوی (جمال الدین) کی اولاد سے متعلق مولانا نے ان کے ایک بیٹے شیخ محمد کا ذکر کیا ہے کہ ان پر تصوف و سلوک کا غلبہ تھا اور دہلی میں حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے شہنشاہ جہانگیر نے اپنی تزک میں دو جگہ ان کا تذکرہ نہایت تعظیم و تکریم سے کیا ہے۔ شاہجہان کو بھی ان سے ارادت تھی۔

مولانا خیر الدین کے نانا مولانا منور الدین کا تعلق ہرات کے ایک مشہور خاندان قضاۃ سے تھا۔ ان کے والد قاضی سراج الدین احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ احمد شاہ نے پنجاب کا الحاق کابل سے کر دیا تو قاضی سراج الدین کو پنجاب میں قاضی القضاۃ کا عہدہ دے کر گورنر پنجاب [illegible] کا مشیر مقرر کیا۔ [illegible] گورنر [illegible] سے [illegible] آ گیا تھا۔ بعض کی [illegible] قصور کا [illegible] کیا۔ قصور کا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے ساتھ ہو کر معرکہ آرا ہوئے۔ [illegible] شہید ہو [illegible]

[illegible] انگریزوں اور مرہٹوں میں لڑائی جاری تھی۔

مولانا منور الدین [illegible] سکھوں نے لوٹ لیا [illegible] بھی دست بردار [illegible] اس کے باوجود وہ [illegible] دہلی کی طرف بڑھتے گئے۔ دہلی سے کچھ ادھر مرہٹوں نے پکڑ کے بیگار میں لگا لیا وہ گھوڑوں کی سائیسی، چھکڑوں کے کھچاؤ اور خچروں کی نگہداشت کا کام لیتے تھے۔ انگریزوں سے مرہٹوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو مرہٹے پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور منور الدین مال غنیمت کے ساتھ انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔ گو وہ فوج دہلی پہنچی تو منور الدین کی جان بخشی ہوئی اور وہ شاہ عبدالعزیز کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ شاہ اسماعیل ساتھ کے طالب علم تھے۔ انہیں کوئی چھ سال بعد پتہ چلا کہ

ان کے والد رفیع الدین شہید ہو گئے تھے۔ تو قصور واپس آ گئی [illegible] کو ساتھ لیا اور دوبارہ کر دہلی آباد ہو گئے۔ اس دوران میں خاندان کے افراد قصور سے کچھ دن منتقل ہو چکے اور سخت فاقوں کے حالات کا شکار تھے۔ مولانا منور الدین نے فارغ التحصیل ہو کر اپنا مدرسہ قائم کر لیا۔ ان کے ہاں جو لوگ پڑھتے رہے ان میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل مولانا سعید الدین، مولانا فضل حق خیرآبادی کے والد مولوی فضل امام اور مولوی [illegible] شامل تھے۔

اس سے قبل [illegible] ان دونوں علم سے متعلق [illegible] کی حکومت [illegible] خطاب [illegible] علما کا خطاب [illegible] جاتا [illegible] شاہی [illegible] سلطنت [illegible] انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار تھا۔

مولانا منور الدین نہایت درجہ کے خوددار [illegible] تھے۔ [illegible] ہاں بالکل نہ جاتے تھے۔ نواب [illegible] کے بیٹے کی شادی میں [illegible] سفارش کرائی لیکن ہرگز نہ مانے۔

شہنشاہ [illegible] بادشاہ کی بیٹیاں مغل بادشاہوں [illegible] شہزادوں سے حرم میں آنے لگیں۔ علما سو نے اس [illegible] کو عقد و نکاح کا بدل قرار دیا اور [illegible] کے حق میں [illegible] دیا گیا۔ [illegible] اس کے متعلق [illegible] مولانا منور الدین پہلے شخص تھے کہ قلعہ معلی کی ایک تقریب میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا: وہ نہ نکاح ہے اور نہ ملک یمین بلکہ زنا کے حکم میں ہے۔

شہزادہ فیروز بخت نے ایک فرنگی ساحرہ کے بارے فارسی رسالہ تصنیف [illegible] جس کا مضمون [illegible] تھا کسی طرح شاہی قلعہ کے پریس میں چھپوا کر شائع کیا۔ مولانا منور الدین کو پتہ چلا تو دربار کے دبدبے سے بے نیاز ہو کر اس رسالے کی چیر پھاڑ کی۔ حتیٰ کہ جامع مسجد میں اس کا رد بیان کیا۔ نتیجۃً بہادر شاہ ظفر

نے رسالہ ضبط کر لیا اور جرأت کا اعلان کیا۔ مولانا آزاد کی روایت کے مطابق مولانا منور الدین نے حضرت شاہ اسماعیلؒ سے بھی ان کے عقائد و افکار پر مناظرے کیے اور ان کی کتابوں کا رد لکھا لیکن شاہ اسماعیل کا پلڑا بھاری رہا اور انہی کا چراغ آج تک روشن ہے۔

ہندوستان اس حال میں تھا کہ مسلمانوں کا سانچہ ٹوٹ رہا اور انگریزوں کا اقتدار جم رہا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک [illegible] کی [illegible] شکل میں جڑیں جا رہے تھے۔ مولانا منور الدین نے دلی چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس سفر میں دلی سے بھوپال پہنچے تو نواب سکندر بیگم کا زمانہ تھا۔ [illegible] نواب صاحبہ نے عقیدت [illegible] بیگم بھوپال [illegible] کرنے کے لیے [illegible] تھے۔ مولانا [illegible] نواب صاحب [illegible] کا حال [illegible] تمام معاصی و فسوق [illegible] تھا۔

ایک برس بعد مولانا بمبئی چلے گئے [illegible] دو سال [illegible] تیسرے سال مکہ معظمہ پہنچے وہاں پانچ سال رہے، پانچ حج کیے [illegible] وہیں انتقال کر گئے۔ یہ ۱۲۸۵ھ کا سال تھا۔

مولانا منور الدین نے [illegible] کے خاندان سے دلی میں شادی کی تھی جس سے ان کے دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی لڑکی کی شادی شیخ محمد ہادی سے ہوئی جو شیخ محمد احسن کے سب سے چھوٹے لڑکے اور مولانا شمس الدین دہلوی کے خاندان سے تھے۔ ان کے دو بڑے لڑکے شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد متقی علوم دینی میں ملکہ خاص رکھتے اور مسلکاً نقشبندی تھے۔ اول "ایام غدر" سے پہلے اور ثانی الذکر غدر کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر گئے وہیں انتقال کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد ہادی نے علوم کی تکمیل مفتی صدر الدین سے کی اور پچیس برس کی عمر ہی میں وفات پا گئے۔ اس وقت ان کے بیٹے خیر الدین تین یا چار برس کے تھے۔ نانا مولانا منور الدین نے پرورش کی۔

مولانا خیر الدین دلی میں ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ والد کے بعد والدہ بھی رحلت کر گئیں مولانا

منور الدین نے بیٹی کی واحد یادگار کو سینے سے لگایا، پہلے خود پڑھایا پھر مفتی صدر الدین کے تلمذ میں دیا۔ انہوں نے [illegible] میں آباد کر دیا ان کے علاوہ دوسرے نامور اساتذہ سے علوم دین حاصل کئے اور اٹھارہ برس کی عمر میں فارغ ہو گئے۔ بعض مردانہ ورزشیں اور تفریحی فنون بھی سیکھے۔

مثلاً پنجہ کشی، میر پنجہ کش سے تیراکی میر کلو سے تیر اندازی۔ قلعہ معلی ہی کے ایک استاد سے لاٹھی [illegible] سیکھی۔ [illegible] خوشنویسی بھی سیکھی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] عبدالمجید کے زمانے میں [illegible]

مطالعہ میں وسعت [illegible]

[illegible]

کتب مفیدہ کی طباعت [illegible]

[illegible] کی جاتی تھیں سلطان محمود نے جہاں جہاں غلاموں کی منڈیاں تھیں انہیں بند کر دیا۔ مکہ معظمہ میں ایک بڑی منڈی تھی۔ عبدالمطلب شریف مکہ نے اس حکم کو زیادہ وقعت نہ دی منڈی قائم رکھی۔ [illegible] ترکی حکومت کی [illegible] پر بے بس تھا۔ سلطان عبدالحمید تخت نشین ہوا تو اس نے سلطان محمود کی اصلاحات کو جاری رکھا اور مکہ سے منڈی ختم کرنے کا عہد کر لیا۔ حامد پاشا کو گورنر بنا کر بھیجا۔ اس نے مکہ پہنچ کر شریف کو سلطان کے احکام سے آگاہ کیا۔ شریف نے بظاہر کوئی مخالفت نہ کی۔ لیکن کچھ دنوں بعد مکہ والوں نے بدوؤں سے بغاوت کرا دی۔ اعلان کیا کہ سلطان نصرانی ہو گیا ہے اور اسلام کو مٹانا چاہتا ہے۔ بغاوت فرو کر دی گئی لیکن شریف کی گرفتاری ایک پیچیدہ مسئلہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد شریف کو ایک جنگی جہاز

دکھانے کے بہانے جدہ پہنچایا گیا۔ وہ جہاز میں بیٹھا تو معلوم ہوا جہاز ساحل سے ہٹ رہا ہے اور وہ قیدی ہے۔

عبدالمطلب کے بعد اس کا بھتیجا غالب ، شریف مقرر ہوا ، وہ بھی شبہات میں آگیا ۔ مولانا خیرالدین کے غالب سے تعلقات تھے ۔ سلطان کو پتہ چلا تو بعض شکوک کی تصدیق و تردید میں ان سے مدد لینا چاہی ، البتہ مولانا خیرالدین کی مساعی سے عبدالمطلب کی معزولی موقوف ہوگئی ، ان کا بیش قرار وظیفہ [illegible] گیا ، اور تعلقات بڑے سے بڑھ کر ہوتے ۔

مولانا خیرالدین [illegible] میں رہ کر ترکی [illegible] عربی فارسی ترکی کا ایک بحث [illegible] موقوف ہو [illegible] سال بعد [illegible] بیٹھے [illegible] بدارس [illegible] کی ۔ بعد [illegible]

[illegible] شہید کی [illegible] حکم وعمل سے [illegible] کو ختم کرنا چاہتی تھی ۔ [illegible] میں [illegible] مرزا [illegible] مولانا احمد رضا بریلوی [illegible] شیعہ حضرات نے سواد اعظم سے ہمیشہ کی طرح علیحدہ روش [illegible] مسلمانوں میں قرآن و حدیث کے مسائل پر ہنگامہ برپا ہو گیا ۔ جھگڑا ہوئی ذاتی [illegible] کی وہ جماعت جس نے انگریزوں سے مذہبی جہاد کی تحریک اور سرحد کے صوبے میں جماعت مجاہدین کا نام اختیار کیا ۔ انگریزوں نے انھیں وہابی کا نام دے کر مٹانا اور مروانا شروع کیا ۔ جس شخص کو برطانوی حکومت نے وہابی گردانا اس کو گرفتار کیا ۔ مقدمہ چلایا اور کم سے کم کالے پانی کی سزا دی ۔ ورنہ پھانسی پر لٹکا دیا ۔ اس طرح سینکڑوں علما حوالہ دار و گیر ہو گئے ، اور بے شمار معمول خاندان تباہ کر دیئے گئے ۔ جو لوگ اس بلاکت اور بربادی سے کسی طرح بچ گئے وہ حجاز کو دارالامن سمجھ کر وہاں چلے گئے ۔ لیکن اس زمانے میں حجاز کے علما و عوام کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت

سے سخت عناد و تعصب تھا۔ سلطنت عثمانیہ سے بھی سیاسی مصلحتوں کے تابع انھیں معتوب و مغضوب گردان رکھا تھا۔

مولانا خیرالدین نے ہندوستان کی اس وہابی جماعت کے خلاف شریف مکہ اور قسطنطنیہ کے عوام کو تیار کیا، مولانا آزاد کے الفاظ میں فتنہ اٹھایا۔ نتیجہ اس جماعت کے اکتیس آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ بیشتر نے سوا سب نے تقیہ کیا [illegible] باوجود [illegible] کی سزا دی گئی۔

ان گرفتاریوں کا [illegible] عقائد کے متعلق [illegible] مولانا خیرالدین کا تیار کردہ تھا۔ اس [illegible] ہے کہ ان لوگوں کے اعزا نے [illegible] اب نازل ہو رہا ہے [illegible] کی گرفتاری کے لیے مجبور [illegible] ہی گرفتار [illegible] انھیں جیل خانہ میں [illegible] دی گئی [illegible]

[illegible] مولانا خیرالدین [illegible] عجیب اتفاق [illegible] تھا [illegible] ہندوستان [illegible] کے معاملے میں [illegible] نہیں [illegible] مولانا خیرالدین [illegible] جلدوں پر مشتمل [illegible] اس کی دو جلدیں ہی چھپیں، سلطان ترکی نے خیرالدین کو تمغۂ حمیدی دیا۔

حجاز میں نہر زبیدہ کو حجاج کے ہاتھوں [illegible] کرنے کے لیے بدوؤں نے جگہ جگہ سے توڑ پھوڑ کے ویران کر دیا تھا۔ وہ حجاج کو پانی کا مشکیزہ دو دو ریال میں فروخت کرتے اور دولت کماتے۔ ایک سال پانی کی نایابی کے باعث ہزاروں آدمی مر گئے۔ مولانا خیرالدین نے قصر سلطانی کو متوجہ کیا مگر مصر سے دولت عثمانیہ کی جنگ ہو رہی تھی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ انھوں نے اپنے طور پر چندہ جمع کر کے نہر کی مرمت کا بیڑہ اٹھایا۔ حاجی عبدالواحد اور حاجی زکریا نے دو لاکھ روپیہ دیا۔ حسن اتفاق سے جدہ میں نواب کلب علی خان رامپور، اور نواب عبدالغنی خان ڈھاکہ، موجود تھے اول الذکر نے پانچ لاکھ اور ثانی الذکر نے

ایک لاکھ روپیہ دیا۔ ہندوستان سے انجینئر بلوائے تھے، انگریز اور پانچ ہندوستانی تھے۔ انگریز جدہ میں ٹھہرے۔ دولت عثمانیہ کو معلوم ہوا تو اس نے بھی دو ترک انجینئر بھیج دیئے۔ ادھر چندہ تیز رفتاری سے جمع ہونے لگا۔ خدیو مصر نے بھی ایک معقول رقم بھجوائی۔ ایک روایت کے مطابق کوئی ۲۹ لاکھ روپیہ جمع ہوگیا۔ کوئی سات آٹھ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا تو معلوم ہوا باقی رقم شریف مکہ نے ہضم کر لی ہے۔ نتیجتاً نہر کی درستگی دیرپا نہ ہو سکی۔ مولانا خیر الدین [illegible] مولانا خیر الدین نے بمبئی سے چھپوا کر دولت عثمانیہ میں [illegible] سنانا چاہتے تھا لیکن قسمت نے اس سے پہلے ہی ان کی زندگی [illegible] وقت ہو گیا۔

مولانا [illegible] ہندوستان [illegible] وہ دہلی میں اسی برس تک حدیث کا درس دیتے رہے [illegible] کا مقاطعہ شی نکالے گئے کہ اہل حدیث سے تعلق [illegible] معصیت کا [illegible] دیا۔ [illegible] شادی کر دیا کرتے گئے [illegible] انھیں طلب کیا [illegible] کے فرائض انجام دیتے [illegible] لطف حسین کو تو اس معصیت [illegible] شامل نہیں ہوئے کہ انھوں نے وہابیت سے توبہ کر لی ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی کہانی میں جو تفصیلات بیان کی ہیں [illegible] کے مقابلے میں حق گوئی کی طرفداری کرتے ہوئے [illegible] کو غلط قرار دیا اور جو کچھ ان کے خلاف ہوا اس کو فتنہ کی شاخیں بیان کیا ہے۔

ایک دن کسی حادثے میں مولانا خیر الدین کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مکہ میں بندش ٹھیک نہ ہوئی تو اہل و عیال کو لے کر کلکتے آ گئے یہاں علاج سے راضی ہو گئے لیکن پاؤں میں آخر عمر تک خفیف سا لنگ رہا۔

جس دن کلکتے پہنچے اسی سال بیوی (مولانا آزاد کی والدہ) کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمے سے بردشتہ

خفا ہوکر کٹ جانا چاہتے تھے لیکن بعض مریدوں نے روک لیا۔ قاضی واحد کلکتے کے سب سے بڑے مسلمان تاجر اور آپ کے مرید تھے۔ انہیں تحریک کرکے جامع مسجد بنوائی۔ اس کے بعد سلطان ٹیپو کے خاندان سے ایک شہزادے فرخ سیر کو زور دیا اور مسجد ٹیپو سلطان کی بنیاد رکھی جو کلکتے میں جامع مسجد کے بعد دوسری بڑی مسجد ہے۔ اس طویل قیام نے ان کی پیری مریدی کے سلسلے کو پھیلا دیا۔ ہر روز پانچ پانچ سو یا ایک ایک ہزار آدمی مرید ہوتے۔ [illegible] ہوتا اور نماز ختم ہوتے ہی جم غفیر ہو جاتا۔ اس بھیڑ میں ایک آدمی مسجد کے درمیان کلمات بیعت [illegible] تک مسلسل ذاعت ہوتی۔

مولانا [illegible] ترتیب، تقسیم، استنباط [illegible] تمثیل [illegible] وعظ کو حقیقتاً [illegible] لوگ شریک ہوتے [illegible] بیٹھے رہتے [illegible] ایک چھوٹی سی آیت [illegible] وعظ ختم نہ ہوا۔

سورۂ یوسف پر سات برس تک وعظ کہا۔ لیکن تفسیر آدھی سے زیادہ نہ ہوئی۔ ان کے وعظوں میں نغز [illegible] سادہ [illegible] طرح نقش ہوتا کہ سامعین [illegible] مختلف وقت میں وعظ کی تاثیر سے [illegible] ہو گئے۔

عبد العلی خان نام کا ایک شیعہ بمبئی میں کوتوال شہر تھا۔ تب کوتوال ہی کے ہاتھ میں شہر کا نظم و نسق ہوتا، اس نے ایک کتاب لکھوائی جو صریح کفر سے لبریز تھی۔ ادھر وہ کتاب چھپ کر تقسیم ہوئی ادھر مولانا خیر الدین نے بمبئی پہنچ کر اس کے خلاف تقریریں شروع کر دی۔ کوتوال شہر میں خدائی کر رہا تھا۔ اس نے مولانا کو قتل کرنے کی ٹھان لی، لیکن مولانا نے کتاب کی ضبطی کا مقدمہ دائر کر دیا، آخر جیت مولانا کی ہوئی اور عبد العلی نے معافی مانگ لی۔ مولانا صحابہؓ کے بارے میں اس قسم کی زبان درازیاں یا قلم درازیاں کبھی برداشت نہ کرتے تھے۔ لیکن اہل بیت سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ عشرہ کی شب اپنے ہاں ذکر شہادت کی مجلس منعقد کرتے اور گریہ و بکا اس درجہ پر ہوتا کہ بقول مولانا آزاد لکھنؤ کی بڑی بڑی مجالس ہوا بھی

اس درجے میں نہ تھیں۔

مولانا آزاد نے اپنی "زبانی" (ملیح آبادی) میں بیان کیا ہے کہ ہم دونو بھائی (بڑے بھائی ابو النصر غلام یسین آہ اور مولانا آزاد)، والد کی مرضی کے خلاف عراق چلے گئے۔ میں تو جلد لوٹ آیا، لیکن ابو نصر وہیں رہ گئے اور کچھ عرصہ بعد مرض موت کا شکار ہو کر بمبئی واپس آئے۔ وہاں علاج کیا افاقہ نہ ہوا تو مولانا کلکتے لے کر آ گئے لیکن [illegible] ۱۹۰۰ء میں [illegible] ایک بجھتے ہوئے چراغ کی طرح [illegible] ۱۹۰۰ء میں رحلت کر گئے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ اس وقت وہ وہیں تھے جب [illegible] وہ خبر سنتے ہی ملنے چلے [illegible] جا ملے، ظہر کے وقت [illegible] سے چلے [illegible]

مولانا [illegible] اس وقت سے خیر [illegible] نہ ہوئے [illegible] ہو گئے [illegible] مولانا [illegible] غرور اور [illegible] نفاست پسندی کے شیدا تھے [illegible] میں مولانا [illegible] کئی برس تک ایک ہی [illegible] رہی [illegible] پھر سفر میں کتابوں کے دس پندرہ صندوق ساتھ رکھتے [illegible] شوق تھا۔ [illegible] پھٹ جاتی یا کتاب کاٹنے میں غلطی ہو جاتی تو دوسرا نسخہ منگواتے خواہ اس میں کتنی ہی رقم اٹھ جاتی۔ عمر ہو کر یہ سر کتابیں خریدنے کا شوق تھا۔ اردو کتابوں سے بالکل رغبت نہ تھی۔ اس کے علاوہ کشمیری شالیں اوڑھنے کے شائق تھے۔ قالین، دریاں، ہاتھی دانت و صندل کی اشیاء خرید خرید کر جمع کرتے اور یہ گھر ان کی یادی تھی۔

مولانا خیر الدین کی اولاد

مولانا خیر الدین کی تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ لڑکیاں بڑی تھیں۔ بڑی بیٹی کی پیدائش قسطنطنیہ میں ہوئی۔ ان سے دو چھوٹی تھیں یعنی دونوں بھائیوں اور ان بہنوں کی عمروں میں دو دو سال کا فرق تھا۔ بہنوں میں چھوٹی بہن کا نام فاطمہ بیگم معروف بہ آرزو بیگم تھا۔ مولانا خیر الدین کی بینائی میں ضعف آگیا اور بعض دوسری معذوریاں بڑھ گئیں تو آرزو بیگم والد کے مسودے صاف کرتیں [illegible] اور خط و کتابت بھی کرتی تھیں۔ اس طرح پڑھنے کے علاوہ دوسرے علمی اشغال بھی ان کے سپرد تھے۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ ان کا خط [illegible] نہایت خوبصورت [illegible] سب میں [illegible] والد سے [illegible] اس تبدیلی کو آخر تک محسوس [illegible] بڑی بہن [illegible] بیگم کا [illegible] نام محمودہ بیگم تھا [illegible] آرزو بیگم [illegible] میں زنانہ مدارس کی لیڈی [illegible] تھا۔ [illegible] شوہر مولوی معین الدین عرب بھی [illegible] تھے۔ آرزو بیگم [illegible] کے میاں مولوی احمد [illegible] سلطان جہاں بیگم کے [illegible] تھے [illegible] کی وفات کے تین ماہ بعد جون ۱۹۴۳ء میں آرزو بیگم انتقال [illegible]۔

مولانا [illegible] لڑکوں کو اسکول بھیجنے ہی کے روادار [illegible] دونوں لڑکوں اور دونوں بہنوں کی تعلیم گھر میں شروع کی ان چاروں کو فارسی خود پڑھائی [illegible] مقامات تک پڑھائی پھر دونوں لڑکوں کو دوسرے اساتذہ کے سپرد کر دیا تو بہنوں کی تعلیم کا التزام ترک گیا۔ لیکن معقول چونکہ والد خود پڑھانا چاہتے تھے اس لئے دونوں بہنیں پھر شریک ہوگئیں، معقول ختم ہوگئی تو دونوں بھائی اساتذہ کی صحبت میں چلے گئے لیکن بہنیں والد سے عقائد نسفی پڑھتی رہیں۔

سب سے بڑی بہن جو قسطنطنیہ میں پیدا ہوئی تھیں، کلکتہ ہی میں رہ رہی تھیں۔ ان کے شوہر واجد علی خان بھوپال میں ریاست کے سیکرٹری تھے۔ وہاں سے سبکدوش ہوکر کلکتہ میں چلے

گئے۔ اور کسی نئی ملازمت کے خواہشمند تھے۔ عبدالرزاق ملیح آبادی نے انھیں مشورہ دیا کہ کلکتہ کارپوریشن میں چیف ایگزیکٹو آفیسر کی جگہ خالی ہے۔ مولانا کانگریس ہائی کمانڈ میں ہیں ان کے ایک ہی بول سے آپ کا تقرر ہوسکتا ہے۔ وہ بیوی بیٹی کو لے کر مولانا کے ہاں گئے ان سے اصرار کیا۔ سوال مولانا کے بہنوئی اور بہن کا تھا۔ بہن سب سے بڑی تھیں۔ مولانا سب میں چھوٹے تھے۔ مولانا نے دوٹوک جواب دیا کہ وہ اس سلسلہ میں مداخلت سے معذور ہیں۔ بہن سے [illegible] مولانا نے [illegible] کیا خوبیت ہے۔ مجھے آپ ملوث کرنا چاہتی ہیں [illegible] ہوسکے۔ بہن کلکتہ ہی میں رہیں۔ [illegible] مولانا سے الگ [illegible] رکھی تھی۔

مولانا کی وفات کے وقت بہنوں میں صرف آرزو [illegible] زندہ تھیں [illegible] بھوپال سے منتقل ہوکر بیٹے [illegible] کے ساتھ [illegible] رہنے لگی تھیں۔

مولانا [illegible] تعلیم میں چھوٹی تھے [illegible] غیر معمولی [illegible] رشتے تھے [illegible] غیر معمولی [illegible] مرحوم کے شاگرد تھے [illegible] گئے۔ مولانا [illegible] ۱۹۰۰ء میں ان کی جان [illegible] وقت [illegible] بچہ نور یدیل تھا۔ جو مولانا [illegible] وہ لائق [illegible] روایت کے مطابق [illegible] روایات سے استغراق رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے ان کی [illegible] سے اٹھائی ہیں۔ وہی رنگ ہے جو کبھی داغ اور امیر مینائی کا تھا لیکن آج وہ غزل مر چکی ہے۔

ابوالنصر کے متعلق متعدد روایتیں ہیں کہ بھائی کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے کلام سناتے اور داد پاتے۔ وعظ شروع کیا تو چند مہینوں ہی میں عامۃ الناس کی توجہ کا مرکز ہوگئے۔ عوام مسحور و خواص مبہوت ہوجاتے۔ اس کے علاوہ کئی شہروں میں بھائی کے ساتھ سفر کیا۔ مشاعرے پڑھے، تقریریں کیں اور دیانی ان کے بعض مضامین "مخزن"، "خدنگ نظر"، "وکیل" اور "وطن" کے فائلوں میں ڈھونڈھنے سے مل جاتے ہیں۔

یہ کہنا خیال کی شعبدہ بازی ہوگی کہ زندہ رہتے تو کیا ہوتے اب ان کا ذکر جتنا بھی ہے اس سے ہے کہ مولانا آزادؔ کے بھائی تھے۔ عین مرگ ہوگئے قدرت کو یہی منظور تھا۔ علیہم اغفرلہ۔

ابوالکلام آزادؔ

مولانا آزادؔ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء[1] کو محلہ قدوہ متصل باب السلام مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ سات آٹھ برس کی عمر تھی کہ ۱۸۹۵ء میں خاندان کے ہمراہ ہندوستان آ گئے۔ اس روایت سے مولانا کا مولد مکۂ معظمہ اور وطن ہندوستان ہے۔ چونکہ والد نے کلکتے میں قیام کیا اس لئے وہیں کے ہو گئے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد وزارت تعلیم کا عہدہ سنبھالا تو کلکتہ چھوڑ کر دہلی کے ہو گئے۔ حتیٰ کہ موت کے بعد بھی [illegible] جامع مسجد دہلی کے [illegible] میں دفن ہوئے۔ [illegible] [illegible] دہلی [illegible] نہیں [illegible] [illegible] دہلی [illegible] آسودۂ خاک ہیں [illegible] [illegible] ہیں۔

پیدائش کے [illegible] نام تھا کہ [illegible] فیروز بخت تھا۔ آزادؔ تخلص، ابوالکلام کنیت قلم کا سفر شروع [illegible] [illegible] ابوالکلام ہی نام ہو گیا اور جب [illegible] ہو گئے [illegible] آزاد تھا۔

[illegible] ہے کہ والد نے شیخ [illegible] سے پانچ برس کی عمر میں بسم اللہ [illegible] پڑھوایا اور [illegible] کر دیا۔ اس کے بعد الف سے شین تک [illegible] پڑھائی شروع ہوئی تو پہلی استاد خالہ تھیں۔ [illegible]

---

[1] تذکرہ مولانا آزاد، آزادی ہند [illegible] انڈیا ونس فریڈم، ہماری آزادی، میں سن پیدائش یہی ہے، لیکن مولانا کی دوسری برسی کے موقع پر حکومت ہند نے مولانا سے متعلق مختلف مفکرین و مستشرقین کے مضامین کا ایک مجموعہ مرتبہ ہمایوں کبیر شائع کیا تو اس میں سال پیدائش تو ۱۸۸۸ء ہی ہے لیکن تاریخ پیدائش ۱۱ نومبر لکھی ہے۔ معلوم نہیں تاریخ کے اس تعین کا ماخذ کیا ہے۔ ۱۳۰۵ھ کے ذی الحجہ کی رُو سے ۱۸ اگست تا ۱۷ ستمبر کی تاریخ پڑتی ہے۔ ابوسلمان شاہجہانپوری نے اگست کو ماہِ ولادت لکھا ہے۔

تھے۔ گاہ گاہ گھر سے باہر جا کر پڑھتے۔ والدہ مرحوم کے ہاں ایک خطاط حافظ بخاری تھے کبھی کبھار ان سے بھی سبق لیتے۔ مگر چھوڑنے سے پہلے قرآن پاک ختم کیا، اور کئی ایک سورتیں زبانی حفظ کر لی تھیں۔ حرم میں اس وقت شیخ حسن سب سے بڑے قاری تھے، ان سے قرات کا سبق لیا۔ لکھنے آ گئے تو گھر کی چار دیواری میں مدرسہ اور والد استاد تھے۔ اردو کا سبق یہیں سے ہوا۔ وہ مرکب حروف لکھ کر دیتے دونوں بھائی مشق کرتے۔ اس طرح اردو [illegible] کا آغاز ہوا [illegible] بھائی [illegible] زمانے میں مولوی محمد یعقوب دہلوی ایک مستند ماہر دینیات تھے ان سے بھی دو ایک کتابیں پڑھیں۔ والد بیمار ہو گئے تو مولوی نذیر حسین [illegible] سے بعض [illegible] کا سبق لیا [illegible] کے علاوہ دو اور استادوں سے پڑھنے کا اتفاق ہوا [illegible] مولوی محمد ابراہیم [illegible] دونوں [illegible] خوب تھے۔

شمس [illegible] سے بھی [illegible] کے بھائی ابو نصر [illegible] [illegible] بے طرفی اور معاشی فراغت کے باوجود [illegible] خادم [illegible] صاحب حافظ ولی [illegible] سال میں دو دفعہ [illegible] ہی میں کتابی تکمیل [illegible] کتابیں [illegible] کے جو پیسے ملتے نہیں جمع [illegible] خرید لاتے، ان کا سب حصہ تعلیم میں [illegible] والد پڑھاتے کچھ استاد، اس کے بعد [illegible] یاد رہے [illegible] پھر خوب [illegible] مختلف موضوعات و معلومات [illegible] جو کتابیں جیب خرچ سے خود خریدتے وہ شب کو موم بتی جلا کر پڑھتے۔ اس طرح ان کی صحت [illegible] کا ہو گیا اور چھوٹی سی عمر ہی میں لکھنے پڑھنے والے انسان کی سنجیدگی پیدا ہو گئی۔

مذکورہ اساتذہ کے علاوہ کئی اور اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ مثلاً مولانا محمد شاہ محدث حضرت جلال بخاری کے خاندان سے تھے۔ ان کا درس سنا تو خواہش کر کے ان سے بھی دو ماہ ترمذی شریف کا درس لیا۔ اس طرح درس نظامیہ سے سولہ یا پندرہ سال کی عمر میں اپریل سے قبل ۱۹۰۲ء میں فارغ ہو گئے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے مشہور طبیب سید باقر حسین سے جو ایک سال کے لئے کلکتے ٹھہرے تھے،

والد کی خواہش پر سات آٹھ ماہ طب پڑھی۔ پھر ہاتھ اٹھا لیا کہ اس طرف طبیعت آتی ہی نہ تھی۔

ایک صاحب عبدالواحد خان سہسرامی کی بہن مولانا کے ہاں ملازم تھیں وہ کبھی کبھار بہن سے ملنے آتے۔ ان کی طبیعت میں شعر کہنے کا مذاق تھا۔ مولانا سے شاعری پر گفتگو کی تو مولانا کو بھی شاعری کی چینٹک لگ گئی۔ یہ تھا مولانا کی شاعری کا آغاز۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر گوئی شروع کی۔ مشاعروں کا چسکا پڑا۔ [illegible] داغ کے شاگرد تھے۔ مولانا نے [illegible] سے رجوع کیا۔ غزل بھیجی تو اصلاح سے طبیعت خوش نہ ہوئی۔ شوق نیموی اس وقت ایک مشہور محدث، محقق، مصنف، نقاد، شاعر اور پایہ کے زبان دان تھے۔ ان کا تلمذ اختیار کیا اور زبان و بیان کے متعلق گرانقدر معلومات حاصل کیں۔ مولانا [illegible] کے علم و ادب کی نظر میں [illegible]

شاعری سے [illegible] ابوالکلام کی [illegible] بلکہ [illegible] ہو گئے۔ دوسرے [illegible] متقدمین کے دواوین پڑھ [illegible] آپ کی شاعری نے تقریر و تحریر کو رنگ و روغن دیا۔ تقریر میں زبان کا [illegible] تحریر میں [illegible] اگر مولانا [illegible] سے کوئی نئی راہ یا نیا انداز [illegible] طرح ان کے رنگین کی جھلک [illegible] لیتے ہیں لیکن [illegible] شاعری میں [illegible] آب و تاب نہیں۔

'لسان الصدق' ۱۹۰۳ء میں نکالا تو [illegible] سے تقریباً دستبردار ہو چکے تھے۔ ممکن ہے کبھی کبھار کوئی غزل یا نظم کہی ہو لیکن سولہ برس کے سن ہی میں شاعری کا پندار چھوڑ دیا۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں 'الندوہ' کی ادارت سنبھالی۔ ۱۹۰۶ء میں "وکیل" امرتسر کے ایڈیٹر ہو گئے تو شاعری اگر طبیعت سے نہیں تو قلم سے ضرور نکل چکی تھی۔ پھر جب ۱۹۱۲ء میں "الہلال" نکالا تو شعر گوئی ان کی مطلقہ کا نام تھا۔

معلوم ہوتا ہے وہ شاعری کے لئے نہیں انشاء کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ قدرت نے اسلامی ہندوستان کو اس زمانے میں دو عظیم عطیوں سے نوازا۔ شاعری میں اقبال، نثر میں ابوالکلام۔ فی الجملہ ۱۹۰۰ء کی ابتدائی دہائی ان کے نشو و بلوغ کا سر آغاز تھا۔

مولانا نے یہی کہانی [illegible] ملیح آبادی سے روایت کی ہے کہ ان کے والد کا حافظہ عجائبات روزگار میں سے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود ان کا بھی حافظہ عجائبات روزگار میں سے تھا۔ ان کے دل ودماغ سولہ برس کی عمر میں عربی، فارسی اور اردو کی عظیم کتابوں کا خزانہ تھے۔ فارغ التحصیل ہوگئے تو مولوی نذیر حسن کی خواہش اور والد کی اجازت سے طلبہ کی ایک ٹکڑی کو پڑھانا شروع کیا لیکن طبیعت کی پرواز کسی اور طرف تھی۔ بھائی کے ساتھ بمبئی چلے گئے۔ وہاں [illegible] سے [illegible] سال کے نوجوان کو جو بمشکل چودہ سال کا معلوم ہوتا تھا [illegible] ہوئے۔ خود ان کے ساتھ [illegible] مولوی نذیر حسن اور مولوی محمد ابراہیم وغیرہ کو ان کی عمر کے بارے میں تردد تھا۔ اس زمانے میں جب [illegible] مولانا عبدالحق حقانی [illegible]

اس وقت آپ کی عمر سولہ برس کی تھی۔

[illegible] گزارنا پڑی۔ فرمایا تھا:

ہندوستان میں [illegible] استعماری سے فتح یابی [illegible] کو عیسائی بنا کر اپنی حکومت کے لئے ہندوستانی تیار [illegible] مسلمانوں کو اسلام سے بیزار کرنا اور تیسرا مقصد [illegible] ملک میں ایک بےچینی اور بیزاری کا وقت ہے۔ میں (مولانا) اس وقت عمر کی دوسری دہائی میں تھا۔ کلکتہ اور بمبئی عیسائی مشنریوں کی اس تبلیغ ودعوت کا مرکز تھے۔ وہ اسلام کی تضحیک پر اپنے افکار کی بنیاد رکھتے تھے۔ میرے بھائی ابو النصر جو والد مرحوم کے طرز عقائد پر متشدد تھے اور سپاہیانہ طبیعت رکھتے تھے۔ ان پادریوں سے مقابلے میں بے جھجک تھے۔ آغا حشر سے اسی زمانے میں دوستی ہوئی وہ بھی مناظرانہ طبیعت کے تھے اور پادریوں کو چٹکیوں میں اڑاتے تھے۔ چونکہ ہم تینوں کی طبیعت میں خطابت کا انداز تھا اور پادریوں کے طرز تخاطب کی کاٹ

جانتے تھے۔ اس لئے ہم نے برس ڈیڑھ برس کے مناظروں میں پادریوں کو خاصا پریشان کیا۔ ہماری عادت ہو گئی تھی کہ جہاں پادری ہوتے وہاں پہنچ جاتے اور انہیں مختلف مباحث میں اتنا تنگ کرتے کہ آخر کار انہوں نے ہمارے خلاف گورنر بمبئی سے شکایت کی کہ ان نوجوانوں میں مسیحیت و سنت دونوں کے خلاف سخت قسم کے معاندانہ خیالات پائے جاتے ہیں۔ جن سے مسلمانوں کی وفاداری کے متزلزل ہونے کا اندیشہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جب نے مناظروں اور مجادلوں کی عادت سے ہٹ کر تحقیق کی [illegible] محسوس کریں۔ اب میرے سامنے بعض بڑے بڑے قیمتی [illegible] سامنے آگئے۔

مولانا کے بیٹے ابتدائی زمانہ فکر و نظر کے معاملوں میں قطعی [illegible] موروثی عقائد سے بغاوت کی راہ پر [illegible] جہت تکمیل کے لئے لغت و ادب کا مطالعہ [illegible] یہاں کے [illegible] مرزا محمد حسین [illegible] سے استفادہ کیا۔ ان سے فارسی میں گفتگو کرنے [illegible] سے نجات ملی۔ ان سے فارسی تحریر [illegible] مولانا محمد حسین آزاد کی آب حیات [illegible] فارسی ترجمہ کیا اور ان سے [illegible] ایک فارسی لغت [illegible] جس سے مطالعہ وسیع ہو گیا۔ وہ بمبئی میں سر آغا خاں کے بنگلے میں شیخ رئیس [illegible] مقیم تھے۔ ان سے تقریباً سال بھر فارسی میں فیض پایا۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے [illegible] زبان [illegible] گھر گھاٹ سیکھے [illegible] پر نقش ہو گیا۔

شیخ رئیس سے زبان ہی نہیں، نجوم، رمل، جفر [illegible] اور کیمیائے قدیم سے متعلق بہت کچھ سیکھا۔ وہ ان سب میں ملکۂ تام رکھتے تھے۔

مرزا فرحت شیرازی ایران کے ایک فاضل یگانہ اور علوم و فلسفہ کی نئی راہوں سے آشنا تھے انہیں تحقیق و نظر کے جدید راستوں کا علم تھا وہ ان سب میں ایک گہری نگاہ رکھتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھ پر بلاشبہ ان کی صحبت کے بھی حقوق ہیں، ان سے مجھے فارسی ادبیات اور بعض علوم میں معتدبہ فوائد حاصل ہوئے۔" اس زمانے میں ایک ترک سیاح ظاہر بیگ جو اپنی زبان کے علاوہ اور کئی زبانوں کے استاد تھے کلکتے پہنچے۔ ان سے آشنائی ہو گئی۔ چھ سات آٹھ مہینے ٹھہرا یا تھوڑی

بہت ترکی سیکھی، مولانا فرماتے ہیں کہ ترکوں سے متعلق جو تبصرہ علامہ شبلی کی وساطت سے ہوا، وہ خالق کمال بیگ، یوسف ادیب اور محمد عودت کا کلام شوق اور ترنم سے سنایا کرتے اور ہم ان سے محظوظ ہوتے تھے۔

بعض دوسری چیزوں سے قطع نظر سرسید کے افکار و اجتہاد کا یہی زمانہ تھا، مولانا ان سے کہاں تک متاثر ہوئے اس کی پوری [illegible] مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی" (ملیح آبادی) میں بہ تفصیل موجود ہے اور نہایت دلچسپ ہے۔ اس سلسلے میں [illegible] کا یہ قول نقل کیا ہے "شک جستجو کی علت ہے، جستجو سے تحقیق پیدا ہوتی اور تحقیق وسیلۂ یقین ہے [illegible]"

میری پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو [illegible] رہبانیت [illegible] رکھتا تھا، اس رہبانیت و پیشوائی کے خلاف خیالات میں [illegible] تھی اور عقیدت مندوں [illegible] سے نجات پانا چاہتا تھا جو پیری مریدی کا ماحول [illegible] اور جو چیز مجھ میں [illegible] لیکن کوئی صاف نقشہ نہ تھا۔ اس وقت دماغی حالت یہ تھی کہ:

۱۔ تقلید و رسوم کی بندشیں ٹوٹ چکی تھیں۔

۲۔ تقلید [illegible] کے تمام نقوش [illegible] ہو گئے تھے۔

۳۔ [illegible] کا حاصل نہ تھا۔ "مطالعہ کی وسعت سے ان کا میدان وسیع ہو رہا تھا۔

۴۔ طبیعت کا یہ حال تھا کہ وہ کسی نئی حالت کے لیے مضطرب و منتظر تھی۔ مولانا خود فرماتے ہیں کہ

"ان دنوں میں سرسید کی ایک بحث [illegible] کے مطالعہ سے ترکِ تقلید کی راہ پر گامزن ہوا تھا، لیکن اب ان کی تقلید ہی علم یا فکر کا منتہی تھا۔ کچھ عرصے کیلئے معتزلہ کی طرف رغبت ہوگئی لیکن یہ بھی ذہنی سفر کا ایک پڑاؤ تھا۔ غرض اس طرح چلتے چلاتے اپنے ہاتھوں ایک دروازہ کھولا اور قصرِ الحاد میں داخل ہو گیا۔ مختصر یہ کہ آبائی مذہب سے بغاوت کی اور اس نے پورے مذہب سے بغاوت کی راہ پر ڈال دیا۔"

غرض وہ شخص جو آگے چل کر "ہلال" کا مدیر اور ترجمان القرآن کا مصنف ہوا اس وقت ایک ایسے ذہنی اضطراب میں مبتلا تھا کہ اس کے عقائد و اعمال کی پوری دنیا ہل چکی تھی، وہ جو چاہتا وہ اس کو مل نہیں رہا تھا، جو موروثی تھا اس پہ قانع نہ تھا اور جس کی چاہت تھی وہ عنقا تھا۔ مولانا آزاد شک و اضطراب کی اس دلدل میں کب تک رہے اس بارے میں قطعاً کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس سفر سے متعلق ان کی تحریریں دھندلی ہیں، اور اس مدت کا تعین کرنا مشکل ہے۔

مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے ذکر آزاد کے نام سے جو یادداشتیں لکھی ہیں ان میں کچھ واضح اشارات مل جاتے ہیں۔ مثلاً ذکر آزاد[1] میں مولانا سے منسوب ایک تحریر کے کلمات ہیں کہ

"میں اب بالکل بری ہو گیا، میرا ذہن ہر طرح کے تقلیدی بندھن سے آزاد ہو چکا تھا، [illegible] میں نکلا تھا، وہ اور دور ہو گیا تھا۔"

الحاد کی وادی زندگی کا تاریک ترین دور تھا مولانا فرماتے ہیں[2]

چودہ برس سے لے کر پچیس برس تک میرا یہی حال رہا گویا یہ ایک ایسے آدمی کا تھا جو مذہب کو عقل و علم کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے، لیکن میرے اندر [illegible] میں نفس [illegible] آخری سرحد تھی[3]

"ترجمان القرآن جلد اول کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

"میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے، جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو، میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں، اور تریاق کے نسخے بھی ہر دار الشفا کے آزمائے ہیں، میں جب پیاسا تھا تو میری پیاس کی تشنگیاں دوسروں کی طرح

---

[1] ذکر آزاد صفحہ ۲۵۹

[2] ذکر آزاد صفحہ ۱۱۴

[3] ذکر آزاد صفحہ ۲۵۹

نہ تھیں، اور جب سراب ہو تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہ عام پر نہ تھا۔

ما بے کہ خضر داشت ز سرچشمہ دور بود

لب تشنگی ز راہ دگر بُردہ ایم ما

اسی مضمون میں ہے کہ:

۱۔ پیدائش اور خاندانی ورثے میں سے جو مذہب ملا تھا میں اس پر قانع نہیں رہا اور جونہی مجھ میں اتنی طاقت پیدا ہوئی کہ کسی چیز کو اپنے سے الگ کر سکوں، میں نے اسے الگ کر دیا اور پھر یک خالی دل و دماغ لے کر طلب و جستجو میں نکلا۔

۲۔ میرے مذہبی عقائد جو مجھے خاندان سے ملے تھے نہ میرے استادوں نے ان کی تلقین کی نہ میری سوسائٹی ان کے لیے رہنما ہو سکتی تھی۔ یہ تمام چیزیں موافق ہونے کی بجائے میری راہ میں رکاوٹ کا حکم رکھتی تھیں۔ انہوں نے مجھے جو کچھ دیا وہ میں نے کھو دیا، مجھے جو کچھ مطلوب تھا وہ خود اپنی طلب و جستجو سے ڈھونڈ نکالا۔ ماٹیریلزم اور ایتھیزم کے جلوۂ سراب کو آب حیات سمجھتا رہا۔ اس راہ کی جتنی بیماریاں ہیں وہ بھی مجھے لگیں اور جتنے نسخے ہیں وہ بھی میں نے استعمال کیے۔ آخر کار سب سے بڑی بنیادی سچائی مجھ پر کھل گئی کہ مذہب کی راہ عقل و ادراک سے نہیں بلکہ ذوق اور جذبے میں جذبات سے طے کی جا سکتی ہے، اور مذہبی حقیقت کا پا لینا اس لیے مشکل نہیں ہے کہ مشکل ہے بلکہ اس لیے کہ وہ بہت ہی آسان ہے اور انسان کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ وہ سامنے کی آسان اور عام چیزوں کو ہمیشہ نظر انداز کر دیتا ہے۔

۳۔ مذہب اور عقل کے میدان بالکل الگ الگ ہیں اور دونوں کی ایسی پوزیشن نہیں ہے کہ ان کو باہم مخالف سمجھ کر توڑنے یا جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ مادہ اور محسوسات کی راہ ہم ادراک سے طے کر سکتے ہیں مگر مذہب جس عالم کا پیغام لاتا ہے اس کے لیے ہمارے پاس صرف جذبہ ہے اور یہ بڑی بھول ہے کہ چاندی سونا تولنے کے کانٹے سے ہوا اور روشنی کا بھی وزن معلوم کرنا چاہیں۔[1]

---

[1] ذکر قرآن صفحہ نمبر ۲۶

اس سفر تشکیک والحاد کے ذکر کو مولانا سمیٹتے ہوئے اپنی اسی تحریر میں لکھتے ہیں:
"میرے تمام لاینحل سوالوں کے کیا کیا جواب ملے؟ یہ بہت ہی چوڑی داستان ہے"
مختصراً۔ یک سفر کے بعد مولانا اس منزل پر آگئے کہ قرآن ایک عالم گیر مشترک سچائی کا نام ہے اور اس سچائی کا دوسرا نام اسلام ہے اور یہ توحید ربانی کی آخری آواز ہے۔

۱۹۱۲ء میں "الہلال" نکلا۔ تمام اس کا ہر قول معنوی اعتبار سے قرآن کی آواز تھا، اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ تھے، اس کے مطالب قرآن کے مطالب تھے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کے اداریہ میں لکھا۔

۱۔ "ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہی ہے۔ اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔"

۲۔ "ہر وہ سچائی جو قرآن کے سوا کسی اور عقیدہ سے وابستہ [illegible]"

ایک دوسرے مقام [illegible] ۱۹۱۲ء میں

۱۔ "ہمارا قرآن [illegible] شریعت [illegible] صفت اخلاص میں کوئی ان کا شریک نہیں"

۲۔ "اسلام [illegible] کا نام ہے"

ایک دفعہ ہم لوگ راقم الحروف، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیشہ لیڈر منشی احمد دین، شیخ حسام الدین اور مولوی نذیر احمد، حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا کی خدمت میں حاضر تھے۔ ملاقات کی روداد [illegible] یادداشتوں میں درج ہے تاریخ کا ذکر نہیں۔ اس گفتگو کے ارشادات بڑے قیمتی تھے [illegible] عرض کیا تھا،
"حضرت! آپ الحاد کی وادی کے بیابان سے کیونکر نکلے؟"
مسکراتے فرمایا:

"اس کا جواب تو ترجمان القرآن کی دو جلدیں ہیں۔ تیسری جلد میں بھی اس کے باقیات آرہے ہیں۔ البیان کا موقع ملا، تو انشاء اللہ ان سوالوں کی مختلف نوعیتوں کا جواب اس میں ہوگا۔ سورہ فاتحہ کے مباحث بجائے خود بتاتے ہیں کہ دماغی سفر کی وادیاں کتنی سنگلاخ تھیں۔ یہ ایک دور دراز کا سفر تھا جو میں نے بفضل تعالیٰ عمر کی دوسری دہائی کے آخری ثلث میں طے کر لیا، ورنہ اس قسم کی منزلیں کئی کئی دہائیوں میں طے نہیں ہوتیں۔"

قرآن نام ہے ایک عالمگیر سچائی کا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام مذاہب ربانی کی سچائیاں جو ان کے پیروؤں نے گم کر دی تھیں، اس میں جمع ہو گئی ہیں۔ اس کی دعوت میں کوئی شک نہیں۔ پھر جس پر وہ کتاب اتری ہے، اس کی اپنی سیرت قرآن پاک میں موجود ہے۔ فی الجملہ قرآن، خدا کی دعوت، اور رسولؐ کی سیرت کا مجموعہ ہے۔ میں نے قرآن پاک کو قرآن ہی سے حاصل کیا۔ جہاں کوئی تشنگی باقی ہوئی، سیرت نے حل کر دی۔ [illegible] تعلیم اپنے معتقد کے شب و روز سے جا پہنچی ہے۔ [illegible] کی سیرت اس کی دعوت کو فعال بناتی [illegible] عالم تمام، [illegible] نے تمام مذاہب اور خدا نے آخری نبی بھیج [illegible] آخری سچائی کو [illegible] کے لیے محفوظ کر دیا۔ [illegible] قیامت تک [illegible] ہے۔

مولانا نے فرمایا،

"لوگ قرآن کے مطالعے سے سیرت کی طرف آتے ہیں میں سیرت کے مطالعے سے قرآن کی طرف [illegible] ہو گیا، اور جب [illegible] کے بیابان سے نکل آیا۔

سوانحی برگ و بار

میں [illegible] ہیں جو [illegible] موضوع تھے۔ [illegible] کے [illegible] ہندوستان کے متعلقات [illegible] تھیں۔ [illegible] کلمات میں وہ [illegible] خود بخود [illegible] نہیں۔ مولانا کو معلوم تھا کہ [illegible] ہندوستان میں [illegible] میں نے مولانا کے متعلق بعض سوالات کیے تو مولانا ٹال گئے۔

ایک زمانے میں سوانح نگاری میں خاص چیزوں پر [illegible] نسب، شخصی حالات اور ان کے متعلقات کو اہمیت حاصل تھی۔ اب وہ نقطۂ نظر [illegible] چیزیں تذکرۂ فروعی اور واقعۃً اجمالی ہو گئی ہیں۔ آخر [illegible] یہ کہا ہے کہ شرف و مجد کی وہ چیزیں تلاش کی جائیں کہ جس شخصیت کا تذکرہ مقصود ہو وہ ان جیسا کیوں پر چلے یا بعض بڑے ستونوں سے نسبت دے کر اس کی فضیلت قائم کی جائے۔ اصل چیز علم و عمل کے آثار و مظاہر ہیں۔ ابوجہل قریش کے رؤسا میں سے تھا اور مکی تھا لیکن بلال حبش کا ایک کالا کلوٹا غلام تھا۔ پھر تاریخ کا فیصلہ موجود ہے کہ شرف کس کو حاصل ہوا؟ اور خاسر کون رہا۔

اگر معیار زمین یا قبیلہ ہوتا تو ابوجہل کے بدن پر بھی فضیلت ہوتی۔ لیکن تاریخ کی ترازو مختلف ہے۔ حقیقتاً بلال کے سر پر کلاہ افتخار ہے اور ابوجہل کے سر پر دھول اڑ رہی ہے۔"

مولانا کی گفتگو ریکارڈ کرنے کے عمل میں سے [illegible] سید سلیمان ندوی نے بعض اقتباسات چھوڑے ہیں۔ مولانا نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"مجھے [illegible] ہے۔ [illegible] کے سلسلے میں [illegible] بات [illegible] ہے [illegible] کے سلسلے میں [illegible] مجھے [illegible] [illegible] معلومات [illegible] دوسرے [illegible] تک [illegible] اس کی [illegible] مولوی [illegible] لکھتے ہیں۔ بہرحال [illegible] [illegible] [illegible] کرتا [illegible] باتوں [illegible] ہیں ان کے [illegible] ہیں اپنی سوچ کو غلط راہ پر ڈال کر زبان کے گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ ان کے علاوہ [illegible] دوسرے لوگ جواب تک مسلک کے تعصبات میں رہنا پسند کرتے ہیں اور ان کے نزدیک میرا ماضی و حال، حسب و نسب، مولد و مشاغل، کلام و اقدام اور نظر و فکر، غرض صبح و شام میں سے کوئی بھی عیب و خطاء سے خالی نہیں رہا تو ان عزیزوں کے لئے میں دعا ہی کر سکتا ہوں کسی غلط یا صحیح چیز کی تردید و توثیق کی جاتی ہے۔ جس چیز کا سرے سے وجود ہی نہ ہو اس کے بارے میں تردید و توثیق کیا ہو؟"

میں نے عرض کیا۔

آپ کے اجداد میں سے کوئی بزرگ کبھی مکہ مکرمہ میں رہے تھے یا خاندان میں سے کوئی شاخ مکہ مکرمہ کی باشندہ تھی؟

فرمایا،

”میں نے [illegible] ہے۔ [illegible] باشندہ ہونا [illegible] کا باعث نہیں۔ شاید میرے اجداد مکہ مکرمہ کے ہوتے تو [illegible] نقصان [illegible] کی نسبت سے [illegible] نہیں [illegible] بڑھتا ہے۔ [illegible] کا محض باشندہ ہونا کسی [illegible] ہے [illegible] بعض بڑے بڑے شہر [illegible] آباد ہیں [illegible] باشندہ ہونے کی وجہ سے بڑے ہو [illegible] کے [illegible] بڑے لوگ [illegible] کے باشندے [illegible] کے مولد بھی [illegible] معروف ہوئے۔ میرا خاندان مکہ مکرمہ کا ہوتا تو اس میں ایسی کون سی چیز تھی جو مجھے [illegible] میں دیسنہ یا باپوڑ کا باشندہ ہوں۔ اگر میں مغرور سے [illegible] دیسنہ یا باپوڑ سے دور قصبہ [illegible] اس سے نسبت دینا ضروری ہے، تو مجھے اس سے واسطہ نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ میرے دوست مجھ سے بڑے ہیں۔“

مولانا کچھ دیر کے لئے رُک گئے پھر فرمایا:

میرے خاندان میں تین خاندان جمع ہوئے تھے۔ ایک بابر کے زمانے میں ہرات سے آگرہ آیا تھا، دوسرا احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہرات سے لاہور پہنچا تھا، تیسرا مکہ معظمہ کے آخری محدث وتری کا خاندان تھا۔ میری والدہ اسی خاندان سے تھیں، مولانا منور الدین والدہ کے نانا تھے، ان کے والد مفتی سراج الدین احمد شاہ ابدالی کے ساتھ لاہور آئے

تھے۔ اُس نے پنجاب فتح کیا تو وہ لاہور ہی میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ وہ قصور میں بستے تھے بالآخر ان کی شہادت ملتان میں نواب مظفر خان کے ساتھ ہوئی۔ ان معرکوں میں سکھوں نے جو لوٹ مار کی اس کا نتیجہ تھا کہ بے شمار خاندان برباد ہو کر منتشر ہو گئے۔ ان میں قاضی سراج الدین کا خاندان بھی تھا۔ وہ قصور سے ہجرت کر کے کیمبل پور چلے گئے۔ مولانا معز الدین قاضی سراج الدین کے فرزند [illegible]

[illegible]

[illegible]

بلال حبشی اور صہیب رومی صاحب نسب [illegible] تھا اور سلمان فارسی [illegible] کہلاتے تھے۔ میں نے اپنے خاندان کے [illegible] نہیں۔ سید صاحب کے تحفہ سادات کو تحفیں پہنچانا مقصود تھا، حالات و ظروف اس قسم کے بزدلانہ خیالات میرے دماغ میں کبھی بار نہیں پاتے۔ میں نے تو اپنے دل کی رونق بڑھانے کے لیے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسے خاندان میں پیدا کیا جس میں صدیوں سے سلسلہ علم و ارشاد قائم و جاری ہے۔ سید صاحب میری تہی دستی کے اس سرمایہ پر صاد نہیں کرتے اور انہیں یہ ساری چیزیں اپنی عمر کے آخری دور میں افسانہ نظر آتی ہیں۔ تو میں اس کہانی کے ورق لٹا

نہیں چاہتا جو اس سخن سازی کا پس منظر ہے۔ میں اپنی بات اس مختصر جملے پر ختم کر سکتا ہوں کہ سید صاحب مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہونے کے بعد شاہراہِ طریقت کی ایک ایسی منزل میں ہیں کہ ان پر دوستوں کے باطن کھلتے جاتے ہیں، اور جو چیزیں ان کے دوستوں کو خود اپنے بارے میں معلوم نہیں، وہ ان کے سامنے کھلی کتاب کی طرح پڑی ہے۔"

یکایک گفتگو کی باگ موڑتے ہوئے فرمایا

[illegible] مشغول [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور جو خوفِ خدا [illegible] اس خاندان [illegible] [illegible]

لیکن وہ سید تمام [illegible] کے بطن سے تھے۔"

مولانا تھوڑی دیر رک گئے پھر فرمایا

خاندان [illegible] ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سے کون محفوظ رہا [illegible] خاندان غلاماں تو خیر تھا ہی خاندان غلاماں؟

سرسید احمد نے جامِ جم میں مغل بادشاہوں کی ہندو ماؤں کے نام تک لکھے ہیں۔ اب کر سلام کے [illegible] کو ملحوظ رکھیں تو کتنی بڑی عمارت گر جاتی اور ملبہ رہ جاتا ہے۔

جہانگیر کی ماں کا نام جودھ بائی راجہ بہارا مل تھی۔ شاہجہان کی والدہ کا نام جودھا بائی تھا —— اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے شاہ عالم بہادر شاہ نواب بائی کے بطن سے تھے۔ محمد معظم اور ملقب بہ بہادر شاہ نظام بائی کا لختِ جگر تھا۔ جہاندار شاہ کی والدہ کا نام نظام بائی تھا

عالمگیر ثانی کی ماں دھوپ بائی تھیں اور ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ مغل بائی کا فرزند تھا۔ علاؤالدین خلجی کی ماں جاٹنی تھیں، سکندر بن بہلول لودھی کی والدہ سنارن تھیں اور ان کا نام پیتا تھا۔"

مولانا تھوڑی سی دیر رک گئے پھر حافظ کے دو شعر سنائے جو میرے فہم سے بالا تھے لیکن ان کے الفاظ سے جو مفہوم میری سمجھ میں آیا وہ یہ تھا کہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو حسب و نسب کے تعاقب میں رہتے اور آبروؤں میں نقب لگا کر پشتوں کی خدائی خطوط کی تفتیش کرتے ہیں۔

پھر فرمایا:

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
جاتے تو میرے ... [illegible] ... کے بارے میں:
کیوں خیال نہیں فرماتے کہ میں ایک دور کی سرگزشت ہوں ورنہ اس دور میں تم جو ... [illegible] ... تھیں اور جو غلط تھیں
وہ میری ہیں۔"

مولانا ٹھہر گئے پھر فرمایا:

"پاکستان سے اپنے بارے میں مجھے ہر چیز معلوم ہو جاتی ہے، ایک زمانہ آئے گا جب پاکستان کے لوگ ممکن ہے میرے متعلق بھی آراء میں تبدیلی کریں۔ وہ چیزیں جو اس وقت سربمہر ہیں، وہ وہ حقیقتیں جو جذبات کے جوشے کا ایندھن ہو چکی ہیں چند برس میں،

بس یہی دس پندرہ سال تک تاریخ کا نوشتہ ہو جائیں گی تب معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اسلام پر کیا بیتی ، پاکستان نے خود اپنے ساتھ کیا سلوک کیا اور جو لوگ علم و نظر دونو رکھتے تھے کیونکر یک سیاسی سیلاب کی نذر ہو گئے ۔

مولانا کی آواز قدرے بھرا گئی فرمایا :

"[illegible] نیز تاریخ [illegible] بچی ہے [illegible] رہا ہے اور فیصلہ ہوگی [illegible] تب [illegible] ہوگا کہ ان کی خانہ [illegible] میں پڑوں ہی کا ہاتھ تھا اور ان کی سوختہ سامانی کے ذمہ دار بیٹھے [illegible] تھے ، تب میری [illegible] [illegible] [illegible] بڑے [illegible] [illegible] ان کا ظلم تب اس غریب الدیار کے لئے میر ہوتا۔

[illegible] مقصود [illegible] نہیں ہوتا [illegible] سیاسی [illegible] کا طر [illegible] کا بہتر [illegible] ہے [illegible] میں [illegible] [illegible] ہو جاتا [illegible] سے [illegible] علامہ شبلی کی یادگار [illegible] [illegible] ہو سکتی ہیں ؟"

قد متوسط نہ تھیں [illegible] بڑی

چہرہ مہرہ بڑی آنکھیں [illegible] رنگ [illegible] سے تیکھے [illegible] کا خوف سمجھتے تھے۔ اس طرح پیشانی کی شکنوں [illegible] سے پتہ چلنا مشکل تھا کہ ان کے ذہنی پس منظر میں کیا ہے؛ چہرہ [illegible] جمال و جلال [illegible] کے حسن طبیعت [illegible] کے سوز دروں کی تصویر طبیعت باغ و بہار ، فطرت کم آمیز ، مزاج میں سطوت ، عوام سے بے نیاز ، ان سے ملنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ اس حد تک خلوت پسند کہ تنہا آئے اور تنہا چلے گئے۔ فقر و استغنا کے پیکر اور صبر جمیل کا مجسمہ۔ کئی کئی دن مہمان شرف ملاقات سے محروم رہتے۔ گفتگو کے بادشاہ ، علم کے بحر ذخار ، خطابت کے شہسوار قلم کے ایسے دھنی کہ پروفیسر رشید احمد صدیقی الفاظ کو ربوبیت و نبوت کا جامہ پہنا دیتے ۔ اور دماغ سوچنے کے بجائے پوجنے کی طرف چلا جاتا ۔ اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب (ORATOR) لیکن مجبوں

سے نفور، سفر کے دلدادہ، سیاست دانوں میں عبقری، حافظہ بے پناہ، کتابوں کے دوست، مطالعے کے مجنون، قرونِ اولیٰ کے شیدا دماغ۔ مسلمانوں کی تصویر۔ عیب بینی اور عیب جوئی سے متنفر، قرآن کے مفسر، لفظ لفظ پر بقول حسن نظامی اتنا عبور کہ مصر و شام کے علمائے جدید بھی اس گہرائی اور گیرائی تک پہنچنے سے معذور، آزادی کی جدوجہد کے سالار، گمشدہ اسلاف کی یادگار، مستقبل کے نباض، خیال میں طنطنہ [illegible] میں [illegible]، بولتے تو پھول جھڑتے، مطالب [illegible] وجدان جھومنے لگتے، سماعت [illegible] ۱۹۱۰ء میں [illegible] کی پہلی [illegible] جس نے مسلمانوں کی [illegible] کے رول کا [illegible]

[illegible] وہ اردو [illegible] سب سے بڑے [illegible] سب سے بڑے سیاستدان تھے لیکن [illegible] کے لحاظ میں مولانا کی [illegible] پہلے اس سبب سے [illegible] وہ کامیاب [illegible]

حسب ونسب

پروفیسر محمد جمیل خاں [illegible] یونیورسٹی میں استاد ہیں [illegible] سے شائع [illegible] میں چھپ [illegible] ایک دفعہ پرائیویٹ سیکرٹری ہو کر مولانا کی وفات تک ساتھ رہے۔ جمیل خود ایک فاضل انسان تھے، اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں خصوصی ملکہ تھا۔ مولانا سے متعلق ایک نامکمل سا مضمون اردو ادب علی گڑھ کے آزاد نمبر میں لکھا۔ "آج کل" دہلی میں بھی ایک واجبی سا مضمون تحریر کیا۔ مولانا کے نام بعض خطوط اور ان کے جوابات کا یک گونہ مجموعہ "ملفوظاتِ آزاد" مرتب کیا اور وہ کسی ناشر سے چھپایا۔ لیکن ان کی تحریروں سے مولانا کے سوانحی خطوط شاذ ہی ملتے ہیں، ابوالکلام ان میں نہیں ہے۔

مہادیو ڈیسائی اور پیارے لال گاندھی جی کے سیکرٹری رہے۔ انہوں نے مہاتما جی کے سوانح و اسفار پر قلم اٹھایا ہے لیکن ان کے سوا کسی بڑے لیڈر کے سیکرٹری نے اس کام کی ضرورت

محسوس نہیں کی۔ قائداعظمؒ کے متوالی موجود ہیں، مولف نہیں۔ جواہر لال نہرو کے سیکرٹریوں کا بھی یہی خلا ہے۔ ابوالکلام آزادؒ کے سیکرٹری اجمل خان خود صاحب قلم تھے ان کے قلم سے غبار خاطر کا دیباچہ معمولی چیز نہیں۔ مولانا کی وفات کے بعد آزاد ساہتیہ اکیڈمی کے سیکرٹری بنائے گئے۔ حتیٰ کہ راجیہ سبھا کے ممبر ہو گئے لیکن ان سے مولانا کے متعلق پر توقع رہ گئی تا آنکہ واصل بحق ہو گئے۔ حقیقت سے ان کے تعلقات دوستانہ ہی نہیں برادرانہ تھے۔ ایک دفعہ راقم نے اس سوال پر کہ مولانا ذات پات کے اعتبار سے کیا تھے؟ راقم سے کہنے لگے مولانا کا حسب و نسب ان کا علم و ارشاد ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے مولانا کو سید لکھا ہے۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے ذکر آزاد میں صدیقی۔ مولانا کے والد [illegible] ہاتھ [illegible] معتقد رہے۔

ذکر آزاد میں ملیح آبادی نے مولانا سے [illegible] نقل کیا ہے کہ:

"[illegible] علی تھا [illegible] پیری مریدی کا جاری پیشہ تھا۔ اللہ [illegible] سکا۔ چوم کر چھوڑ دیا۔"

مولانا فرماتے:

"[illegible] جو [illegible] کی [illegible] قدر لکھی ہیں [illegible] ہندوستان [illegible] کی [illegible] الا ماشاءاللہ، بلکہ خدا کی مخلوق بھی ان کی بدولت [illegible] سے محروم ہو رہی ہے۔ والد [illegible] کے مریدوں کا حلقہ تھا۔ بمبئی [illegible] کلکتہ [illegible] کے متعلق [illegible] پھیلا ہوا تھا [illegible] مریدوں کی ارادت کے مظاہر دیکھتا تو مجھے وحشت ہوتی۔ ہر چیز میں بے سروپا قدامت کے نظارے تھے۔ اُدھر قدامت کے محاسن اوجھل اور مفاسد سر اٹھائے رہتے تھے۔ یہ تمام انسان کی پرستش و تمجید کا ایک المیہ تھا جس سے طبیعت ابا کرتی۔ مریدوں کا تانتا بندھا رہتا۔ ان سادہ دلان اعتقاد کا طول و عرض دست بوسی اور قدم بوسی تھا۔ میں عقیدت کی اس معصیت سے پریشان تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ہم پیرزادے تھے، لیکن ہمارے پاؤں میں کیچڑ لگا ہو، ہمارے پاؤں دھلے

رہوں، جسم کو اس بات کی ضرورت ہو، وہ مرید تھے کہ پاؤں چومتے، ہاتھوں کو بوسہ دیتے، قدموں کی دھول آنکھوں پر ملتے۔ آدمیوں پر یہ زیب نہیں تھا۔ وہ کونسی چیز تھی جس نے ہمیں بالا کر دیا تھا، عقیدہ و عمل کیا ہیں؟ مریدوں کی عقیدت کا اندازہ اس کا لحاظ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ صرف والد کے وعظ و بیان سے مسحور تھے۔ ان لوگوں نے ہندوستان کے شہروں سے نکل کے [illegible] دینی تصورات کے تحت پیروں کو پرستش کا بدل بنا لیا تھا۔

[illegible] میں [illegible] دے دیا [illegible] ہندوستان میں [illegible] ریاضت میں نفسوں سے [illegible] ذات [illegible] خرافات [illegible] نے بھی ان خود ساختہ بتوں پر اعتقاد کر لیا۔

[illegible] سوال ہے [illegible] کی ولادت ہیں [illegible] صرف ولی تھے [illegible] اور اسلام میں علم، تقویٰ اور عمل اس شرف کے عناصر ترکیبی ہیں۔

بود و ماند [illegible] وہ پہلے بمبئی میں تھے، جہاں والد نے پرانی زمین کا ایک ٹکڑا لے کر مسجد بنوائی۔ اس کے ساتھ ایک بہت بڑا خام احاطہ تھا۔ وہاں قاسمی فیملی [illegible] رہتے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد کلکتہ چلے گئے۔ [illegible] اسٹریٹ میں کرایہ کا مکان لے کر رہنے لگے اور ۱۹۰۸ء میں منتقل کیا۔ اس طرح بمبئی کی جائیداد کا [illegible] چوپٹ ہوگیا پھر کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ جائیداد کا حشر کیا ہوا؟

مولانا آزاد نے "الہلال" نکالا تو [illegible] مکان کرایہ پر لیا۔ وہ چھوڑ

دیا تو بالی گنج سرکلر روڈ میں اٹھ آئے۔ یہ ایک عمدہ بنگلہ تھا۔ جب تک مرکزی کابینہ میں شامل ہو کر دہلی نہیں آ گئے، اسی بنگلے میں رہے۔ مولانا ملیح آبادی نے "ذکر آزاد" میں لکھا ہے کہ رپن لین کا مکان دو منزلہ تھا لیکن چھوٹا ہونے کے علاوہ بوسیدہ تھا، اوپر کی منزل میں سکونت کم تھی اور نیچے کی منزل اتنی تاریک اور مرطوب تھی کہ ہر وقت پانی رسا کرتا تھا" ملا واحدی لکھتے ہیں کہ مولانا دہلی میں تھے تو دریا گنج کے علاقے میں ہمدرد دواخانے کے مالک حکیم عبدالحمید کی کوٹھی کرائے پر لے رکھی تھی مولانا کے عہد [illegible] پنڈت [illegible] علاقے میں رہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے [illegible] جمیل خان کے ہاں تشریف [illegible] سیمار [illegible] کے دولت کدے [illegible] دریا گنج میں ٹھہرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد [illegible] سے تعلق [illegible] حیثیت سے [illegible] گیا۔

[illegible] ۱۹۵۸ء [illegible] ۲۲ [illegible] ۱۹ فروری [illegible] پر پہنچے تھے [illegible] جامع مسجد اور لال قلعہ [illegible] مولانا شوکت علی [illegible] میں دفن کیے گئے۔ مزار کھلا ہے لیکن اس کے اوپر سنگ [illegible] ہے اور چاروں [illegible] روشنیاں ہیں۔

مولانا [illegible] اپنے نام [illegible] خطوط [illegible] مولانا کی بعض تحریریں [illegible] صفحہ ۳۰۶ پر تحریر ذیل ہے (تلخیص)

> لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان اب جو میدان ہے یہاں دہلی کے سب سے زیادہ گنجان محلے آباد تھے، قلعہ کے لاہوری دروازہ سے جامع مسجد کی طرف اردو بازار تھا۔ خانم بازار بھی اسی طرف تھا، اسی حصے میں امرا کی بڑی بڑی حویلیاں تھیں، منشی ذکاء اللہ کا آبائی مکان قلعہ اور مسجد کے درمیانی حصے میں تھا۔ اس سارے علاقے کو انگریزوں نے یکایکی بارود سے اڑا کر دیکھتی آنکھوں ویرانہ کر دیا تھا۔
>
> مولانا آزاد کی آخری آرام گاہ ٹھیک اسی جگہ ہے۔

اے خاکِ پاک خاطرِ جہاں نگاہ دار
کیں نورِ چشمِ ماست کہ در بر کشیدہ

خوراک

ملیح آبادی نے "ذکرِ آزاد" (صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۴) میں لکھا ہے کہ:

مولانا اپنے معمولات میں وقت کے [illegible] خصوصاً [illegible] سونے کے اوقات میں خلل پڑنا گوارا نہ تھا میری [illegible] خوراک [illegible] کا کھانا موقوف ہوگیا۔ ڈھائی [illegible] کا ان سٹریٹ میں تھے [illegible] [illegible] آجاتا خوشی خوشی سے کھاتے۔ کبھی کسی کھانے کی تعریف یا مذمت نہ کرتے۔ اپنے باورچیوں سے کبھی کسی شکایت میں مبتلا نہ ہوتے۔ ایک باورچی ایسا تھا کہ جو ترکاری ایک دفعہ لے آتا وہی روزانہ اور دونوں وقت پکاتا تو مولانا کبھی مذمت میں ایک لفظ نہ کہتے۔

ملیح آبادی کلکتے میں مولانا کے ہاں تقریباً ۱۰ برس رہے تھے لیکن باہمی رابطہ کی مدت ۳۰ سال تھی۔

> ایک دوسرا باورچی اپنے ہی ڈھنگ کا تھا کہ لاتے ہیں یا تو نمک ہی نمک یا پھر سرے سے نمک غائب اور دونوں حالتوں میں جواز موجود۔ ایک دفعہ مونگیر سے باورچی منگوایا لیکن وہ کھانے پکانے میں کورا تھا۔"

۲۴-۱۹۲۳ء میں مالی مشکلات شباب پر تھیں [illegible] مولانا ازحد نفاست پسند، صاحب ذوق، نازک مزاج، شاہ خرچ آدمی تھے [illegible] سگریٹ قیمتی سے قیمتی پیا کرتے تھے لیکن ان دنوں میں گھٹیا سے گھٹیا سگریٹ پیتے تھے۔ [illegible] سونے کا چمچہ ہاتھ میں تھا [illegible] دوست مکدی ہوتی تھی [illegible] وقت میں [illegible] کوئی شخص نہیں [illegible] الشان تھے۔ اس حالت میں بھی مشاش [illegible] تھے۔

> "[illegible] جب دستر خوان [illegible] تھا تو ان کی شان [illegible] وسعت [illegible] ان دنوں میں ایک [illegible] مولانا شوکت علی [illegible] وسعائی تو ان دنوں [illegible] تھے [illegible] کے ہاں [illegible] مہمان تھے اور مولانا [illegible] سے ان کی پذیرائی اخلاق کا [illegible] علی برادران سے [illegible] قورمہ اور اسی طرح کے دوسرے لوازمات کی فرمائش کر دی۔ [illegible] نے کہا وہ مہاتما جی سے ماس چھوڑنے کا عہد کر چکے ہیں ہر مکوان سے قطعی اجتناب ہے۔ ان کے لئے کباب اور رس گلے منگوائے گئے تو شامی کبابوں کی ایک بڑی قاب اور دو سیر رس گلے چٹ کر گئے۔"

اس مہمان نوازی کے لیے ایک پشاوری تاجر سے روپیہ قرض منگایا گیا اور شیخ آبادی ہی قرض لائے تھے۔ مولانا مدۃ العمر تنگ دست ہی رہے۔ عموماً قرض لے کر گزر بسر کرتے۔ قرض اس قسم کے عقیدت مندوں سے لیتے جو قطعاً غیر سیاسی ہوتے۔ قرضہ لوٹانے کا جو وعدہ کرتے اس سے ایک دو دن

ادھر ادھر نہ ہوتے۔ ایک پنجابی کلکتے میں دودھ کا بیوپار کرتا تھا ان سے بھی تعلق خاطر تھا۔ کئی دفعہ اس سے قرض لیتے لیکن قرضے کی فرمائش کے ساتھ ہی اگلی تاریخوں کا چیک بھیج دیتے۔ لاہور میں ایک نوجوان ثناء اللہ ایک بڑے سینما کے مالک اور مشہور فلمساز ہیں۔ ان کے والد کلکتے میں بیوپاری تھے مولانا اپنی ضرورتوں کے لیے ان سے بھی روپیہ منگواتے کبھی سو کبھی دو سو لیکن چیک ساتھ بھجوا دیتے۔ ان صاحب نے [illegible] یادگار کے طور پر کہ اس پر نصف صدی گزر چکی ہے [illegible] ۔ ان کے معمولی معمولی رقعوں کے بہت سے خطوط بھی ان کے پاس ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۹۳۴ [illegible] ہیں۔

مولانا [illegible] بالائی منزل میں خود رہتے [illegible] بازار کرایہ پر دے رکھی تھی، جس [illegible] ان سے جو کرایہ وصول ہوتا وہ ذاتی ضرورتوں میں کام آتا [illegible] نہیں رہتے تھے۔ قرض کا [illegible] بڑی ہی حسرت کا دور تھا۔ خوراک کا سامان آٹا، دال، چاول، گھی، تیل اور مسالے روزانہ ایک دکان سے آتا۔ ہر ماہ اس کا حساب ہوتا۔ ایک بنگالی معتقد کبھی کبھی اپنے گاؤں سے چھوٹی چھوٹی زندہ مچھلیاں لے آتا، کوٹھی میں ایک مختصر سا حوض تھا وہ مچھلیاں اس میں چھوڑ دی جاتیں۔ پھر دو تین روز پالی

جاتی تھیں ، اسی طرح ایک وہ معتقد کبھی بکرے کا گوشت دے جاتا اور کبھی مرغی کا اور اس طرح گوشت پکتا تھا اندر کوئی خادمہ نہ تھی باہر صرف ایک بنگالی خادم سید علی نامی مامور تھا جو بازار سے معمولی سودا سلف لاتا ، اس کے علاوہ وہ صبحدم چائے کے پانی کو جوش دے کر اوپر بھیج دیتا یا دال چاول تیار کرتا تھا ۔ کچھ عرصے بعد مولانا کی خوش دامن کے توسط سے ایک بہاری بیوہ [illegible] ۔ [illegible] نے بھی کھانا تیار کر لیتیں ۔ کھانا نہایت معمولی تھا ۔ [illegible] ۔ [illegible] مولانا خود چائے تیار کرتے تھے ۔

مولانا کے متوسلین میں ایک [illegible] کی [illegible] خدمت [illegible] نے بیٹھے [illegible] تھے [illegible] کہ [illegible] مولانا کی [illegible] [illegible] بیٹھے [illegible] تھیں [illegible] ان کے خیال [illegible] ۔

مولانا [illegible] ادرو [illegible] کے [illegible] میں آپ کی [illegible] لکھتے ہیں :

۱ ۔ مولانا [illegible] تھے ۔ انہیں مطلقاً پسند [illegible] ۔

۲ ۔ [illegible] کے [illegible] لئے [illegible] گئے ۔

۳ ۔ [illegible] میں [illegible] جاتے تھے ۔

۴ ۔ [illegible] ۔ وہ بھی دن بہت سادہ کھانا کھاتے ۔ گھر سے باہر سفر میں ہوتے تو مختلف معتقدین میں چائے کی پیالی اور چند نمکین بسکٹ کافی تھے ۔

۵ ۔ وزارت کے دنوں میں دوپہر کا کھانا مچھلی کے دو ٹکڑے ہوتے تھے ، خشکہ ، قورمہ ، دال ترکاری تھا ۔ ان دنوں روٹی نہیں کھاتے تھے ۔ البتہ رات کے کھانے میں کبھی کبھار روٹی اور چند نوالے [illegible] لیتے ۔ ادھر سہ پہر کو چائے کے ہمراہ بھرے ہوئے سموسے

ضرور کرتے تے قیلولہ ضرور فرماتے۔

پھلوں سے کوئی رغبت نہ تھی۔ آخری دنوں میں نارنگی کا عرق یا کسی پھل کی دو چار قاشیں سہ پہر کے ناشتے میں کھا لیتے تھے۔

جہاں تک حسن کا تعلق ہے مولانا کی جمالیاتی حس کا ذوق نکھار رکھتا ہے [illegible] جسمیں حسن جنس کے تذکرے سے خالی ہوئے [illegible] قید خانے میں بھی اس کا قرار رکھتے تھے۔

۱۹۵۶ء میں [illegible] بھی تعمیرات کے شوقین تھے [illegible] چھوٹے چھوٹے چمن [illegible] گلدستے [illegible] کی رنگینی [illegible] تھے

پوشاک [illegible] بہت اونچا سخت اور قمیص سے سخت لمبی [illegible] اور پاؤں [illegible] شروع [illegible] ہوگئے۔

کبھی قمیص تنگ پاجامہ، چست [illegible] مستقل [illegible] ہوگئے۔ کوئی خاص تقریب ہو تو جبہ بھی کاندھوں پر ڈال لیتے تھے۔ بعض دفعہ شانوں پر شال رکھتے۔ کچھ دنوں ترکی ٹوپی استعمال کی۔ پھر [illegible] اونچی سیاہ قراقلی کو خاص کر لیا۔ نہایت جامہ زیب تھے۔ جب پوری گرگابی پہنتے۔ یا سلیم شاہی جوتی [illegible] شوق سے پہنتے۔ مذہبی تقریبوں میں عمامہ باندھتے۔ زمانہ وزارت میں یورپ کا سفر کیا تو یورپین [illegible] بہت سے جوڑے ساتھ لے گئے اور وہاں پہنا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سخت گرمی میں قراقلی [illegible] بیٹھے تھے پنڈت نہرو نے کہا "مولانا اتنی گرمی اور اتنی گرم ٹوپی یہ کیا آتش ہے؟" کہنے لگے "یہ

بجائے محض وضع کی پابندی ہے۔"

انتقال کر گئے تو پتہ چلا کہ شیروانیوں ہی میں نہیں، قمیضوں اور پاجاموں میں بھی پیوند لگے ہوتے ہیں۔ ان کی بعض تصویروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ٹوپی کی وضع قطع تبدیل کرتے رہے۔ کبھی مصری کبھی ترکی کبھی عراقی۔ آخر میں شیروانی مستقل ہو گئی۔ شروع میں عینک لگاتے تھے۔ پھر سیاہ چشمہ چڑھا لیا، گویا آنکھیں ڈھانپ لی تھیں۔

عبادت

مولانا صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے [illegible] رسمی عبادت سے مختلف تھا وہ صوم و صلوٰۃ کو [illegible] جو امر کی سند سے قائل [illegible] فی سبیل اللہ بھی اسلام تھا۔ فرماتے:

> [illegible] صوم و صلوٰۃ کی سختی سے پابندی [illegible] [illegible] قرآن، نماز [illegible] [illegible] مرض سے [illegible] کہ وہ تندرست ہیں [illegible]

مولانا کو [illegible] مولانا محمد حافظ [illegible] اس کی نگرانی میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کی [illegible] لوگوں کو قدر طبیعت [illegible] میں وہاں [illegible] کو دفن کر دیا عام مسلمان [illegible] غریب تھے، ان میں کچھ لوگ دیسی شراب پیتے [illegible] کہلاتے تھے۔ انہیں اس کاروبار سے توبہ کرائی اور دوسرے کام کاج میں لگایا۔ ان کی آمد سے پہلے رانچی کے اس محلے میں دین کے فرائض کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مولانا نے [illegible] سال میں ساری آبادی کو صوم و صلوٰۃ کی راہ پر لگا دیا اور وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہو گئے۔

نظربندی ختم ہو گئی تو چلتے وقت مدرسہ اسلامیہ قائم کیا۔ اس مدرسے کا افتتاح ۲۳ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ہوا۔ مولانا حسین احمد مدنی صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ ان دنوں آپ مولانا مدنی کے اقتدا میں نماز پڑھتے

تھے۔ جو لوگ آپ کے ساتھ جیل میں رہے ہیں، ان کی روایت ہے کہ مولانا نماز پابندی سے پڑھتے۔ البتہ جماعت پر راضی نہ ہوتے تھے ورنہ کسی کو خوب سا فقط یہ قسم کے علاقوں کی طرح نماز پڑھنے کے لئے تنگ کرتے تھے۔

سید محمد الیاس کٹھوری نے "جمعیت" دہلی کے آزاد نمبر میں مولانا کے "مذہبی رجحانات کی جھلک" کے زیر عنوان لکھا

۱۔ مولانا [illegible] پابندی [illegible] حسب [illegible] تھے

۲۔ سو مجالس [illegible] جلاس دہلی میں ہوا تھا، مولانا سے مجھے [illegible] جاتے [illegible]

۳۔ مولانا [illegible] میں [illegible] مولانا [illegible] وغیرہ ساتھ تھے۔ [illegible] وغیرہ نے اقتدا کیا تھا۔ [illegible] لگے تو ایک دفعہ پھر قرات [illegible] ہو گئے۔

مولانا کی وفات کے بعد [illegible] کے خلوت کی شوشے چھوڑے اور چٹکیاں ہیں۔ ایک فرضی [illegible] جدید [illegible] دہلی کے آزاد نمبر میں مولانا کی زندگی کے ہر پہلو پر مضامین لکھے گئے ہیں۔ لیکن کسی مضمون سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اتنے بڑے علامہ دہر کی نماز کا حال کیا تھا؟

یہ محض ایک زہر تھا۔ آجکل دہلی حکومت ہند کا ماہنامہ۔ ایڈیٹر پنڈت بال مکند عرش۔ وہ معارف نہ تھا۔ فرقان نہ تھا۔ برہان نہ تھا۔ بھارتی حکومت کے ماہنامے سے مولانا کی نماز کا حال معلوم کرنا محض ایک شوخی تھی۔ ملک نصر اللہ خان عزیز کبھی "مدینہ" بجنور کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ وہ پاکستان بننے سے پہلے جماعت

اسلامی میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے اس خط کی اشاعت پر روزنامہ "تسنیم" لاہور میں ایک مضمون لکھا کر وہ مدینہ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے زیر دفعہ ۱۲۴ الف گونڈہ جیل میں سوا سال قید گزار رہے تھے کہ مولانا سندھی بھی میرٹھ جیل سے منتقل ہو کر وہاں آ گئے اور ہم اکثر باجماعت نماز انہی کے اقتدا میں پڑھتے تھے، ملک صاحب لکھتے ہیں:

"میں نے بیسیوں دفعہ دیکھا تو میں نے مولانا سے عرض کیا، میں نے دیکھا ہے کہ آپ بعض اوقات نماز میں ناغہ کر جاتے ہیں۔"

مولانا نے فرمایا:

"میرے بھائی آپ کا ملاحظہ درست ہے [illegible] حدیث پر [illegible] مختصر کر دیتا ہوں۔ جب قید میں رمضان کے روزے قضا ہوتے ہیں تو بعد میں جب موقع ملتا ہے ان کی قضا دے دیا کرتا ہوں۔"

ملک صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

"مولانا نماز بڑے خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔ [illegible] تلاوت قرآن [illegible] جاتا تھا۔ ملک کی تقسیم کے وقت [illegible] کالونی میں کوٹھی [illegible] ۔ [illegible] نماز کے لئے [illegible] چلے جاتے [illegible] دسمبر [illegible] لیکن فجری نماز کے لئے [illegible] ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے۔"

راقم الحروف [illegible] دہلی [illegible] ریٹائر ہونے والا تھا، ایک عجیب [illegible] میں نے مولانا سے متعلق [illegible] کچھ کہنے لگا۔

"صاحب میں کل ریٹائر ہو رہا تھا، مولانا آج ریٹائر ہو گئے۔ چالیس سال برطانوی ایگزیکٹو کونسلروں اور آزادی کے بعد قومی وزیروں کے ساتھ گزار رہے ہیں، لیکن مولانا بے مثال تھے۔ اس قسم کے آدمی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ عید کی نماز جامع مسجد میں پڑھتے تو میں ان کے پیچھے صف میں کھڑا ہو جاتا۔ گن مین کی یہی ڈیوٹی ہے۔ سلام کے لئے منہ پھیرتے تو مجھے دیکھ کر مسکراتے۔ فرماتے ہاں میاں خدا ہی کو یاد

کرتا ہے۔ اسی دہلی میں ممبئی ہاؤس کے بائیں بازو پر مسجد ہے، مولانا کبھی نماز پڑھنے وہاں جاتے۔ میں ساتھ رہتا ہجوم زیادہ ہوتا تو میں بھی نماز پڑھتا۔ مولانا حسب معمول مسکراتے کہتے شیعوں نے دیکھ لیا تو فساد کھڑا کر دیں گے۔ کرومنہ نے اپنا سرکاری گن مین بھی مسلمان کر دیا ہے۔ میں یہی جواب عرض کرتا۔ حضور خدا ہی کو یاد کرنا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے صوم و صلوٰۃ کی پابندی سے متعلق [illegible] ایک اخبار کا تذکرہ کیا کہ اس کا پورا قبیلہ صوم و صلوٰۃ کا باغی ہے۔ [illegible] نے پچھلے دنوں آپ کے خلاف اپنی ایک نظم میں [illegible] کا تعلق [illegible]

"شاہ جی [illegible] سیاست [illegible]

[illegible]

[illegible] سیاست [illegible] ہے۔"

فقر و استغنا

[illegible] آپ خود اکابر [illegible] تھے۔ [illegible] اس وقت تک [illegible] مولانا [illegible] کی [illegible] وفد کا [illegible] تھے۔ ان میں [illegible] ہندوستانی مسلمانوں کے لیے [illegible] طریقت کے مختلف سلسلے [illegible] بڑے بڑے [illegible] نہیں [illegible] کی دکانیں قائم کر لیں [illegible]

"میرا خاندان خود فقر اور مشائخ کا خاندان تھا۔ لیکن جہاں تک تصوف کا تعلق ہے قرآن کے اسلام میں اس کا وجود ہی نہیں، عربی فکر میں عجمی پیوند لگا ہے۔ یہ ایک فلسفہ ہے، دین نہیں۔ دنیوی یہ خانقاہی سلسلوں کا جو رنگ ڈھنگ اب ہے اور دعوت و ارشاد کی مسندیں جس طریق پر قائم ہیں وہ تمام تر مسلمانوں کے ذہنی انحطاط کی پیداوار ہے۔"

فرمایا:

"فقر کسب حلال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ایمان کسب حلال کے بغیر ممکن نہیں۔ مریدین کے نذرانوں پر شاہی ٹھاٹھ ضرور قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن فقر کا استغنا کبھی پیدا نہیں ہوتا۔"

فرمایا:

علم سلطنت پیدا کرتا اور دولت کو جلا دیتا ہے۔ مگر فقر و سلطنت [illegible] بال و پر ہے [illegible] زندگی پر رونق ہوتی ہے۔ لیکن محض فقر و سلطنت بغیر علم و خرد ایسا درخت ہے جس میں پھول [illegible] نہیں لگتے۔ [illegible] "جو شخص صوفی ہوا اور [illegible] دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہو گیا۔"

مولانا نے کہا:

[illegible] ہندوستانی [illegible] انہیں [illegible] غلامی [illegible] ہاتھ دھرا ہے

مسلمان [illegible] کے سامنے [illegible] علما [illegible] ان کے [illegible] طور پر انہیں مغلوب کر دیا ہے

مولانا نے اس ضمن میں علما [illegible] فرمایا: جن لوگوں نے اپنے مریدوں کی [illegible] کسب حلال سے [illegible] کو تیار نہیں وہ ماضی سے بے پناہ عقیدت [illegible] مستقبل [illegible] ہاتھ پر ہاتھ دھرے [illegible] تماشا ہوتے اور کبھی تماشائی بن جاتے ہیں۔"

فرمایا:

میں نے مسلمانوں کو جگانا چاہا اور ان کی آنکھیں کھل گئیں، لیکن پھر شاید اس لیے ناراض ہو گئے کہ میں نے انہیں جگایا کیوں ہے؟ فقر و استغنا یہ نہیں کہ خانقاہ بنا کر درویش کہلائیں یا پیر شیخ ہو جائیں اور مریدوں پر ظاہر کریں کہ وہ علائق دنیا سے بے نیاز ہیں۔

اس دنیا کو بدلنا، اس کے خلاف سے لڑنا اور اور مردانہ ہی کو اس کی مثبت و منفی خواہش بنا دینا بھی فقر و استغنا ہے۔"

مولانا سے جب کبھی کسی عنوان سے گفتگو ہوتی رہی، میں روزنامچے میں بالتفصیل درج کر لیا کرتا۔

یہ وہ تمام یادداشتیں ایک معید ماخذ ہیں۔ کئی عنوانوں کی رعایت سے بعض سوانحی حالات کا خلاصہ یہ ہے

۱۔ مولانا [illegible] تھے تو ان کی جیبی میں لاکھوں [illegible] منتقل ہو چکی ہیں [illegible] اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کیا۔ نتیجہ [illegible] فقر و فاقہ اختیار کیا۔

۲۔ مولانا [illegible] جدید و قدیم [illegible] [illegible]

۳۔ [illegible] ۱۹۱۲ء [illegible] اس دور میں [illegible] ۱۹۱۵ء [illegible]

۴۔ ۱۹۱۲ء [illegible] بعض [illegible] عظیم آبادی سے اپنے مضمون [illegible] مولانا [illegible] کی فروخت سے جو روپیہ حاصل ہوا [illegible] کی ایک بڑی رقم سے مولانا نے [illegible] دوسری طرف [illegible] دی تھی۔

۵۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۰ء تک رانچی میں نظر بند رہے۔ حکومت نے نظربندی کا الاؤنس دے رکھا تھا، اور کچھ کتابوں کی فروخت [illegible] کی آمدنی سے گزارہ ہوتا تھا۔

۶۔ ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے، گاندھی جی سے ملاقات ہوئی۔ اور جلد ہی ملکی سیاست کے سربرآوردہ راہنما ہو گئے۔ پہلی دفعہ تحریک عدم تعاون میں دو سال قید ہوئے۔ "قول فیصل" اسی مقدمہ کا معرکہ آرا بیان ہے۔

۷۔ ۱۹۲۳ء میں رہائی کے بعد انڈین نیشنل کانگریس کے خصوصی اجلاس منعقدہ دہلی کے صدر منتخب ہوئے۔ اس وقت گزر بسر کا ذریعہ البلاغ پریس تھا۔ یا بعض چھوٹی موٹی کتابیں تھیں۔

۸- ۱۹۲۳ء کے اواخر سے لے کر ۱۹۲۷ء کے آغاز تک اونے پونے بسر کی۔ پھر الہلال (دورِ ثانی) نکالا۔ لیکن مالی بحران کے باعث چھ ماہ بعد بند کرنا پڑا۔ اسی دوران میں تین سال کا عرصہ اس طرح گزرا کہ باقی پریس بیچ کر چند بھینسیں اور گائیں خرید کیں اور ایک پنجابی دوست کے حوالے کر دیں۔ وہ دودھ کا تاجر تھا۔ اس طرح روزمرہ کے اخراجات پورے کیے جاتے۔ اس روایت کو انہی بزرگ نے خود راقم الحروف سے بیان کیا تھا۔

۹- ۱۹۳۰ء میں کانگرس کی تبلیغ میں میرٹھ میں بحیثیت صدر گرفتار ہوئے، دو سال قید ہوئی۔ ۱۹۳۲ء میں رہا ہو گئے۔

۱۰- ۱۹۳۱ء میں ترجمان القرآن جلد اول کی فروخت سے تھوڑی بہت آمدنی ہوئی۔ پھر ۱۹۳۶ء میں دوسری جلد کی اشاعت ہوئی لیکن غربت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ اس کی سب سے بڑی شہادت ترجمان القرآن کے کاتب منشی عبدالقیوم کا بیان ہے۔

۱۱- ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۹ء تک جوں توں گزر بسر کی، اور یہ امام الہند کا حال تھا۔ بلکہ وہی معاملہ تھا جو علامہ اقبالؒ کے لیے معیشت کے اضطراب نے پیدا کر رکھا تھا۔ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کے یہ دونو عبقری افلاس کے اس عالم میں تھے۔

۱۲- ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک سیاسی کشمکش کے سال تھے۔ ابتداءً انفرادی ستیہ گرہ میں قید ہوئے پھر ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک احمد نگر کے قلعہ میں نظر بند رہے۔ ۱۹۴۶ء میں "غبارِ خاطر" چھپی پہلا ایڈیشن حالی پبلشنگ ہاؤس نے چھاپا۔ غالباً دس ہزار روپے میں حاصل کی۔ دوسرا ایڈیشن نوابزادہ نصر اللہ خاں، مسٹر پربودھ چندر اور راقم نے مکتبہ آزاد کے زیر اہتمام شائع کیا۔ اس ایڈیشن کی رائلٹی کے پچیس ہزار روپے پیشگی ادا کیے۔ ۱۹۴۷ء سے اپنی رحلت ۱۹۵۸ء تک ہندوستان کی مرکزی حکومت میں وزیرِ تعلیم رہے اپنی تنخواہ کا تین چوتھائی غریب اعمال طلبہ اور بے سہارا بیواؤں کو وظائف میں دیتے باقی ایک چوتھائی میں کوٹھی کے اخراجات پورا کرتے۔

۱۳- الہلال (دورِ اول) میں بعض تعلقہ داروں اور دو ایک والیانِ ریاست نے امداد دینا چاہی لیکن دوٹوک انکار کیا۔ اس سلسلہ میں جو مقالات لکھے وہ فقر و استغنا کے شہ پارے ہیں۔

۱۴- مولانا کے عقیدت مندوں میں بعض بڑے بڑے روسا تھے ایک صنعت کار اور بہت

سے ناچ بھی سکتے۔ لیکن کسی فرد یا جماعت کا احسان مند ہونا گوارا نہ کرتے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ابتدائی دور میں حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری ان کی مالی مدد کرتے تھے لیکن ان کا فقر غیور کسی حالت میں بھی کسی دوست کے آگے ہاتھ پھیلانے کا روادار نہ تھا۔ حکیم اجمل خان [illegible] سے پوچھتے کہ ان کی گذر بسر کیونکر ہوتی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو [illegible] [illegible] [illegible] کی تقریب میں [illegible] [illegible] تھے [illegible]

[illegible]

ذکاوتِ حس

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جو دنیائی شدید الاحساس شخصیتوں کو ہوتی ہے۔ [illegible] حالات کی برہمی اور واقعات [illegible] کے باعث ذکاوتِ حس کے [illegible] ہیں۔"

[illegible] حالات سے بے پروا نہ ہوتے۔ [illegible] کا نام یہی تھا کہ [illegible] سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ خوراک، پوشاک، رہن سہن بول چال، لکھا پڑھی، اٹھک بیٹھک، بات چیت، غرض صبح و شام کے ہر دائرے میں نفاست پسند تھے۔ کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف یا سوچ سے مختلف ہوتی تو ان کے اعصاب میں خلل آ جاتا۔ وہ کسی حالت میں بھی کوئی بے ڈھنگا پن، کسی پختہ نکاتی یا لکھے بند دل [illegible] گوارا نہ کرتے وہ بہ قیامت اپنے دل پر گزار لیتے۔ البتہ جہاں ایک مرتبہ اعتماد اٹھ جاتا پھر وہاں کبھی بھروسہ نہ کرتے۔ ان کے اس چلن کی مزاجی لوگوں نے مجنونانہ، شدید الاحساس ہونے کے باوجود بھی

سے بڑی گالی کھا کر بھی جواب دینا ایک طرف۔ بات تک نہ کرتے اور خود کسی کو جلوت کیا خلوت میں بھی برا نہ کہتے۔ کسی کے متعلق غبار دل میں در آتا تو اس کی قربت سے کنی کتراتے اور چپ ہو جاتے۔ مولانا محمد علی سے بگاڑ ہو گیا تو ان کے جیتے جی رہے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو پنجاب میں کانگریسی سیاست سے متمتع ہوتے تھے۔ اس کا طول و عرض یہ تھا کہ وہ کانگریسیوں کی مدد سے صوبہ کانگریس کے صدر ہوتے یا اس قسم کے ہندو کانگریسیوں کا ساتھ دیتے۔ مولانا اس کو ناپسند کرتے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کمیٹی میں ڈاکٹر سیف الدین چھوٹے بڑے عہدے پر رہے تھے لیکن مولانا نے ڈاکٹر صاحب کے ... [illegible] ... بند کر دیتے۔ مولانا کی نفاست کا یہ عالم تھا ... [illegible] ... کر دیتے تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک ... [illegible] ... تھی کہ آپ کے توسے میں انسانی سر کا بال آ جائے ... [illegible] ... کہ بھی رہا ... [illegible] ... زیادہ پریشان ہوتے۔ وہ ... [illegible] ... تھا۔

فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

... [illegible] ... لکھے ہیں ان کا ہر فقرہ بجائے خود ... [illegible] ... ہے۔ یہی جولی ... [illegible] ... مولانا عمر بھر شدید قسم کی ... [illegible] ... کب اور کہاں ٹھٹھکتے رہے اور کب ان کے محسوسات و ... [illegible] ...؟

عقل معاش

شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور نے مولانا غلام رسول مہر کی وساطت سے ترجمان القرآن جلد اول خریدی تھی۔ وہ تمام خطوط جو اس سلسلے میں مولانا مہر کو لکھے، "نقش آزاد" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔ ان کے متن اور مولانا مہر کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کاروباری مزاج بالکل نہیں رکھتے تھے۔ شیخ مبارک علی نے راقم سے خود بیان کیا کہ مولانا اس باب میں سادہ دل اور سادہ مزاج تھے۔ اگر براہ راست اپنے قلم کو معاش کا ذریعہ بناتے تو عسرت کے طویل دن نہ کاٹتے اور

ناشروں کے پیچھے پڑے رہتے۔ ترجمان القرآن سے بیشتر حق التصنیف حاصل کرتے۔ غبار خاطر سے ایک لاکھ روپیہ پیدا کرتے۔ انھیں خوشحال رکھنے کے لیے ان کا دارالاشاعت اور البلاغ پریس کافی تھا۔ سال بھر میں ایک کتاب بھی ان کے قلم سے نکلتی تو وہ تجوری ثابت ہوتی۔ لیکن سیاست کی بے پناہ مشغولیتوں اور تنہائی کی بے عنوان لذتوں نے حصول معاش سے انہیں بے جوڑ کر دیا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ روپیہ کیونکر پیدا کیا جاتا اور کیونکر جمع کیا جاتا ہے۔ وہ [illegible] کے نہیں تھے۔ جانے کیا موضوع تھا فرمایا:

"روپیہ صرف [illegible] کر سکتے ہیں [illegible] روپیہ [illegible] فقر اور سونا [illegible] میں شاذ ہی اکٹھا ہوتے ہیں۔"

[illegible] شامل [illegible]

خودداری و غیرت مندی

تحریک پاکستان [illegible] کو حق [illegible] وشرافت [illegible] مولانا چاہتے تو [illegible] روپیہ [illegible] زمانے میں [illegible] راجندر پرشاد اور بعض دوسرے [illegible] کے مہمان [illegible] کے ہاں مقیم تھے۔ کبھی دفتر [illegible] ہوتے تو ہوٹلوں میں ٹھہرتے [illegible] قیام کرتے۔ مثلاً بمبئی میں بھولا بھائی ڈیسائی کا مکان تھا۔ [illegible] سیٹھ [illegible] دولت [illegible] اور آباد میں پنڈت موتی لال کا سوراج بھون تھا۔ کثر ہندو، مسلمان، و [illegible] ان کے قدموں میں دولت کا ڈھیر لگا سکتے تھے۔ لیکن انہیں یہ کسی حال میں گوارا نہ تھا۔ کوئی دس سال وزارت میں رہے۔ وفات پائی تو جو کپڑے تھے ان میں پیوند تھے اور بنک بیلنس صرف چند سو روپے تھا۔

مولانا محمد علی جوہر ہندوستانی مسلمانوں کے بے نیاز راہنما تھے آخر عمر میں ذیابیطس کے ہاتھوں مرض الموت کا شکار ہو گئے۔ ان کے جیب وداماں علاج معالجے کے متحمل نہ تھے۔ ہندوستان کے

مسلمان امراء کو معلوم تھا لیکن اس آڑے وقت میں مہاراجہ الور نے آمادہ کیا کہ علاج کے لئے یورپ جائیں وہ سفر و قیام اور علاج معالجہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تھا ایک ہندو مہاراجہ کا اخلاق اس شخص کے ساتھ جو کانگرس چھوڑ چکا اور اب صرف مسلمانوں کی باتیں کرتا اور اسلام سے بے پناہ شیفتگی رکھتا تھا۔ مولانا آزاد مہاراجوں کی دولت سے متمتع ہو سکتے تھے وہ چاہتے تو دولت کے انبار ان کے قدموں میں ہوتے۔ لیکن ان کی غیرت مندی اور خودداری کا یہ حال تھا کہ اس کوچے ہی سے ناآشنا تھے۔ نظام دکن کو آزادیِ ہند کے فوراً بعد کشمکش کے آغاز ہی میں مشورہ دیا کہ ریاست کو ہندوستان سے لڑنا مناسب نہیں۔ اولاً حیدرآباد کا ہندوستان کے مقابلے میں ٹھہرنا ناممکن ہے۔ ثانیاً تصادم کا نتیجہ ہلاکت ہوگی۔ ثالثاً سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ [illegible] جو ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی [illegible] ان کی بے کسی دو چند ہو جائے گی [illegible] اس سارے قضیہ کا حل یہ ہے کہ ہندوستان سے [illegible] خود فیصلہ کرنے کی [illegible] حیدرآباد اور ہندوستان [illegible] رہ سکتے ہیں۔

نظام کے [illegible] ہندیا [illegible]

"مولانا آپ [illegible] کی باتیں کرتے ہیں [illegible] میں دہلی کے لال قلعہ پر قابض ہوں گے [illegible] آصف جاہی جھنڈا لہرائے گا۔"

مولانا نے [illegible] میں کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔"

حیدرآباد کا سقوط ہوا تو مولانا مسلمانوں کی بربادی کے احوال سن کر وہاں پہنچے تو لوگ خونریزی کے مرتکب ہو رہے تھے۔ انہیں روکا، مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی، مسلمان عورتیں کنوؤں میں چھلانگیں لگا کر مر رہی تھیں، انہیں باز رکھا۔ نظام نے کھانے پر مدعو کیا۔ جو صاحب دعوت نامہ لے کر آیا اس سے کاغذ لے کر پشت پر لکھ دیا۔

"جس شخص کے سوءِ فہم اور نظر کجی کی بدولت مسلمانوں کا لہو اس طرح بہا ہے میرے لیے اس کے دسترخوان پر آنا ممکن ہی نہیں۔ انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر مجھے دسترخوان پر مدعو کرنا ابلہانہ جسارت ہے۔"

طرزِ گفت گو | مولانا گفت گو کے عصری فرمانروا تھے۔ ہندوستان بھر میں ان سے بڑا گفتگو طراز نہ تھا۔ زبان ان کی لونڈی، بیان ان کا پیش کار اور علم ان کا مصاحب تھا۔ ان کے سامنے بڑے بڑوں کا شعلۂ گفتار بجھ جاتا۔ وہ لغزشِ گفتگو سن ہی نہ سکتے تھے، کسی نے بات کی انہوں نے جھول محسوس کیا فوراً رشتۂ سخن کاٹ دیتے، فرماتے: میرے بھائی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں اور جس کی بات ہوتی وہ حسرت و حیرت سے دیکھتا۔ [illegible] ہوتا۔

ہندوستان کا کوئی مسلمان، ہندو، پارسی یا سکھ رہنما ان کے پایہ کا گفتگو طراز نہ تھا۔ سب ان سے مرعوب ہوتے [illegible] لکھتے ہیں

"جی چاہتا تھا [illegible] حاصل کرتے رہو۔"

(اردو ادب صفحہ نمبر ۲ آزاد نمبر)

ملیح آبادی نے ذکرِ آزاد میں لکھا ہے:

مولانا [illegible] ہوا تھا۔ زیادہ سے زیادہ [illegible] بھی ان کا [illegible] مزاج بھی رکھتے تھے [illegible] ظرافت [illegible] چاشنی رہا کرتی تھی۔

لیکن ان کا مزاح، پھکڑ، ابتذال اور طعن نہ تھا۔ وہ ثقاہت کے حدود میں رہتے اور نہایت شستہ و رفتہ مذاق رکھتے۔

وزارتی مشن کے زمانے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری دہلی میں تھے ان کی تقاریر سے فسادات کا ابتدائی دور رک گیا اور یہ کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ ملک فیروز خان نون نے دہلی میں کہا تھا کہ پاکستان نہ بنا تو ہم چنگیز خان و ہلاکو خان بن جائیں گے۔ شاہ جی نے وہیں ایک بڑے جلسے میں سخت نکتہ چینی کی اور فرمایا:

"فیروز خان کو شاید اپنے نام کی مناسبت سے چنگیز خان و ہلاکو خان کے مسلمان ہونے

کا گمان ہوا ہے۔"

اگلے روز شاہ جیؒ مولانا سے ملے تو مولانا نے ایک موضوع اٹھا کر کئی موضوع پیدا کرنے سے

دکھا دے مجھے اے زمینِ سخن
کہ میں نے تجھے آسماں کر دیا

مولانا گفتگو کرتے تو لفظ ملک مروارید ہوتے یا رنگا رنگ پھولوں کا سہرا۔ وہ تمام اجزا یکجی نسخے کی طرح ہوتے۔ شاہ جیؒ سے کہا:

"سنا آپ تقریروں میں گالی دینے لگے ہو۔"

شاہ جی نے سوال پڑھی اور کہا: "حضرت آپ جانتے ہیں کہ جس نے اہلِ بیت پڑھا ہو وہ گالی دے سکتا ہے؟"

مولانا: "کوئی ذکر کر رہا تھا میں عجب بڑی تعجب ہوا۔"

شاہ جی: "آپ نے اعتبار کر لیا؟"

مولانا: "اعتبار کا سوال نہیں، محض تعجب خدمت کا۔ یاد ہے کہ کوئی چوبیس پچیس برس پہلے آپ نے لاہور میں میرے رشتہ داروں کے چند اشعار سنائے تھے۔ قافیہ تھا جل، اچل، ٹل وغیرہ۔ خیال ہے کہ جو شخص اس قسم کے بیہودہ شعر یاد رکھ سکتا ہے وہ شاید غصے میں گالی بک گیا ہو۔"

شاہ جی مسکرا کر ہنس پڑے ہم لوٹ پوٹ ہو گئے۔ مولانا کی زبان سے پنجابی الفاظ اس طرح نکل رہے تھے گویا قالم پر سنگ ریزے لڑھک رہے ہیں۔

پروفیسر آلِ احمد سرور نے اردو ادب کے آزاد نمبر میں ایک تاثر کے عنوان سے لکھا تھا۔

"ساہتیہ اکاڈمی کے اجلاس کی صدارت مولانا ہی فرماتے تھے۔ میں نے سال کی بہترین غزلوں اور نظموں کا انتخاب منظوری کے لیے پیش کیا اور انعام کے لیے اخترالایمان کی سفارش کی تو ہنس کے فرمایا: "ان کا نام ہی غلط ہے۔ نظم کیسے اچھی ہوگی؟""

مولانا کئی چیزوں پر ٹوکتے اور ان سے روکتے تھے مگر اسلوبِ کلام سے ضرب ہوتا ان کے لہجے میں کوئی آزار نہ تھا۔

تکیہ کلام

ملیح آبادی نے ذکرِ آزاد میں لکھا ہے۔

"مولانا جب کسی کو بنانا چاہتے یا اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے تو اکثر میرے بھائی کہہ کر باتیں کرتے تھے۔ یار لوگوں نے اس کو اپنے سے اعزاز جان لیا تھا۔ لیکن بولتے چالتے یہ جملہ ان کا تکیہ کلام بن گیا اور آخر عمر تک زبان پر چڑھا رہا۔"

ممکن ہے بنانا میرے بھائی سے یہی مقصود ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا جب کسی رفیق، معتقد، عزیز، ہم نفس، دوست [illegible] سے بات چیت کرتے تو میرے بھائی ان کا تکیہ کلام ہوتا وہ مخاطب سے اسی طرح کلام کرتے تھے۔

معاملات میں صفائی

[illegible] تھے۔ [illegible] وجود [illegible] دوستوں [illegible] سے تعلق تھے۔ [illegible] کو [illegible] کا [illegible] معلوم ہوتا نہیں [illegible] داخل ہے یہی سبب ہے۔

ہمارے [illegible] کے یہاں ہیں۔ ان کے والد [illegible] آگئے اور قضا [illegible] بیان کیا "تم لوگ شروع ہی سے ایک ہیں تھے۔ [illegible] وفات کے دو تین ماہ بعد آپ کا [illegible] گرامی نامہ [illegible] آپ کے والد کی وفات [illegible] افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کریں، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ وہ یہاں تھے تو ان سے ڈیڑھ سو روپیہ قرضِ حسنہ لیا تھا وہ اس خط کے ساتھ منی آرڈر کر رہا ہوں۔ وصول فرمالیں۔ والسلام۔"

خواجہ صاحب کہتے ہیں اگلے روز منی آرڈر مل گیا۔

مولانا رحلت کر گئے تو کسی کے مقروض نہیں تھے۔ لیکن بہت سے طلبہ اور بہت سی بیوائیں ان کے جنازے میں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا انھیں ہر ماہ کی پانچ تاریخ

کو اپنی تنخواہ میں سے امدادی وظائف دیا کرتے تھے۔

اعتقاد و مسلک

مولانا پر اعتقاد و مسلک کے چار دور گزرے۔

۱۔ وہ پیدائشی پیرزادے تھے اور جو اسلام انھیں ورثے میں ملا وہ محض رسم و تقلید کا مذہب تھا۔

۲۔ اس تقلیدی و رسمی مذہب کے خلاف ابتدائی عمر میں شک اور اضطراب کی خلش پیدا ہوئی جس نے انکار اور دہریت کی طرف ڈال دیا اور سرسید مرحوم کے افکار نے دل و دماغ کا احاطہ کر لیا۔

۳۔ اس دماغی سفر نے ایک عبوری کروٹ لی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مذہب کی راہ عقل و ادراک سے نہیں بلکہ حس اور اس میں تعاملات ہی سے طے کی جا سکتی ہے۔

۴۔ وہ جدید و قدیم مطالعے سے اس حقیقت کو پہنچے کہ قرآن تمام مذہبی سچائیوں کا اعتبار اور صداقت ربانی کا واحد صحیفہ ہے۔ اس کی تعلیمات معاشرۂ انسانی کی فلاح و نجات کے لیے قطعی ہیں اور وہ تمام انسانوں کو ایک خدا کی چوکھٹ پر لانے کی دعوت ہے۔ فرماتے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ معاشرۂ انسانی کے لیے حکمت و تعلیم اور ہدایت کامل ہے۔

ہم آزادی سے ذکر کر آئے ہیں کہ مولانا مذہباً سلف صالحین کے مسلک پر استوار تھے۔ اور عقائد میں مسلک سلف سے تجاوز گوارا نہ تھا۔ لیکن عمل میں بڑے روادار تھے۔ وہ مذہب میں خشونت پیوست، تنگ دلی، تنگ نظری، ظاہر پرستی اور پیرزادگی کے ذہنی ادراک کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرمایا:

> "میں اعتقاد توحید و رسالت اور عمل صالح کو نجات کے لیے کافی سمجھتا ہوں۔ اس کے سوا مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔ قرآن کریم مسلمانوں کا حقیقی امام ہے۔ وکل شیءٍ احصیناہُ فی امامٍ مبین۔"
> (الہلال جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۲۴)

مولانا کے دل میں ہر دینی وجود کے لیے احترام تھا۔ کسی طرح سے کسی مذہبی دنگل میں کبھی شریک نہ ہوتے لیکن جن شخصیتوں نے اثبات حق کے لیے مصیبتیں جھیلیں اور تاریخ میں دعوت و عزیمت کا سفر کیا ان کے سوانح و افکار شروع سے آخر تک ان کی شخصیت پر چھائے رہے۔ مثلاً امام احمد

محققؒ اور امام ابن تیمیہؒ ان کے قافلۂ جہد و فکر کے راہنما تھے۔

ہندوستان میں امام ولی اللہ اور ان کے خاندان سے یک گونہ تعلق تھا۔ غرض ہر وہ شخصیت جس نے دینِ حق کی وراثت کے لیے اپنے دور کے استبداد کا مقابلہ کیا، اس سے ان کے فکر و عمل کا گہرا رابطہ تھا۔ اکثر لوگ ان سے بعض فقہی مسائل اور شرعی امور کے علاوہ مروجہ رسوم کی مذہبی چھاپ سے مقامی رنگ و روغن پر سوال کرتے۔ مولانا فقہی باتوں کا جواب تو ضرور مرحمت فرماتے لیکن جس سوال میں فتنہ چھپا ہوتا اس کا جواب نہ دیتے۔ بس خاص عقیدت مند اصرار کرتا تو لکھ دیتے۔ مقامی علما سے رجوع کریں۔ فرمایا:

"جو رسوم و رواج عوام کے ذہنی عقائد میں داخل ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں کہ عوام کے جذبات کو مشتعل کریں۔ اس سے اصلاح نہیں ہو سکتی بلکہ اور نئی اجتماعی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ [illegible] صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ [illegible] حتیٰ [illegible] علم و تفہیم سے [illegible] اختیار کرنے [illegible] پڑ جائے، [illegible]۔"

(آزاد کی کہانی صفحہ ۲۹۲)

مولانا [illegible] کوئی [illegible] فرماتے:

"ایک معمولی [illegible] کا مسلمان بھی [illegible] سیرت کے مطالعے سے اصل اسلام کی تہ کو پہنچ سکتا ہے۔ ساری خرابی مسلمانوں نے عمل میں پیدا کر لی ہے۔ عمل صالح سے دستبردار ہو کر انسانی معاشرے میں اصلاح و انقلاب کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور اس کے ذمہ دار اکثر علما و مشائخ ہیں۔"

راست گفتاری

مولانا سے طلبہ کی ایک جماعت نے سوال کیا۔

"مولانا، آدمی بڑا کیونکر بنتا ہے؟"

فوراً جواب دیا:

"چند عالمگیر سچائیاں ہیں جنہیں اختیار کرنے سے آدمی بڑا بن جاتا ہے۔"

گاندھی جی سے تعلقات کی استواری کا ذکر آیا تو کہنے لگے،

"مجھے جو چیز ان کی پسند آئی وہ تھی ان کی سچائی، ہے۔"

بعض تاریخی شخصیتوں کی راست گفتاری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا،

"جو شخص سچائی سے محروم ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ راست گفتاری اور اعتباری خدا کی غیر مترقبہ نعمت ہیں۔ جو سچ بولتا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہوتا اور اس کا دل ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔ سچائی انسان کی فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ [illegible] کو اس سے بہرہ مند کرتا ہے جو اس کے خوف سے اپنے دل کو روشن رکھتے اور اس کے ڈر سے [illegible] ہیں"

فرمایا:

"دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بار بار جھوٹے پر لعنت کی ہے۔ کسی کے لیے لعنت نہیں، عالمی تجربہ بھی یہی ہے۔ جھوٹ ہمیشہ خرابی اور شکستوں کا نقطہ آغاز اور تباہی و بربادی کو جنم دیتا ہے۔

وہ لوگ جو دوستوں سے منصب و اقتدار چاہتے اور جنہیں جھوٹ کی عادت ہے اپنے سب و شتم کا شکار [illegible] اور راست گفتار ہوتے تو ان کی زندگیاں اکسیر ہو جاتیں۔ اور وہ طبعی موت سے بہت پہلے مر جاتے۔ سچائی ایک طاقت ہے جو کسی لشکر سے شکست نہیں ہوتی اور اس کے لیے کسی دور میں کوئی زوال نہیں ہے۔"

نفاست پسندی

مولانا کا مذاق ہر معاملے میں نفیس تھا، ہر چیز نفاست سے رکھتے اور نفاست سے برتتے تھے، اپنا علمی اور سیاسی سفر بھی نفیس لوگوں کے ساتھ شروع کیا۔ ان کا رہنا سہنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، بولنا چالنا، لکھنا پڑھنا، غرض سفرِ حیات کا ہر قدم نفیس تھا۔ ایسی کسی چیز کا تصور ہی نہ کر سکتے تھے جو قبیح یا مکروہ ہو۔ مذاق کی نفاست کا یہ حال تھا کہ "الہلال" کے ابتدائی

دور میں تو معاصرین سے ادبی نوک جھونک کرتے رہتے۔ لیکن ناگوار الفاظ سے قلم و زبان کبھی آلودہ نہ کیے۔ اس کے بعد اس روش ہی سے دستبردار ہو گئے۔ وہ کسی کی ہتک یا ہجو کا تصور ہی نہ کر سکتے تھے۔ ان پر تحریک خلافت کے بعد حاسدوں نے بہت سے رکیک حملے کیے لیکن کبھی رسید تک نہ دی۔ مسلم لیگ کا شباب ان کے لیے قیامت ہو گیا۔ قائد اعظم نے تو حد ہی کر دی [illegible]۔ ملک میں ہنگامہ سا ہو گیا۔ وقائع نگاروں نے چاہا مولانا جواب دیں [illegible] مسٹر جناح کو اس گالی کا جواب ضرور ملنا چاہیے۔ فرمایا:

"چھوڑئیے، مسٹر جناح نے اس سے [illegible] کوئی نقصان نہیں کیا ہے۔"

سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے ہمکلام تھے [illegible] موضوع خطابت تھی۔ فرمایا:

"ایک روشن دل و دماغ کا آدمی اپنی [illegible] غیر شائستہ الفاظ نہیں لاتا۔ وہ الفاظ جن میں کھردرا پن ہو اور مقصود کسی کی اہانت [illegible] طبیعت [illegible] مجبور [illegible] معذور ہوتے ہیں۔"

[illegible] کے بعد جو [illegible] میں مولانا کو ازراہ تعریض مغل اعظم [illegible] تھے [illegible] باسیوں کا لطیفہ مولویوں کا تفکر و علم [illegible]

سادگی

[illegible] جمعیت [illegible] کا بال [illegible] میں [illegible] دہلی میں وفات پائی۔ کوئی ذاتی مکان یا کوئی جائیداد نہ تھی [illegible] قیمت سمجھے۔ [illegible] دوستوں کا انتخاب [illegible] ان کے قدیمی دوست موتی لال نہرو [illegible] اور چھوٹا بھائی ڈیسائی تھے۔ "غبار خاطر" کے خطوط [illegible] حبیب الرحمن شیروانی [illegible] کتابوں کے معاملے میں رؤسا کی طرح شاہ خرچ تھے۔ جیب میں آسودگی ہوتی تو مصری اور ترکی سگریٹ پیتے اور مسلسل پیتے۔ اس کے علاوہ ہر چیز میں سادگی اور کفایت رکھتے۔ کھانا تو بالکل ہی سادہ تھا جو کھا لیتے کسی ملازم سے کبھی باز پرس نہ کی۔

مولانا نے "غبار خاطر" میں اپنے ذاتی ملازم حمید اللہ کا ذکر نہایت شفقت سے کیا ہے۔ وہ کسی مرید کا لڑکا تھا۔ ملیح آبادی نے "ذکر آزاد" میں لکھا ہے۔

میں نے مولانا سے دریافت کیا: "یہاں دہلی میں باورچی خانے کا خرچہ کیا ہے؟"

فرمایا: "یہی بارہ تیرہ سو"

دوپہر کا کھانا چھوڑ چکے تھے، دعوتوں کا معاملہ الگ تھا اور کھانے والے دو تین ہی تھے۔

عرض کیا: "گھی کہاں سے آتا ہے؟"

فرمایا: "گھی نہیں ڈالڈا آتا ہے۔"

مفتی آبادی لکھتے ہیں: "یہ سنا تو میں چونک پڑا۔ معلوم ہوا عبداللہ ہر روز ایک مرغی کی قیمت لیتا لیکن ایک مرغی کی یخنی مولانا کو نہیں ملتی [illegible] وہ دونوں ہاتھوں سے مولانا کو لوٹ رہا تھا۔ اس سے پیشتر [illegible] آبادی لکھتے ہیں:

"میں نے مولانا سے شکایت کی [illegible] دوسرا موقع تھا۔ مولانا [illegible] وفات اور دوسری [illegible] سے [illegible] تھا۔"

معلوم ہوا [illegible] بھی ہے اور مرنے کے بعد اس کا بھاری بینک بیلنس نکلا تھا۔

رحمدلی

مولانا خلق محمدی [illegible] والدین کی [illegible] اکثر غریب [illegible] اور [illegible] زمانے میں [illegible] کو [illegible] کرتے تھے۔ [illegible] وفات [illegible] سے رحمتوں کی [illegible] فرماتے تھے۔ ان کا دل اتنا گداز تھا کہ [illegible] آنکھوں میں آنسو ہی آنسو ہوتے تھے۔ جب دہلی میں ہندو اور مسلمانوں کے بیچ [illegible] کئی بار شعلہ زار ہو گئے تو پرانی دہلی کے علاقے میں مارے مارے پھرتے، مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کے سہارا دیتے، ان کا حوصلہ بندھاتے اور آیات قرآنی سنا کر ان کے حوصلوں کو بلند کرتے تھے۔ اپنی کوٹھی کو بعض ایسے خاندانوں کے لیے پناہ گزین کیمپ بنا دیا جو دہلی کے رؤسا میں سے تھے۔ جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور پاکستان جانے کے لیے پر تول رہے تھے۔

مولانا نے اسی زمانے میں مولانا عبدالحق بابائے اردو کو پناہ دی۔ سید سلیمان ندوی پاکستان آ

پہنچے تھے تو بھارتی کسٹم کے افسروں نے تلاشی لے کر بعض چیزیں روک لیں۔ سید صاحب لوٹ کر مولانا کے ہاں گئے اور چھٹکارا حاصل کیا۔

مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کی افتاد میں سراپا شفقت ہو جاتے اور کسی سے انتقام لینے کے عادی نہ تھے۔

شب و روز

مولانا کی بعد کی عمر میں شب و روز کا تصور [illegible] وہ اس قسم کے حباب [illegible] تھے جن میں [illegible] قدم رہا۔

[illegible] تحریک خلافت کی [illegible] شب و روز کا [illegible] مجلسی تصور [illegible] تنہائیوں [illegible]

مولانا [illegible] مل جاتے تھے، لیکن کوئی شخص [illegible] کے شب و روز بیان کرنے سے قاصر [illegible] مختلف گوشوں سے لوگ آتے مگر اپنے ظروف میں [illegible] فکر و خیال [illegible]

[illegible] پڑھتے [illegible] وہ شخص خوش قسمت [illegible] کتابیں [illegible] ترجمان القرآن [illegible]

پہلے وزارت کا زمانہ خالی گزر گیا اور [illegible] کے علاوہ صرف ایک مصروفیت تھی اور وہ یورپ کی تاریخ، سیاست، فلسفہ، مذہب اور بعض دوسرے مباحث پر فرانسیسی و انگریزی کی نو مطبوعہ کتابوں کی خرید اور ان کا مطالعہ تھا [illegible] دس برس کی عمر سے ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔

عیب بینی و عیب گوئی سے نفرت

عیب بینی، عیب چینی و عیب گوئی سے اس درجہ متنفر تھے کہ اس طبیعت کے راویوں سے

کبھی کرتے اور انہیں ٹوک دیتے تھے۔ فرماتے روح، نگاہ اور زبان کی اس بیماری کے مہلک ہونے میں شک ہی نہیں، صرف وہی لوگ اس پر راضی ہوتے یا اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، جن کی عقلوں کو زنگ لگ گیا ہو۔ اس غیبت بینی یا عیب چینی کی بدولت اتنے بگاڑ پیدا ہوئے ہیں کہ ایک ایسی عمارت جو اخلاص فی العمل سے استوار تھی وہ صرف منہدم ہو گئی بلکہ مکینوں میں تو تکار کا الاؤ بھڑک اٹھا، دین بازار ملحد ہو گیا۔ سیاست میں ایسی دھما چوکڑی مچی کہ منافقت درست ہو گئی۔ غیبت کیا ہیں، انسان کے اعمال کی گمراہیاں۔ ہم اگر ان گمراہیوں کو روک یا ٹوک نہیں سکتے تو ان کی تشہیر و اشاعت سے کیا چاہتے ہیں؟ یہی کہ ایک دوسرے کو بدظن کریں اور یا ہم گروہی معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

فرمایا: ہم دوسروں کے عیب چننے کے بجائے ہمیشہ ان کی خوبیاں تلاش کی ہیں۔ جو لذت خوبیاں تلاش کرنے میں ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں، محاسن کی دریافت ہی سے آدمی اپنے محاسن کو بڑھا اور چمکا سکتا ہے۔

مدح و قدح سے پرہیز

مولانا ہمیشہ مدح میں مبالغہ اور قدح سے اجتناب کرتے۔ کسی بڑی شخصیت کی تعریف و ستائش نہیں کی، نہ کبھی اس باب میں الفاظ کی سخاوت کے عادی تھے۔ کبھی کسی شخصیت کا ماتم کرتے تو ہمیشہ نپے تلے الفاظ میں، کوئی بڑی شخصیت رحلت کر جاتا تو بڑے محتاط الفاظ میں تعزیت کرتے۔ علامہ شبلی کے بارے میں بہت کچھ لکھ سکتے تھے، ان کا وجود ایک دائرۃ المعارف تھا اور ان سے آپ حد درجہ متمتع بھی ہوئے تھے۔ سید سلیمان ندوی کی حیات شبلی آٹھ سو چھتیس صفحات ہیں، مولانا اگر شبلی پر دس صفحے لکھ دیتے تو بے نظیر ہوتے، اور فی الجملہ ان کی حیات کا خلاصہ ہوتا۔ دار المصنفین اعظم گڑھ کے بعض اہل قلم اسی باعث آپ سے کچھ رنجیدہ تھے۔ سید سلیمان ندوی کی ناراضی کا آغاز حیات شبلی سے متعلق آپ کے سکوت سے ہوا تھا۔ "الہلال" میں صرف ان کی سیاسی تعزیت کی، اس کے علاوہ کسی اہم کے بارے میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔

قدح کے بالکل قائل ہی نہ تھے۔ الہلال کے ابتدائی دور میں مسلم لیگ اور علی گڑھ کے بعض راہنماؤں پر "افکار و حوادث" لکھے اور چٹکیاں لیں۔ مولانا محمد علی آپ کے سیاسی حریف تھے ان سے بھی

بیچارہ وہ مطابق چھیڑ چھاڑ کی لیکن قمر کی ان ابتدائی جھپٹوں کے سوا طعن و طنز کی ہر ادبی جہت سے ہاتھ اٹھا لیا اور قدرت کے بارے میں اُسے جناب [illegible] زبان کا روگ ہے اور کوئی سا روگ لگا کر انسان مسرت زندگی نہیں گزار سکتا۔ مولانا ظفر علی خان کی شاعری پر تحسین کرتے لیکن فرماتے کہ ہجو گوئی ان کے قلم کی بلائیاں ہیں وہ ہجو نہیں کرتے بڑی باندھتے ہیں۔

حوالِ مطالعہ | گاندھی جی سے ملاقات ہوئی تو قدرتے مولانا آزاد سے متعلق بعض سوال کیے۔ گاندھی جی نے فرمایا:

"پنڈت جواہر لال نہرو سیاست میں اور مولانا [illegible] میرے استاد ہیں جو کچھ سیاسی [illegible] وحال ہے [illegible] عزت [illegible] ہے۔"

مولانا آزاد [illegible] گاندھی جی [illegible] کا اعتراف لیے پس منظر میں [illegible]

اگلے روز [illegible] سے بڑے بڑوں میں ملے، مولانا [illegible] سے متعلق سیاسی بیان پہ جواب نہیں دیتے [illegible] دیکھا

"اسی [illegible] سیاست [illegible] جواب دیتے [illegible] سکتے تھے لیکن [illegible] نہیں دیتے۔"

بالمزید پرشاد خود فارسی اور اردو کے [illegible] سوال ان سے کیا [illegible]

"اس عظیم [illegible] برجستہ گوئی [illegible] مولانا کا دماغ سینکڑوں دماغوں کا نچوڑ ہے۔ قدرت نے انھیں ڈھال کے وہ سانچہ ہی توڑ دیا ہے جس میں اس مرتبے کے انسان ڈھلتے تھے۔ مولانا اپنی ذات میں ہندوستان کا سب سے بڑا کتب خانہ ہیں۔"

ہم نے ان رہنماؤں کا ذکر سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے کیا، تو فرمایا:

"مولانا مسلمانوں کے عہدِ گم گشتہ کی ذہانت و فراست کا مجسمہ اور علم و [illegible] کے

عدد و نقطہ کا منبع ہیں۔ وہ آیت ربانی ہیں جن میں مسلمانوں کے گمشدہ اقبال کی نئی بھرپور تصویر ہیں۔"

مولانا بڑے شدید مطالعہ، مشاہدہ اور تجزیہ کا معدن تھے۔ ان کی زندگی ان سہ گونہ عناصر سے تیار ہوئی۔ وہ کہتے ہیں حرف شناسی کے آغاز سے لے کر وصال میں حیات مستعار کی آخری ہچکی تک مشاہدہ و تجربہ کے مطابق انسان تھے۔

مولانا کا بیان تھا کہ:

"میرے خرچ جو حاجت کبھی رہتی ہیں سب سے کتابوں کی خریداری سے بھی بخل نہیں کیا۔ میرا واحد شوق کتابوں کا حصول تھا اور ان کے وجود سے گھر میں سے کتابوں کی فضائیں مہکتی تھیں۔ ابھی زمین سے صندوق میں داخل [illegible] مطالعہ کی چاٹ لگ چکی تھی۔ یہی سعادت [illegible] شوق کتابیں پڑھنے [illegible] پھر حافظہ ایسا غضب کا اور کتابوں کا [illegible] [illegible] کتابوں کے معاملے میں اس طرح تھا گویا میرا [illegible] کے بغیر اپنا وجود [illegible] محسوس ہوتا [illegible] شوق کتابوں کا حصول اور ان کا مطالعہ [illegible] کوئی چیز نہیں اس درجہ مضطرب [illegible] جتنا وہ [illegible] کے لئے مضطرب ہوتے تھے وہ عادت سے بچا سے [illegible] کتب سے [illegible] بڑے معروف کتابوں کی خریداری تھا۔ [illegible] عراق [illegible] شام اور قسطنطنیہ کے تمام بڑے کتب خانے ان کی نگاہ سے گزر چکے تھے وہ کتابوں کے عشق ہی میں سال سال دو دو سال ان ملکوں میں رہتے تھے۔ ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ غیر ملکی لائبریریوں سے دو سو کتابوں کی نقلیں لائے تھے۔ اس کے علاوہ ہر سفر میں کتابوں کے دس پندرہ صندوق ہوتے۔ اس وقت مختلف عرب ملکوں میں جتنی شہرہ آفاق کتابیں موجود تھیں نہیں نقل کروا لیا تھا۔ میں نے ان سب کو اپنے حافظہ میں اتار لیا لیکن ان کی وفات کے بعد جب صدمہ ٹھہر گیا اور دیکھا تو کتابوں کے صندوق خالی تھے۔

معلوم نہ ہوسکا کہ ان میں کہاں جھول اور کون کون سے [illegible] ہوگئی ہیں۔

میرا حال یہ تھا کہ دس برس کی عمر میں ناشتے کے جو پیسے ملتے ان کو جمع کرتا اور ان سے کتابیں خریدتا تھا۔ اس وقت اردو پڑھنا اگرچہ ایک تعلیمی بدچلنی خیال کی جاتی تھی لیکن میں اردو کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ دن کو درسی مطالعہ کرتا اور رات کو ایک دو کتابیں جو خریدی ہوتی تھیں پڑھتا۔ یہ مطالعہ [illegible] سے بہت پہلے جنون ہوگیا تھا۔ میرے شوق کا یہ عالم تھا [illegible] کا شوق بے پناہ ہوگیا تو سب کتابیں خریدیں [illegible] یہ تھا کہ ہر مضمون کی [illegible] ہوگئی [illegible] پڑھنے میں [illegible] تھا [illegible] پڑھی تو [illegible] اردو کی راہ کھلی [illegible] ہوگئی [illegible] محمد حسین آزاد [illegible] شبلی [illegible] مدرسے فورٹ ولیم [illegible] ان سے کما حقہ [illegible] مطالعہ سے [illegible] میں ڈھونڈ ڈھونڈ کے [illegible] اخبارات کی ایڈیٹری [illegible] مجبول کی کہانی [illegible] رسالے آتے تھے [illegible] خریدے [illegible] شوق کا ساتھ دیتا [illegible] جن رسائل میں اجرت پر مضامین لکھ کر [illegible] تھا کہ میں کتابوں پر نوٹ لکھتا [illegible] کے ساتھ [illegible] سفر [illegible] میرا مطالعہ [illegible] ہستیوں سے جن کا وجود ایک ادارہ و تحریک تھا کما حقہ استفادہ کیا۔ مثلاً مولانا شبلی ایک ادارہ و تحریک تھے اور ان کا کتب خانہ بھی بجائے خود منفرد و یگانہ تھا اور اس زمانے میں اس سے محروم رہنا بدقسمتی تھی۔

عیسائی مشنریوں سے مناظرے و مباحثے کیے تو اس کے نتائج مجموعی لحاظ سے مسلمانوں کے حق میں اچھے نکلے

جو فائدہ مجھے پہنچا وہ یہ تھا کہ آریہ سماج کی معرفت، ہندو دھرم، اور ان مشنریوں کی معرفت، عیسائی [illegible] سے آگاہ ہوا۔ یہ بھی ایک مطالعہ تھا۔

رچرڈ ہال دمشق کا ایک مسیحی پادری تھا۔ وہ یورپ کے مدرسہ الہیات کا سند یافتہ اور اپنے فن میں بے نظیر تھا۔ اس سے دوستی ہو گئی۔ اس دوستی کی بدولت قدیم و جدید مسیحی حلقوں کے مدارس، اور بائبل سے متعلق مختلف مشرب کے مجتہدین کا [illegible] عجیب نسبت ہو [illegible]۔ میری جستجو کا یہ عالم تھا کہ [illegible] دیکھنے [illegible] ان سے [illegible] کے [illegible]۔ ایک دو سوال کئے تو ان کے [illegible]، مجھے احساس ہو گیا کہ [illegible] منظر [illegible]۔ فوراً ہی لوٹ آیا۔

الہیات [illegible] قدامت کا ذخیرہ [illegible] اور [illegible] زبان [illegible] جدید [illegible] میں [illegible] پڑھ لیا تھا [illegible] فلسفہ، الہیات [illegible] منطق [illegible] جتنی [illegible] کتابیں تھیں وہ سب میرے مطالعے میں آ چکی تھیں [illegible] میں خود ایک [illegible] میں [illegible] مطالعے کی منزلیں [illegible] کی تھیں [illegible] سے دیکھی [illegible] اس کی شاعت کی [illegible] میں [illegible] جو میں نے نصف صدی [illegible] جب [illegible] میں انگریزی اور فرانسیسی سے نابلد تھا [illegible] ۱۹۲۰ء کے بعد سے صرف انگریزی اور فرانسیسی ہی دیکھتا ہوں۔ ان کے علما کا نقطۂ نظر بغیر کسی دوسری زبان کے، ادب کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں دیتا۔ ہماری زبانوں کے مصنف اپنے قاریوں سے انصاف نہیں کرتے وہ، انہیں مرعوب کرنا چاہتے ہیں لیکن انگریزی اور فرانسیسی زبان کے اہل قلم اپنی اختیاری اور تاریخی غلطیوں کے باوجود قارئین کو معلومات دیتے اور [illegible] زبانوں کی طرح دماغوں کا شکار نہیں کرتے۔ ہر اچھی چیز مطالعے کی ہے۔ الہیات، مذہبیات، عمرانیات، تاریخ، فلسفہ، ادبیات، سیاسیات اور جدید سائنسی علوم سے متعلق جو کتاب بھی یورپ میں چھپتی ہے،

انتظار کر رکھا ہے کہ ناشر اس کی پہلی کاپی مجھے بھیج دیتے ہیں اور میں اس کے مطالعے سے جلد فارغ ہو جاتا ہوں۔ ایشیا یورپ کے مادی غلبے سے بسرعت نکل جائیگا اصل سوال یہ ہے کہ اس کے ذہنی غلبہ سے کیونکر نکلا جائے۔ اور وہ کونسی شکل ہے کہ ہم اس کی علمی قیادت کو چیلنج کر سکیں"

مولانا کی معلومات کی وسعت ناپیدا کنار تھی۔ مشہور سید [illegible] میرٹھی نے "جمعیت" دہلی کے "آزاد نمبر" میں لکھا تھا کہ:

"ان کے مطالعے کی بوقلمونیوں کے بھید کا یہ حال یہ تھا کہ انقلاب فرانس سے متعلق کسی نے سوال کیا تو اس کا جواب اس طرح دیا گویا خود انقلاب فرانس کے بانی ہیں۔ ایک صاحب سے [illegible] کی تاریخ [illegible] اس طرح تفصیلات بیان کیں کہ وہ شخص مبہوت ہو گیا۔ [illegible] فلسفے میں [illegible] سفر کے نام سے [illegible] علم سے متعلق متذبذب تھا۔ ایک دن [illegible] یورپی فلسفے [illegible] کتاب انگریزی [illegible] دو چار ساتھیوں کے ساتھ [illegible] مولانا کی خدمت میں [illegible] سمجھ میں نہیں آتے۔ [illegible] ان کے سمجھنے میں مدد [illegible] مولانا نے کہا میرے پاس چھوڑ دو میں [illegible] دیکھوں [illegible] کیا لکھا ہے — اگلے روز وہ نوجوان مولانا کے پاس گئے مولانا نے دریافت کیا تمہاری سمجھ میں کیا چیز نہیں آئی؟ انہوں نے کہا تو اس میں سے کچھ نہیں سمجھے۔ مولانا نے پہلے اس کے ابتدائی مطالب بیان کئے پھر ساری کتاب کی حقیقت بتا دی اور ساتھ ہی ساتھ نشاندہی کر دی کہ مصنف نے فلاں فلاں جگہ ٹھوکر کھائی ہے۔ وہ نوجوان جو فلسفے میں کسی کو پیٹھ پر ہاتھ دھرنے نہیں دیتا تھا، دنگ رہ گیا۔ ہر کسی سے کہتا تھا کہ مولانا کا دماغ قدرت کا معجزہ ہے۔"

نیاز فتح پوری نے ان کی اس عظمت ہی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"ان کی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل کر وہ نہ ہو جاتی جو ہمارے سامنے آئی تو وہ خدا جانے کیا کیا ہو سکتے تھے۔ وہ اگر عربی شاعری کی طرف توجہ کرتے تو متنبی و بدیع الزماں ہوتے۔ اگر محض دینی و مذہبی فلاح اپنا شعار بنا لیتے تو اس عہد کے ابن تیمیہ ہوتے، اگر محض علوم حکمیہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تو ابن رشد اور ابن طفیل سے کم درجے کے متکلم و فیلسوف نہ ہوتے۔ اگر وہ فارسی شعر و ادب کی طرف متوجہ ہوتے تو عرفی و نظیری کی صف میں نہیں جگہ تھی۔ اگر وہ تصوف و اصلاح اخلاق کی طرف مائل ہوتے تو غزالی اور رازی سے کم نہ ہوتے۔ اور اگر مسلک اعتزال اختیار کرتے تو دوسرے واصل بن عطا ہوتے۔"

اسی مضمون میں نیاز لکھتے ہیں کہ:

"ایک بار حکماء اسلام کے تذکرے میں ابن طفیل کا ذکر آیا تو مولانا نے اس کی مشہور کتاب حی بن یقظان کی پوری داستان یک نشست میں اس طرح سنادی گویا وہ اس کے حافظ تھے۔"

اور یہ سب مطالعے کے کرامات تھے۔

فرمایا۔ "اس وقت میری عمر ۶۹ برس ہے۔ آٹھ سال نکال دیں باقی سال کے دن شمار کریں تو ۲۱۹۰۰ ہوتے ہیں۔ اب اس میں قید و بند کے دن بھی ہیں۔ علالت کا زمانہ بھی اور ادھر ادھر کی مشغولیوں کے ایام بھی۔ میرا خیال ہے۔ جب سے شعور آیا ہے اس وقت تک پندرہ ہزار کتابیں ضرور دیکھی اور پڑھی ہیں۔ اور بہت کم کتابیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں الف تا ی پڑھا جائے۔ اکثر کتابیں اپنے چند صفحات ہی میں جاسوسی کر دیتی ہیں کہ ان میں کیا ہے؟

خلوت پسندی

- تنہائی خواہ کسی حالت میں آئے اور کسی شکل میں۔ میرے دل کا دروازہ ہمیشہ کھلا پائے گی۔
- ابتدا ہی سے طبیعت کی افتاد کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ خلوت کا خواہاں اور جلوت سے گریزاں رہتا تھا۔
- لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں، مگر بارہ تیرہ برس کی عمر میں میرا یہ حال تھا کہ کتاب

سے کہ کسی گوشے میں جا بیٹھتا اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہوں۔

- لوگ اگر میری حالت سے رُخ پھیرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ دل گلہ مند ہو اور زیادہ منت گزار ہونے لگتا ہے۔

- میں نے سیاسی زندگی کے ہنگاموں کو نہیں ڈھونڈا تھا، سیاسی زندگی کے ہنگاموں نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔

- جب کبھی قید خانے میں سنا کرتا ہوں کہ قید تنہائی کی سزا دی گئی ہے تو حیران رہ جاتا ہوں کہ تنہائی کی حالت آدمی کے لیے سزا کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر دنیا اس کو سزا سمجھتی ہے تو کاش ایسی سزائیں زیادہ سے زیادہ مل سکیں۔

(غبار خاطر مکتوب ۲۹ اگست ۱۹۴۲ء)

مولانا کی خلوت پسندی کا یہ عالم تھا [illegible] مولانا غلام رسول مہر کو پاکستان سے ملنے کے لیے [illegible] دو دفعہ [illegible] ملاقات نہیں ہو سکی۔ ہفتہ گزر گیا لیکن [illegible] قاضی عبدالغفار بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولانا مہر نے ان سے کہا کہ مجھے واپس جانا ہے ہفتہ گزر گیا ہے اور ملاقات نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا خود مجھے یہاں [illegible] دن ہو گئے ہیں [illegible] ملاقات نہیں ہوئی [illegible] عجیب قصہ سنایا کہ [illegible] بارہ روز سے [illegible] نہیں دیکھا تو کہا آپ [illegible] سے آئی ہیں؟

مولانا مہر سے شاید دسویں دن ملاقات [illegible] ملنے کو کسی اور صحبت پر اٹھا رکھتے ہیں، اور ہمیں اگلے روز [illegible] اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔

مولانا ملاقاتوں کے عادی ہی نہ تھے۔ وہ اپنی خلوت کو عبادت اور اپنی تنہائی کو انجمن سمجھتے تھے۔

ذاتی احباب

مولانا کا زمانۂ تعلیم دوستوں سے خالی رہا۔ والد انتہائی سخت گیر تھے۔ ان کے نزدیک بچوں کے لئے گھر سے باہر کی آب و ہوا مضر تھی۔ کسی کھیل کود یا سیر و تفریح کا تصور ہی نہ تھا۔ بچپن گھر کی چار دیواری میں گزرا۔ مولانا کا بیان ہے کہ وہ گھر کی چوکھٹ

سے باہر قدم نہ رکھ سکتے تھے۔ صرف جمعہ کے دن والد کی معیت میں جامع مسجد جاتے یا ان سے خادم خاص حافظ ولی اللہ کے ہمراہ سال میں صرف دو دفعہ شہر جا سکتے تھے۔ اس حالت میں کسی دوست کے پیدا ہونے یا کسی کے دوست بننے کا سوال ہی نہ تھا۔

جب قلم کا سفر شروع کیا اور خطابت کے میدان میں قدم رکھا تو دوستوں کا ایک مختصر حلقہ پیدا ہو گیا۔ لیکن سیاست کے خارزار میں داخل ہوتے ہی ختم ہو گیا۔ طبیعتاً کم آمیز تھے۔ اسی کے بعد دوستانہ روابط لفظ متروک ہو گئے۔ حتیٰ کہ عمر کے نصف ثانی میں غیر سیاسی احباب کی صحبتیں عنقا ہو چکی تھیں۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی روایت کے مطابق ابتدائی عہد میں شفاء الملک حکیم سید محمد صادق لکھنوی [illegible] وحشت [illegible] ڈپٹی نجم الدین [illegible] مولانا سے گہری دوستی تھی [illegible] لکھنوی [illegible] کے شاگرد [illegible] حکیم [illegible] علی لکھنوی کے [illegible] طبیب [illegible] وحشت کلکتہ کے نوجوان شاعر اور مشہور معاند [illegible] میں سے تھے [illegible] مولانا کی دوستی [illegible] کے ابتدائی دور کے تھے [illegible] مولانا سے مل کر [illegible] ملیح آبادی سے ملنے تو کہنے لگے۔

بو [illegible] میں بھی ایک دوست تھے۔ ہماری خوب چھنتی تھی۔ میں نے اس سے بڑھ کر ذہین آدمی دیکھا ہی نہیں۔ [illegible] سید جمال الدین افغانی کے رفقا میں سے تھے اور کلکتہ میں حبل المتین نکالتے تھے۔ اس اخبار کا انقلاب ایران میں بڑا ہاتھ تھا۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ فارسی اور عربی کے بے پناہ لسان تھے۔ ڈپٹی نجم الدین اسّی برس کے تھے اور مولانا کے ان احباب میں سب سے معمر تھے۔ سید جمال الدین افغانی کی محبت سے متاثر ہو کر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اس کے بعد قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے۔ ان ڈپٹی صاحب ہی کے بھتیجے قطب الدین الہلال کے منیجر رہے۔ اس زمانہ میں گریجویٹ تھے۔ ان کا بیاہ سلطان ٹیپو شہید کے خاندان میں ہوا تھا۔ قاضی نور الانام کی مولانا سے دوستی کا ایک ہی سبب تھا کہ وہ شعار

کے برمحل استعمال میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہیں حفظ شعر میں یہ خصوصیت حاصل تھی کہ جب تک چاہتے شعر میں گفتگو جاری رکھتے۔ مولانا مضمون کی رعایت سے مناسب حال شعر پوچھتے، ورنہ وہ برمحل بتا دیتے۔ پھر جب مولانا عملی سیاست میں داخل ہوئے تو ان کا حلقۂ احباب یکسر بدل گیا۔ جو لوگ ان کے ہم سفر تھے، انہی میں سے بعض دوست بنتے چلے گئے۔ [illegible] حکیم اجمل خان، [illegible]، پھر پنڈت موتی لال نہرو، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، پنڈت جواہر لال نہرو اور بھولا بھائی ڈیسائی۔ نیاز مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ملک کے نامور سیاسی رہنما، معروف اہل قلم، [illegible] سال [illegible]۔ بعض ان میں سے سیاسی عقائد ان سے مختلف تھے۔ لیکن شخصی طور پر عقیدت رکھتے، مولانا سے خلوص برتتے اور التفات کرتے تھے۔ مثلاً غلام رسول مہر کی ذہنی وجاہت پر اعتماد کرتے، عبدالمجید سالک کو خوش مذاقی سے [illegible] ان کی بذلہ سنجیوں سے محظوظ ہوتے، مولانا [illegible] [illegible] تصویری [illegible] سمجھتے۔ آصف علی پر بھروسہ کرتے [illegible] کو بھائی کہتے تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی (نواب صدر یار جنگ) سے ان کی دوستی [illegible] اس وقت ہو [illegible] مولانا کے صدیق [illegible] بھی ہیں جنہیں سیاست سے [illegible] نہیں۔ ورنہ اس سفر کے مختلف راستوں میں نہیں ان کے قدموں کی کوئی سی چھاپ ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی ۵ جنوری [illegible] کو صبح کے وقت اپنے آبائی قلعہ بھیکن پور میں پیدا ہوئے۔ والد نے بیٹے کے نام پر حبیب گنج بسایا اور ان کے لیے ایک گڑھی بسائی۔ میر عثمان علی خاں نے دکن بلا کر صدر الصدور کے علاوہ نواب صدر یار جنگ کا خطاب عطا کیا۔ وہاں تیرہ برس تک مذہبی امور کے ناظم کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر سبکدوش ہو کر ندوہ میں علامہ شبلی کے ساتھ شریک ادارت ہوئے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ دینیات کے اعزازی صدر رہے۔ دار المصنفین اعظم گڑھ کے مستقل صدر اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری ہوئے۔ کئی ایک علمی و ادبی کانفرنسوں کی صدارت

کی وہ جامع و مانع صد سالہ خطبات پڑھتے جن کا ادبی و علمی دنیا میں ہمیشہ چرچا رہا۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف تھے۔ مولانا آزاد سے پہلی ملاقات ۱۹۰۵ء میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۳۹ برس اور مولانا ۱۷ برس کے تھے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے وفات پائی۔

ایک صحبت میں کسی دوست کا گلہ کیا جا رہا تھا۔ فرمایا:

"اس طرح گلہ کرنے سے انسان اپنی شکست کو نمایاں کرتا ہے۔ دوستوں کے انتخاب میں احتیاط کرو۔ بے شک ہر فرد، ہر شخص دوستی کا اہل نہیں ہوتا۔ لیکن دوست نہ ہو تو زندگی اجاڑ محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح [illegible] رشتے [illegible] ہیں [illegible] اسی طرح دوست سفرِ حیات کا زادِ راہ ہیں"

بذلہ سنجی

بعض دوستانہ محفلوں میں مولانا بذلہ سنجی کا جو [illegible] تھا عرب شعرا کی [illegible] میں [illegible] ڈیڑھ [illegible] میں اور [illegible] کی مسلوں میں [illegible] خصوصاً نکات کی رعایت سے خوب ہوتے اور بعض بیتی شگفتگی کو ملحوظ رکھا جاتا تھا [illegible] کو ایک علیحدہ کتاب میں [illegible] جا سکتا ہے۔ [illegible] سے تعلق [illegible] ان [illegible] میں [illegible] سے جو خوش [illegible] ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن [illegible] بے تکلف تھے۔ [illegible] محظوظ ہوتے تھے [illegible] جو جی چاہا کہہ جاتے اس سے رکتے نہیں تھے۔ مولانا سے کہنے لگے۔

"حضرت یہ دہلی والے ایک دو کے سوا کسی کو دہلی والا تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک جو لوگ اب دہلوی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ گشتہ دہلی کی منہدم عمارتوں کے روڑے ہیں۔ ان کے نزدیک اب ڈیڑھ پونے دو خاندان ہی دہلوی ہیں۔ باقی سب سادات کے زمانے میں ادھر ادھر سے آتے تھے، ڈپٹی نذیر احمد کو دہلوی نہیں مانتے۔ حسن نظامی کے بارے میں ماتھے پہ شکن ڈال لیتے ہیں، محمد حسین آزاد میں بھی مین میخ نکالتے ہیں اور حالی تو خیر پانی پت ہی کے تھے۔"

مولانا مسکرائے فرمایا:

"مولوی صاحب چھوڑیئے، آپ کیا بے مزہ کہانی لے بیٹھے ہیں، یہ سب خوش فکروں کی چونچلے ہیں جانے کن حسرتوں کو یاد کر کے طعن و طنز کے سنگم میں انگڑائیاں لیتے ہیں۔"

مولانا حبیب الرحمٰن بات قطع کرتے ہوئے بولے

حضرت، وہ تو آپ کو بھی دھلوی نہیں [illegible]

فرمایا:

"مولوی صاحب وہ ٹھیک کہتے ہیں [illegible] یاد رکھتے ہیں [illegible] ان کا [illegible] تھا۔ اس دھلی کا سب [illegible] سب ہو چکا ہے۔

آپ [illegible] دوسرے محلے [illegible] کی زبان کے [illegible] کی [illegible] علی کی داستان [illegible] نہیں [illegible] محلے [illegible] پر [illegible] ہیں چکھا [illegible] نہیں [illegible] پانی میں اتروایا [illegible] نہیں [illegible] زبان کے [illegible] نہیں دیکھیں [illegible] کے ساتھ [illegible] میں [illegible] جو شعر [illegible] نہیں لیا، استاد [illegible] میں [illegible] فلاں مصنف اور فلاں [illegible] دیکھتے [illegible] اپنے دھلوی ہونے کا ثبوت کیونکر دیتا ہے؟ [illegible] اس کے دھلوی ہونے کی سند کہاں سے دی جا سکتی ہے؟"

مولانا [illegible] تفنن اسی ذوق کی تھی۔ بعض [illegible] کو اس انداز کے جملوں کی مسکراہٹ سے حوالے کر دیتے تھے۔

عملۂ الہلال سے سلوک

الہلال کے عملے میں فضل الدین مولانا کے سیکرٹری اور پریس کے نگران تھے۔ الہلال ہفتہ وار کے منیجر قطب الدین، ڈپٹی نجم الدین کے بھتیجے اور ایک مستعد گریجویٹ تھے۔ ان کے علاوہ پریس اور دفتر کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ الہلال کے عملۂ اول میں سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبداللہ انصاری، مولانا حامد علی صدیقی، مولانا عبدالوحید کانپوری

اور مولانا عبدالسلام ندوی ادارۂ تحریر میں رہے۔ ایک اور صاحب مرزا محمد عسکری انگریزی معلومات کی حد تک ادارہ تحریر کے معاون رہے۔ دوسرا دور ۱۹۲۷ء میں عبدالرزاق ملیح آبادی کا تھا۔ "الہلال" دورِ اوّل کی بندش کے بعد ۱۴ سال تک کسی نے کچھ نہ کہا۔ پاکستان بنا تو سید سلیمان ندوی ہندوستان سے پاکستان چلے گئے۔ معلوم ہوا مولانا سے ناراض ہیں۔ اس کا ذکر ایک علیحدہ فصل میں ہے۔ ان کے سوا اور کسی رکنِ ادارہ نے کبھی مولانا کو نہ تو براہِ راست مطعون کیا نہ بالواسطہ شکایتاً کوئی گلہ شکوہ کیا۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے شبلی کی شخصیت پر ایک کتاب لکھی اور مولانا کے طرزِ نگارش کی نقل کرنا چاہی وہ محض کاتب ہو کر رہ گیا۔ عبدالرزاق ملیح آبادی مولانا کے ساتھ ۲۹ سال رہے۔ وہ عیب و ثواب دونوں سے واقف تھے اور حق بولنے سے رکتے بھی نہیں تھے [illegible] وہ لکھتے ہیں:

"مولانا سے میری رفاقت ۲۹ سال رہی۔ وہ جامع الحیثیات تھے۔ عالم تھے، مفسر تھے، محدث تھے، مجتہد تھے، فلسفی تھے، مورخ تھے، ادیب تھے، خطیب تھے، انشاپرداز تھے، خبرنویس تھے، سیاست دان تھے، قومی لیڈر تھے، مجاہدِ حریت تھے۔"

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا

سب حیثیتوں سے ان کی شخصیت ہر حیثیت پر بیسیوں [illegible] بھی جامع تھی اور توفیقِ ایزدی شامل حال ہوئی تو خود [illegible] کے پیش نظر مسلمانوں [illegible]"

افسوس ملیح آبادی مولانا کے بعد دو سال بھی نہ جی سکے چل بسے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کے ہاتھوں مولانا کو زندگی میں بڑے بڑے دکھ سہنا پڑے۔"

دراصل جن بزرگانِ عظام کو مولانا سے شکایتیں پیدا ہوئیں، سید سلیمان ندوی ان کا تمہ تھے۔ ان کی شکایت سرائی کا اور چھور بہتان یا غیبت تھا۔ وہ غالباً اس گمان میں تھے کہ فلاں شیخ سے بیعت ہونے کے بعد انہیں قربتِ الٰہی کا اعتماد حاصل ہو گیا ہے اور مولانا چونکہ ان کے شیخ سے بے نیاز ہیں، لہٰذا گردن زدنی ہیں۔ ورنہ سلیمان سمیت عملۂ "الہلال" میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ مولانا کے ذمے ان کے واجبات ہیں یا مشاہرہ کی رقم بقایا رہ گئی ہے۔

مولانا کا عملہ سے وہی سلوک تھا جو بھائیوں کا آپس میں ہوتا ہے، وہ ایک کنبے کے لوگ باہم دگر

میل جول رکھتے ہیں۔

سفر کی عادت

مولانا خلوت پسندی کی عادت رکھنے کے باوجود سفری مزاج رکھتے اور سیروا فی الارض کے دلدادہ تھے۔ ابتدائی دور میں وہ ابھی سیاست میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کے ہر اس شہر میں گھومتے پھرے اور ٹھہرے جہاں اجتماعی علمی تحریک یا کوئی اس طرح کا [illegible] ہوتا۔ اس وقت کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ، دہلی [illegible] اسلامیہ تھی تو وہ ہندوستانیوں کے [illegible] مرکز تھے۔ مولانا نے ان شہروں کا سفر [illegible] بنالیا [illegible] جہاں سے [illegible] زمانے میں [illegible] شعار رہا۔ موسم گرما ہوتا تو مسوری [illegible] جایا کرتے۔ ۱۹۰۸ء میں بلاد اسلامیہ کا سفر کیا [illegible] واپس آئے۔ جب [illegible] ملکی سیاست آزادی [illegible] خلوت پسندی کے باوجود سیاست [illegible] ان کی [illegible] وزارت [illegible] وہاں کی محبتوں کو [illegible]

فرمایا:

"میں نے [illegible] صفت حاصل کی ہے [illegible] ذہنی بالیدگی بخشتی [illegible] جو لوگ سفر نہیں کرتے وہ بسم اللہ کے گنبد میں [illegible] سفر [illegible] قوموں کی سرگزشت [illegible] کی تاریخ کا باب [illegible] جس طرح سائنس [illegible] حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح سفر سے صفات انسانی کی حقیقتوں کا علم ہوتا اور مختلف اقوام کے امزجہ و طبائع کا پتہ چلتا ہے"

موسموں سے لگاؤ

مولانا کو جاڑے کا موسم حد درجہ عزیز تھا۔ وہ سردی پر جان دیتے تھے۔ ان کے لیے کتابوں کی صحبت، سگریٹ کے کش، خلوت کا سکون، چائے کی پیالی اور جاڑے کی ٹھنڈک شرط حیات تھے۔ غبار خاطر کے خط محررہ ۳ جنوری ۱۹۴۳ء میں لکھتے ہیں۔

"اوائل عمر سے میری طبیعت کا عجیب حال ہے۔ گرمی کتنی ہی معتدل ہو مگر مجھے جلد

پریشان کر دیتی ہے۔ ہمیشہ سرد موسم کا خواستگار رہتا ہوں۔ موسم کی خنکی میرے لیے زندگی کا اصلی سرمایہ ہے۔ سردی میں جس قدر بھی زیادتی ہو موسم کا حسن اور زندگی کا عیش ہے۔ میرے تخیل میں عیش زندگی کا سب سے بہتر تصور کیا ہو سکتا ہے؟ جاڑے کا موسم ہو اور جاڑا بھی قریب درجہ انجماد کا۔ رات کا وقت ہو، آتش دان میں اونچے اونچے شعلے بھڑک رہے ہوں [illegible] چھوڑ کر اس کے قریب بیٹھا ہوں اور پڑھنے لکھنے میں مشغول ہوں [illegible] خیال سے کہ سردی کا زیادہ سے زیادہ احساس [illegible] راتوں میں آسمان کے نیچے بیٹھ [illegible] سردی خوب پڑ رہی ہے۔ [illegible] رہیں کا موقع [illegible] کریں۔ میں نے کئی بار [illegible] وہاں جانے کا اصلی موسم یہی ہے۔"

غبار خاطر کے ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

سخت سردی میں اگرچہ [illegible] ہوتا ہے اس کا مزہ بھی [illegible] حاصل ہے۔"

سفارشوں سے احتراز

مولانا کاروباری سفارشوں سے ہمیشہ [illegible] ایسی سفارش [illegible] حق تلفی سمجھتے [illegible] اپنے فرائض میں خیانت گردانتے تھے۔

ایجنسی [illegible] علی خاں کی [illegible] کارپوریشن کے چیف انجینئر کلکٹر [illegible] بننا چاہتے ہیں، جس سختی سے مولانا نے مسترد کیا اس کا ذکر ہمشیرگان کے تذکرہ میں آ چکا ہے۔

ایک دوسرا واقعہ راقم کا آنکھوں دیکھا ہے۔ لاہور میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ایک معتقد کارخانہ دار تھے۔ انہیں لوہے کی ضرورت تھی اور لوہا ان دنوں مرکزی حکومت کے پرمٹ سے ملتا تھا۔ وہ شاہ جی کو اٹھا کر اور شاہ جی راقم کو لے کر دہلی گئے، وہاں پہنچ کر سیدھے مولانا کے ہاں پہنچے۔ مولانا نے ملنے سے انکار کر دیا۔ شاہ جی کو اپنے تعلق خاطر پر اعتماد تھا۔ اصرار کیا تو ٹوٹا

[illegible] چکے تھے۔ شاہ جی نہ ٹلے تو مولانا اندر سے نکل کر ڈرائینگ روم میں آ گئے ان کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ شاہ جی کی بات سنی تو آگ بگولا ہو گئے فرمایا:

"۱۹۳۷ء سے مسلمان صوبوں کی کانگرسی وزارتوں اور ہندو صوبوں کے مسلمان وزیروں کا انچارج ہوں ان کا محاسبہ ضرور کیا ہے لیکن ان سے سفارش کبھی نہیں کی۔

[illegible]
لوٹ گئے۔"

شاہ جی [illegible] تو شاہ جی [illegible]

تھے، مولانا کے متعلق نہیں ایسے ذہنی [illegible] بہرکیف مولانا آزاد اس قسم کی

سفارشوں [illegible]

مناظرہ سے اجتناب

[illegible]

سکوت بہتر ہے۔

سیاسی میدان میں [illegible] کبھی کسی نکتہ چیں، معترض، عیب گو [illegible] کا جواب نہ دیا۔ جزوی فروعیات میں ملوث ہوتے انہیں مرتے نہ لگا سکتے۔ دوستوں نے عرض کیا "فلاں اخبار آج کل آپ کا مریدہے اور پچھلے بیس سال کی مخالفت سے ہاتھ [illegible] کر رہا ہے۔" فرمایا، اس کے ایڈیٹروں کو پڑھ چکا ہوں۔ اب اخبار کو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ کسی مقصد کے لیے زندگی بسر کرتے وہ تحسین و تنقید سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ اس کی پروا نہیں کرتے کہ دنیا ان کے متعلق کیا سوچ رہی ہے۔ وہ خود اپنے متعلق سوچتے اور

ور اپنے قدموں کی نگرانی کرتے ہیں۔ مناظرہ علم کا اسراف اور مباحثہ کی تبذیر ہے۔ اگر اپنے فیصلوں کی سچائی پر یقین ہے تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ دنیا تمہارے ارادوں کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے۔ وہ لوگ بھی ہیں جن کے تصور میں تو کائنات اس کے خالق کی سب سے پہلی اور سب سے آخری غلطی ہے اور یہی اُن کا سوءِ فہم ہے۔

پابندی اوقات

مولانا سے ان کے بعض معاصرین کی خفگی کا باعث یہ استغنا تھا۔ وہ خلوت کے انسان تھے۔ کسی کے ہاں جاتے نہ بلاتے یعنی وہ اس درجہ گم سم تھے کہ بعض لوگ جو ابتدائی زندگی میں ان کے ہم سفر اور اعلان سے شروع میں ہم قدم تھے، اسی باعث آخر تک بگڑے رہے۔ [illegible] لیکن مولانا اس قسم کی ناراضی کو ذہن کی [illegible] کا نام دیتے اور معاف کر دیتے تھے۔

پابندی اوقات کا یہ عالم تھا۔ مہاتما گاندھی کی روایت کے مطابق ایک دن پانچ بجے شام گاندھی جی آ گئے۔ مولانا کو خبر کی تو [illegible] اس وقت ملنے سے معذور ہوں، کل صبح آٹھ بجے تشریف لائیں۔ گاندھی جی بھی مہاتما تھے، بشاش بشاش ہو گئے اور اگلے دن ٹھیک آٹھ بجے صبح تشریف لائے۔

دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست کا مضمون چھپ چکا ہے کہ وہ مولانا سے طے شدہ وقت کے مطابق مل رہے تھے، اجمل خان آئے اور کہا، ڈاکٹر انصاری سے فون آیا ہے کہ پنڈت جی ملنے آ رہے ہیں۔ جواب دیا، ان کو اس وقت مولانا عزیز ہیں یہ وقت [illegible]۔ اجمل خان جنازہ اُلٹے پاؤں گئے اور کہا، پنڈت جی روانہ ہو چکے ہیں اور راستے میں چند منٹ پنڈت گوبند بلبھ پنت کے ہاں ٹھہریں گے۔ فرمایا وہاں فون کر دو کہ اب سے ڈیڑھ گھنٹے بعد تشریف لائیں۔

غرض اوقات کی پابندی مولانا کے معمولات کا لازمہ تھی۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے معمول کو بھی کسی بڑی سے بڑی مصلحت پر قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ ان کا معمول تھا کہ رات جلد ہی سو جاتے۔

ہندوستان آزاد ہوا تو پندرہ اگست کو رات بارہ بجے ہندوستانی پارلیمنٹ (لوک سبھا)

[illegible] جشن عام تھا۔ چودھری خلیق الزمان بھی صف اُتار کر ترنگا پرچم کو سلام کر رہے تھے، اگر کوئی غیر حاضر تھا تو وہ حضرت ابوالکلام تھے جنہوں نے برطانوی نمائندوں سے نہ رات کے بعد یہ دن فتح کیا تھا۔

پنڈت نہرو نے دوستوں سے بیان کیا کہ مولانا اس رات سوئے بھی نہیں۔ ان کی آنکھوں سے نیند کھو چکی تھی۔ وہ اضطراب کی حالت میں کروٹ سے رہے تھے کہ ہندوستان میں انسان قتل ہو رہا تھا نہیں اس روز سب سے زیادہ خوش ہونا چاہئے تھا وہ اس رات سب سے زیادہ ملول تھے۔

قلم و زبان کا فرق

[illegible] کی تحریر [illegible] تقریر [illegible] زبانی تحریر ہوتی۔ وہ گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کتاب کے ورق الٹ رہے ہیں۔ ان کی تقریر مربوط و مرتب [illegible] [illegible] کی کہانی ان کی زبانی سے [illegible]

"[illegible] لکھے [illegible] چھوڑ دیئے۔ [illegible] [illegible] اس طرح جو کچھ لکھا وہ [illegible]۔"

جس طرح لکھتے [illegible] [illegible] ان کی زبان [illegible] [illegible] کے ساتھ [illegible] جیسے [illegible] [illegible] ابتدائی [illegible] [illegible] زبان میں [illegible] اور آسان و سہل زبان میں قلم [illegible] قلم و زبان [illegible] میں کوئی فرق [illegible] کے سب [illegible] زبان و بیان میں [illegible] الفاظ و مطالب کی روانی و [illegible] میں تھا۔ [illegible] خلافت کے دنوں میں [illegible] کی طرح اُن کی زبان و قلم سے نکلتے تھے۔

معاصروں سے تعلق

معاصروں سے تعلقات میں رکھ رکھاؤ تھا۔ کانگریس ہائی مانڈ سے باہر ان کے دوستانہ روابط سے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ بس پہلی دفعہ [illegible] سے معلوم ہوا کہ مولانا حبیب الرحمن شیروانی ان کے صدیق قدیم ہیں۔ خلافت کے زمانے میں علی برادران، حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ معاصروں میں سر فہرست تھے، [illegible] سے علاقہ تھا۔ لیکن متقدمین میں حکیم اجمل خانؒ اور ڈاکٹر انصاری کے سوا باقی سب

ان سے کٹ گئے ور وہ خود بھی ان سے الگ تھلگ ہی رہے۔ حتیٰ کہ ایک دیک واصل بحق ہو گیا۔
مولانا محمد علی قیادت میں ان کے حریف تھے، لیکن محمد علی عوام میں تھے اور ابوالکلام عوام
کیا خواص سے بھی الگ رہے۔ مولانا شوکت علیؒ مولانا محمد علیؒ کے بڑے بھائی تھے۔ مولانا آزادؒ
نے ان کے متعلق کہا تھا کہ شوکت علی اور ظفر علی خان کسی تحریک کا قلعہ دنوں میں اُٹھا سکتے ہیں
لیکن قلعہ تیار ہو جائے تو نہیں نکال دو، ورنہ یہ اسے ڈھانا شروع کر دیں گے۔ حسرت موہانی کے
متعلق مولانا کا خیال تھا کہ سیاست کے نہیں [illegible] کے انسان ہیں۔

مولانا آزاد کی ہندوستان کی خدمت گاندھی جی کے جرنیل تھے، یہ مذاق نہیں۔ راجندر
پرشاد یا راجا جی، کرپلانی کے نزدیک گاندھی جی جدید ہندوستان کا اوتار [illegible] میں جو رت
کی شکتی [illegible] کی کمی دیکھتے تھے، لیکن مولانا آزاد گاندھی جی کو ہندوستان کی سب سے بڑی
سیاسی طاقت [illegible] وکھ
ندہ انسان اور جواہر [illegible] سینہ تھے۔ ان کے دل میں ان کے لیے بڑا اخلاص
تھا۔ [illegible] تحریک خلافت تھا
ان کے متعلق [illegible] خیال رکھتے [illegible]
پٹیل [illegible] رکھتے تھے۔ [illegible] رہتے۔ سردار پٹیل
[illegible] مزاج رکھتے ہیں۔
سردار پٹیل کی خصوصیت [illegible] سیاست
کا جو اہاد [illegible] رہے۔ البتہ ادب کے میدان میں کوئی حریف نہ تھا جو تھے وہ خوشہ چین ہی تھے۔
ملیح آبادی لکھتے ہیں، مولانا کو لکھتے دیکھ کر عجیب حظ حاصل ہوتا۔ ان

کس طرح لکھتے تھے

کے ہونٹوں پر ایک خفیف سا دلفریب تبسم کھلتا اور انگلیوں میں ناچتا
ہوا قلم کاغذ کے میدان میں سرپٹ دوڑتا۔ لکھتے وقت چہرہ ہی نہیں پورا سراپا دیکھنے کے
لائق ہوتا۔ حسن مجسم بن جاتے تھے۔ شاید اپنی تحریر سے خود بھی لطف اٹھاتے تھے، لیکن لکھ
چکتے تو اتنے چاؤ سے سنواری ہوئی تحریر پر بے رحمی سے ٹوٹ پڑتے۔ سطروں پر سطریں کٹتی چلی جا
رہی ہیں، لفظوں کا قتل عام ہو رہا ہے پھر نظرثانی کی گئی تو پہلی نظرثانی سے بھی طبیعت غیر مطمئن ہ

اب پھر چھری چلنے اور قیمہ بنانے لگتی۔ مسودہ ایسا کٹا پٹا ہوتا کہ بارہا خود انہی سے رجوع کرنا پڑتا۔ پھر وہ نقل کر چکتا تو دوسرے دن یہ نقل بھی قیمہ ہو جاتی۔ مولانا تحریر میں ایک ایک لفظ چن چن کر اور تول تول کر بٹھاتے تھے۔ محمد حسین آزاد بھی اسی رنگ ڈھنگ کے انسان تھے کہ الفاظ کی [illegible] آخر تک جاری رکھتے۔ ایک لفظ بے محل ہو جائے تو سارا طلسم ٹوٹ جائے۔

مولانا نے ادب، سیاست، مذہب، تاریخ، تصوف [illegible] تمام میدانوں میں جولانیاں دکھائی ہیں اور ہر میدان کو سر کرتے رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ [illegible] پیدا نہیں ہوا۔

(تذکرہ آزاد صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۳)

"[illegible] بیشتر آزاد رہے۔ [illegible] اور ایک ہی [illegible] کی طرف سے پرزہ آ رہا ہے [illegible] زیادہ [illegible] کسی طرح مضمون کی [illegible] لیکن آٹھ بجے رات کے بعد سب چٹھی آ رہی ہے کہ مضمون میں فلاں پیرا گراف بدل دیا جائے اور اس طرح لکھا جائے۔ ایک بالکل نئی عبارت، اس سے مطلب ہی نہیں کہ یہ عبارت پہلی عبارت کے برابر ہے، کم ہے یا زیادہ۔ کئی دفعہ پتھر پر کانٹ چھانٹ کی جاتی تھی کہ مولانا کے لکھنے کا شیوہ یہی تھا۔"

(تذکرہ آزاد صفحہ ۱۰۸)

مولانا تحریر میں سحر پھونکنے اور جادو جگانے کے عادی تھے۔ قدرت نے خود انہیں

ہاتھ سے ذہانت و فطانت کا ایک سانچہ تیار کیا اور صرف ابوالکلام کو ڈھال کے یہ سانچہ توڑ ڈالا:

(تذکرۂ آزاد صفحہ ۳۹)

مولانا خوش نویس نہ تھے ورنہ خط میں کوئی خصوصیت نہ رکھتے تھے۔ غبار خاطر کا مسودہ قلعہ احمد نگر کی یادگار ہے۔ آخری طویل خط جو موسیقی سے متعلق ہے، راقم کے پاس ہے۔ فل سکیپ سائز کے کاغذ، ایک طرف چند صفحات پر ... دوسری طرف خط کا مسودہ ہے۔ کاٹ چھانٹ بہت ہے۔ یہ وہ ... ہیں۔

مولانا چونکہ تحریر کے عادی تھے اس لیے ... لکھنے کے بعد دس بارہ بجے تک قلم ... لکھتے وقت موتی پروتے تھے۔ ... سیاسی خط و کتابت کے مسودے تیار کرتے ... علمی یا ادبی، سیاسی یا شخصی ایجاد لکھتے جب طبیعت لگی نہ تھی بس چٹ پٹ چھوڑ دیتے تھے۔

ذاتیات سے پرہیز

مولانا فطرۃً شدید الاحساس و نازک مزاج شخص تھے۔ گو شروع کے ابتدائی ... میں ... کے لیے شوخ تھے تو اس کے بعد تمام زندگی ... رہے کہ ان کا وجود ... متانت تھا۔ بات چیت کی محفلوں میں شگفتہ ہوتے یا قرطاس و قلم کی صحبتوں میں ... ابتدائی دور میں بعض تحریرات ایسے تھے کہ بعض اداروں کے معاملے میں قلم ذرا شوخ رہا لیکن جب محسوس کیا کہ یہ روش غلط ہے تو اس سے ہاتھ اٹھا لیا۔

بعد میں لوگوں نے رنگ رنگ سے حملے کئے اور جو منہ میں آیا کہہ ڈالا لیکن آپ نے ذاتیات کے مباحث اپنے قلم زبان کے لیے شجر ممنوعہ ٹھہرا لیے۔ اور ان سے عمر بھر بے نیاز رہے۔ کسی کو رسید ہی نہ دی۔

ملیح آبادی نے ذکرِ آزاد میں ۲۴ نومبر ۱۹۳۰ء کا ایک خط نقل کیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علی برادران سے تعلقات منقطع تھے اور وہ ان پر کہیں نہ کہیں ایک آدھ جملہ کس دیتے تھے۔ اس خط میں لکھتے ہیں:

"بعض اشخاص نے مجھ سے کہا ہے کہ اپنے کسی مضمون میں آپ نے شوکت علی صاحب

کو بہت برا لگتا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے آپ کی کوئی تحریر اس قسم کی نہ نکلی ہوگی۔ بہرحال اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ شخصاً کسی کی برائی نہ کی جائے اور جو کچھ لکھا جائے اعتدال سے باہر نہ ہو۔

مسلم لیگ نے مولانا کے خلاف جو طوفان اٹھا رکھا تھا وہ گالی گفتار کی انتہا پر تھا۔ نیاز مند قدرتاً اس پر برہم تھے۔ ترجمان احرار، روزنامہ آزاد ہند بھی جواباً طعن وطنز کی زبان استعمال کرنے لگے۔ مولانا کو پتہ چلا تو مجھ کو بلا بھیجا، احقر دلی پہنچا، فرمایا۔

"زندگی نہ بھڑک اٹھنے کا نام ہے نہ بجھ جانے کا، سلگتے رہنا ہی زندگی کا نام ہے۔ معاملہ مشتعل گفتار نہ ہو تو ٹھیک ہے لیکن [illegible] ہیں۔ سیاست کی اپنی زبان ہے اور [illegible] ہونی چاہیئے۔ [illegible] زبان ہے تو پھر قومی [illegible] کہتے ہیں [illegible] کبھی سخت دشنام نما الفاظ سے قومی معاملات حل نہیں ہوتے۔ میں جانتا ہوں آپ لوگوں کو مجھ سے اخلاص ہے [illegible] دوستی [illegible] نہیں [illegible] سے ہو [illegible] رہتے اور دلوں کی جگہ زبان سے [illegible] رہتے ہیں۔ نہیں یکسو دل اس کا شدید احساس [illegible] اپنے [illegible] سے تاریخی سبق حاصل کر لیں گے۔ بہرحال یہ بات حلق سے نیچے نہیں اترتی ہے کہ آپ لوگ برہنہ دشنام اور آوارہ زبانوں کے ساتھ بازار میں اتر پڑیں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو راقم کی موجودگی میں کہا "شاہ جی خطابت آپ کو عطیۂ الٰہی ہے جو چیز عطیۂ الٰہی ہو اس میں درشتگی نہ ہونی چاہیئے۔ جو لوگ حریف نہ نہیں ان کے ذرا سے خطاب بھی بہتر ہیں۔ طعن وطنز تو انسانوں کی بیمار زبانوں کا ہذیان ہیں۔ آپ ماشاءاللہ خطابت کے سمندروں سے موتی نکالتے ہیں آپ کو ان چھوٹی موٹی ندیوں سے کیا نسبت؟ جو ریت سنگ ریزے [illegible] اور ریت پھینکتی ہیں۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی سے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں کسی مسئلے پر کچھ کہہ رہے تھے تو مولانا مظہر علی اظہر کی اس تقریر سے پریشان ہو گئے جس میں انہوں نے قائد اعظمؒ کو کافر اعظم کہا اور ان کے نکاح کا قصہ چھیڑا تھا، فرمایا:

"یہ سیاسی لڑائی نہیں۔ یک ایسی مبتذل بات ہے جو الفاظ کی رعایت سے کٹتی تھی ہے۔ تین دفعہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کچھ توقف کیا۔ مولوی صاحب آپ بازی ہار گئے ہیں۔"

فرمایا:

جو لوگ قومی اخلاق سے مبرا بات نہیں جانتے وہی ان مقدس ذاتیات کو زبان دیتے ہیں۔"

صبر و تحمل

مولانا نے قرآن کے اخلاق میں صبر کے جو معانی بیان کئے ہیں اس کی ہو بہو تصویر تھے۔ ان کا وجود انسانی وقار و عظمت کا پیکر تھا۔ وہ تحمل (قوت برداشت) کا عالم یہ تھا کہ پہاڑ کی طرح آتشباری سے بے نیاز چٹان بن کر کھڑے رہتے تھے۔ ان میں شکوہ پہاڑوں کا اور تحمل زمینوں کا تھا۔ دشمن ان کی جان کے درپے تھے۔ ان کی پشت میں خنجر بھونکے گئے۔ مسلمانوں نے اپنی نفرت کی وحدانیت کا حصہ بنا لیا۔ لیکن زبانوں کی آوارگی پر حرف شکایت نہ لائے۔ ان کی حضور کو ٹھیس پہنچ گئی اور ان کے اخلاق و مسلک ہو گئے۔ جب حقیقت کا سورج ابھر کر حقائق ان کے سامنے آئے تو انہیں خود بخود معلوم ہو گیا کہ سب نا شناس ہیں۔ ان کے خلاف کسی نے کیا نہیں کہا حتیٰ کہ جو تھے انہوں نے بھی تحریک پاکستان کے دنوں میں پتھر اور پھول مارے، لیکن امام الہند یا شیخ الاسلام جس نے جو کہا سب کچھ سنا اور سہا فرمایا تو بس اتنا کہ آندھیوں میں گرد اڑتی اور طوفانوں میں پانی اچھلتا ہے۔ علی گڑھ کے طلبہ نے ۱۹۴۷ء میں اسٹیشن پر ان سے جو وحشیانہ سلوک کیا، پھر سری نگر میں لیگ کے منچلوں نے ان کے خلاف جو طوفان اٹھایا وہ سب ایک شہدہ پن تھا۔ ملک کی سیاسی جدوجہد میں ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ ملک تقسیم ہو گیا تو پروفیسر رشید احمد صدیقی کے الفاظ ہیں، مولانا آزاد سر سید ثانی تھے کہ یونیورسٹی کو ہندوستان کی قیامت صغریٰ کے فرقہ وارانہ الاؤ سے نکالا، اور اس کا وجود بچا لیا اور یہ سب ان کے

صبر و تحمل کی کرامات تھیں۔

اپنے بارے میں سکوت

مولانا اپنے بارے میں مہر بلب ہی رہے۔ کوئی سوانح نگاری کے لیے مسائل ہوتا تو خوبصورت الفاظ میں ٹال دیتے۔ گو باتوں باتوں میں بسا اوقات سوانح عمری کے کئی ورق کھل جاتے لیکن اس غرض سے کچھ حاصل کرنا مشکل تھا۔ قاضی عبد [illegible] [illegible] سے ان کے خاص روابط تھے وہ کئی [illegible] [illegible] کے باوجود مولانا سے سوانح [illegible] [illegible] ایک کتاب جو [illegible] محض ایک [illegible] ہے۔ مولانا مہر خود [illegible] تھے۔ مولانا کے سوانح لکھنے کا ارادہ کیا۔ مولانا سے طلب فرمایا وہ لاہور سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] خالی خولی [illegible]۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] طلب ہیں۔ جواب [illegible] فرمائیں تو معلومات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ٹھیک ہے لیکن [illegible] علمی مسائل کی وجہ سے [illegible] [illegible] بہت [illegible] [illegible] [illegible] ہیں گے اور [illegible] وقفہ آئی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] دے جاتے کھلا انکار کرتے لیکن [illegible] [illegible]۔

ان [illegible] کے باوجود ان کے سوانح [illegible] [illegible] [illegible] موجود ہیں۔ ملیح آبادی نے ابوالکلام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] یادداشت بہانی ہے لیکن دیباچے میں لکھا ہے کہ مولانا جو بھی مسودہ پڑھ کر آتا اور وہ خفگی کے ساتھ مانگ لیتے تو پھر ہمیشہ کے لیے غتربود ہو جاتا۔ کچھ ایسا ہی قصہ تذکرہ کے دیباچے میں فضل دین نے لکھا تھا۔ تذکرہ میں سب کے حالات لکھے ہیں لیکن اپنے بارے میں صرف شاعری کی ہے۔ تاہم ان کے سوانح حالات کے لیے ہماری آزادی اور غبار خاطر بہت بڑی بنیادی دستاویز ہیں۔

اس کے علاوہ ان کی رحلت کے بعد بعض رسائل کے "ابوالکلام نمبر" ہیں۔ کئی ایک اہل قلم کے رشحات کا مجموعہ مرتبہ ہمایوں کبیر ہے۔ پھر ان کے خطبات، خطوط اور الہلال و البلاغ کے فائل ہیں کہ ان سب میں انہیں ڈھونڈھا جاسکتا ہے۔

لیکن سوانحی خطوط کی اس فراوانی کے باوجود بعض سوالات کا جواب ملنا مشکل ہے۔ ایک جواہر لال کے سوا کہ وہ خود ایک عظمت کا نام تھا اور کسی بھی کانگریسی زعیم نے اپنے اس عظیم [illegible] پر قلم نہیں اٹھایا کانگریس کی مجلس عاملہ کے منٹس موجود ہوں تو ان کے سیاسی تدبیر کی وہ جھلکیاں بھی سامنے آجاتیں جو شاید ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مرتب نہیں ہو سکی ہیں۔ اور نہ بھارتی حکومت کے محکمہ مطبوعات ہی نے اس تحریکی ہندوستانی سماج کے معمار و سوانح کی ضرورت محسوس کی ہے۔

راقم کے عرض کرنے پر فرمایا:

"عظیم سوانح عمریاں عوام کی تربیت و ترقی میں ایک بڑی عظمت [illegible] ہندوستان کے دور دراز کے پرپیچ [illegible] [illegible] [illegible] میں اس [illegible] [illegible] ہیں [illegible] اجتماعی تہذیب کی سرگزشت ہوتی ہے۔"

[illegible] سوانح خودنوشت ہندوستان کی تاریخ [illegible] فرمایا:

"ہندوستان [illegible] تقسیم کے [illegible] [illegible] ہے۔"

موسیقی کا شوق

[illegible] خط [illegible] ۱۵ جون ۱۹۶۳ء میں رقم طراز ہیں:

"مجھے فن موسیقی سے [illegible] شوق رہا ہے، اور اس کا اشتغال کئی سال تک جاری رہا تھا۔ ابتدا اس کی یوں ہوئی کہ ۱۹۰۵ء میں جب تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا اور مطالعہ کتب پڑھنے میں مشغول تھا تو کتابوں کا شوق مجھے اکثر ایک کتب فروش خدابخش کے یہاں لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے فقیر اللہ خان سیف کی "راگ درپن" کا ایک نہایت خوش خط اور مصور نسخہ دکھایا اور کہا کہ یہ کتاب فن موسیقی میں ہے۔ میں نے وہ کتاب لے لی۔ جب تک موسیقی کی مصطلحات پر عبور نہ ہو اور کسی ماہر فن سے اس کی مبادیات سمجھ نہ لی جائیں کتاب کا مطلب سمجھنا مشکل تھا۔ اب جو یہ رکاوٹ پیش آئی تو طبیعت کو سخت الجھن

ہوئی، خیال ہوا کسی واقف کار سے مدد لینی چاہیئے۔ سیتا خاں نامی ایک شخص والد
مرحوم کا مرید تھا اور ان سے بیعت کے بعد اس پیشے سے تائب ہو گیا تھا میں نے
اس کو راضی کیا اور وہ قدرے تذبذب کے بعد بہت خوش ہوا کہ مرشد زادے کی
توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی ہے۔ ہفتے میں تین دن مقرر کئے، پھر ہر روز سہ پہر
کے وقت اس کے مکان پر جانے لگا اور دو تین مہینے موسیقی [illegible] شغل
جاری رہا۔ سیتا خاں نے تعلیم [illegible] جو اس فن کے
استادوں کا عام طریقہ ہے۔ بہر حال موسیقی [illegible] میں زیادہ تر توجہ ستار پر ہوئی [illegible]
[illegible] انگلیاں اس سے آشنا ہیں۔

اس وقت میری عمر ستر برس سے زیادہ [illegible] اب جو اس کوچے میں قدم رکھا تو جہاں
تک [illegible] چار پانچ سال [illegible]
جاتی رہی [illegible] انگلیاں [illegible] نہیں [illegible] اس سے
[illegible] نہیں۔ اس
سے [illegible] ہوں
لیکن موسیقی [illegible] کا
مداوا اور جسم [illegible] کی ساری بیماریوں کا علاج ہے۔

روئے نکو معالجۂ عمر کوتاہ است
ایں نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ ام

مجھے اگر آپ زندگی کی [illegible] راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو صرف اس ایک
چیز سے محروم کر دیجئے آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

جس زمانے میں موسیقی کا اشتغال جاری تھا، طبیعت کی خود رفتگی اور محویت کے بعض
ناقابل فراموش احوال پیش آئے جو اگرچہ خود گزر گئے لیکن ہمیشہ کے لیے دامن زندگی پر
اپنا رنگ چھوڑ گئے۔ اسی زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ آگرہ کے سفر کا اتفاق ہوا، اپریل
کا مہینہ تھا اور چاندنی کی ڈھلتی ہوئی راتیں تھیں۔ جب رات کی پچھلی پہر شروع ہوتے

کو ہوتی تو چاند پردۂ شب ہٹا کر یکایک جھانکنے لگتا۔ میں نے خاص طور پر کوشش کرکے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو ستار لے کر تاج محل چلا جاتا اور اس کی چھت پر جمنا کے رخ بیٹھ جاتا پھر جونہی چاندنی پھیلنے لگتی ستار پر کوئی گیت چھیڑ دیتا اور اس میں محو ہو جاتا۔ کیا کہوں اور کس طرح کہوں کہ فریب تخیل کے کیسے کیسے جلوے انہی آنکھوں سے آگے گزر چکے ہیں ؎

گہے [illegible] وقت مستی ہیں
گہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

رات کا سناٹا، ستاروں کی چھاؤں [illegible] اور اپنے [illegible] ہوتی رات چاروں طرف تاج کے مینارے مراقبے میں جیسے تھے برجیاں دم بخود بیٹھی تھیں بیچ میں چاندنی سے دھلا ہوا [illegible] تھا جمنا کی [illegible] تھیں اور ستاروں کی [illegible] ہیں حیرت سے [illegible] ظلمت کی [illegible] فضائیں اچانک پردہ [illegible] لگے [illegible] کے [illegible] نغمے ؎

زخمہ بر تارِ رگِ جان می زنم
[illegible]

کچھ دیر تک فضا تھمی رہتی [illegible] خاموشی سے سن رہی ہے پھر آہستہ آہستہ ہر تماشائی حرکت میں آنے لگتا چاند بڑھنے لگتا یہاں تک کہ [illegible] آکھڑا ہوتا۔ ستارے دیدے پھاڑ پھاڑ کر تکنے لگتے درختوں کی ٹہنیاں کیفیت میں آکر جھومنے لگتیں، رات کے سیاہ پردوں کے اندر سے عناصر کی سرگوشیاں صاف صاف سنائی دیتیں۔ بارہا تاج کی برجیاں اپنی جگہ سے ہل گئیں اور کتنے ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ مینارے اپنے کاندھوں کو جنبش سے نہ روک سکے۔ آپ باور کریں یا نہ کریں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس عالم میں بارہا میں نے برجیوں سے باتیں کی ہیں اور جب کبھی

"تاج" کے گنبد خاموش کی جانب نظر اٹھائی ہے تو اس کے لبوں کو ہلتا ہوا پایا ہے۔"

تو مپندار کہ این قصہ زخود می گویم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

مرحوم مرزا محمد ہادی سے لکھنؤ میں شناسائی ہوئی۔ وہ موسیقی میں کافی دخل رکھتے تھے اور اس کے علم وفن کی باتوں سے آشنا تھے۔ [illegible] میں [illegible] مولانا الفاظ کے [illegible] ہیں۔

"مرزا محمد ہادی [illegible]

[illegible] تھا۔"

حجاز و [illegible] موسیقی [illegible] آواز [illegible] موجودہ [illegible] موسیقی [illegible] کی بحث [illegible] میں یورپ [illegible] دریا ہے۔

ہندوستانی درباروں میں موسیقی [illegible] بادشاہوں کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] موسیقی کچھ [illegible] انہوں نے [illegible] ایران کی ساسانی موسیقی کے [illegible] ہندوستانی موسیقی [illegible] ہیں۔ ہندوستانی موسیقی دراصل ہندوستانی مسلمانوں کی موسیقی کا نام ہے [illegible] موسیقی غیر ملکی موسیقی کہی جانے لگی۔ امیر خسرو مجتہد فن تھے۔ چنانچہ [illegible] مجتہد اور مخترعات ہیں۔ ترانہ اور [illegible] بھی مسلمانوں ہی کی ایجادات ہیں۔ مسلمان بادشاہوں سے پہلے مسلمان صوفیوں نے موسیقی کی سرپرستی کی۔ [illegible] کی خانقاہوں میں وقت کے بڑے بڑے [illegible] حاضر ہوتے۔ تغلق اور خلجی کے درباروں میں بھی ہندوستانی موسیقی نے قدردانی پائی۔ لیکن جس خاندان نے ہندوستانی موسیقی کو بحیثیت ایک فن کے اختیار کیا وہ غالباً جونپور کا مشرقی خاندان تھا۔ اسی زمانے میں دکن اور مالوہ موسیقی کے علم وعمل کا محور تھے۔ ابراہیم عادل شاہ اس قدیم جگت گرو نے اپنے شوق موسیقی سے بیجاپور کے گھر گھر میں وجد وسماع کا چراغ روشن کر دیا تھا۔ اکبر کی قدردانیوں کا ابوالفضل نے تذکرہ کیا ہے۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں فنون لطیفہ سے اپنے استغراق کی پوری کہانی

لکھی ہے۔ [illegible] کے دربار میں جس پایے کے شاعر، مصور اور گویے تھے پھر کسی دربار میں اتنے باکمالوں کا اجتماع نہ ہوا۔

المختصر مولانا کا "غبار خاطر" میں یہ آخری خط ہندوستان میں مسلمانوں کے فن موسیقی پر اجمال کے ساتھ ایک جامع مقالہ ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ علم و ادب ہی کے امام نہیں فن موسیقی کے بھی امام تھے۔ [illegible] غالب [illegible] کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے تھے۔

مریدوں کا حلقہ

مولانا پیری مریدی کے روایتی سلسلوں سے [illegible] ہو چکے تھے۔ انہیں خود پیشہ [illegible] ہندوستان میں اسلام کے تیت ہونے کا باعث [illegible] بھی سمجھتے تھے [illegible] ہندو [illegible] سے [illegible] جنگی جتوں سے بہشت [illegible] سے [illegible]۔

[illegible] کے [illegible] عظمت [illegible] کی بصیرت سے [illegible] ارادت میں منسلک [illegible] وہ [illegible] مرشد [illegible] گرد [illegible] عقیدت [illegible] جمع ہوتے تھے۔ [illegible] کے والد کا [illegible] مولانا پر [illegible] اور اعلان کر دیا [illegible] اپنی کبھی [illegible] شریک نہیں ہوگا اور یہی کیا۔ [illegible] عقیدت [illegible] مختلف [illegible] تھے۔ یہی وجہ تھی کہ والد کی تصنیفات و تالیفات کی طباعت و اشاعت تک گوارا نہ کی [illegible] ہی میں دم توڑ گئیں۔

والد کے مرید زیارت و قدم بوسی کے لیے بار بار آتے مگر ملنے سے انکار کر دیتے، آخر ان کے شدید اصرار پر ہفتہ میں ایک دن مقرر کر دیا کہ مرید جمع ہو جاتے۔ ایک کمرے میں دری کا فرش بچھ جاتا سامنے کرسی ہوتی اس پر بیٹھ کر گھنٹہ بھر مجلس کرتے یہ ایک رسمی چیز تھی مسلسل نہ تھی۔ مریدوں سے ہدیہ لینا یا روپیہ اینٹھنا ان کی سادگی اور غریبی سے خطرناک قسم کا مذاق سمجھتے تھے۔ والد قادری شیخ تھے۔ انہوں نے بیعت کی اجازت دی تھی۔ بعض خاص عقیدت مند مجبور کرتے تو بیعت لیتے لیکن

سے صرف پابندیٔ شریعت کا حلف اٹھواتے تھے۔

مخالفوں سے سلوک

فرمایا: وہ لوگ جنہیں قدرت محاسن و محامد سے نوازتی ہے ان کے مخالف ضرور ہوتے ہیں لیکن ایسے حریف لائق اعتنا نہیں ہوتے۔ انہیں جواب دینے سے جواب نہ دینا ہی بہتر ہے۔ آدمی مخالفوں سے تجربہ کچھ پاتا نہیں کھوتا ہے۔ لڑائی افراد سے نہیں نظریات سے ہونی چاہیے۔ جو لوگوں سے [illegible] لڑتے ہیں وہ [illegible] ان کو خود گزند پہنچاتے ہیں۔ فرمایا: [illegible]

[illegible]

[illegible] سب حضورؐ کے اسوۂ حسنہ میں ہے اس کے [illegible]

[illegible]

شخصیت کی ہمہ گیری

[illegible] یگانۂ روزگار، شاعروں میں شاعر سخن، مدبروں میں سرخیل، مفکروں میں [illegible] رہنماؤں میں سب سے آگے اور سیاست دانوں میں منفرد۔ دوسری کوئی اتنی جامع شخصیت [illegible] بعض بڑے بڑے انسان تھے اور سب اپنے اپنے فن و فضا میں سربرآوردہ تھے، لیکن بیک وقت کسی شخصیت میں اتنی خوبیاں جمع نہ ہوتی تھیں۔

کئی دفعہ علماء کے مجمعوں کی صدارت کی اور وہ آپ کے سامنے اس طرح ہوتے گویا سب سے

بڑی دینی درسگاہ کے حلقۂ درس میں رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مجلس خلافت مسلمانوں کی سب سے بڑی نمائندہ سیاسی تنظیم تھی، اس کی صدارت فرمائی۔ انڈین نیشنل کانگرس ہندوستان کی یورپی ذہانت اور سیاسی فطانت کا سب سے بڑا ادارہ تھا۔ اس کے ۱۹۲۳ء میں صدر ہوئے تو اس سے پہلے یا بعد اتنی کم عمر میں کوئی دوسرا صدر نہ ہوا تھا۔ پھر جب ہندوستان آزاد ہو رہا تھا تو برطانوی نمائندوں سے بات چیت میں قومی ہندوستان کے ترجمان تھے۔

ایک سیاسی ملاقات میں علی ظہیر نے بعض طلبہ سے کہا،

"آج کے حالات میں مسلمان آپ کو اپنا ترجمان نہیں سمجھتے۔"

فرمایا "[illegible] میں نے کب دعویٰ کیا کہ مسلمانوں کا ترجمان ہوں، میں جو کچھ [illegible] اس خیال سے [illegible] ہوں کہ [illegible] ترجمان ہوں [illegible] خیالات مسلمانوں کی نہیں اسلام کی آواز ہیں۔"

ادیبوں اور شاعروں میں ان کا [illegible] کا اندازہ [illegible] تمام شاعروں کے حالات [illegible] اور [illegible] ہیں۔

زندانی زندگی

قلعہ احمد نگر سے [illegible] کے خط میں [illegible] لکھتے ہیں،

"قید و بند کی زندگی کا یہ چھٹا تجربہ ہے۔ پہلا [illegible] میں پیش آیا تھا جب مسلسل [illegible] تک قید و بند میں رہا [illegible] نظر بند رہے تھے، پھر ۱۹۲۱ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۰ء میں یکے بعد دیگرے یہی منزل پیش آتی رہی اور اب پھر اسی منزل سے قافلہ بادیہ پیمائی کو گزر رہا ہے۔ پچھلی پانچ گرفتاریوں کی گزری ہوئی مدت شمار کرتا ہوں تو سات برس آٹھ مہینے سے زیادہ نہیں ہوگی۔ عمر کے ترپن برس جو گزر چکے ہیں، ان سے یہ مدت وضع کرتا ہوں تو ساتویں حصے کے برابر پڑتی ہے۔ گویا زندگی کے ہر سات دن میں ایک دن قید خانہ کے اندر گزرا۔ توراۃ کے احکام عشرہ میں ایک حکم سبت کے لیے بھی تھا، یعنی ہفتے کا ساتواں دن تعطیل کا مقدس دن سمجھا جائے۔ مسیحیت اور اسلام نے بھی یہ تعطیل قائم رکھی، سو ہمارے حصے میں بھی سبت کا دن آیا مگر ہماری تعطیلیں اس طرح بسر ہوئیں گویا خواجہ شیراز کے

دستور العمل پرکار بند رہے

"نگویمت کہ ہمہ سالہ مے پرستی کن

سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسائی باشش"

قلعہ احمد نگر سے رہا ہونے تک مجموعی قید میں دو سال گیارہ مہینے کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اس طرح قید کی مدت دس برس سات ماہ ہو گئی اور صحت کی [illegible] ہاتھ سے نکل گیا۔ انتقال کے وقت عمر ۶۹ سال ۳ ماہ ۲ دن تھی۔ [illegible] سے دس برس سات ماہ قید و بند میں گزرے، باقی ۵۸ سال ۸ مہینے ۱۲ دن قید و بند کی دیواروں سے باہر بسر [illegible] ہیں

[illegible]

[illegible] افسوس [illegible]

پہلی دفعہ ۲۷ برس کی عمر میں [illegible] وقت [illegible] حکمت [illegible] اور اپنی [illegible] اس نظر بندی میں تذکرہ لکھا، بعض دوسری [illegible] بھی تالیف [illegible] کے متعلق [illegible] معلوم [illegible] کی طبیعت ان کی اشاعت سے متعلق [illegible] بعض مقامات بھی اس [illegible] میں مدوّن کیے۔ جن جیلوں میں رہے ان میں [illegible] الہ آباد [illegible] احمد نگر جیل [illegible] اور [illegible] ترجمان القرآن کی دوسری جلد [illegible] بھی [illegible] قلعہ احمد نگر [illegible] ہے۔

مولانا کے ساتھ جو لوگ قید و بند کے مختلف [illegible] میں رہے وہ اپنی اسارت [illegible] رفاقت کا تذکرہ کئی ایک مضامین میں کر چکے ہیں۔ [illegible] ہم ان کی [illegible] علمیت سے مرعوب تھے۔ آصف علی کے لیے ان کا علم طور سینا تھا۔ مولانا اسد اللہ خاں میرٹھی ان کے ساتھ ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ میں رہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں لکھا کہ مولانا کی شخصیت سے جیل خانے میں استبداد پر خوف طاری تھا اور کوئی سپرنٹنڈنٹ کسی معاملے میں بھی چون چرا نہ کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر سید محمود نے مولانا کی موت پر ایک مضمون لکھا کہ جیل والا زندان وہ اسوہ یوسفی کا صحیح نمونہ تھے۔ مرحوم حافظ علی بہادر خاں بھی قید خانے میں ساتھ رہے ایک مضمون میں اپنی ہم صحبتی کے تاثرات بیان کرتے ہوئے

لکھا کہ "مولانا خبریں منگوانے اور خبریں پہنچوانے میں جیل خانے کے ضابطوں سے بے نیاز تھے۔" چونکہ ہر لحاظ سے تنہا تھے۔ اس لیے اندر بھی کوشش کرکے تنہا ہی رہتے۔ جیل خانے کا موسم حسب حال نہیں ہوتا لیکن مولانا کے لیے ہر موسم گوارا تھا۔ کبھی کبھار دوستوں کے مذاق میں حصہ ضرور لیتے۔ جیسا کہ ملیح آبادی نے "ذکر آزاد" میں لکھا ہے تینوں وقت کا بڑا حصہ قرطاس و قلم اور چائے و کتب ہی میں گزارتے تھے۔ "غبار خاطر" میں بھی اپنی اس تنہائی پسندی کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

> بچپن میں اس کی عادی [illegible] طبیعت بنتی گئی ہے اس سانچے میں ایسی ڈھلی کہ اب وہ سانچہ [illegible] نہیں ہو سکتا۔

[illegible]

بے مثال حافظہ

[illegible]

اتنی [illegible] چھوڑ [illegible] پینتالیس [illegible] [illegible] ایک قلعہ [illegible] کچھ [illegible] لوان تھا۔

موسیقی سے متعلق [illegible] حافظہ [illegible] یاد تھے۔ [illegible] میں [illegible] کا تجزیہ و تدقیق [illegible] کے خزانہ کا خزانہ تھا۔ قدرت نے جدید و قدیم علوم سے [illegible] ہندوستان کو کوئی زمانہ تک بڑا آدمی نہیں دیا۔ گاندھی جی انہیں [illegible] میں اپنا استاد کہتے۔ پنڈت جی [illegible] ڈاکٹر رادھا کرشن ہندوستان کے عظیم فلسفی تھے، مولانا نے ان کی کتاب فلسفہ کا دیباچہ لکھا۔ مولانا کی وفات پر ان کا تاثر یہ تھا کہ علم کا سہاگ جاتا رہا۔

ڈاکٹر حسین نے ان کے حافظے کے متعلق کہا تھا کہ مولانا کا حافظہ فی الواقعہ حافظہ سے کچھ ماورا تھا۔ وہ حافظے کی مدد سے نہیں غیب کی مدد سے بولتے تھے اور ان کے سامنے ہر کوئی گنگ ہوتا تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ٹھیک کہا ہے کہ وہ اس صدی کے سقراط تھے۔ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ اور وہ پی کر رہگزر سے عالم بقا ہو گئے۔

حریفوں کی تحسین

راقم پچھلے دنوں اپنا روزنامچہ دیکھ رہا تھا تو بعض نجی محفلوں میں حریف شخصیتوں سے متعلق مولانا کے کلمات نظر پڑے۔ مثلاً ایک سوال پر قائد اعظم سے متعلق جون ۱۹۶۷ء میں فرمایا

"تاریخ کا [illegible] فیصلہ [illegible] ہے۔ ہندوستان [illegible] مسلمانوں [illegible] کا [illegible] صحیح تھا یا غلط [illegible] لیکن [illegible] ... [illegible] مورخ [illegible] کیا ہے [illegible] ... [illegible] شخصیت [illegible] ... [illegible] ہندوؤں [illegible] مسلمانوں [illegible] مستقبل [illegible] دیا ہے۔

[illegible]

[illegible]"

[illegible] مخلص [illegible] آپ سے متعلق [illegible] باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا

"[illegible] ان کے زمانہ اختلاط کی گونج ہے۔ دوسرے [illegible] اس سے بھی زیادہ [illegible] ہی [illegible] کا [illegible] فن ہے۔"

کسی نے کہا کہ [illegible] اسماعیل میرٹھی نے [illegible] روایت کی ہے [illegible] آپ کے خلاف ایک قسم کا طعن تھا۔ فرمایا

"اسمٰعیل، شیفتہ کے پوتے ہیں اور شیفتہ کو غالب سے تلمذ تھا۔ وہ اس شرف کے باوجود کبھی کبھار غزل میں مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ اسمٰعیل کا دل آئینہ ہے اس میں کبھی کبھار غبار آ ہی جاتا ہے۔"

چودھری خلیق الزماں کا ذکر چھڑا تو فرمایا:

"کسی کی غلطیاں یاد نہ کیا کرو، ہمیشہ اس کی خوبیاں سامنے رکھو، چودھری صاحب سیاست کی بھول چوک ہیں۔"

کسی نے بیان کیا، لاہور موچی دروازہ میں کل لیگ کا جلسہ عام تھا۔ خان لیاقت علی خاں نے خطاب کیا اور آپ کو ننگی گالیاں دی ہیں۔

فرمایا: "آپ کا خیال ہے انہیں ڈھکی ہوئی گالیاں دینی چاہیئے تھیں۔ سیاست کی اس برہمی میں جب فضا میں چاروں طرف نیزے تنے ہوں آپ ان سے کیا توقع رکھتے ہیں؟"

بہت ڈھونڈتے رہتے تھے۔ کسی نے بتایا فلاں صاحب [illegible] سے مستعفی ہو کر لیگ میں چلے گئے ہیں۔

فرمایا: انہیں بہت پہلے آ جانا چاہیئے تھا۔ وہ کوئی مستقل مزاج انسان نہیں۔ مدت سے تذبذب میں رہتے تھے۔ اب [illegible] قائم ہو گی تو سرحد میں لیگ کے رخصت ہوں گے۔ [illegible] کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا نے خاموشی [illegible] ایک صاحب وزیر بھائی [illegible] کے جاتے تھے [illegible] معلوم ہوا کہ وہ مرکزی اسمبلی کے [illegible] ہیں اور اس کے خلاف [illegible] کے پاس کوئی استعفیٰ [illegible] ہے، لیکن [illegible] وہ لیگ میں چلے گئے۔"

فرمایا: "اپنے مخالفوں کی تحسین [illegible] کے لیے سب سے بڑی سزا ہے۔"

شاعری سے موانست

شاعری سے خاص موانست رکھتے تھے۔ اپنے ادبی سفر کا آغاز ہی شعر گوئی سے کیا تھا۔ شاعروں میں التزاماً جاتے، گلدستوں میں چھپتے اور اساتذہ سخن سے واسطہ رکھتے، لیکن پھر پندرہ سولہ برس کی عمر میں شاعری کا پنڈ چھوڑ دیا۔ شاعری کا ذوق غایت درجہ شستہ و رفتہ تھا۔ عربی، فارسی اور اردو کے ہزاروں اشعار حفظ تھے۔ انہیں تحریر و تقریر میں برجستہ استعمال کرتے۔ معلوم ہوتا شعر اس مضمون ہی کے لیے تھا۔ شاعروں سے متعلق گفتگو کر کے بہت خوش ہوتے۔ ان سے متعلق نقد و بحث کرتے۔ ان کی فنی خوبیوں

فنی غلطیوں کا جائزہ لیتے۔ عیب بتاتے تو خوبی کے ساتھ۔ ان کے مطابق شعراء عربی و فارسی کے متقدمین تھے۔ عربی شاعری کے متعلق ان کا خیال تھا کہ شاعری کی ماں ہے لیکن اب بانجھ ہو چکی ہے۔ فارسی شعرا میں سے متقدمین کی ایک بڑی جماعت کے معترف تھے۔ لیکن اس زمانے کی فارسی شاعری کو پارس کے ادبی کھنڈر کی گرد کہتے۔ اردو شاعری میں غزل کے شیدائی تھے۔ درد، میر، غالب، اکبر، شبلی، اقبال، حسرت، فانی اور اصغر سے متعلق لکھتے تو سماں باندھتے۔ یوں قرآن کی سے لے کر خیام تک [illegible] جانتے اور [illegible] تھے۔

شاعری پر گفتگو کرتے وقت [illegible] ہوتی دلچسپ [illegible] سیاست [illegible] میں [illegible] ہیں [illegible] کے بعد [illegible] ہیں

سوال [illegible]

س۔ مولانا [illegible]

ج۔ جانتے [illegible] خود بخود چلے آتے ہیں

س۔ علامہ اقبال کی شاعری کا [illegible]

ج۔ کسی بھی دوسرے شاعر نے ہندوستانی [illegible] اس قدر اثرات نہیں چھوڑے ہیں۔

س۔ غالب [illegible]

ج۔ شاعری کے [illegible] تھے۔

س۔ حالی؟

ج۔ دل گداختہ لے کر آئے تھے اور ہر کہیں اپنی ہی سیرت کی شرافت ڈھونڈتے تھے۔

س۔ محمد حسین آزاد؟

ج۔ گو شاعری کے چمنستان میں گلگشت کی ہے۔ لیکن ان کا اصل میدان انشا پردازی تھا۔ جہاں وہ نمک کو نبات اور کنکر کو موتی بنا دیتے ہیں۔

س۔ علامہ شبلی؟

ج۔ ان کی شاعری میں شہنائی کا لہجہ اور تلوار کا نغمہ تھا۔

س۔ اکبر الٰہ آبادی؟

ج۔ خندہ و گریہ کا آمیختہ تھے۔

س۔ ظفر علی خاں؟

ج۔ تلوار اس تیزی سے چلاتے رہے [illegible] وقت [illegible] کند ہوجاتی یعنی تلوار کے دھنی تھے۔

س۔ حسرت موہانی؟

ج۔ غزل میں رند، صحافت میں [illegible] اور سیاست میں [illegible] ہر قسم کے مسلمان تھے۔
[illegible] شاعری [illegible] اس کی تحسین میں [illegible] صدیوں کو بھول جاتا ہے۔

[illegible]

رفیقۂ حیات

[illegible] کلکتہ میں [illegible] ہے۔ [illegible] باری لکھتے ہیں کہ فرشتہ صفت انسان تھے [illegible] ایک بیٹا اور [illegible] پانچ بیٹیاں تھیں۔ جن میں سے ایک بچی [illegible] کے ساتھ بیاہی گئی۔ سب سے چھوٹی [illegible] زلیخا بیگم تھیں۔ وہ [illegible] تو انہوں نے مرشد کے قدموں میں ڈال دی [illegible] بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ زلیخا نام رکھا۔ پھر یہ بچی [illegible] سال کی عمر میں [illegible] جیسے وہ [illegible] تھے۔ [illegible] بروایت حمیدہ سلطان، مولانا ہمیشہ [illegible] روایت سے [illegible] مولانا کی شادی بارہ تیرہ [illegible] کی عمر میں ۹ سالہ زلیخا بیگم سے ہوئی اور [illegible] سی بات [illegible] زنانخانے میں سے [illegible] جا رہا تھا۔ مولانا کے سالے ساتھ ہی رہتے تھے۔ [illegible] کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مولانا نے سیاسی زندگی میں قدم رکھا تو قید و بند کے مختلف مرحلوں اور مہمانی کی کثرت [illegible] کے باعث گھر خالی رہتا۔ [illegible] میں ان لوگوں ہی سے گھر کی چہل پہل قائم رہتی۔ مولانا آفتاب الدین کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا تھا۔ وہ بغداد کے ایک ممتاز خاندان سے تھے۔ مولانا کے سالے [illegible] ایک ہونہار نوجوان تھے۔ "البلاغ" میں غالب پریس کے انچارج تھے۔ یکایک بیمار ہوگئے۔ مولانا نے کلکتہ کے علاوہ مسوری، رانچی اور دہلی سے علاج کرایا لیکن افاقہ نہ ہوا اور جوان مرگ ہوگئے۔ ان کی [illegible]

ملیح آبادی میں ایک مشترکہ تصویر ہے۔ معلوم ہوتا ہے انتہائی خوش شکل اور قد آور نوجوان تھے۔

مولوی آفتاب الدین ذکر کرتے ہیں کہ ملیح آبادی کی روایت کے مطابق بازار سے سامان خورد و نوش لاتے اور اس بارے میں ان کے کچھ خاص اصول تھے جن سے بال برابر ہٹنا بھی نہیں گوارا تھا۔ چقندر ترکاری ایک دن سے آتے پھر پکا کر دیتی تھی۔ ملیح آبادی کہتے ایک ہی ترکاری کیوں؟ وہ بڑی معصومیت سے فرماتے۔ فصل کی چیز ہے۔

مولانا [illegible] کے صحن میں [illegible] ایک بڑا [illegible] ملیح آبادی نے مولوی صاحب سے کہہ دیا [illegible] کے ایک حصہ میں ترکاری بوئی جا سکتی ہے مولوی صاحب نے اسی دن گوبھی کاشت کر دی [illegible] ملیح آبادی [illegible] حضرت [illegible] ترکاری سے نجات دیجئے۔ فرمایا "فصل کی چیز ہے" مونگ کی دال شروع کی تو دونوں وقت [illegible] ملیح آبادی سے مولوی صاحب سے کہا [illegible] اور مولانا [illegible]

مولانا [illegible] اس سلسلے عمر کا ایک [illegible] زلیخا بیگم نے عسرت کے اسی زمانے میں [illegible] کہیں پہنچ [illegible] ایام قید میں رخصت کر گئیں۔ [illegible] خدمت کرتیں۔ مولانا کے لیے کھانا تیار کرتیں، خود کھلاتیں، اور [illegible] تھوڑی سی دال کبھی وقت بھی سبزی [illegible] دیتی۔ مولانا [illegible] نہیں تھی [illegible] سے سود آلفت لاتا۔ کبھی کبھار باورچی رکھ لیتے لیکن عادات کا عجز ٹکنے نہ دیتا۔ جن دنوں مولانا تفسیر لکھ رہے تھے، معمول یہ تھا کہ دو بجے رات کو اٹھ بیٹھتے۔ لکھنا شروع کر دیتے۔ موسم گرم ہوتا تو زلیخا پنکھا جھلتی کبھی دفعہ رتجگا سے نرگسی آنکھوں میں سرخ ڈورے پیدا ہو جاتے۔ ایک دفعہ حمیدہ سلطان کی والدہ نے پوچھا۔ آج آنکھیں گلابی ہو رہی ہیں، جواب دیا۔ رات بھر مولانا کو پنکھا جھلتی رہی ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا

سے ہے کہ وہ جاگیں، محنت کریں، تفسیر لکھیں اور میں آرام سے سوتی رہوں۔

مولانا کے دل میں زلیخا بیگم کے لیے بے انتہا محبت اور بے پناہ احترام تھا۔ ایک عقیدت مند کی شادی پر اپنے خطاہ جنوری ۱۹۴۲ء میں لکھتے ہیں کہ ازدواجی زندگی تین چیزیں پیدا کرتی ہے سکون، مودت، رحمت۔ سکون عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو جائے کہ زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں اسے ہلا نہ سکیں۔

مودت سے مقصود محبت ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی تعمیر محبت پر ہے۔ اور محبت کا یہ رشتہ اس وقت تک پائیدار رہتا ہے، جب تک رحمت کا سورج شوہر اور بیوی کے دلوں پر چمکتا رہے یعنی شوہر اور بیوی [illegible] محبت [illegible] ایک دوسرے کی غلطیاں اور خطائیں بخشتے رہیں [illegible] گویا ازدواجی زندگی [illegible] محبت [illegible] محبت کی شکل دینے کا نام ہے۔ آزاد اور زلیخا [illegible] ایک مثالی تصویر [illegible] کی اور [illegible]

[illegible]

زلیخا کی رحلت

زلیخا بیگم نے اپنی ازدواجی زندگی ایک آئیڈیل بیوی کی طرح گزاری۔ مولانا کے [illegible] مولانا جیل میں نہ ہوتے [illegible] مولانا [illegible] تھے۔ مولانا قید و بند میں ہوتے [illegible] قید و بند ہو کر زندگی گزاردیں۔ مولانا اگست ۱۹۴۲ء میں قید کیے گئے [illegible] تھا۔ دوسری جنگ عظیم کی دھمکیں رنگون تک پہنچ چکی تھیں اور کلکتہ پر کسی وقت جاپانی حملہ کا شدید خطرہ موجود تھا۔ ادھر [illegible] کے متعلق کئی ایک خبریں گشت کر رہی تھیں۔ [illegible] ہیں جنوبی افریقہ لے جا کر نظر بند کیا گیا ہے۔ بعض ان کے توپ دم کیے جانے کی خبریں اڑاتے تھے۔ زلیخا کے لیے یہ تمام خبریں پریشانی کا موجب تھیں۔ پچھلے دو سال سے دق کا مرض متعاقب تھا۔ ان خبروں نے ایسا پریشان کیا کہ آزار سیدہ اور نالہ غیر کشیدہ ہو کر رہ گئیں۔ بیماری نے چت کر دیا۔ دوا چھوٹ گئی، غذا برائے نام رہ گئی۔ وضعداری کا یہ حال تھا کہ ہاتھ تنگ تھا، لیکن کسی کو شبہ تک نہ ہونے دیا کہ دوا و غذا کی مقدرت نہیں۔ اپنے

ڈاکٹروں سے ایک ہی بات کہتیں "خدا کے لیے ایک مرتبہ مولانا سے ملا دو"۔ اس اذیت و کرب میں ۹ اپریل ۱۹۴۳ء کو یہ ستم رسیدہ عمر بھر ہو گئیں۔ اور مولانا کی یاد ساتھ لیے ہمیشہ کے لیے ابد کی نیند سو گئیں۔

ملیح آبادی لکھتے ہیں۔

"جس روز ان کا انتقال ہو رہا تھا، مجھے [illegible] سے کئی چھٹی نگاہوں سے بھی صورت نہ دیکھی تھی۔ [illegible] وقت تھا میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگیں [illegible] میں آپ کی ہمیشہ شکر گزار رہی ہوں۔ مولانا کا [illegible] [illegible] پہلے [illegible] [illegible] پاس [illegible]

مولانا [illegible] تھے۔ مولانا نے غبار خاطر کے خط محررہ ۱۱ اپریل ۱۹۴۳ء میں اپنی طبیعت سے ضبط و [illegible] جس درد سے اٹھایا ہے [illegible] مولانا لکھتے ہیں ——

"[illegible] کو جب میں [illegible] خدا حافظ کہنے کے لیے آئی۔ [illegible] خدا حافظ کے سوا اور کچھ نہیں [illegible] سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ جو [illegible] کے چہرے [illegible] خاموش اضطراب [illegible] آنکھیں خشک تھیں لیکن چہرہ اشکبار تھا۔

خود [illegible] خاموش [illegible]

گذشتہ ۲۵ برس [illegible] رفاقت [illegible] میں نے [illegible] افسردہ خاطر سے کبھی نہ دیکھا تھا۔ کیا یہ جذبات کی وقتی کمزوری تھی جو اس کی طبیعت پر غالب آگئی؟ میں نے اس وقت ایسا ہی خیال کیا تھا لیکن اب سوچتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شاید اسے صورت حال کا ایک مجہول احساس ہونے لگا تھا۔ شاید وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس زندگی میں یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ وہ خدا حافظ اس لیے نہیں کہہ رہی تھی کہ میں سفر کر رہا تھا، وہ اس لیے کہہ رہی تھی کہ خود

سفر کرنے والی تھی۔"

حکومت کی قساوت قلبی ظاہر تھی کہ اس نے مولانا کو بیوی کی تیمارداری ہی سے محروم نہ رکھا بلکہ انہیں جنازے میں شرکت کے لیے بھی روانہ نہ کیا۔ مولانا کو اطلاع بھی اخبارات سے ہوئی کہ ان کی رفیقۂ حیات ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی ہیں۔ تمام ملک میں رنج و اندوہ کا اظہار کیا گیا حتیٰ کہ ۱۸ اپریل ۱۹۴۳ء کو کلکتہ میں صوبائی مسلم لیگ کا ایک تعزیتی جلسہ محترم عبدالرحمٰن صدیقی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ سید حسین شہید سہروردی، [illegible] غلب احسن، مولانا ابراہیم محمد اور لیگ کے دوسرے رہنماؤں نے جلسہ سے خطاب کیا۔ مولانا ۱۹۴۵ء میں رہا ہوئے تو [illegible] پوری سے سیدھے رانچی کے مزار پر گئے۔ ۳۶ سال کی رفاقت مٹی کا ایک ڈھیر تھا اور اس کو [illegible] ستقامت [illegible] ہاتھ [illegible] ہوئے تھے چہرہ اسی طرح [illegible] ہو رہی تھی۔

مولانا کی وفات

[illegible] سیاستدان ہوتے [illegible] مجبوراً رہتے ہیں شدید [illegible] تھے۔ اپنے دور کے سب سے بڑے ادیب، ایک عظیم خطیب، ایک عظیم مفکر اور عالم تھے [illegible] دنوں میں سے نہیں تھے جو [illegible] لیے سوچتے ہیں۔ وہ ملک کے مستقبل پر سوچتے تھے۔ [illegible] ہندوستان کے لیے جی رہے تھے۔ ایک عمر آزادی کی جدوجہد میں [illegible] جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس [illegible] نقشہ مطابق نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے [illegible] خون کا ایک سمندر [illegible] کنارے پر کھڑے ہیں۔ ان کا دل [illegible] سے کہیں زیادہ [illegible] کے چرکوں سے مجروح تھا۔ انہیں مسلمانوں نے سالہا سال اپنی زبان [illegible] سے زخم لگائے اور وہ ان تمام حادثوں کو اپنے دل پر گزارتے رہے۔ المختصر آزادی کے بعد بھی ساڑھے دس سال کی مسافت میں ان کے لیے [illegible] ہوئے

۱۹ فروری ۱۹۵۸ء کو آل انڈیا ریڈیو نے خبر دی کہ مولانا آزاد علیل ہو گئے ہیں۔ اس رات کابینہ سے فارغ ہو کر آئے تو بشاش تھے۔ کسی مرض کا شائبہ نہ تھا۔ حسب معمول صبح سویرے اٹھے اور غسل خانے میں گئے۔ یکایک فالج نے حملہ کیا اور اس کا شکار ہو گئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے رفقاء فوراً پہنچے۔ ڈاکٹروں کی قطار لگ گئی۔ مولانا بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ ۴۸ گھنٹے گزرنے کے بعد وہ رائے دے سکیں گے کہ مولانا خطرے سے باہر ہیں یا خطرے میں ہیں۔ ۲۱ء

[illegible] ریڈیو کے اعلانات نے برعظیم میں تشویش پیدا کردی۔ اور یہ تو عام ہوگیا کہ مولانا کی حالت [illegible] سے خالی نہیں ہے۔ ہر کوئی ریڈیو پر کان لگائے بیٹھا اور مضطرب تھا۔ مولانا کے بنگلہ میں ڈاکٹر [illegible] پرشاد صدر جمہوریہ ہند، پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم، مرکزی کابینہ کے ارکان، بعض صوبائی [illegible] اعلیٰ اور اکابر علماء کے علاوہ ہزارہا انسان جمع ہوگئے۔ سبھی پریشان تھے۔ ۲۱ فروری کو [illegible] کا خدشہ یقینی ہوگیا کسی کے حواس قائم نہ تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو رفقا سمیت شکستہ چہرے سے بیٹھے تھے۔ ہر طرف حزن و ملال کی تصویر تھی۔ [illegible] چلی تھیں جب [illegible] پھر بیہوشی [illegible] وقت سے قرآن خوانی شروع ہوئی۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی [illegible] محمد میاں، مفتی عتیق [illegible] مشغول تھے [illegible]

[illegible] رحلت کا اعلان [illegible]

[illegible] جمع ہوگئے [illegible] ہندوستان [illegible] بڑے بڑے شہروں میں [illegible] تبدیل ہوگئی [illegible] کیلئے [illegible] جن سے [illegible] بعد [illegible] کی خبر سنتے ہی دس منٹ میں پہنچ [illegible] بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ انہیں یاد آگیا کہ مولانا نے آج ہی صبح انہیں [illegible] خدا حافظ [illegible] ڈاکٹروں نے [illegible] جسم کی موت کا اعلان کردیا۔ اور [illegible] جسم کی موت کے بعد [illegible] ڈاکٹر [illegible] چندر نے [illegible] دینا چاہا تو مولانا نے آخری سہارا لے کر آنکھیں کھولیں فرمایا "ڈاکٹر صاحب اب اللہ پر چھوڑیئے" [illegible] پہلے معالجین کے آکسیجن گیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "مجھے اس پنجرہ میں کیوں قید کر [illegible] اب معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔" میجر جنرل شاہ نواز راوی تھے کہ تینوں دن بے ہوش رہے۔ [illegible] کے لیے ہوش میں آتے۔ کبھی کبھار ہونٹ جنبش کرتے تو ہم کان لگاتے کہ شاید کچھ

کہنا چاہتے ہیں معلوم ہوتا کہ آیات قرآنی کا ورد کر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے دو منٹ بعد ڈاکٹر راجندر پرشاد آ گئے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو ہی آنسو تھے۔ آن کی آن میں ہندوستانی کابینہ کے شہ دماغ پہنچ گئے۔ ہر ایک کا چہرہ آنسوؤں کی پھوار سے تر تھا اور ادھر ادھر ہچکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ مسٹر مہاویر تیاگی سراپا درد تھے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے آبدیدہ آواز میں کہا "ہندوستان کا آخری مسلمان اٹھ گیا۔ وہ علم کے شہنشاہ تھے۔ [illegible] سکتے میں تھے۔ پنڈت پنت یاس کے عالم میں تھے۔ مرارجی ڈیسائی بے حال تھے۔ [illegible] بت بنے رہے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے حواس معطل تھے۔ مولانا قاری طیب غم سے نڈھال تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن کی حالت [illegible] تھی۔ [illegible] میں مولانا کی بہن آرزو بیگم تڑپ رہی تھیں جیسے

سب کچھ [illegible] نہیں رہا

[illegible] اندرا کہہ رہی تھیں [illegible] ہم ایک عظمت سے محروم ہو گئے۔

پنڈت نہرو [illegible] تمام عمر [illegible] رہے [illegible] عوام کے بجائے خواص کی [illegible] لیکن جنازہ [illegible] ہزار سے زائد عوام کھڑے تھے۔ اور جب جنازہ [illegible] دہلی گیٹ کے علاقہ میں پہنچا تو [illegible] جب میت کو غسل دیا گیا [illegible] کوٹھی کے پورٹیکو میں [illegible] پھول چڑھائے۔ پھر وزیر اعظم نے اس کے بعد غیر ملکی سفراء [illegible] دیکھتے ہی ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ان کے ہونٹوں پر [illegible] تھا — "مولانا آپ بھی چلے گئے، ہمیں کس کے سپرد کیا ہے؟" ہندو دیویاں اور [illegible] مولانا کی میت کو ہاتھ باندھ کر پرنام کرتی رہیں۔ ایک عجیب عالم تھا۔ چاروں طرف غم و اندوہ اور رنج و گریہ کی لہریں پھیلی ہوئی تھیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی بے چینی کا یہ حال تھا کہ ایک رضاکار کی طرح عوام کے ہجوم میں گھس جاتے اور انہیں بے ضبط ہجوم کرنے سے روکتے۔ پنڈت جی نے پولیس والے سیکورٹی افسروں کو دیکھا تو ان سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"سکیورٹی افسر"

"کیوں؟"

"آپ کی حفاظت کے لیے۔"

"کیسی حفاظت، موت تو اپنے وقت پر آکے رہتی ہے۔ بچا سکتے ہو تو مولانا کو بچا لیتے؟"

عشری پر یودھ چندر [illegible] تھے۔ پنڈت جی سے [illegible] رہے تھے۔ ان کے سکیورٹی افسر بھی [illegible] بار ہو گئے۔ [illegible] بہت [illegible] جب کلمہ شہادت [illegible] جنازہ [illegible] جونہی بنگلہ سے باہر [illegible] ہندوستان رو رہا ہے۔ مولانا کی بہن [illegible]

[illegible]

[illegible] مولانا اپنے [illegible] کبھی نہ ہوں گے۔ [illegible] تم کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔"

[illegible] کو [illegible] ہندوستان کے قومی جھنڈے میں [illegible] دہلی کی روایت کے مطابق غلاف کعبہ ڈالا گیا تھا۔

پنڈت نہرو، [illegible] مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، جنرل شاہ نواز، پروفیسر ہمایوں کبیر، بخشی غلام محمد اور مولانا کے ایک عزیز جنازہ گاڑی میں سوار تھے۔ ان کے پیچھے دوسری گاڑی میں صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد اور ڈاکٹر رادھا کرشنن نائب صدر کا موٹر تھا۔ ان کے بعد موٹروں کی ایک لمبی قطار تھی جس میں مرکزی وزرا، صوبائی وزرائے اعلیٰ اکثر گورنر اور غیر ملکی سفرا بیٹھے تھے۔ ہندوستان کی فوج کے تینوں چیف جنازے کے دائیں بائیں تھے۔ تمام راستہ پھولوں کی موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ دریا گنج سے جامع مسجد تک ایک میل کا راستہ پھولوں سے اٹ گیا۔ جب لاش لحد تک پہنچی تو ایک طرف علما و حفاظ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ دوسری

طرف اکابر دفن سر جھکائے کھڑے تھے۔ اس وقت میت کو بری فوج کے ایک ہزار نوجوانوں، ہوائی جہاز کے تین سو جانبازوں اور بحری فوج کے پانچ سو بہادروں نے اپنے عسکری بانکپن کے ساتھ آخری سلام کیا۔ مولانا احمد سعید دہلوی صدر جمعیت العلمائے ہند نے دو بج کر پچاس منٹ پر نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر لحد میں اتارا۔ کوئی تابوت نہ تھا۔ ایک یادگار جسم شہید کفن میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ جب قبر کو مٹی دی گئی تو [illegible] اس طرح روئے کہ ساری فضا [illegible] ہو گئی۔ [illegible] رو رہے تھے اور آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔ مولانا کے مزار کا [illegible] کے تحت [illegible] مسجد [illegible] میں دفن [illegible] ہے۔ اس [illegible] ہیں۔

[illegible] میں گئے تو

[illegible]

پر لیٹے جہاں [illegible]

[illegible] مولانا کی موت کے بعد بھی مسکرا [illegible]

[illegible] آداب بجا لایا۔ کہنے لگے۔

[illegible]

[illegible] وقت میں محشر تک موقوف ہو چکی تھی۔

سیاست میں داخلہ

"ہمایوں [illegible] میں مولانا نے ۱۹۳۵ء سے پہلے کے سوانح [illegible]

[illegible] تفصیلاً ذکر اپنی سوانح عمری کی پہلی جلد میں کروں گا۔

۲۔ [illegible]

۳۔ [illegible] کی پہلی جلد میں درج ہوں گے۔

۴۔ لارڈ ولنگڈن ۱۹۳۲ء میں وائسرائے ہو کر آئے تو انہوں نے تمام کانگریس کے خلاف سخت کارروائی کی۔ مولانا لکھتے ہیں: "میں دہلی میں تقریباً ایک سال سے زیادہ عرصہ دہلی ہی میں زیر حراست رہا۔ اس زمانے میں کئی ایسے واقعے ہوئے جو ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ان کی تفصیل کے لیے بھی سوانح عمری کی جلد اوّل کا انتظار کرنا ہوگا۔"

پروفیسر ہمایوں کبیر نے دیباچے میں ۱۹۴۷ء کے بعد کے واقعات سے متعلق تیسری جلد کا ذکر کیا ہے۔ اگر ہماری آزادی دوسری جلد ہے تو مولانا کی وفات کے بعد کتاب اس ایک جلد ہی میں

ختم ہوگئی۔

مولانا نے نومبر ۱۹۵۷ء میں "ہماری آزادی" پر نظر ثانی کی۔ ان کا ارادہ تھا کہ نومبر ۱۹۵۸ء میں ان کی سترویں سالگرہ کے موقع پر کتاب شائع ہو لیکن یہ جلد بھی ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔ وہ ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو خالق حقیقی سے جا ملے اور اس طرح پہلی اور تیسری دونوں جلدیں مولانا کے ساتھ رحلت کر گئیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

۱۔ "لارڈ کرزن نے ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کا فیصلہ کیا تو بنگال میں زبردست سیاسی و انقلابی جوش پیدا ہوا [illegible] سے [illegible] برطانوی حکومت [illegible] موجودہ [illegible] ایک مستقل پید[illegible] ہوگیا۔

۲۔ شری شیام سندر چکرورتی اس دور کے انقلابیوں کے سرغنوں میں تھے [illegible] ان کی وساطت سے میں [illegible] انقلابی ساتھیوں سے [illegible] تھے [illegible] چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا [illegible] حکومت سے مسلمانوں کو اپنے لیے آلہ کار بنا رہی ہے [illegible] کے ساتھ ہے۔ مشرقی بنگال کا گورنر بیمفیلڈ فلر علانیہ کہتا تھا کہ حکومت مسلمانوں کی جماعت کو اسی طرح دیکھتی ہے جیسے کوئی شوہر اپنی محبوب بیوی کو۔ انقلابیوں کی مسلمانوں سے نفرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی پکڑ دھکڑ کے لیے حکومت نے پولیس کے خفیہ محکمے میں یوپی کے مسلمانوں کو بھرتی کر رکھا تھا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ شیام سندر چکرورتی اور ان کے انقلابی رفقاء کو شروع میں میرے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ مجھے اپنی خاص محفلوں سے الگ رکھا۔ لیکن جب میں نے جلد ہی ان کا اعتماد حاصل کر لیا تو وہ مجھ پر

بھروسہ کرنے لگے۔ اس وقت مسلمانوں کی سرگرمیاں بنگال اور بہار تک محدود تھیں۔ اور بہار اس وقت صوبہ بنگال کا حصہ تھا۔ میں نے انہیں انقلابی جماعت کو وسعت دینے پر آمادہ کرلیا اور دو برس کے اندر اندر شمالی ہندوستان کے سبھی بڑے شہروں اور بمبئی میں انقلابیوں کی خفیہ انجمنیں بن گئیں۔

[illegible]

ملیح آبادی ذکر آزاد میں لکھتے ہیں:

"[illegible] میں مولانا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] (۱۹۲۰ء) میں آیا تو اس وقت تک مولانا [illegible] کے قائل تھے۔ [illegible] [illegible]"

(ذکر آزاد صفحہ ۲۶۲)

مولانا آزاد کی [illegible] ہندوستان کے [illegible] گورنمنٹ (انڈیا) سے کابل میں قائم ہونے والی عارضی ہندوستانی حکومت اور مولانا آزاد کے بارے میں ایک دستاویزی مختصر ترتیب دی۔ جو [illegible] برطانوی انٹیلی جینس بیورو کی رپورٹوں پر مشتمل تھی۔ [illegible] رپورٹ کا حاصل یہ تھا۔

"پہلی جنگِ عظیم کے دوران [illegible] کے وسط میں ہندوستان کی جو عارضی حکومت کابل میں قائم ہوئی اس کا منصوبہ مولانا آزاد نے تیار کیا تھا۔ انہی کی ہدایت پر مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور دوسرے لوگ کابل گئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ بھی آپ ہی کے مشورہ سے حجاز چلے گئے تھے۔ اس رپورٹ کا نگارندہ برطانوی انٹیلی جینس بیورو کا ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ٹیلویں تھا۔ اس نے ۱۳ اکتوبر [illegible] کو مذکورہ رپورٹ تیار

کی مسٹر ویویان کی ایک دوسری رپورٹ کے مطابق صوبہ سرحد سے آزاد قبائل کے بعض سرداروں کی درخواست پر مولانا نے ایک مسلمان بنگالی ڈاکٹر کو وہاں بھجوایا۔ ان کے علاوہ طبیبوں کی ایک جماعت کابل روانہ کی۔ اسی رپورٹ کے مطابق خود مولانا آزاد کابل جانے پر تیار رہتے تھے مگر حکومت نے انہیں پکڑ کے [illegible] نظر بند کر دیا اور اس طرح یہ رشتہ منقطع ہو گیا۔

ایک دفعہ چند مسلمان نوجوانوں نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

کسی منڈی میں فروخت ہوتا ہے [illegible]

[illegible] ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت [illegible]

[illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] کے نام ایک خط اس مضمون کا [illegible] اپنے [illegible] کے ہاتھ [illegible]

[illegible] وہ ناکام ہو گئے اور خط بند کر دیا [illegible] مولانا کانگریس سے [illegible] اور کانگریس سختی سے عدم تشدد پر کاربند ہے۔ یہ نوجوان ممکن ہے کہ مولانا کے حصول میں آپ کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ نوجوانوں نے بتایا کہ ہم بحیثیت رضاکار کانگریس سے متعلق نہیں ورنہ کانگریس کی پالیسی ہمارے حسب حال ہے۔ مسلمانوں [illegible] سے کانگریس نے جو سلوک کیا اس سے ہم بنگالی بے حد کبیدہ خاطر ہیں۔ لیکن اس نزاع کے باوجود مولانا آزاد نے اپنے احترام سے ہمارے دل خالی

نہیں ہونے دیتے۔ کوئی دقت ہو تو ہم قابل اعتماد کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ وہ ہمارے اقدام سے متفق ہوں یا نہ ہوں لیکن ہمارے جذبے کی حوصلہ افزائی ضرور کرتے ہیں ہمارے بیگ سے مولانا کے تعلقات اتنے بھرپور ہیں کہ وہ ان کی خواہش رد نہیں کرتے۔ نہ جانے مولانا سے انہوں نے کس طرح خط لیا۔ بہرحال یہ خط [illegible] پنجاب پولیس کی [illegible] ہو گیا۔

۱۹۰۷ء [illegible] ہندوستان سے [illegible] ترکی کے سفر [illegible] مولانا کا بیان ہے:

[illegible] سے ملاقات ہوئی [illegible] مصطفیٰ کامل [illegible] قومی مسلمانوں کی [illegible] تدبیر کرنا چاہیے کہ برطانوی حکومت اپنی اغراض کے لیے انہیں ناجائز طور پر استعمال نہ کر سکے۔ مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستانی مسلمانوں میں ایک نئی تحریک شروع کی جائے اور میں نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان واپس جا کر زیادہ انہماک کے ساتھ سیاسی جدوجہد کروں گا۔

ہماری آزادی [illegible]

مولانا فرماتے ہیں کہ:

"ہندوستان واپس آکر میں کچھ دنوں غور کرتا رہا کہ مجھے کیا طریق اختیار کرنا چاہیے اور کیا پروگرام بنانا چاہیے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اپنی موافقت کے لیے رائے عامہ پیدا کرنا چاہیے اور اس کے لیے ایک اخبار جاری کرنا ضروری تھا۔ الہلال اسی غور و فکر کا نتیجہ تھا۔"

(ہماری آزادی)

ادھر پہلی جنگ عظیم [illegible] ختم ہوئی [illegible] مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ نہیں بڑی مشکلوں سے [illegible] کے سامنے [illegible] میں [illegible] تحریک [illegible] برس صرف ہو گئے۔

[illegible] جائے تو ہندوستان ہو۔"

(حیات اجمل صفحہ ۸۰)

[illegible] باہمی فساد کا موجب [illegible] انگریزی [illegible] حکومت نعمت غیر مترقبہ تھی [illegible] سندھ کے وڈیرے اور بلوچستان [illegible] انگریزوں کے دست و بازو ہو گئے۔ ان کے علاوہ علی گڑھ کا سیاسی [illegible] کی بدولت [illegible] کا معاون ہو گیا۔ [illegible] مولانا احمد رضا خان [illegible] میں دیوبند کی مخالفت کی۔ ان کی جماعت نے ہر اس تحریک کے خلاف فتوے صادر کیے جو انگریزوں کے خلاف عدم تعاون یا ترک موالات وغیرہ کی شکل میں اٹھی۔ مرزا غلام احمد نے نبوت کا ڈھونگ رچا کر جہاد منسوخ کر ڈالا۔ ان کے علاوہ اکثر مشائخ اور پیروں نے اپنے علم و عمل اور قول و فعل کی پوری کائنات انگریزوں کی جھولی میں ڈال دی اور انہی کے ہو گئے۔ انگریزوں کی اسی خواہش کا [illegible] فرقہ تھا۔

مسلمان ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے آئے اور کئی راست باز زاہد مختلف لشکروں کے ساتھ آتے رہیں اور بعض علماء ربیت مشائخ مختلف وقتوں میں وارد ہوئے۔ ان کی بدولت ہندوستان میں اسلام پھیلا، لیکن ایک خاص دور کے بعد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں اسلام کو ضعف پہنچا۔ جب مسلمان حکمران تھے تو اس ضعف کا سبب فرمانروا تھے۔ جب مسلمان انگریزی حکومت کی رعیت ہو گئے تو اس کا موجب وہ سیاست دان تھے جن کے قول و فعل کا اور چھور انگریزوں [illegible] ساتھ ہی بعض علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت [illegible] خوشنودی [illegible] اس طرح [illegible] میں مسلمان [illegible] تحریک [illegible] ہندوستان [illegible] تحریک [illegible] سکھوں کے ہاتھوں [illegible]

دوسری بغاوت [illegible] کے خلاف [illegible] میں ہوئی۔ انگریزوں نے اس بغاوت سے جو سلوک [illegible] پنجابی مسلمانوں کے گھر اُجڑ گئے اور [illegible] کے دور سے قصبے [illegible]۔

تیسری تحریک علماء صادق پور کی انفرادی طور سے اجتماعی کوششیں تھیں جو انگریزی حکومت کے وحشیانہ استبداد کی نذر ہوئیں۔ ان مقدمات کے مجرم اور سرغنہ گروہ سب کے سب مسلمان تھے۔

چوتھی تحریک، پہلی جنگ عظیم کے دوران (۱۹۱۷ء) میں حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کے ارشد تلامذہ نے بیرون ملک جا کر مرتب و منظم کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی ان کے سربراہ تھے۔ ان کے علاوہ حاجی ترنگ زئی آفندی، مولانا سیف الرحمن قندھاری، مولانا منصور انصاری، مولانا عزیز گل کاکا خیل، مولانا احمد اللہ پانی پتی، مولانا ظہور محمد سہارنپوری، شیخ عبد الرحیم

سندھی ... [illegible] مجید ... مولانا تاج محمود امروٹیؒ، مولانا فضل ربی پشاوری، مولانا محمد اکبر یاغستانی، مولانا فضل محمود پشاوری، خان عبدالغفار خان، ڈاکٹر [illegible] محمد احمد چکوالی اس تحریک کے دست و بازو تھے۔ اس تحریک کو بھی برطانوی سلطنت کے مسلمان جاسوسوں نے غرق کیا۔ اس کی تفصیلات مختلف کتابوں سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ سی آئی ڈی کے مسلمان اہل کاروں نے حرمین شریف تک حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رشید تلامذہ کا تعاقب کیا۔ ان کے خدمت گار ہو گئے [illegible] انگریزی حکومت کے حوالے کیے۔ مولوی محمد میاں منصور [illegible] کی معرفت معافی سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مولانا حسین احمد مدنی کے الفاظ میں [illegible] کے ساتھ [illegible] اردو مولوی عبدالحق [illegible] سی آئی ڈی [illegible] مولانا مدنی لکھتے ہیں [illegible] دونوں [illegible] سے [illegible]۔

[illegible] مولانا آزادؒ سے [illegible] کا عزم رکھتے تھے اور اس کے لیے تذکرہ عشرہ بنایا تھا وہ تحریک [illegible] ہو گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی اس تحریک میں مولانا آزادؒ نے کہاں تک ہاتھ بٹایا۔ اس بارے میں ضروری تفصیلات نہ تو حضرت شیخ الہند کے مختلف تذکروں سے معلوم ہوتی ہیں اور نہ مولانا عبیداللہ سندھی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے۔ مولانا آزادؒ سے متعلق حضرت شیخ الہند کا مشہور قول ہے کہ "ہم اصل راہ بھول چکے تھے۔ ابوالکلامؒ نے وہ راہ دکھائی ہے۔" لیکن اس فقرے کا تعلق ریشمی رومال کی تحریک سے نہیں، بلکہ الہلال کی اس دعوت سے ہے جو ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ

[illegible] سامراج کے خلاف ایک احتجاجی بیداری کا ظہور تھا [illegible] سے وابستہ رہے جو ہندوستان سے باہر ہو کر ہندوستان کے اندر غیر ملکی غاصبوں کے خلاف [illegible] عروج حاصل کر رہی تھیں۔ مولانا نے ان جہتوں کو اجتماعی شکل دے کر صرف ایک نمونہ ہی نہیں پیش کیا بلکہ قومی جدوجہد کا سیاسی ذوق پیدا کیا جس کے رہنما تھے [illegible] زمیندار جاری ہوئے وہ زمانہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی سفر کا عوامی آغاز تھا۔ [illegible] سے پہلے مسلمانوں میں [illegible] تھی اور [illegible] کے [illegible]

[illegible]

غرض یہ تحریک اس زمانے میں بے بال و پر رہی تھی جیب اللہ نے سفر ترک کیا اور [illegible] میں نظر بند کر دیے گئے۔ تحریک کی خصوصیت یہ تھی کہ انقلابی تحریک تھی جس میں [illegible] جنگ عظیم کے اختتام تک کم و بیش [illegible] تشدد کی انقلابی سوچ سے عدم تشدد تحریک (عدم تعاون) کی سیاسی نہج پر آیا۔

"ہلال"، "کامریڈ" اور "زمیندار" تین مختلف المزاج جریدے تھے۔ ان کے مضامین بھی مختلف تھے لیکن ان کا ذہن اور نظر یکساں تھے۔ کامریڈ نے انگریزی دانوں سے خطاب کیا۔ "زمیندار" نے عوام کو متوجہ کیا۔ "ہلال" اس جماعت سے ہم کلام ہوا جس نے ہندوستان کے عوامی سفر کی سیاسی لیڈرشپ کا تصفیہ پیدا کیا۔ اس زمانے کی لیڈرشپ کے اعضا و ارکان اپنے ہوش و حواس میں [illegible] رہتے ہیں۔ [illegible] سیاسی حرکت [illegible] سے محمد علی اور مولانا [illegible] کی شعلہ زبانیوں کے باعث وہ اس وادی میں آئے تھے۔

[illegible]

[illegible] ہوئے۔

[illegible] سیاسی جدوجہد میں ہندو مسلم [illegible] کا تصور [illegible] ابھی [illegible] محفوظ [illegible] تھا۔ بعض لیگی [illegible] سے مسلمان [illegible] ناموس [illegible] کے سی اجلاس کی صدارت کرتے اور [illegible] مجلس [illegible] کے ممبر ہوتے تھے [illegible] مسلمان [illegible] میں تھے وہاں سیاسی [illegible] ہندو مسلم [illegible] کی [illegible] تھا۔ [illegible] مسلمانوں کا [illegible] سے مسلمانوں سے الگ ہونے کی باگ ڈور اس سے [illegible] تھی۔ [illegible] ہندوستانی مسلمانوں کا ذہن بن رہا تھا۔ بنگال میں ابتدا مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے خلاف سخت جدوجہد کی لیکن وہ منظم نہ تھی [illegible] تھی ایک ذہن تھا۔ نتیجۃً جدوجہد ناکام رہی۔

لارڈ کرزن نے بنگال کو تقسیم کیا۔ تو اس سے ایک نئی چیز پیدا ہوئی۔ مسلمانوں نے تقسیم پر صاد کیا۔ ہندوؤں نے انکار کیا۔ اس طرح ایک ایسی تحریک پیدا ہوگئی کہ مسلمان حکومت کے ساتھ تھے اور ہندو حکومت کے خلاف تھے۔ کہ ہندوؤں میں تقسیم بنگال کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی۔ ایک طرف سیاسی مظاہرے شروع ہو گئے۔ دوسری طرف دہشت پسندوں نے بلا ڈر آخر حکومت سپر انداز ہوگئی۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تقسیم بنگال کا اعلان ہوا تھا۔ لیکن دسمبر ۱۹۱۱ء میں شہنشاہ جارج پنجم نے دہلی کے جشن

[illegible] میں تقسیم بنگالہ کو منسوخ کردیا۔ کلکتے کے بجائے دھلی دارالحکومت قرار دیا۔ ۱۹۱۲ء میں بہار کو الگ صوبہ بنایا گیا۔ آسام اور اڑیسہ بھی الگ ہو گئے۔ غرض ۱۹۰۶ء سے [illegible] تک ایک ایسا زمانہ تھا کہ مسلمان سیاسی اعتبار سے وفاداری کا سفر طے کر رہے تھے۔ ہندوستانی قومیت کا تصور صرف ڈانواڈول تھا، بلکہ بڑی حد تک متزلزل ہو چکا تھا۔

نواب سلیم اللہ خان کی تحریک پر مسلم لیگ کی ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں رکھی گئی جس کا ذکر آچکا ہے کہ محرک نواب وقار الملک اجلاس کے پہلے صدر تھے۔ حسب ذیل تجویز پیش کی گئی۔

۱۔ برطانوی حکومت سے متعلق مسلمانوں کے دل میں وفاداری [illegible] ترقی دی جائے اور گورنمنٹ سے [illegible] دور کیا جائے۔

۲۔ دوسرے فرقوں سے متعلق معاندانہ [illegible] جائے۔

۳۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور [illegible] پیش کئے جائیں [illegible] سیکرٹری [illegible]

اسی سال دسمبر [illegible] اجلاس دسمبر ۱۹۰۷ء کراچی میں [illegible] ۱۸ مارچ ۱۹۰۸ء [illegible] میں سر رفیع الدین کے زیر صدارت ایک خصوصی اجلاس ہوا [illegible] مستعفی ہو گئے۔ پھر ایک سال کے اندر اندر [illegible] ایک نے صدر [illegible] دوسری طرف صدر میاں فضل حسین تھے۔ نواب وقار الملک نے [illegible] سیکرٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تو حاجی حسن سیکرٹری اور حاجی محمد موسیٰ خان جوائنٹ سیکرٹری مقرر کئے گئے۔ دسمبر ۱۹۰۹ء میں سالانہ اجلاس [illegible] زیر صدارت [illegible] منعقد ہوا [illegible] تیسرا اجلاس جنوری ۱۹۱۰ء میں بصدارت سر آغا خان دھلی میں منعقد ہوا۔ مولوی عزیز مرزا لیگ کے سیکرٹری منتخب کئے گئے۔

اس وقت تک مسلم لیگ کا دفتر علی گڑھ میں تھا لیکن ۱۹۰۷ء میں کالج کے ٹرسٹیوں اور صوبے کے لیفٹیننٹ گورنر میں اختلاف رائے ہو گیا تو صوبائی گورنر نے سر آغا خان سے کہہ کر جنوری ۱۹۱۰ء میں

مسلم لیگ کا دفتر علی گڑھ سے لکھنؤ منتقل کرا دیا۔ اختلاف یہ تھا کہ نواب محسن الملک انگریز پرنسپل کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور اس ریزولیوشن کے خلاف تھے جو ہندی زبان کو رائج کرنے کے لیے لیفٹیننٹ گورنر نے پاس کیا تھا۔

دسمبر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی کے اعلان سے مسلم لیگ کی لیڈرشپ جس کا مزاج خانہ زاد تھا مسلمانوں میں سیاسی طور پر [illegible] نواب سلیم اللہ خان ڈھاکہ نے ۳ مارچ ۱۹۱۲ کو مسلم لیگ کے اجلاس [illegible] میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے کہا:

> مسلمانوں [illegible] حکومت [illegible]
> [illegible]
> [illegible]

نواب صاحب نے [illegible]
چند [illegible] وقار الملک نے کہا [illegible] حکومت سے کوئی مسلمانوں کی
[illegible] نواب [illegible] اعلان کا
[illegible] مسلمانوں کی دلجوئی [illegible] ۱۹۱۲ میں [illegible]
[illegible] سیکرٹری بنائے گئے۔ اس زمانے میں [illegible]

اور [illegible] متعلق [illegible] نواب وقار الملک [illegible] ۱۲ مئی ۱۹۱۲ [illegible]
[illegible] قسم کی یونیورسٹی [illegible] سلام۔

اکتوبر ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان چھڑ گئی تو علی گڑھ کے طلبہ نے [illegible]
اس طرح جو کچھ بچا طلبہ [illegible] بلقان بھیج دیئے [illegible]
[illegible]
مولانا شوکت علی نے اسی سال انجمن خدام کعبہ کی [illegible]
دہلی سے آتے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری دسمبر ۱۹۱۲ء میں ہلال احمر مشن لے کر ترکی گئے
اور وہاں چند ماہ رہے۔ ۳ اگست ۱۹۱۳ء کو کانپور کی مچھلی بازار مسجد کا شہید کا واقعہ
پیش آیا تو اس حادثہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد

ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین پہلا فساد اجودھیا میں ہوا۔ وہاں گورنمنٹ کے حکم سے گائے کی قربانی بند کی گئی۔ ادھر مسلمانوں کی متبادل لیڈرشپ جس کا مزاج حکومت کے خلاف ہو، ابھی پیدا نہ ہوئی تھی اور جو تنظیمیں موجود تھیں، ان کے وجود ابھی ڈھیلے نہیں تھے۔ علامہ شبلی نعمانی ۱۸۸۳ء میں علی گڑھ کالج میں پروفیسر ہوئے۔ مسٹر بیک پرنسپل تھے۔ علامہ نے ان کے [illegible] کو خود دیکھا تھا [illegible] کے جو علی گڑھ چھوڑ کر لکھنؤ گئے اور ندوۃ العلماء میں جدید و قدیم کا امتزاج پیدا کرنے کے لیے ناظم رہے۔ جو ندوۃ علی گڑھ [illegible] سیاست [illegible] کو [illegible]

[illegible]

۲۔ لیگ کا [illegible] قرار [illegible] موجود [illegible]

۳۔ جو ملکی حقوق ہندوؤں نے [illegible] حاصل کئے ہیں اب ان میں مسلمانوں کا حصہ متعین کرنا چاہتی اور ہندوؤں کے خلاف غور پیدا کر کے [illegible] ساتھ دینا چاہتی ہے۔

۴۔ شملہ ڈیپوٹیشن سب سے بڑا نمائندہ تھا، جو لارڈ منٹو کو پیش کیا گیا۔

مسٹر آرچبولڈ علی گڑھ کالج کے پرنسپل تھے۔ انہوں نے وائسرائے کے سیکرٹری شملہ سے خط و کتابت کر کے شملہ ڈیپوٹیشن کی بنیاد رکھی۔ نواب محسن الملک کے نام ۱۰ اگست ۱۹۰۶ء کو خط لکھا کہ وہ مسلمانوں کا ایک وفد ترتیب دیں جو حضور وائسرائے سے ملاقات کے لیے عرضداشت کرے۔ اس عرضداشت پر ملک کے طول و عرض کے مسلمان نمائندوں کے دستخط ہوں۔

دائسرے کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے وفد ایک ایڈریس تیار کرے جس میں وفاداری کا اظہار ہو اور حکومت کی طے شدہ پالیسی پر اظہار استحسان۔ طریقہ انتخاب جاری کرنے پر مسلم اقلیت کا نقصان بتایا جائے اور مذہبی عقائد کی بنا پر نامزدگی کا مطالبہ کیا جائے۔ اس ایڈریس میں یہ بھی کہا جائے کہ ہندوستان جیسے ملک میں زمینداروں کی رائے کو فوقیت دینا انسب ہے۔ المختصر طریقہ انتخاب کے بجائے نامزدگی پر زور دیا جائے۔ مسٹر آرچ بالڈ نے مزید کہا کہ وہ ایڈریس خود تیار کریں گے کیونکہ [illegible] خطوط میں استدعا کرنے کے فن سے وہ بخوبی واقف ہیں۔

سر آغا خان وفد کے لیڈر قرار پائے۔ وہ [illegible] کے لیے بہترین سیاستدان سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے ایک سال قبل [illegible] میں یہ [illegible] ہندوستانی [illegible] علیحدہ [illegible] فوج کو علیحدہ کر کے ایک باقاعدہ مرتب فوج رکھی جائے جس سے [illegible] ذمہ داروں۔ لیکن [illegible] حیثیت کی بنا [illegible] ملازمت میں [illegible] جس سے [illegible] ہندی [illegible] بہادر تھیں۔

وائسرائے نے ایڈریس کے جواب میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت [illegible] اور میونسپلٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور قانون ساز کونسلوں میں مذہب کی بنا پر ان کا حق انتخاب تسلیم کیا۔ گویا یہ ایڈریس [illegible] تھا جو خود تحریر کر کے اس [illegible] دیا گیا۔

[illegible] نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مسلمانوں کی دانشمندی کے زیر عنوان طویل مقالہ لکھا۔ لطیفہ یہ تھا کہ اسی دن وفد وائسرائے سے ملا۔ [illegible] اخبارات میں پہلی دفعہ آئی تھی کہ ہندوستان کئی قوموں کا ملک ہے۔ ۲ اکتوبر کو "ٹائمز آف لندن" نے ایک دوسرا مقالہ شائع کیا جس میں بنگال کے شورش پسندوں کی تحریک اور مسلمانوں کی وفاداری پر تحسین کی۔ ویسٹرن پریس برسٹل نے بھی ۲ اکتوبر کے شمارے میں مسلمانوں کے متعلق لکھا کہ وہ انگریزوں کی اطاعت کریں گے لیکن ہندو ہرگز اطاعت نہیں کرے گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکمرانی سیاست کو پلٹا۔ سر ولیم ہنٹر کے الفاظ میں مسلمان ۱۸۷۱ء تک ہندوستان میں دبائے گئے اور ان پر ہندوؤں کو غالب کیا گیا۔ مسلمانوں نے ۱۸۸۶ء تک تعلیمی امور کو ملحوظ

غرضیکہ پھر ۱۸۹۸ء میں جب سرسید وفات پاگئے تو مسلمانوں نے سیاست سے صرف اتنی دلچسپی لی کہ کانگرس کی مخالفت کرتے رہے۔ مگر بعض مسلمان اس سے متفق نہ تھے لیکن وہ قلیل تھے۔ مثلاً جناب سید احمد رئیس مدراس ابتداء سے کانگرس کے ساتھ تھے، اور ۱۹۰۳ء میں کراچی کانگرس کے سالانہ اجلاس کے صدر ہوئے۔ انہوں نے شملہ ڈیپوٹیشن کے ایڈریس پر دستخط کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ اس زمانے میں وہ شملہ ہی میں تھے

کانگرس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی [illegible] میں اس کی لیڈرشپ گاندھی جی کو منتقل ہوئی۔ مثلاً چھتیس برس میں تین مسلمان اس کے صدر رہے تھے (۱) بدرالدین طیب جی مدراس ۱۸۸۷ء (۲) نواب سید محمد بہادر [illegible] ۱۹۱۳ء [illegible]

مسٹر [illegible] ۱۸۸۵ء میں [illegible] ہندوستان کے سیاسی ذہن سے [illegible] کا تعلق تھا، بنگال [illegible] مدراس اور [illegible] قومی [illegible] کی آرزوئیں [illegible] گئی تھیں۔ الغرض ۱۸۸۵ء سے [illegible] قومی [illegible] ہوتی [illegible] بنگال کی تقسیم سے [illegible] حکومت پریشان ہوئی [illegible] پنجاب میں سردار اجیت سنگھ اور لالہ لاجپت نے سیاسی [illegible] کانگرس کے [illegible] خطبے میں [illegible] جس سے انگریز حیران ہوگئے اور تقسیم بنگال کے مسئلے میں گورنمنٹ [illegible] صرف مشرقی بنگال ہی میں چوبیس سے زیادہ نیشنل اسکول قائم کئے گئے۔

مسٹر بپن چندر پال نے ۱۹۰۲-۳ء میں اخبار "نیو انڈیا" نکال کر بنگال کو ایک نیا مزاج دیا۔ جب ہندوستان میں سیاسی آزادی کی نیو اٹھانے اور اس کا شعلہ بھڑکانے والے اخبار ہی تھے۔ ان کی ہی بیداری کا نتیجہ ۱۹۲۰ء کی تحریک لاتعاون کا جوش وخروش تھا۔ ۱۹۰۷ء میں بدیشی مال کے بائیکاٹ کی تحریک شروع ہوئی۔ پنجاب، آندھرا، سی پی، بنگال اور مہاراشٹر میں نیشنل یونیورسٹیاں قائم کرنے کی مہم چلی۔ سوامی ویویکانند کے بھائی بھوپندر ناتھ دت نے "یوگانتر" نامی اخبار نکالا جس

نے انگریزی حکومت پر کھلم کھلا تنقید کی۔ اس جرم میں اس کو طویل المیعاد سزا دی گئی۔ "بندے ماترم" کے جرم میں پکڑ لیا۔ بال گنگا دھر تلک سو رجولائی ۱۹۰۸ء کو گرفتار کئے گئے اور چھ سال کی سزا دی گئی۔ لیکن سرکار نے از خود اپیل کر کے تین سال کر دی۔ ان کے علاوہ بے شمار اشخاص پکڑے گئے۔ تمام تفصیلات سیتا رامیہ پٹا بھائی کی "تاریخ کانگریس" میں درج ہیں۔ المختصر پہلی جنگ عظیم سے بہت پہلے ملک میں انگریزی حکومت کے خلاف تحریک سر اٹھا چکی تھی اور اس کے نتائج معمولی نہ تھے۔ اس بیداری کا مرکز ان دنوں کلکتہ بھی [illegible] ان کا لڑکپن یہاں جوان ہوا اور انقلابیوں سے ان کے تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

۱۹۰۸ء کی ہندوستانی سیاسی [illegible] وہ اس انقلابی گروہ بندی [illegible] کے مسلمان راہنماؤں سے مختلف ہو چکا تھا۔ [illegible] قلم کی تندی کے [illegible] سے سیاسی [illegible] کے سیاسی نظام نے مسلمانوں کو انگریزوں نے تاراج کر دیا [illegible] ہندوستان کی غلامی نے دنیائے اسلام کو معرض خطر میں کس طرح ڈالا [illegible] اس کا وجود ہمارے لیے تھا۔ مولانا بھی [illegible] اپنے عقائد میں [illegible] کے تاراج ہونے کی شکایت نہیں کرتے [illegible] انہوں نے [illegible] سبب سے [illegible] ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی موت [illegible] پریشان تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز، انگلستان اور ہندوستان کی غلامی کو جکڑ رہے [illegible] ملک میں ایک نئی روح پھونک رہے ہیں، لیکن ان کے اثرات سے بند ہو کے بیٹھے ہیں۔ اور مسلمان سرسید کی بدولت جمود و رجعت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مولانا نے اس جمود و رجعت کو توڑنے کے لیے جون ۱۹۱۲ء میں "الہلال" جاری کیا۔ اور جمود و رجعت کی لیڈر شپ کو [illegible] الہلال قرآن و اسلام کی زبان میں خطاب کرتا اور ان مسائل پر اظہار رکھتا جو مسلمانوں کو سرکاری سحر سے نکال سکتے تھے۔ جنگ بلقان کا محاذ [illegible] کے خلاف عوامی نفرت کو مشتعل کرنے کا باعث ذریعہ تھا۔ مولانا نے اس مسئلے کو دفن کر دیا۔

کانپور میں مچھلی بازار کی مسجد کے انہدام سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس پر حکومت

سے گولی چلا کر ناراضی کی ایک زبردست لہر دوڑادی۔ ایک تحریک پیدا ہوگئی۔ مولانا نے الہلال میں اس مسئلے پر تحریک کی روح پیدا کیا۔ آخر لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند نے کلکتہ پہنچ کر صوبائی حکومت کے فیصلے پر خط تنسیخ کھینچی۔ مولانا نے اس مسئلہ پر جو تقریریں کیں وہ خطابت کے شہ پارے تھے۔ اور جو مضامین لکھے وہ قلم کے انگارے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس تحریک کو ملک بھر میں اس طرح گونجا دیا کہ حکومت کو سرنگوں ہونا پڑا۔

گو تحریک خلافت کے خاتمہ [illegible] ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۲۳ء میں [illegible] تھی [illegible] کی مسجد کے سامنے [illegible] سے برطانوی استعمار خوش ہو رہا تھا۔

ہندوستان میں ۱۹۲۰ء تک [illegible] کے بیچ مذہب اور [illegible] عوام کی عصبیتوں کو ابھار رہے تھے۔ [illegible] جلسوں اور جلوسوں کا آغاز کیا اور پہلی دفعہ اس [illegible] لال نہرو نے ہندوستان ہونے کے باوجود ۱۹۲۲ء میں پنڈت مالوی کی سیادت میں [illegible] پر قبضہ کیا۔ اس سال حکومت نے [illegible] ملا دی تھی پنڈت مالوی نے [illegible] میں مداخلت [illegible] دو سو آدمی سے گرفتار کر لیے۔ پنڈت نہرو [illegible] کانگریس سے واپس آ رہے تھے۔ وہ بھی شامل ہو گئے۔ پولیس نے محاصرہ کیا لیکن [illegible] کامیاب رہا۔ اور [illegible] ہوگیا۔

ان دنوں مسلم لیگ واضح طور پر سرکار کی آلہ کار تھی۔ مسٹر جناح نے پہلی دفعہ ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ کی صدارت کی۔ ان کی آمد سے پہلے لیگ سرکار کی خواہشات کے تابع تھی۔ حکمرانوں کی خواہش کے مطابق اس کے قول و عمل کا سانچہ تیار ہوتا۔ مولانا نے لیگ کے اس ذہن کو ہدف بنایا۔ "افکار و حوادث" کا کالم الہلال کی ایجاد تھا۔ اس کالم کو مولانا خود لکھتے، وہ غالباً طنزیات و خطابیات پر ان کا پہلا اور آخری موضوع تھا۔ اس کے بعد مولانا نے کسی جماعت یا فرد پر کبھی طنز نہ کی۔

"الہلال" کا ابتدائی دور مارچ ۱۹۱۶ء میں ختم ہو گیا۔ لیکن لیگ مولانا کے قلم اور علامہ شبلی کے رشحات سے اتنی مجروح ہوئی کہ مسٹر محمد علی جناح کو صدر بنا کر دسمبر ۱۹۱۶ء کے اجلاس میں سنبھالا لیا۔ مسٹر جناح اس زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے سفیر تھے۔ انہی کی بدولت کانگرس اور لیگ میں سمجھوتہ ہوا۔ جس کے مطابق ہندوؤں اور مسلمانوں کے حقوق کا تعین کیا گیا۔ واضح رہے کہ سید نبی اللہ ۱۹۱۰ء میں لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور کے صدر تھے۔ انہوں نے حکومت برطانیہ [illegible] ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا تھا۔ لکھنؤ کے سالانہ اجلاس میں وہ صدر استقبالیہ تھے۔ [illegible] بعد ۱۹۲۲ء [illegible] ۱۹۲۸ء میں [illegible] صدر ہوئے تو [illegible] اجلاس علامہ [illegible] صدارت میں [illegible]

"الہلال" کے دوبارہ [illegible] خریدار پیدا کئے۔ اور کئی دفعہ اپنی [illegible] مسلمانوں کا تعلیم [illegible] حقیقت تھا اور بڑے سے بڑے [illegible] پہنچ [illegible] سال سے [illegible] ہوئی [illegible] گورنمنٹ نے الہلال کی [illegible] بعد دو ہزار ضبط کر کے [illegible] البلاغ [illegible] ۱۹۱۵ء [illegible] بھی ضبط ہو گئی۔ اس کے پانچ ماہ بعد [illegible] حکومت [illegible] طرح الہلال اور البلاغ کی [illegible] ختم ہو [illegible] ڈیفنس آف انڈیا ریگولیشنز کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومت بنگال نے [illegible] کلکتہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ وہ پنجاب، دہلی، یوپی اور بمبئی کی حکومتوں نے بھی اسی قانون کے تحت اپنے صوبوں میں ان کا داخلہ بند کر دیا۔ مولانا ۳۰ اپریل کو رانچی چلے گئے اور وہاں مورآبادی کالونی میں قیام کیا۔ لیکن حکومت نے چھ ماہ بعد مولانا کو وہیں نظر بند کر دیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حکومت مولانا کے پراسرار ملاقاتیوں سے خائف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مولانا جنگ کے اس زمانے میں ان عناصر کے مددگار ہیں جو برطانوی حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

آخر ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کو شاہ انگلستان کے اعلان پر مولانا کی نظربندی ملک کے دوسرے نظربندوں قیدیوں کے ساتھ ختم ہوگئی، اور وہ یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو رہا ہوگئے۔ مہاتما گاندھی سے مولانا کی ملاقات جنوری ۱۹۲۰ء میں ہوئی گاندھی جی جنوبی افریقہ سے واپس آکر ملکی سیاست میں داخل ہو چکے اور چمپارن کے کسانوں میں کام کر رہے تھے۔ انہی کے سلسلے میں وہ رانچی گئے تو مولانا آزاد سے ملنا چاہا لیکن حکومت بہار نے اجازت نہ دی۔ مولانا رہا ہو کر دہلی پہنچے وہاں گاندھی جی سے ملے۔

رولٹ بل نے ملک میں بے چینی پیدا کر رکھی تھی۔ [illegible] سے سارا ملک تشویش و غضب کی حالت میں تھا [illegible] جنگ کے خاتمے نے [illegible] اتحادیوں نے [illegible] سیاسی نقطۂ نظر سے [illegible] معاملات کی [illegible] [illegible] ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہڑتال کا اعلان [illegible] پانچ آدمی اور بیسیوں زخمی ہوئے [illegible] گرفتار کر لئے گئے۔ لوگوں نے [illegible] جلوس [illegible] شہید اور بہت سے زخمی ہوگئے۔ ہجوم مشتعل ہوگیا [illegible] آگ لگا دی، اور [illegible] کے سفید فام افسروں کو قتل کر دیا۔ یہ پانچ انگریز قتل کئے گئے [illegible] کے علاوہ ریلوے گودام اور شیڈ وغیرہ لوٹ لئے گئے۔ گوجرانوالہ اور قصور میں بھی ہنگامہ ہوا۔ قصور کا سٹیشن جلا دیا گیا۔ گوجرانوالہ کا [illegible] نذر آتش [illegible] ٹرین روک لی گئی۔ [illegible] لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء لگا دیا گیا، جلیانوالہ باغ میں ۱۳ اپریل کو جنرل ڈائر نے ایک سو ہندوستانی اور پچاس انگریز سپاہی لے کر جلیانوالہ باغ میں بیس ہزار لوگوں پر بے تحاشا گولی چلائی۔ سولہ سو راؤنڈ ختم ہو گئے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق چار سو آدمی ہلاک اور ایک ہزار دو ہزار کے درمیان زخمی ہوئے۔ ان زخمیوں کے لیے پانی بند کر دیا گیا اور وہ جلیانوالہ باغ کی چار دیواری میں رات بھر تڑپتے رہے۔ پھر لوگوں کو

پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا۔ دو سو اٹھانوے آدمیوں کو مارشل لاء کے تحت گرفتار کیا، دو سو اٹھارہ کو سزائے قید دی گئی۔ اکاون کو پھانسی، چھیالیس کو عمر قید، دو کو دس دس سال اور گیارہ کو مختلف المیعاد سزا ملی۔ ایک سو دو افراد کو سول افسران نے مارشل لاء کے تحت قید کیا۔ لوگوں کو سرِعام بید لگوائے گئے۔ اور رنڈیوں کو نظارے کے لیے لایا گیا۔

گاندھی جی کو امرتسر آنے سے روک دیا۔ وہ پنجاب کے حدود ہی میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کی جگہ پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ وغیرہ نے امرتسر کی تحقیقات کی اور وہ تمام مظالم قلمبند کیے جو اس شہر پر [illegible] تھے۔

اس صورت حال سے ہندوستان کے مسلمان [illegible] تھے اور ترکی پر برطانوی حکومت کے مظالم نے انھیں گویا [illegible] تھے۔ [illegible] مسلمانوں میں [illegible] تحریک [illegible] جی [illegible] لیڈرشپ کے [illegible] مولانا آزاد، مولانا محمد علی وغیرہ کے [illegible] ہوتے تھے [illegible] ہو گئی۔ [illegible] لیڈرشپ حاصل ہوئی۔ گاندھی جی نے [illegible] دہلی میں جلسہ [illegible] کیا جس میں [illegible] اور دوسرے کانگریسی لیڈر [illegible] خلافت سے متعلق مسلمانوں کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ [illegible] مسلمانوں کا ایک وفد ترکی کے سلسلے میں [illegible] ناکام ہو چکا تھا۔ آخر کار [illegible] جلسہ میں گاندھی جی نے عدم تعاون کا پروگرام پیش کیا۔ [illegible] مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم محمد اجمل خان اور مولانا آزاد شریک تھے۔ حکیم اجمل خان نے کہا

"وہ اس پر غور کرنے کی مہلت چاہتے ہیں۔"

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کہا

"وہ مراقبہ کیے بغیر تائید نہیں کر سکتے۔ خدا کی طرف سے اشارہ ملنے پر وہ رائے دے سکتے ہیں۔"

مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی نے کہا۔

"فی الحال وہ مولانا عبدالباری کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔"

گاندھی جی نے مولانا آزاد سے پوچھا تو مولانا نے بلا تامل جواب دیا کہ:

"مجھے آپ سے کامل اتفاق ہے۔ یہی ایک اسلحہ ہے جس سے ہم برطانوی استعمار کا مقابلہ کر سکتے اور اپنے مقاصد کے مددگار ہو سکتے ہیں۔ ترکی کی مدد بھی اسی طرح ہو سکتی ہے۔

چند ہفتے بعد میرٹھ میں خلافت کانفرنس ہوئی تو گاندھی جی نے پہلی دفعہ "عدم تعاون" کا پروگرام پیش کیا۔ مولانا آزاد نے قرارداد کی تائید کی۔ ستمبر ۱۹۲۰ء کو اس پروگرام پر غور کرنے کے لیے کانگرس کا ایک خاص اجلاس کلکتے میں منعقد ہوا۔ لالہ لاجپت رائے صدر تھے۔ گاندھی جی نے اپنا پروگرام پیش کیا "جس کے ذریعے سوراجیہ اور خلافت کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔" لالہ لاجپت رائے اور سی آر داس نے اتفاق نہ کیا، بپن چندر پال نے بھی مخالفت کی۔ لیکن عدم تعاون کی تحریک کا ریزولیوشن بہت بڑی اکثریت سے منظور ہو گیا۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ اجلاس کے مندوبین میں مسلمان شاید پہلی اور آخری دفعہ اکثریت میں تھے اور مذکورہ قرارداد انہی کے ووٹوں سے پاس ہوئی۔ عدم تعاون کا ریزولیوشن مولانا کے [illegible] تجویز [illegible] گاندھی جی [illegible] کے طول [illegible] شروع کیا [illegible] ترک موالات [illegible] تیار کیا۔ [illegible] محمود [illegible] مولانا شوکت علی [illegible] متفق ہو گئے۔ [illegible] لاجپت رائے [illegible] ترک موالات سے [illegible] تھا۔

مولانا [illegible] پروگرام [illegible] سے [illegible] لیکن [illegible] میں [illegible] قبول کیا۔

خلافت کمیٹی [illegible] ۱۹۱۹ء [illegible] میں [illegible] ۱۹۱۹ء میں [illegible] منعقد ہوا۔ مولانا شوکت علی پہلے صدر تھے [illegible] عوامی جوش و خروش [illegible] دیا۔ کانگرس، مسلم لیگ اور جمعیت علمائے ہند کے [illegible] بھی انہی دنوں امرتسر میں منعقد ہوئے۔ کانگرس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو، مسلم لیگ کے صدر حکیم محمد اجمل خاں اور جمعیت العلمائے ہند کے صدر مولانا عبد الباری فرنگی محلی تھے۔ خلافت کانفرنس کا دوسرا اجلاس ۱۵ فروری ۱۹۲۰ء کو علامہ [illegible] کی زیر صدارت بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں انگلستان بھیجنے کے لیے ایک وفد تجویز کیا گیا۔ اس وفد کے ارکان مولانا محمد علی، سید سلیمان ندوی، مسٹر سید حسن، مسٹر حسن محمد حیات تھے۔ اس وفد نے ۲ مارچ کو مسٹر فشر نائب وزیر ہند کے سامنے اپنے مطالبات پیش کیے۔ مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم تھے۔ وفد ان سے بھی ملا۔ لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

ترک موالات کی تحریک پر بعض ہندو حلقے اس لیے جز بز ہو رہے تھے کہ خلافت کا مسئلہ خارجی

اور اسلامی ہے۔ مولانا نے ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا کہ اس مسئلے نے مسلمانوں میں برطانوی استعمار کے خلاف داخلی طور پر بال و پر پیدا کئے ہیں۔ اور سوال ایک غصب و جبر کے خلاف حق و انصاف کی معاونت کا ہے۔ مولانا محمد علی نے مدراس میں تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا کہ افغانستان، ہندوستان پر حملہ کرے تو اس ملک کے مسلمان افغانستان کا ساتھ دیں گے۔

انگریزوں نے ہندوؤں کو بھڑکانے کے لیے ان کلمات کو استعمال کرنا شروع کیا۔ مولانا نے ڈٹ کے شرعی مسئلہ پیش کیا کہ ہندوستان آزاد ہو اور یہاں ایسی گورنمنٹ قائم ہو جس میں دیگر قوموں کی طرح مسلمانوں کو بھی آزادی حاصل ہو تو اس صورت میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلمان اپنے وطن کو حملہ آوروں سے بچائیں، اگرچہ حملہ آور مسلمان اور خود خلیفہ کی فوج ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا کی اس تشریح سے [illegible] مولانا محمد علی کے [illegible] برطانوی حکومت کے خلاف [illegible] انگریزی غلامی کے خلاف اس [illegible] افغانستان مسلمان ملک تھا اور مولانا نے صرف مسلمانوں کا ذکر کیا تھا اس لیے انگریزوں نے چاہا کہ ہندو مسلمانوں سے بدگمان کریں۔ مولانا سے منسوب الفاظ برطانوی میڈیا کی شوخی تھے۔ انگریزوں کے ساختہ پرداختہ علماء و مشائخ نے ترک موالات کی تحریک پر اعتراض کیے کہ ترک [illegible] نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی کامیابی حتمی [illegible] مسلمانوں کے بعض اقلیتی فرقوں نے بھی یہی کہا۔ قائد اعظم خلافت کی [illegible] ہی کو نہیں مانتے تھے وہ ترک موالات کے پروگرام پر کانگرس سے الگ ہو گئے۔ [illegible] کے علاوہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ترک موالات کے خلاف قرآن و سنت [illegible] حضرات کا پس منظر تو معلوم تھا، لیکن مولانا اشرف علی تھانوی جو دیوبند [illegible] شخصیت تھے، اس تحریک کے خلاف قرآن و سنت سے جواز پیدا کرنے لگے۔ ان کے بھائی مظہر علی تھانوی سی آئی ڈی کے ظالم ترین افسر تھے۔ انہوں نے شیخ الہند کے رفقاء پر انگریزوں کی وفاداری کے شوق میں انتہائی ظلم کیے تھے، مولانا تھانوی کو بھائی کے ان مظالم سے متعلق قرآن و سنت میں کوئی حکم نہ ملا لیکن ترک موالات کی تغلیط کے بارے میں [illegible] ہو گئے۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے اس طرز عمل نے عمر کے آخر میں

تک ان کے گرد اس قسم کے مریدوں اور ارادت مندوں کی بھیڑ جمع کیے رکھی۔ جو برطانوی حکومت کی ہو بچہ کا بال اور اس کے آلہ کار تھے۔ حتیٰ کہ ان کے حلقہ نشینوں میں سی آئی ڈی کے اہل کار خاص تعداد میں تھے۔ ان کے خلفاء میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو ہندوؤں کے حریف لیکن انگریز کے حلیف تھے۔ مولانا آزادؔ نے قرآن وسنت کی اس تحریف کا قرآن وسنت کے واضح احکام سے سدباب کیا۔ جس سے ان لوگوں کی مخالفت ادھوری رہ گئی۔

بریلی میں جمعیت علماء ہند کا [illegible] منعقد ہوا [illegible] مولانا آزاد صدر تھے لیکن مولانا احمد رضا خاں ترک موالات سے متفق [illegible] ان کے معتقد زیادہ تر مخالف تھے۔ [illegible] بعض معتقدین نے مولانا آزادؔ [illegible] کا نعرہ [illegible] مولانا [illegible] ان کی نمایاں [illegible] مولوی حامد رضا خاں [illegible] ان کے [illegible] سید سلیمان [illegible] تھے۔

مولانا [illegible]

"مولانا [illegible] سید سلیمان [illegible] اپنی [illegible] طویل [illegible] ممکن نہیں رہا۔ لیکن مولانا [illegible] تقریر [illegible] ہوئے [illegible] سے مجمع مبہوت ہو گیا [illegible] معجزہ تھی [illegible] قدرت بھی مسحور ہو گئے۔ مولانا نے تقریر ختم کی تو سید سلیمان اشرف نے اٹھ کر اعلان کیا کہ مولانا آزاد نے ہمیں مطمئن کر دیا ہے۔ اب ہم تحریک خلافت کے مخالف نہیں رہے۔" مولوی حامد رضا خان نے اعلان کیا کہ سب غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں اور اب ہم بھی سب کے ساتھ ہیں۔"

۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو اتحادیوں نے استنبول میں اپنی فوجیں اتار کر قوم پرست ترکوں کے مکانات کا محاصرہ کیا اور ان کے گھروں میں گھس کر انہیں مارا اور رؤف بے کو مالٹا بھیج دیا۔ جہاں انجمن اتحاد و

ترقی کے بہت سے ممبر قید تھے۔ شہر میں مارشل لا لگا دیا، اور اعلان کیا کہ جو شخص قوم پرست لوگوں کو پناہ دے گا، اسے سزائے موت دی جائے گی۔ سلطان ترکی نے ایک عدالت قائم کر کے مصطفیٰ کمال، علی فواد، ڈاکٹر عدنان اور خالدہ ادیب خانم وغیرہ کے لیے سزائے موت کا حکم صادر کیا۔ شیخ الاسلام نے فتویٰ جاری کیا کہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کو قتل کرے گا وہ یقینی طور پر جنت کا مستحق ہوگا۔ مصطفیٰ کمال انگورہ پہنچ گئے اور وہاں ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو گرینڈ نیشنل اسمبلی کے نام سے حکومت قائم کی۔

وائسرائے ہند نے ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کے ایک بیان میں کہا، ترکی کا فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف ہوا ہے جس کا انہیں افسوس ہے، لیکن وہ بے بس ہیں۔ ادھر اسی زمانے میں جلیانوالہ باغ کی فائرنگ سے متعلق ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی۔ چونکہ رپورٹ ہندوستانیوں کے خلاف تھی اس لیے تمام ملک میں برہمی پیدا ہو گئی۔ ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو مدراس میں کانگریس نے فیصلہ کیا کہ حکومت سے ترک موالات کی جائے۔ یکم جون کو الہ آباد میں [illegible] مولانا کو باقاعدہ منظور [illegible] ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے سپرد ترک موالات کی تحریک کی گئی۔ اس کمیٹی کے ارکان مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا حسرت موہانی اور حاجی محمد صدیق کھتری، بمبئی۔

۸ جولائی ۱۹۲۰ء کو لکھنؤ میں ایک زبردست جلسہ ہوا اور اس کے بعد ہجرت کی تحریک شروع ہوگئی۔ [illegible] ایک مہاجر حبیب اللہ خان گوروں کی [illegible] سے رحلت کر گئے، لیکن گورا کورٹ مارشل میں بری کر دیا گیا، [illegible] ہڑتال کی گئی۔ مہاتما گاندھی ترک موالات کی تحریک کے لیڈر قرار پائے۔ انہوں نے حکومت کے دیئے تمام تمغے واپس کر دیئے۔ سلطان وحید الدین نے سیورے کانفرنس منعقدہ ۱۰ اگست کا فیصلہ منظور کر لیا، جس کے مطابق تھریس کا بڑا حصہ اور سمرنا یونان کو دے دیئے گئے۔ اس کے علاوہ استنبول اور بعض دوسری بندرگاہیں اتحادیوں کو دے کر آرمینیا کا علاقہ وسیع کر دیا گیا، ترکی کے لیے صرف پندرہ ہزار فوج باقی رکھنے پر صاد کیا گیا۔ لیکن انگورہ کی قومی حکومت نے اس فیصلے کو ٹھکرا دیا۔ یونانی فوج کا مقابلہ کیا اور شکست فاش دی۔ ادھر ۲ جنوری ۱۹۲ ء کو ناگپور میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا تمام مسلمان زعماء موجود تھے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس بھی وہیں ہوئے۔ پنجاب کے مشہور لیڈر پنڈت رام بھج دت نے تحریک پیش کی کہ جب تک خلافت کا مسئلہ طے نہ ہو، شرائط

کی مخالفت کی جائے نیز اعلان کیا کہ ہندو مسئلہ خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ ڈاکٹر راج کمار چکرورتی (ڈھاکہ) نے اس کی تائید کی۔

۲۶ دسمبر ۱۹۲۱ء کو الہ آباد میں حکیم اجمل خان کے زیر صدارت خلافت کانفرنس منعقد ہوئی مسلم لیگ اور کانگرس کے اجلاس بھی یہیں ہوئے ان میں سول نافرمانی جاری کرنے کی تجاویز پاس کی گئیں۔ ادھر اگست ۱۹۲۲ء میں مصطفےٰ کمال نے یونانیوں پر حملہ کر کے انہیں ملک سے نکال دیا اور اس صورت حال پر یورپ کی طاقتوں نے لوزان کانفرنس طلب کی۔ جس میں شرکت کے لیے حکومت استنبول اور حکومت انگورہ دونوں کو مدعو کیا۔ اس شرکت کے خطرات کو مصطفےٰ کمال وہاں سے رفقاء سمیت جانب گئے۔ انہوں نے ۲ نومبر ۱۹۲۲ء کو نیشنل اسمبلی کا اجلاس بلوایا اور خلافت و سلطنت کو الگ الگ کر دیا۔ اس فیصلے پر سلطان وحید الدین سے ملک ترک کر کے ترکی چھوڑ کے جہاز میں پناہ لی۔ عبدالمجید آفندی کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ لوزان کانفرنس ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء میں ترکی کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔ پہلی لوزان کانفرنس ناکام ہوئی لیکن جولائی ۱۹۲۳ء میں ترکوں سے مصالحت ہوئی تو ۲۵ جولائی ۱۹۲۳ء کو ہندوستان میں ترکی سے صلح کا جشن منایا گیا۔

مصطفےٰ کمال نے انگورہ میں حکومت سازی سے ہی خلافت کا منصب ختم کر دیا ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو اسلام کا عہدہ اٹھا دیا۔ برعظیم کے مسلمانوں کو اس نقصان پر پریشانی ہوئی انہوں نے ایک وفد ترکی بھیجنے کے لیے تیار کیا لیکن حکومت ہند نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر مولانا شوکت علی کی زیر صدارت ۱۹ مارچ ۱۹۲۴ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خلافت کے خاتمے پر اظہار افسوس کے علاوہ جزیرہ عرب کی آزادی کا مطالبہ اور شریف مکہ سے اظہار نفرت کیا گیا۔

۱۹۲۵ء کا اجلاس ۲۸ دسمبر کو مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر صدارت کانپور میں منعقد ہوا۔ مہاتما گاندھی بھی شریک ہوئے۔ مولانا حسرت موہانی صدر استقبالیہ تھے انہوں نے اپنے خطبے میں ابن سعود کی مذمت کے علاوہ شاہ حجاز کو خلافت دینے کا اظہار کیا لیکن اگلے اجلاس میں مولانا محمد علی نے تجویز پیش کر کے مولانا حسرت موہانی کا خطبہ کارروائی میں سے حذف کرا دیا۔ اس کے برعکس سلطان ابن سعود کے داخلہ حجاز پر اظہار مسرت اور شریف مکہ کے اخراج پر اظہار اطمینان کیا گیا۔

مولانا آزاد نے اپنے صدارتی خطبے میں جمہوریہ ترکی کے ظہور، مصر کی سیاسی حرکت، مشرق میں یورپ

کے معاہدہ استعمار، عراق، شام اور فلسطین میں انگریزی و فرانسیسی حکم برداری، عثمانی خلافت کے خاتمہ، ترکی سے خاندان عثمانی کے اخراج، شمالی افریقہ میں امیر محمد بن عبد الکریم کی پے در پے فتح مندیوں، حجاز کے ناگہانی اور فوری تغیرات، شریف مکہ کی خود ساختہ عمارت کے انہدام، ابن سعود کے داخلہ حجاز، جزیرۃ العرب کی سیاسی صورت حال، شام میں قومی حرکت کی طاقتور نمود، خاندان قاچاریہ کے خاتمے، پہلوی شہنشاہیت کے قیام اور بعض دوسرے سیاسی ملکی، قومی اور بین الاقوامی مسائل پر روشنی ڈالی، فرمایا کہ:

"ہمارے لئے زندگی اور سرگرمی کی اصل جگہ خود اپنی سرزمین اور پڑوس ہے۔ اس بات پر افسوس کیا کہ ایک چھوٹی سی مدت میں ہمارا ملک قدم اٹھا کر مدت تک [illegible] بلکہ واپسی کے لئے پیچھے دیکھ رہا ہے۔ وطن [illegible] تعصب [illegible] [illegible]"

مولانا نے ہندوستان کے مسلمان فوجیوں کے ہاتھوں ترکی کی [illegible] ہندوستان کے بدقسمت مسلمان [illegible] سے پہلے تیار نہ ہوں گے کہ برطانوی شہنشاہیت کے لیے ان ترکوں کے سینوں پر گولیاں چلائیں جو اپنے قومی و وطنی حق کی حفاظت کے لیے دفاع پر مجبور ہوتے ہیں۔"

مولانا نے استعمار کے ہاتھوں [illegible] دمشق کی [illegible] ہوتے ہوئے جنوبی افریقہ سے ہیبتناک حال کو ہندوستان کی غلامانہ زندگی کے نتائج پر تبصرہ کیا اور [illegible]

"طاقت نے کمزوری اور غفلت [illegible] یہ ہے کہ [illegible] کرے گی [illegible] انصاف جس کا مطالبہ کمزوری کرے رحم ہے۔"

مزید فرمایا کہ:

"شریف مکہ کا وجود اسلام اور عرب کے لئے موجودہ عہد کی سب سے بڑی مصیبت تھا۔ وہ اپنا آخری لمحہ حیات بھی ظلم و استبداد کے بغیر بسر نہ کر سکا۔"

ایران میں قاچاری شاہیت کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا:

"کہ یہ انقلاب کیسا شاندار اور مکمل ہوتا اگر ایک نئی شہنشاہیت کے آغاز کی جگہ ہم ایران کی جمہوریت کا اعلان سنتے۔" ابن سعود کے داخلہ حجاز پر اظہار مسرت کیا کہ شریف مکہ کا خاتمہ

ہو گیا۔"

مولانا نے خطبے کے آخر میں فرمایا کہ خلافت کمیٹی جس وقت قائم ہوئی تو اس کے پیشِ نظر دو مقصد تھے۔

۱۔ مسئلہ خلافت کے لیے ملک میں عام جدوجہد کرنا۔

۲۔ مسلمانوں میں ملکی آزادی کے لیے خصوصیت کے ساتھ ترقی پیدا کرنا۔

مولانا نے فرمایا کہ آخری مقصد کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مسلمانوں کے قدم اس راہ میں بہت پیچھے تھے۔ مولانا نے خطبے کے اس حصے میں ہندوستان کی آزادی کے حصول اور اس کے لیے جدوجہد پر زور دیا اور کہا کہ مسلمانوں [illegible] سے متصادم [illegible] اور یورپی قوت سے [illegible] ہندوستان کے [illegible] ہے [illegible] حکومت کی [illegible] مسلمانوں کے لیے ہندوستان کی [illegible] اور اس کی آزادی [illegible] ہے۔ مولانا نے خطبے کے آخر میں [illegible] پر زور دیا [illegible] ہے اس [illegible] وقت ہمیں [illegible] "نوشت و خواند" کے تعمیری کام میں لگانا چاہیے۔ مولانا نے [illegible] اور عوام کی تعلیمی تربیت کے لیے [illegible] پروگرام پیش کیا جس میں [illegible] مسجدوں سے مدرسوں کا کام لینا [illegible] قرأت خانوں ریڈنگ روم [illegible] اور خطبات جمعہ [illegible] شامل تھے۔

یہ ذکر آچکا ہے کہ مولانا ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کو رہا ہوئے۔ ۷ جنوری ۱۹۲۰ء کو کلکتے پہنچے، پھر باہمی مذاکرات اور قومی مجالس میں شرکت کے لیے جیسے [illegible] سفر کیا۔ اس کے دو مہینے بعد ان کی صدارت میں ۲۸ فروری ۱۹۲۰ء کو مجلس خلافت بنگال کی پراونشل کانفرنس ہوئی۔ [illegible] کا خطبۂ [illegible] "جزیرۂ عرب اور مسئلہ خلافت" ایک جامع و مانع دستاویز تھا۔ مسئلے کا ہر پہلو بیان کیا اور کوئی مبحث تشنہ نہ رہا۔ فی الجملہ اس موضوع پر سارا خطبہ ایک ایسی کتاب تھی کہ اردو یا کسی دوسری زبان میں اس سے بہتر کتاب نہ ہوگی۔ یہ سب سے بڑا خطبہ تھا۔ جو آج تک کسی قومی و سیاسی مجلس میں پڑھا گیا۔ اس کی حیثیت ایک مستقل تصنیف کی ہے۔

مولانا نے پہلی ستمبر ۱۹۲۰ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس ناگپور کی صدارت فرمائی۔ یہ خلافت

کانفرنس کا دوسرا اجلاس تھا، پہلا اجلاس ۱۹۱۹ء میں مولانا شوکت علی کے زیرِ صدارت امرتسر میں ہوا، مولانا آزاد اس وقت رانچی میں نظربند تھے۔

جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس اوّل ۱۹۱۹ء میں مولانا عبدالباری کے زیرِ صدارت امرتسر میں دوسرا اجلاس ۱۹۲۰ء، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے زیرِ صدارت دہلی میں اور تیسرا اجلاس ۱۸ نومبر ۱۹۲۱ء کو مولانا آزادؒ کے زیرِ صدارت لاہور میں، اس اجلاس میں مولانا نے دو خطبات دیئے۔ ایک تحریری ایک تقریری، تحریری خطبے میں مولانا نے علماء دین کے فضائل و مکارم اور فرائض و مراتب سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ:

"دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی اور علوم دین ہوتے ہیں اس کے سوا علم و یقین کا اس سماء دنیا کے نیچے وجود نہیں اس کے سوا جو کچھ ہے وہ جس قدر بھی ہے، وہ قرآن پکار پکار کر کہتا ہے کہ ظن ہے، تخمین ہے، قیاس ہے، خیال ہے، جہل ہے اور وہ سب باطل ہے، ظلمت ہے، ظلمات بعضہا فوق بعض ہے۔"

مولانا نے علم و عمل اور علماء دین کے متعلق قرآن حکیم کی مختلف آیتوں کا حوالہ دیتے ہوئے تین مختلف مذاہب اصلاح کا ذکر کیا جن کا دنیائے ہندوستان، مصر، ترکی، ایران، تیونس اور بلاد ترکستان و افغانستان میں ظہور و بروز ہو چکا تھا۔ پہلا مذہب اصلاح انگریزی سے موسوم تھا، ہندوستان میں سرسید اور ان کے جانشین، ترکی میں سلطان محمود ثانی اور اس کے وزراء، مصر میں محمد علی پاشا اور تیونس میں خیرالدین پاشا [illegible] اس کے داعی تھے، دوسرا اصلاح سیاسی کا مذہب تھا، اس کو مسلمانوں کے سیاسی زوال اور قومی اضمحلال کا احساس اور استغراق تھا، اس کے سب سے بڑے داعی سید جمال الدین افغانی اور ترکی میں سید مدحت پاشا [illegible] تھے۔

تیسرا مذہب اصلاح دینی و شرعی سے موسوم تھا، ہندوستان میں اہل حق کا داعی تھا، اس کا مطمح نظر مسلمانوں کو بدعات و توہمات سے نکال کے قرآن و سنت کے تابع کرنا اور ان کے گمشدہ اقتدار کو واپس لانا تھا، ترکستان اور بلاد روسیہ میں شیخ صدرالدین، مصر میں شیخ محمد عبدہ، شام میں شیخ عبدالرحمٰن کواکبی اور شیخ کمال الدین قاسمی اس مسلک اصلاح کے داعی تھے۔

مولانا نے فرمایا: جمعیت العلماء ہند، [illegible] کی سب سے [illegible] صداقتوں کا یوسف مقصود ہے۔

علمائے حق کی راست بازی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے ان علمائے امت کا ذکر کیا جو قرنِ اولیٰ سے حق و صداقت کے پشتیبان تھے، فرمایا:

"ہمارے لیے راہِ عمل تجدید و احیاء ہے نہ کہ تاسیس و اختراع۔"

تقریری خطبے میں مولانا نے عوام کے جذبات کو جھنجھوڑتے ہوئے انہیں قرنِ اوّل کے عزمات کی طرح ہمت دینے کا سبق دیا۔ صوبائی مجلس خلافت آگرہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء کے خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کے جذبات کو ابھارتے ہوئے آگرہ کے تاریخی شہر میں تذکرہ کیا کہ خلافت اپنی معراج پر تھی۔ مولانا نے تحریک خلافت کے متعلق فرمایا:

"اس نے ایک [illegible] ہندوستان [illegible] کر دیا جو [illegible] سے [illegible] ہندوستان کی آزادی کا [illegible] سے ہندوستان کا [illegible] ہوگیا۔"

فرمایا:

"میں ہی وہ شخص ہوں جس نے سب سے پہلے [illegible] ۱۹۰۵ء میں [illegible] ہندوستان کی [illegible] اس سب [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] جس سے [illegible] کا فیصلہ کیا۔ [illegible] حکیم اجمل خان۔"

مولانا کانگریس کے سب سے کم عمر صدر رہے ہیں انہوں نے پہلی دفعہ ۵ دسمبر ۱۹۲۳ء کو دہلی کے اسپیشل اجلاس کی صدارت کی۔ یہ اجلاس کانگریس میں مختلف رائے کے دو گروہوں کو جوڑنے کے لیے تھا۔ ایک گروہ کونسلوں کے حق میں اور دوسرا اس کے خلاف تھا مولانا نے انہیں اکٹھا کیا اور عدم تعاون کا راستہ پیدا کیا۔ یہ کوئی معمولی چیز نہ تھی۔ مولانا نے کانگریس کو شکست سے بچایا اور دونوں گروہوں کے نقطہ ہائے نگاہ میں ہم آہنگی پیدا کر کے باہمی تصادم ختم کیا۔

مولانا کا یہ خطبہ ایک فلسفی مدبر کا ادبی زبان میں خطاب ہے۔ مولانا نے مسئلہ خلافت کے پس منظر میں ترکی کی نشاۃ ثانیہ اور اس کے ملی وجود کی بقا و استحکام پر اظہار خیال کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں بیان کیا کہ سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد جاتا رہا تو

عالم انسانیت کا نقصان ہوگا۔

مولانا نے اس زمانے میں ملک کے طول و عرض کا دورہ کیا۔ پشاور سے کلکتے تک اور دہلی سے مدراس تک ہر جگہ ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے رہے۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس کی دو دفعہ صدارت کی اور کئی ایک صوبائی کانفرنسوں کی صدارت فرمائی۔ ناگپور کا خطبہ صدارت دستیاب نہیں ہو سکا۔ مولانا نے ایک ایسا ذہن پیدا کیا جو پہلے مفقود یا محدود تھا۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے ملک بھر میں قومی رہنماؤں کی ایک ڈار پیدا ہو گئی اور اس ڈار کے پیدا کرنے میں ابوالکلام سرفہرست تھے۔

مولانا کی دور نظری اور مستقبل بینی کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ۲۷ ستمبر ۱۹۱۹ء کو کلکتے کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

> یورپ کی مسیحی طاقتیں ترکی سلطنت سے نام اسلام کو مٹانا چاہتی ہیں اور تمام ممالک اسلامیہ کو یہ طاقتیں اپنی حکومت سے آپس میں بانٹ لینے کی متمنی ہیں۔

پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تو ترکی ہار گیا۔ خلافت عثمانیہ پارہ پارہ ہو گئی اور مسلمان ریاستیں اپنی علیحدگی سے برطانیہ، فرانس اور اٹلی کے تصرف، عملداری اور انتداب میں آ گئیں۔ ان حالات میں تحریک خلافت نے ہندوستان کو جو کچھ دیا وہ یہ تھا۔

۱۔ ہندوستان میں حساس آبادی اجتماعی طور پر بیدار ہو گئی اور ملک غیر ملکی غلامی سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے متحد ہو گیا۔ انگریزوں کو بھی احساس ہو گیا کہ ہندوستان نے اپنی منزل کی طرف قدم اٹھا لیے ہیں اور اب کسی سیاسی تحریک کا رکنا ممکن نہیں۔

۲۔ ملک کی پرانی لیڈرشپ ختم ہو گئی، اس کی جگہ نئی لیڈرشپ کا آغاز ہوا۔

۳۔ مسلمانوں کی ذہنی سرزمین میں برطانوی وفاداری کا جو بیج بویا گیا تھا، اس کی جگہ مسلمانوں میں برطانوی غلامی سے تنفر کے جذبات پیدا ہو گئے اور انگریز دوست لیڈرشپ کے بجائے استعمار دشمن لیڈرشپ نمایاں ہو گئی۔

۴۔ ۱۸۵۷ء کے بعد یہ ایک نئے ہندوستان کا آغاز تھا۔

۵۔ مسلمان برطانوی استعمار کی عالمی سیاست سے واقف ہو گئے۔

۶۔ ہندوؤں کی وطنی سیاست کا مزاج انقلابی ہو چکا تھا، لیکن مسلمانوں کی معاشی پسماندگی اور عمرانی پسماندگی کے باعث رجعتی لیڈر شپ نے ان پر جو اپنا اثر و رسوخ اور تسلط و اقتدار قائم کر رکھا تھا وہ تحریک خلافت کی بدولت ختم ہو گیا۔

۷۔ تحریک خلافت کا مسلمانوں کو انعام یہ تھا کہ ان میں بامردہ استبدادوں کے علاوہ جواں مرد کارکنوں کی جماعت پیدا ہو گئی جس نے برطانوی استعمار سے [illegible] جاری رہنے کی رسم ڈال دی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی لیڈر شپ ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو بزدل یا بے دل تھے۔

۸۔ یہ خصوصیت تحریک خلافت کو حاصل ہوئی کہ اس نے خصوصیت سے ملک میں ترک موالات کا [illegible] [illegible] ہندو مسلم [illegible] ہو گئی۔

۹۔ اس تحریک کی بدولت [illegible] [illegible] سیاست و خطابت کے مذاق میں سراسر تبدیلی آئی۔

۱۰۔ اس تحریک سے پہلے [illegible] جدید اور انگریزی خواندہ دو مختلف [illegible] تھے۔ تحریک خلافت نے اس [illegible] کو مشارکہ یکجائی پیدا کی۔

ملیح آبادی نے مولانا آزاد کی زبانی جو بات بتائی ہے اس میں مذہب کی خاص گرفت سے [illegible] ذہنی بغاوت کا [illegible] ہے [illegible] سے ان کی دماغی نقش سرسید کے افکار کی تحویل [illegible] تھی۔ پھر وہ [illegible] چلے گئے اور کچھ عرصہ [illegible] کتاب میں [illegible] اور ہماری آزادی [illegible] ترجمان القرآن کے مقدمے میں چند اشارات ہیں [illegible] الحاد کا زمانہ بھی گزرا تھا۔

المختصر "البلاغ" کی دعوت [illegible] وہی تھی جو آج مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نصب العین ہے الا [illegible] کے جو زمان و مکان کے [illegible] وہ تصوراتی و نظریاتی لحاظ سے مختلف ہیں۔ [illegible] کے ابتدائی [illegible] میں مولانا آزاد نے مسلم لیگ کو بری طرح رگیدا۔ لیکن تب وہ کانگرس کے ترجمان نہیں تھے۔

وہ ہندو مسلم اتحاد سے انکار نہیں کرتے تھے لیکن مسلمانوں کی انفرادیت کو قائم رکھنے کے حامی و داعی تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا ملی وجود ہی ان کی بقا کا ضامن تھا۔

عبدالرزاق ملیح آبادی "ذکر آزاد" کے صفحہ ۲۶۳ پر لکھتے ہیں کہ:

"مولانا مسلمانوں کو مذہب کی راہ منظم کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اسکیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان

کا ایک امام ہو، اور امام کی طاعت کو وہ اپنا دینی فرض سمجھیں مسلمانوں میں یہ دعوت مقبول ہو سکتی ہے اگر قرآن و حدیث سے انہیں بتا دیا جائے کہ امام کے بغیر ان کی زندگی غیر اسلامی ہے اور ان کی موت جاہلیت پر ہوگی۔ جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امام کو مان لے تو امام ہندوؤں سے معاہدہ کر کے انگریزوں پر جہاد کا اعلان کر دے۔"

ملیح آبادی لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک مولانا ابوالکلام آزاد ہی اس امامت کے اہل تھے مولانا نے اس غرض سے ملیح آبادی کو بیعت کے لیے مقرر کیا، اور الفاظ بیعت کا مسودہ بھی لکھ دیا۔ ان کے سپرد پنجاب کا صوبہ کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے [illegible] ملیح آبادی کو معلوم ہوا کہ فرنگی محل والے حضرت شیخ الہند کو مولانا عبدالباری [illegible] تو حضرت شیخ الہند سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا کہ بعض لوگ امامت کے سلسلہ میں آپ کا نام لے رہے ہیں [illegible] اس سلسلہ میں بھی ہیں۔ حضرت شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ:

"میں تو ایک [illegible] ہوں [illegible] امام ہونے کا اہل نہیں۔" ملیح آبادی نے کہا "کچھ لوگ مولانا عبدالباری کا نام لے رہے ہیں۔" شیخ نے فرمایا مولانا عبدالباری کے بہترین آدمی ہونے میں شبہ نہیں [illegible] ملیح آبادی نے کہا مولانا ابوالکلام آزاد کے [illegible] اس وقت مولانا ابوالکلام کے سوا کوئی شخص امام ہند نہیں ہو سکتا، وہ ان اوصاف کا مجموعہ ہیں جو ہندوستان کے امام میں ہونے ضروری ہیں۔"

ملیح آبادی لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ کے بعد مولانا عبدالباری سے بات چیت کی وہ کہنے لگے۔

"مولانا آزاد کے سوا کسی اور کا نام امامت کے لیے لینا قوم سے غداری ہے۔ میں پہلا آدمی ہوں جو مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔"

ملیح آبادی لکھتے ہیں کہ میں اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ مولانا آزاد سے بڑی چشمک ہے گو ظاہری محبت و خلوص کی کمی نہیں۔ میں نے ان سے تحریر چاہی تو انہوں نے لکھ دیا ملیح آبادی نے ذکر آزاد کے صفحہ ۳۷ پر وہ تحریر نقل کی ہے۔ ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ مولانا آزاد نے ملیح آبادی

ہوں گی۔ سردست اس قصے کو ترک کیجیے اور کام کیے جائیے۔

مولانا کو پنجاب، سندھ اور بنگال پر مقابلتہً زیادہ اعتماد تھا، دہلی امامت کا سانچہ تیار ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں دیوبند، مرادآباد، ندوہ اور فرنگی محل علماء کی تیاری اور تکمیل کے مرکز تھے لیکن ان کے ذہن میں مسلمانوں کی امامت کا تصور [illegible] سے اسنادِ فضیلت لے چکا [illegible] مراکز کے ... اور عالی [illegible] میں اجارہ داری کے تعصبات سے آگاہ تھے۔ زمانہ بھی ۱۹۲۰ء کا تھا جب مسلمانوں کی قیادت [illegible] سے مطلع کیا، تو آپ نے [illegible]

"حضرت [illegible]
[illegible]
[illegible] کے نہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]"

[illegible] ذہن سے نکال دیا اور اس کی وجہ یہ تھی [illegible] مطلقاً نظرانداز [illegible] کے قائد نہیں بلکہ مخالف ہیں۔ [illegible] مولانا آزاد کی امامت ہی کے نہیں بلکہ ذات کے بھی سخت مخالف [illegible]

مولانا آزاد نے [illegible] مدرسہ عالیہ کلکتہ [illegible] اسلامیہ قادریہ [illegible] ۱۹۲۰ء [illegible] خطبہ [illegible]

"علم خدا کی ایک پاک امانت ہے اور اس کو صرف اس لیے ڈھونڈنا چاہیے کہ وہ علم ہے اس حکومت نے تم کو علم کے لیے نہیں معیشت کے لیے ذریعہ بنا دیا ہے۔"

مولانا کو اس زمانے میں علماء کے مختلف دبستانوں کا تلخ سے تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنے سلسلوں کے طائفے بنا کے بیٹھے، اور اپنے سے باہر کسی کو فضیلت دینے کے سوال پر ان کے علم و تقویٰ رکھی

ہی نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کے متعلق مولانا نے محسوس کیا کہ ابھی ان میں سیاسی شعور کی اہمیت کا فقدان ہے۔ اور اس کے وجوہ ہیں۔ ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ مختلف مسالک کے خانوں میں اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ انہیں اسلام کی وحدت سے کہیں زیادہ مسالک کا بٹوارہ عزیز ہے، اور مشارب کی اس تقسیم پر وہ اسلام کی ملی وحدت کو بھی تیاگ دیتے ہیں۔

مولانا کے محسوسات کو ان کے ہی جامع الفاظ میں پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن مولانا نے تحریک خلافت کے دنوں میں [illegible] تجربات سے جن مسلمانوں سے جوش و خروش کا مظاہرہ [illegible] تھا وہاں بالآخر وہ اس نقطۂ نگاہ تک پہنچ چکے تھے۔

۱۔ ہندوستان کے مسلمان [illegible]

[illegible] ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کی ذہنی [illegible] سیاسی جدوجہد کی [illegible] جداگانہ مفادات رکھتے تھے۔

۳۔ [illegible] تھی۔

۴۔ مسلمان تنہا تو [illegible] تھے اور وہ الگ رہ کر اپنے قومی وجود کو تحفظ دے سکتے تھے۔

۵۔ اب [illegible] فکری [illegible] ذہن [illegible] تھی وہ قدامت کے سانچوں سے مختلف تھا۔ سوال یہ تھا کہ عصری تحریکوں کا مقابلہ کرنے کے لیے قومی جدوجہد کی ذہنی چھاپ کیا ہو؟ کیونکہ ہندوستان سید احمد شہید اور علمائے صادق پور کے [illegible] عالم اور تمام دنیا کے سیاسی دھارے سے مختلف ہو گئے تھے۔

۶۔ ہندوستان میں سیاسی مقاصد کے لیے کسی مذہبی تحریک کی سیاسی کامیابی مختلف مذاہب کی موجودگی میں ناممکن تھی۔ ہندوستان کئی مذاہب اور کئی مسالک کا وطن تھا۔ یہاں ایک مذہبی تحریک کا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے ٹکراؤ ناگزیر تھا اور یہ ہندوستان کی آزادی کے راستے کی بہت

بڑی سوک تھی۔

۷۔ جس خلافت کے لیے ہندوستانی مسلمانوں نے منظم جدوجہد کی اس کو مصطفیٰ کمال کے رد عمل نے اپنے ہاتھوں معدوم کر دیا گو استعماری کی کارفرمائی کا نتیجہ تھا۔ عرب ممالک کئی ریاستوں میں تقسیم ہو کر خلافت سے ہاتھ اٹھا چکے تھے۔ مولانا نے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اس خارجی سیاست کے بجائے داخلی سیاست کو اولیت دی کہ ہندوستان کی آزادی پر فی الحقیقت ممالک کی آزادی کا انحصار ہے اور ہندوستان کی آزادی کا صحیح نقشہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے [illegible] سے ابھرتا ہے۔

۸۔ مولانا نے ہندوستانی آزادی سے قومی محبت میں یہی ہے

"تحریک شدھی ہے [illegible] کے جواب [illegible] ہے [illegible] صوبوں کو چھوڑ کر [illegible]

کبھی سارے مسلمان [illegible] ہند [illegible]۔"

[illegible] خلافت [illegible] مواعید وغیرہ میں اس کا تجزیہ کر چکے ہیں۔

تحریک خلافت کے بعد ہندوستان میں ہندو مسلم [illegible] اور شدھی و سنگھٹن کی تحریکوں سے جو رنگ اختیار کیا وہ کس قدر خوفناک تھا [illegible] ہندو [illegible] میں ووٹ گئے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۶ء تک [illegible] ۱۹۰۱ [illegible] میدان میں [illegible]۔ ۱۹۲۷ء میں اُنہوں نے دوبارہ جلدی کیا جو چھ ماہ بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن سے متعلق ان کا مسلک یہی تھا جو ہندوستان کے حریت پسندوں کا تھا لیکن [illegible] سے الگ تھلگ مظاہروں میں شریک ہوتے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں کانگرس کا سالانہ اجلاس پنڈت جواہر لال نہرو کے زیر صدارت لاہور میں منعقد ہوا۔ کانگرس نے مکمل آزادی کا ریزولیوشن پاس کیا۔ مولانا اس میں شریک ہوئے [illegible] کی فرقہ وارانہ کشیدگی سے [illegible] مولانا محمد علی وغیرہ کانگرس چھوڑ کے جا چکے تھے۔ ادھر جمعیتِ لیڈرشپ نے مسلمانوں کو بالواسطہ و بلاواسطہ متاثر کرنا شروع کیا اور ایک حد تک متاثر کر دیا۔ اس دوران میں فرقہ وارانہ منافقت طے کرنے کے لیے قبل ازیں کئی اتحاد کانفرنسیں ہوئیں۔ ایک کانفرنس کا نتیجہ نہرو رپورٹ تھی، لیکن وہ رد ہو گئی۔ ملک میں مسلمانوں کی خلافتی لیڈرشپ جس میں پہلے ہی رقابتی چشمک تھی ایک دوسرے کے مدمقابل دو سیاسی مسلکوں میں بٹ گئی اور شیرازہ بکھر گیا۔ ادھر ہندو مسلم

مسئلہ موجود تھا یعنی نہرو رپورٹ کے مرحلہ میں مسلمان سیادت کی تقسیم کا باعث ہو مولانا محمد علی کا شخصی ٹکراؤ بھی تھا۔ مولانا محمد علی نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کی تو وہ لوگ جو انگریزوں کی خوشنودی کے لیے جی رہے تھے۔ مولانا محمد علی کے گرد جمع ہو کر فرقہ واریت کا ستون ہو گئے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے ترجمان ہیں۔ مولانا نے [illegible] میں فی نفسہ حصہ نہ لیا۔ اور وہ سب کچھ چپ چاپ سہتے رہے جو ان کے حریف ان سے متعلق سیاستہ یا تعریضاً کہتے۔ مولانا نے ان دنوں پاس کے جدید سیاسی تاریخ کے مختلف مرحلوں میں بلا تحریک [illegible] کے خلاف [illegible] لیا وہ بڑی زبان استعمال کی [illegible] رہتے ہیں۔

ملک میں دہشت پسند [illegible] ہیں [illegible] میں ماہر و جیست [illegible] کی [illegible] اس دہشت پسند سے ملک کو [illegible] ہو گئے [illegible] دہشت پسندی [illegible] کا سیاسی تحریکوں کا تیار کردہ بیان [illegible] حاصل ہوا

[illegible] کانگریس [illegible] سوراج پارٹی [illegible] حاصل ہوئی اور وہ پارلیمانی محاذ پر سرگرم رہی۔ [illegible] ہو رہا ہے [illegible] بیان کیا کہ قومی آزادی کا مسئلہ حقیقت [illegible] ہندوستان سے بات چیت [illegible] مجبور تھے [illegible] کانگریس نے نہرو رپورٹ ختم کر دی [illegible] ہندوستان کا موقف عمل [illegible] حکومت نے تسلیم [illegible] ایک سال بعد تا [illegible] عوامی تحریک شروع [illegible]

۱۹۳۰ء میں تحریک شروع کی گئی۔ کانگریس نے ستیہ گرہ شروع کیا۔ گاندھی جی نے ڈانڈی مارچ کیا، جگہ جگہ نمک سازی کی گئی کوئی چار ماہ کے اندر جیل بھر گئے۔ گاندھی اروِن میثاق کے وقت ستر ہزار کے لگ بھگ سیاسی قیدی تھے۔ جن میں چوبیس ہزار مسلمان تھے۔ صوبہ سرحد میں قصہ خوانی بازار کا خونچکاں حادثہ ہوا۔

گورو نوج نے کئی سو فدائی خدمت گاروں کو بھون ڈالا۔ کانگرس کے ساتھ خدائی خدمت گار، احرار اور جمعیت علماء کے رضاکار وردیاں بھی پہنتے تھے۔ انہوں نے بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ کانگرس خلاف قانون جماعت قرار دے دی گئی تو ایک کے بعد دوسرا صدر اور اس کی نامزد ورکنگ کمیٹی کے ارکان پکڑے جاتے رہے۔ مولانا آزاد بھی صدر منتخب کیے گئے اور وہ بھی پکڑے گئے۔ انہوں نے جانشین ڈاکٹر انصاری کو مقرر کیا [illegible] ڈاکٹر صاحب نے [illegible]

مولانا [illegible] ڈیڑھ سال قید [illegible] [illegible] [illegible] گرانسان تھے اور یک زمانے [illegible] [illegible]

[illegible] بھی پکڑے گئے۔ مولانا آزاد بھی دہلی [illegible] ایک سال [illegible] قید رکھا گیا۔

[illegible] مولانا محمد علی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے اور لندن ہی میں رحلت کر گئے [illegible] کانفرنس میں [illegible] کیا گیا کہ وہ انگریزوں [illegible] تھے [illegible] سرکاری مسلمانوں سے شامل ہوئے زیادہ تر انگریزوں کی شہ پر اڑے رہے کہ نصاری کو مسلمانوں کی مانند کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ ادھر مسلمانوں کی صورت حال یہ تھی کہ جداگانہ انتخاب کی حمایت میں کانگرس سے الگ ہوگئے اور پنجاب میں ایک ابھرتی ہوئی طاقت تھے۔ ان کی بدولت تحریک کشمیر پیدا ہوئی اور تقریباً بیس ہزار مسلمان قید ہوئے کئی نوجوان کشمیر کے سرحدی مورچوں پر شہید ہوئے۔

ادھر ۱۹۳۵ء تک حالات نے کئی پلٹے کھائے۔ خان عبدالغفار خان سالہا سال صوبہ سرحد سے

باہر رہے ان کے لیے اپنے صوبے میں داخلہ ممنوع تھا۔ مولانا محمد علی کی وفات کے بعد مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کا حال یہ تھا کہ بنگال میں مسلمانوں کی رجعتی لیڈرشپ کا صوبائی اسمبلی کے یورپی ممبروں سے گٹھ جوڑ تھا۔ سرحد میں خان عبدالغفار خان عوام کی اکثریت کے محبوب تھے۔ لیکن صاحبزادہ عبدالقیوم اور خان بہادر قلی خان جیسے پشتینی وفادار حکومت کے ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی تھے۔ سندھ سرکاری وڈیروں کے ہاتھ میں تھا [illegible] تھے۔ بلوچستان [illegible] سیاسی [illegible] اور عوام تمنداروں کے [illegible] تھے۔ پنجاب [illegible] ہندو، مسلمان اور سکھ آپس میں متحارب تھے۔ مسلمانوں کا [illegible] انگریزوں کے [illegible]

[illegible] پنجاب کے مسلمان [illegible] کی سیاسی [illegible] اکثریت [illegible] تھے [illegible] کا مظہر تھے۔ [illegible] ہی سے وہ ذہن [illegible] فرق تھا۔

مولانا [illegible] وقت کے لیڈروں سے الگ تھلگ [illegible] منہاج تھے۔ ۱۹۲۲ء میں انہوں نے [illegible] پھر جب ۱۹۳۵ء میں صوبجاتی خودمختاری سے متعلق قانون حکومت ہند پاس ہوا [illegible] گاندھی جی نے مرن برت رکھ کر اچھوتوں سے متعلق [illegible] ختم کر دی۔ سکھوں نے پنجاب میں مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو مسلمان راج کا نام دے رکھا تھا۔ [illegible] وہ کانگرس سے ہمنوائی کی توقع رکھتے تھے لیکن کانگرس کی مجلس عاملہ نے [illegible] بھی نہ تھا۔

سکھوں کا خیال تھا کہ وہ کانگرس [illegible] رہتے ہیں کیونکہ ان کی [illegible] ہندوؤں کی چھاپ [illegible] ہے۔ دوسرے مسلمان من حیث الجماعت کانگرس سے باہر ہیں اور وہ کانگرس کے ساتھ ہیں لیکن مولانا آزاد نے اس عصبیتی ذہن پر پانی پھیر دیا۔ اکالی کانگرس سے الگ ہی تھے اور الگ ہو گئے۔ انتخاب میں کانگرس کا مقابلہ کیا [illegible] سکھ لیڈر جو کانگرس میں تھے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا وہ شرومنی اکالی دل سے مختلف ذہن نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے خلوت وجلوت میں بیان کیا کہ:

"مولانا آزاد ان کے راستے کی سب سے بڑی روک ہیں وہ نہ تو ان کو پنپنے دیتے ہیں اور نہ ان کی آواز کانگریس ہائی کمان میں رسا ہوتی ہے۔"

مولانا کانگریس ہائی کمان میں مسلمان ممبروں کے انچارج تھے۔ لیکن پنجاب میں سنگھٹن والا کچھ اس طرح متحد تھے کہ صوبائی کانگریس کے کرتا دھرتا تھے وہ نہ تو اپنے ذہن کی چھاپ ترک کرتے ورنہ مسلمانوں ہی کے معاملے میں صاف دل تھے۔ [illegible]

وہ عوام کے [illegible] ہوتے ہیں۔

سیاست کا جوار بھاٹا

دوسری گول میز [illegible] ۱۹۳۲ء جس میں [illegible] ہندوستان کی حیثیت

سے [illegible] کے صدر [illegible] بنگال اور

پنجاب کے مسلمانوں [illegible] سے زیادہ

[illegible] کو تیار تھے۔ [illegible] کا فرق ہے ہندو

اور مسلمانوں [illegible] پیدا ہو گئی [illegible] فرقہ وارانہ

[illegible] مسئلہ [illegible] انگلستان نے اگست

۱۹۳۲ء میں کمیونل ایوارڈ کا اعلان [illegible] ستمبر ۱۹۳۲ء [illegible] پر یہ شرط

رکھی کہ ہندوؤں اور اچھوتوں [illegible] قوموں

میں [illegible] کمیونل ایوارڈ میں ترمیم کی گئی اور مارچ

۱۹۳۳ء میں [illegible] وفاقی [illegible] تجاویز [illegible] ان تجویزوں پر غور کرنے

کے لیے برطانوی پارلیمنٹ نے [illegible] کمیٹی بنائی جس کے صدر لارڈ لنلتھگو تھے۔ اس کی رپورٹ

اکتوبر ۱۹۳۴ء [illegible] پیش کی گئی۔ اسی کا نتیجہ ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ تھا، جس کے تحت صوبائی

خود مختاری کا آغاز ہوا اور مرکز کے لیے ایک ایسی وفاقی حکومت تجویز کی گئی جس میں صوبائی حکومتوں

کے علاوہ ریاستوں کی رضامندی پر ان کے شمول کا نقشہ بنایا گیا۔ درحقیقت چار ساڑھے چار سال کا یہ عرصہ

ایک لحاظ سے آئینی جدوجہد اور اس کے رد و قبول کا دور تھا۔

۱۹۳۵ء کا ایکٹ فی الواقع کوئی آزادی کی دستاویز نہ تھا۔ لیکن بہرحال وہ ہندوستان کو اختیارات

منتقل کرنے کی طرف ایک قدم ضرور تھا۔ اور منزلِ مقصود کے دستوری سفر کا ایک پڑاؤ تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر شاہِ انگلستان کی فرمانروائی کے مختلف ادوار سے ہو سکتا ہے۔ ملکہ ایلزبتھ نے ۱۶۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی سند دی تھی، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار بہت عرصہ بعد شروع ہوا۔ اس نے راجاؤں اور نوابوں کی اندرونی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر عمل و دخل شروع کیا۔ اس کی بتدریج شکل یہ تھی کہ مدراس، بمبئی اور بنگال میں صوبجاتی حکومتیں قائم کی گئیں۔ اور یہ حکومتیں اپنے اندرونی معاملات میں [illegible] مرکزی اور با اختیار جماعت کے سامنے جواب دہ تھیں۔ ۱۷۷۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ریگولیٹنگ ایکٹ کے نام سے ہندوستان کے لیے ایک قانون پاس کیا [illegible] پریذیڈنسی [illegible] پریذیڈنسی کو مدراس اور بمبئی پر [illegible] گورنر جنرل [illegible] سال تک گورنر جنرل کے [illegible] کا تعلق تھا [illegible] حکومت کا [illegible] مزید تقویت حاصل ہوئی [illegible] تمام ہندوستان کا [illegible]

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ ہو گیا اور زمامِ سلطنت شاہِ انگلستان کو منتقل ہو گئی۔ پارلیمنٹ نے ہندوستان کی حکومت چلانے کے لیے وزیرِ ہند کا تقرر کیا جس کی مدد کے لیے دس ممبروں [illegible] کونسل بنائی گئی۔ ۱۸۶۱ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے انڈین کونسلز ایکٹ پاس کیا جس کی رو سے بمبئی، بنگال، مدراس، یوپی، پنجاب و سرحد میں قانون سازی کے لیے کونسلیں قائم کی گئیں۔ لیکن گورنر جنرل کو تمام معاملات میں تمام تر اختیارات حاصل رہے۔ لارڈ کرزن گورنر جنرل ہوئے تو ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ تمام اختیارات مرکز کے پاس رہیں۔ لارڈ منٹو آئے تو انہوں نے بعض صوبائی اختیارات کی منظوری چاہی۔ اس غرض سے اصلاحات کے لیے شاہی کمیشن مقرر ہوا۔ اس نے ہندوستان کے سفر و مطالعہ کے بعد ۱۹۰۸ء میں رپورٹ پیش کی۔ ماحصل یہ تھا کہ مرکزی حکومت کے اختیارات میں کوئی ترمیم کیے بغیر صوبوں کو بعض امور میں خود اختیار بنا دیا جائے۔ ۱۹۰۹ء کا انڈین کونسلز ایکٹ انہی سفارشات

کا نتیجہ تھا اور اسی کا نام منٹو مارلے ریفارمز تھا۔ اور لارڈ منٹو سبکدوش ہوگئے تو لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل ہو کر آئے انہوں نے اگست ۱۹۱۱ء میں ملک معظم کی حکومت کو تیار کیا کہ صوبوں کی تقسیم جدید ہو اور دارالحکومت کلکتے کے بجائے دہلی قرار دیا جائے۔ چنانچہ تقسیم بنگال منسوخ کی گئی۔ صوبہ بہار واڑیسہ قائم ہوا۔ دہلی دارالحکومت قرار پایا۔

برطانیہ کے مشہور سیاستداں مسٹر مانٹیگو نے [illegible] میں دارالعوام میں ہندوستان کو بتدریج ذمہ دار حکومت سونپنے کے سلسلے میں [illegible] میں مونٹ فورڈ رپورٹ شائع ہوئی اس میں صوبوں کے لیے دوعملی کی سفارش کی گئی [illegible] گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ اسی رپورٹ کی بنا پر تیار ہوا [illegible] کے زیر نگرانی رہے لیکن صوبوں میں [illegible] قائم ہوگئی مجلس قانون ساز [illegible] موجودہ [illegible] شائع ہو جائیں۔ سائمن کمیشن (۱۹۲۷ء) اسی دفعہ کا نتیجہ تھی۔

[illegible] ۱۹۲۷ء [illegible] دوسرے اکتوبر ۱۹۲۸ء [illegible] اپنی رپورٹ پیش کی [illegible] اس رپورٹ کا [illegible] گول میز کانفرنس کا انعقاد تھا۔ جہاں تک ہندوستان کے نمائندوں [illegible] گول میز کانفرنس کے مذاکرات باہمی [illegible] سے محروم رہے لیکن اسی کا نتیجہ یا حاصل برطانوی حکومت کا وائٹ پیپر تھا۔ جو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ یعنی صوبجاتی خود مختاری اور مرکزی وفاق کی آئینی دستاویز کا پیش رو تھا۔

پہلی گول میز کانفرنس ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوئی اس میں کل چھیاسی ڈیلیگیٹ شامل ہوئے۔ جن میں سولہ ہندوستانی ریاستوں، ستاون برطانوی ہندوستان اور تیرہ انگلستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے تھے۔ ادھر اگست ۱۹۳۰ء میں حکومت مسٹر جیکار اور سر تیج بہادر سپرو کی معرفت مہاتما گاندھی اور کانگریسی زعما سے یروڈا جیل میں بات چیت کر رہی تھی۔ بالآخر گفتگو ناکام ہوگئی لیکن ۲۱ جنوری ۱۹۳۱ء کو مہاتما گاندھی اور ان کے بیس رفقا یکایک رہا کر دیئے گئے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء کو گاندھی ارون میثاق ہوگیا۔ ۱۲ اگست

کو کانگرس نے گول میز کانفرنس میں عدم شمولیت کا فیصلہ کیا۔ لیکن سر تیج بہادر سپرو اور مسٹر جیکار کی درمیان داری کے باعث مہاتما جی ۲۵ اگست کو گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے راضی ہو کر انگلستان پہنچ گئے۔ مگر کانفرنس ہندو مسلم مسئلے میں کسی مفاہمت کے بغیر ختم ہو گئی۔ مہاتما گاندھی ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو واپس بمبئی پہنچے تو ملک میں لارڈ ولنگڈن نے آرڈی ننسوں کا تشدد برپا کر رکھا تھا۔ یوپی میں تمام آرڈی ننس نافذ تھا۔ سرحد میں سرخ پوشوں پر گولیاں چل رہی [illegible] کے بڑے بڑے رہنما جیلوں میں تھے۔ ادھر بنگال میں کئی آرڈی ننس [illegible] قوانین کی زد میں تھا۔ ۱۹۳۲ء [illegible] خلاف قانون قرار دے دی گئی [illegible] ۱۹۳۸ء [illegible] کانگرس ہندوستانی [illegible] حکومت سے مستعفی کر دیا تھا [illegible]

ڈاکٹر [illegible] حکومت کے ہاتھوں [illegible] مسلسل قید رہے۔ اگست ۱۹۳۶ء میں کانگرس [illegible] کیا اس کے [illegible] بعد خان عبد الغفار خان رہا کر دیے گئے [illegible] پچاسویں سال [illegible] ۱۹۳۳ء [illegible] ملک سے باہر سے بڑھا تو یہ حکومت [illegible] جیل میں رہے۔ [illegible] دوسری جلد [illegible] ۱۹۳۶ء [illegible] کانفرنس [illegible] کا ممبر ہونے کے باعث اس کے مختلف جلسوں میں شریک ہوتے اور اپنی رائے دیتے لیکن عوام سے رابطہ کا سلسلہ منقطع کیا اور خطابت ہی سے دست کش رہے۔ انہیں عوام میں [illegible] تھا۔

ترجمان القرآن جلد دوم کا ابتدائیہ موتی نگر کانگرس کیمپ لکھنؤ میں ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کا لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے ترجمان القرآن کی دونوں جلدیں تحریک خلافت کے بعد زیر قلم آئیں اور ان کا زمانہ تصنیف شدید ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۶ء کا درمیانی عرصہ ہے۔

۱۹۳۷ء میں صوبائی خود مختاری کے انتخابات ہوئے تو کانگریس کو پانچ بڑے صوبوں میں کامل اکثریت حاصل ہوئی اور چار صوبوں میں وہ سب سے بڑی واحد پارٹی تھی۔ البتہ پنجاب اور سندھ میں ہندوؤں کی حد تک تو نمائندگی کا تناسب نمایاں تھا۔ لیکن مجموعی طور پر ان دو صوبوں میں وہ کوئی طاقت نہ تھی۔ اسی طرح بنگال میں بھی اس کی تعداد وزارت سازی کے مطابق نہ تھی۔ لیکن کانگریس کی اس جیت نے ملکی سیاست کا پانسہ پلٹا۔ ملک کی حد تک کانگریس اور انگریز دو ہی حقیقی طاقتیں تھیں۔ انگریز حکمران تھے اور کانگریس ہی ایک ملک گیر بے پناہ عوامی تحریک۔ انتخابی نتائج سے پنجاب، سرحد اور بنگال میں مسلم لیگ کی غیر معمولی ناکامی کے باوجود ایک ایسا نقشہ پیدا کیا [illegible] مولوی فضل حق سے قائد اعظم [illegible] کی حکومت تھی [illegible] ۱۹۳۶ [illegible] بن جانے کے بعد قائد اعظم [illegible] رہی۔ وہاں خان بہادر [illegible] کی بجائے [illegible] خان بہادر [illegible] میں [illegible] وزارت [illegible]

اگر یوپی میں کانگریس کو قطعی اکثریت حاصل ہو گئی [illegible] چودھری خلیق الزماں کی معرفت مسلم لیگ سے [illegible] ہوتا۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں پنڈت جواہر لال [illegible] لکھ گئے ہیں۔ تمام نواب محمد اسمٰعیل یوپی اور چودھری خلیق الزماں سے بات چیت ہوئی۔ وہ دونوں تیار تھے کہ کانگریس کے پروگرام پر پوری حمایت کریں گے [illegible] حاصل ہوگا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں ہماری آزادی میں ملی [illegible] نواب صاحب اور چودھری صاحب کو توقع تھی [illegible] حکومت میں [illegible] کی بجائے ذریعے دو وزیر ہوں گے مگر پرشوتم داس ٹنڈن متشدد ذہنیت کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو متاثر کیا۔ پنڈت جی نے چودھری خلیق الزماں اور نواب اسمٰعیل میرٹھی کو لکھا کہ دونوں میں سے ایک کو وزارت میں لیا جا سکتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ صورت حال کچھ ایسی تھی کہ ان دو میں سے ایک نہ تو وزارت میں شامل ہو سکتا تھا اور نہ صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مفید تھا۔ نتیجۃً دونوں نے معذرت کر دی اور یہ وہ دن تھا کہ تاریخ ملک تقسیم کی طرف مڑ گئی۔ ان انتخابات میں نتائج کے اعتبار

[illegible] مقصود قلیتی صوبوں بمبئی اور یو۔پی میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی، ورنہ جن صوبوں کا نام پاکستان [illegible] میں انتخابی دست برد سے اس کی نمائندگی کا مسئلہ بھی ناقابلِ اعتنا رہا۔ بنگال میں صوبائی گورنر لیگ کی وزارت [illegible] بنا تھا۔ لیکن کرشک پرجا پارٹی کی کامیابی نے کھیل بگاڑ دیا۔ یو۔پی میں لیگ کی کامیابی کا ایک اہم سبب جمیعۃ علمائے ہند کا تعاون تھا۔ جمیعۃ کا خیال تھا کہ لیگ آئندہ کانگریس سے تعاون کرے گی اور وزارت میں اشتراکِ عمل ہوگا۔ مگر صورتِ حالات پیدا ہو گئی۔ انگریز کانگریس کی کامیابی سے سیاستِ بدحواس تھے۔
[illegible] سے ملکی سیاست کا [illegible] کے لیے [illegible] کی [illegible]
[illegible] مسلمانوں [illegible] ۱۹۲۰ء [illegible] مسلمانوں کی اسی اجتماعی طاقت کا [illegible] [illegible] عظیم [illegible] ان کا لقب

مولانا [illegible]
[illegible]
[illegible] سے ملے تو انہوں سے [illegible]
[illegible] ہے حالات میں [illegible]
[illegible] کانگریس سے [illegible]
[illegible]

مولانا کی وفات [illegible] بیان [illegible] کہ:

> ان کے [illegible]
> [illegible]
> [illegible]
> کرتے تھے۔ [illegible] ہمارے لیے بہا
> ہوتی۔ وہ محض [illegible] الاسلام ہی نہیں بلکہ [illegible] شخصیت تھے۔ [illegible]
> تھے۔ ہم نے ملک کو جس قومی جدوجہد کے لیے تیار کیا اس کے تدبر و استقلال کی جرأت
> تھے۔

[illegible] عبدالغفار خان حکومتِ پاکستان کی طویل نظربندی کے بعد رہا ہوئے تو راقم کے ہاں مہمان [illegible] کانگریس ہائی کمانڈ کے متعلق مختلف باتیں ہوئیں، ایک دن مولانا کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا کہ:

"کانگریس ہائی کمانڈ، گاندھی جی کی عظمت، جواہر لال کی شجاعت اور مولانا آزاد کی ذہانت کا نام تھا۔ وہ کانگریس کو بحث کے نتائج سمجھنے میں مدد دیتے اور قرارداد کے الفاظ انتخاب کرتے تھے۔ کئی دفعہ پنڈت جواہر لال نہرو کے انگریزی الفاظ بدل دیتے تو حیرت ہوتی کہ نہیں، انگریزی الفاظ و معانی پر اتنی دسترس ہے۔"

غرض مولانا [illegible] بہت بڑے [illegible] تھے [illegible] معاصرت و معاندت کی نذر ہو گئی تھی۔

[illegible]

اور یہ اُن کی افتادِ طبع کا اقتضا [illegible]

مولانا آزاد علم کی اُن بلندیوں پر تھے [illegible] وہ جلوت کے بجائے خلوت کے انسان تھے۔ معاصرت کی [illegible] مذاق ہی نہیں تھا۔ وہ عوام میں ملنے والے نہ تھے۔ ان میں حبِ ذات کا مادہ بالکل نہ تھا۔ [illegible] حصولِ آزادی کے آخری [illegible] مسلمانوں نے ان کی قائدانہ [illegible] کو سخت نقصان پہنچایا۔ ادھر تحریکِ پاکستان نے تو ہوا کا رخ [illegible] اُدھر [illegible] عقیدت کے باوجود دامن کش تھے۔ ان سے جمعیۃ علماء ہند کو ارادت ضرور تھی۔ ان کے نزدیک شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ ہی تھے۔

پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو اور چند دوسرے ہندو نیشنلسٹوں کے دل [illegible]

[illegible] سے بڑی جگہ تھی اور وہ ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے لیکن مولانا بہرحال ہندو نہیں تھے کہ ہندو عوام [illegible] کے مندر یا ہیرو ورشپ کے شوکیس میں ان کی مورتی رکھتے اور ان کی عبقریت زبان زد عوام ہوتی۔ پھر مسلمانوں کی ناراضی نے مولانا کو اس درجہ متاثر کر دیا تھا۔ سردار پٹیل جیسے ہندو رہنما ان سے شدید عداوت رکھتے اور ان کی رایوں سے ٹکراتے تھے۔ پنجاب کا سکھ ان سے ناراض تھا کہ وہ ہائی کمانڈ میں ان کی گلنے نہیں دیتے۔ سبھاش چندر بوس انقلابی لیڈر تھے۔ آزاد ہند فوج ان کا شہ پارہ تھی۔ کانگرس [illegible] ہوئے تو [illegible] کا شدید [illegible] مولانا سے خفا [illegible] ہلکوں میں مولانا کو مغل اعظم [illegible] کے نزدیک [illegible] میں ان کا [illegible] تھا۔

مولانا کانگرس کے کھلے اجلاسوں میں کم ہی [illegible] کانگرس سے [illegible] [illegible] کانگرس [illegible] پارٹی سے [illegible] کا [illegible] ہو گیا۔ وہ کانگرس [illegible] پارٹی [illegible] اور وہ کانگرس میں نقب لگاتے سے [illegible] کے [illegible] کسی مسئلے میں کانگرس کا [illegible] مولانا [illegible] باقی [illegible] مولانا کو [illegible] کے [illegible] پر [illegible]۔ اس [illegible] نکلے [illegible] گئے [illegible] ملکی و غیر ملکی [illegible] مولانا کی [illegible] جیسا [illegible] میں تھا۔ [illegible] ستیشین [illegible]:

"مولانا آزاد نے تقریر کی تو عوام پر رعب دوڑ گیا۔ وہ نقش کا تجربہ [illegible] ایک سرے سے دوسرے سرے تک مبہوت ہو کر بیٹھے رہے۔"

مولانا بہر وجوہ مسلمانوں کی بیدردی اور ہندوؤں کی سرد مہری کا شکار رہے۔ مسلمان انہیں سیاسی مسلمان دیکھنا چاہتے تھے اور ہندوؤں کے نزدیک وہ سر تا سر مسلمان تھے۔ ان کا وجود صرف ان کی عبقریت تھا۔

تحریک پاکستان کے آخری سات آٹھ سال میں مسلمانوں کا جوش و غضب ان کے خلاف

آتشکدہ ہوگیا۔ خود علماء نے اس الاؤ کا تماشا کیا۔ اکثر علمائے کرام اور فضلائے عظام جو اپنے تئیں تقویٰ وعلم کا سرچشمہ خیال کرتے تھے، مولانا کے خلاف عوام و خواص کی یاوہ گوئی اور لیگی صحافت کی شاذ خانی کے مزے لیتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کی ایک چوتھائی صدی ہی میں وہ خود بھی سب و شتم کا شکار ہوگئے اور نئی پود ان کے احترام سے خالی ہوگئی۔

۲۔ شاہ برطانیہ کے ولی عہد ۱۹۲۱ء میں اصلاحات کا افتتاح کرنے ہندوستان وارد ہوئے تو کانگرس نے ان کے استقبال کی تقریبات وغیرہ کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا جس سے حکومت ہند بڑی مشکل میں پڑ گئی۔ ولی عہد کے ہندوستان میں [illegible] قیام کا آخری [illegible] ہو، تین [illegible] سمجھوتہ ہو جائے وہ دہلی میں وائسرائے سے مل کر [illegible] مولانا سے ملے اور ان سے [illegible] لگے تھے ولی عہد کا بائیکاٹ [illegible] حکومت [illegible] کوئی معاہدہ کرے گی۔ ان کی تجویز تھی ہندوستان کے سیاسی مستقبل [illegible] کے لیے ایک گول میز کانفرنس [illegible] باہمی مشورے کے بعد گول میز کانفرنس کی تجویز پر راضی ہوگئے لیکن یہ شرط [illegible] کانفرنس سے پہلے تمام کانگرسی [illegible] رہا کیے جائیں [illegible] گاندھی جی اس وقت قید میں نہیں تھے [illegible] مسٹر داس [illegible] مولانا نے جو بیان تیار کیا [illegible] وہ بیان [illegible] گاندھی جی کے پاس بھیج گئے [illegible] انہیں صرف اتنا کہ پہلے تمام سیاسی لیڈر رہا [illegible] گول میز کانفرنس کی تجویز پر غور [illegible] اس عرصے [illegible] بات چیت میں ولی عہد [illegible] ختم ہوگیا۔ کلکتہ [illegible] ولی عہد چلے گئے تو وائسرائے نے گفتگو ہی ختم کردی۔ اب گاندھی جی نے بمبئی میں [illegible] گول میز کانفرنس [illegible] کا ذکر کیا تو وائسرائے نے رسید ہی نہ دی۔ ناگہاں چورا چوری کے حادثے پر گاندھی جی نے تحریک موقوف کر دی۔ اس کا سیاسی حلقوں میں شدید رد عمل ہوا، اور سارے ملک میں شکست کی فضا پیدا ہوگئی۔ حکومت نے اس فضا کو غنیمت جانا گاندھی جی کو پکڑ لیا انہیں چھ برس قید کی سزا دی۔ نتیجۃً عدم تعاون کی تحریک دم توڑ کر ختم ہوگئی۔

مسٹر داس نے محسوس کیا کہ اب ۱۹۲۴ء میں قانون ساز مجلسوں پر قبضہ کر کے سیاسی نصب العین

کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہیے وہ گیا کانگریس د [illegible] ۱۹ء کے لگ بھگ رہا ہوئے انہیں استقبالیہ کمیٹی نے صدر منتخب کیا۔ پنڈت موتی لال نہرو، مسٹر وٹھل بھائی پٹیل اور حکیم اجمل خان نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا۔ لیکن راج گوپال آچاریہ، مسٹر وبھ بھائی پٹیل اور بابو راجندر پرشاد متفق نہ ہوئے۔ ان کا استدلال تھا کہ حکومت اس سے یہ نتیجہ نکالے گی کہ گاندھی جی کی قیادت سے انحراف کیا گیا ہے۔ کیونکہ گاندھی جی ۱۹۲۱ء میں کونسلوں کے بائیکاٹ کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب ان کی غیر حاضری میں اس فیصلے کا استرداد ان پر عدم اعتماد کے مترادف ہوگا۔ جب مسٹر داس کی تجویز [illegible] کے اجلاس میں رہ گئی تو وہ صدارت سے مستعفی ہو گئے اور کانگریس [illegible] جس ایک شدید [illegible] دونوں فریق نہیں ساتھ [illegible] تو مولانا کو کانگریس کے سپیشل سیشن دہلی کا صدر منتخب کیا گیا [illegible] فیصلہ ہو گیا اور دونوں فریق [illegible] نے سوراج پارٹی قائم کی اور دونوں کے تعمیری کام [illegible] میں سوراج پارٹی [illegible] پٹیل [illegible] کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔ [illegible] پیدا ہو گئی۔ سوراج پارٹی نے [illegible] سے قبل ہی ختم کر دیا۔

مولانا نے اپنے [illegible] اور ۱۹۲۰ء کے ایک مقالے میں بھی [illegible] کی ہے۔ مولانا کا خیال تھا کہ وہ زندہ رہتے تو [illegible] کا سیاسی مقدر مختلف ہوتا۔ [illegible] کے بعد [illegible] نے ان کے خیالات کی اس طرح تنقیص [illegible] مسلمانوں کو [illegible] ذہنی [illegible] ہو گیا۔

پنڈت موتی لال نہرو نے انہی دنوں بیان دیا تھا کہ مولانا آزاد ۱۹۲۳ء میں آگے نہ آتے تو کانگریس ضعف کا شکار ہوتی۔ ورنہ ملک کا نقصان ہوتا۔

مولانا ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے سب سے کم عمر صدر تھے۔ اور جواہر لال ۱۹۲۹ء میں نوجوان صدر لیکن وہ مولانا سے دو سال بڑی عمر میں صدر ہوئے۔ مولانا کے ساتھ دولت کا گھمنڈ نہ تھا، وہ فقر و استغنا

کے انسان تھے۔ ان کی صدارت کا سبب ان کا علم اور ان کا تدبر تھا۔

۳۔ کانگریس ۱۹۳۵ء کی آئینی اصلاحات کے تحت صوبائی خود مختاری کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے تیار نہ تھی اس کا خیال تھا کہ منتخب وزارتوں کے باوجود اختیارات گورنروں ہی کے ہاتھ میں رہیں گے گورنر وسیع اختیار ہونے کے باعث جب چاہے گا وزارتوں یا اسمبلیوں کو توڑ دے گا۔ ادھر مرکز کا نقشہ بھی ایک کمزور وفاق کا تھا جس میں والیان ریاست کا پلہ بہت بھاری رکھا گیا۔ اور ان سے یہی توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ [illegible] کانگریس کا [illegible] ہندوستان [illegible] کانگریس کی [illegible] انتخابات [illegible] حقیقت [illegible] عوام کی سیاسی تعلیم اور بنیادی مسائل [illegible] موافق ملی اور وہ انتخابات میں حصہ لینے کے لیے تیار ہو گئی [illegible] کامیابی کے بعد کانگریس کے رہنماؤں میں وزارتیں بنانے پر اختلاف تھا [illegible] میں حصہ لینے کے خلاف تھے ان کا خیال [illegible] ذمہ داری [illegible] گورنروں کے خاص اختیارات [illegible] وزارتیں نہ بنانا بہتر [illegible] صوبائی حکومتوں [illegible] جب گورنروں [illegible] عوام میں کانگریس کی طاقت بڑھے گی۔

گورنروں نے کانگریس کے [illegible] سلسلے میں [illegible] کرائی [illegible] پارٹیوں [illegible] کانگریس [illegible] وزارتیں بنائیں جس [illegible] کانگریس کے ہاتھوں شکست خوردہ عناصر نے سنبھالا لیا، وہ اپنی [illegible] کے لیے پر پرزے جمع کئے وائسرائے نے کانگریس کے زعماء سے جو بات چیت کی اس میں گورنروں کی مداخلت کا معاملہ صاف کر دیا کہ کانگریس رہنماؤں کے تمام خدشے محض سوچ کی گرہیں ہیں۔ اس سے کانگریس کی عہدیں عہدے قبول کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اس دوران میں کانگریس عہدے قبول کرنے کے خلاف ایک فضا پیدا کر گئی

تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو صدر تھے۔ وہ عہدوں کے خلاف قطعی طور پر بیان دے چکے تھے اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس وارد ھا میں ہوا تو اس بارے میں سب پس و پیش کر رہے تھے۔ بالآخر عہدے قبول کر لینے کے نقطۂ نگاہ کی تحریک کی ایک طویل بحث کے بعد گاندھی جی نے مولانا سے اتفاق کیا تو عاملہ رضامند ہو گئی۔

ہائی کمانڈ نے ایک پارلیمنٹری بورڈ بنایا جو کانگرسی وزارتوں کی نگرانی کے علاوہ انہیں عمومی ہدایتیں دینے کا مجاز و مسئول تھا۔ مولانا آزاد، سردار پٹیل اور ڈاکٹر راجندر پرشاد اس کے ممبر ہوئے۔ اس بورڈ نے تقسیم کار کی [illegible] بنگال، بہار، یوپی، سی پی، سندھ اور سرحد کے [illegible] مولانا کے سپرد کیے گئے اور [illegible]

مسلم لیگ نے کانگرس کے خلاف [illegible] الزامات لگائے گئے کہ [illegible] صوبوں میں کانگرسی وزارتیں مسلمانوں کے ساتھ [illegible] ناانصافی کر رہی ہیں اور [illegible]

لیگ نے [illegible] تب لیگ ایک سیاسی جماعت تھی۔ لیگ [illegible] کامیاب ہو گئی [illegible] شائع [illegible] ایک آدھ [illegible]

کانگرس کے جو نتائج ہر مختلف صوبوں کی وزارتوں نے شائع کیے ان میں یوپی وزارت کے کاموں کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم چھپا ہوتا اور وہ ہدایت [illegible] اردو میں تھے۔ لیکن لیگ سیاسی جدوجہد کے میدان میں تھی اس کے نزدیک [illegible] جو لوگ انگریزوں کے ہاتھوں قومی وقار بیچنے کے عادی تھے کانگرس وزارتوں کے خلاف ڈھونڈ ڈھونڈ کر جرم تلاش کرتے اور ان کی صفائی کو بھی جرم ہی کا حصہ قرار دے کر مسلمانوں کو بھڑکاتے تھے۔ یہ ایک سیاسی عمل تھا خواہ یہ جنگ اور سیاست میں کس قسم کے حربے کام آتے ہیں۔ لیگ نے یہی کیا جو لوگ انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے روزمرہ [illegible] نہیں کرتے تھے بلکہ اسلامی سلطنت کی بربادی پر [illegible] خدمتوں کے لیے سپاسنامے لے کر حاضر

ہوتے تھے، وہ انفرادی وقوت کو تنگ دست کر کے کانگریس کے خلاف اچھالتے رہے۔ یہی ذہن ہندوستان کی تقسیم کے بعد شمالی صوبوں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تباہی کا باعث ہوا تھی۔ ان کا وجود مشکل ہو گیا اور ان کے لیے نظریہ ظاہر تین راستے رہ گئے۔

۱۔ بھاگ کر پاکستان چلے جائیں جو سب کے لیے ناممکن تھا۔

۲۔ ارتداد قبول کر لیں جو ان کے لیے ناممکن تھا۔

۳۔ ہندوستان میں [illegible] رہیں جس طرح [illegible] رہ رہا ہے۔

مولانا نے ہماری آزادی میں لکھا ہے کہ لیگ کے الزامات بالکل بے بنیاد تھے وہی رائے وائسرائے کے شمال مغربی صوبوں کے گورنروں کی تھی۔ اگر ان میں حقیقت کا شائبہ ہوتا تو [illegible] [illegible] ہندوستانی [illegible] کے ساتھیوں کی [illegible] ہندوستان میں [illegible] کو اپنی طاقت [illegible] ہندوستانی مسلمانوں کی متحدہ سیاسی طاقت کا [illegible] تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران

دوسری جنگ عظیم ۳ ستمبر ۱۹۳۹ کو شروع ہوئی [illegible] اسی وقت جنگ چھڑتے ہی [illegible] آسٹریا، جرمنی [illegible] برطانیہ [illegible] [illegible] ادھر [illegible] نے بھی [illegible] پر قبضہ کر لیا۔

ہندوستان [illegible] ہوئے آرمی [illegible] پاس [illegible] برطانیہ [illegible] اعلان جنگ کیا [illegible] ہندوستان برطانیہ کے ساتھ ہے [illegible] صوبوں کی [illegible] سے پوچھے [illegible] سفر سے پہلے کی یادگار تھی اس سے [illegible] ہندوستان کو شریک جنگ کیا۔ [illegible] کہ یہ ہندوستان کا عوامی یا قومی فیصلہ نہ تھا بلکہ [illegible] اور سلطنت برطانیہ کے نمائندہ نے اس کا فیصلہ کیا اور سارے ملک کو جنگ میں دھکیل دیا۔ ملک کی چھوٹی بڑی سیاسی جماعتوں میں سے کسی نے جنگ میں شمول کا اعلان نہ کیا اور نہ برطانوی سرکار کی ہندوستانی حکومت نے [illegible] سے پیشتر ان سے پوچھا۔ چونکہ ہندوستان غلام تھا، وائسرائے اس کو جنگ میں جھونک دینے کا مجاز تھا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں یعنی چھ ماہ پہلے کانگریس نے تری پورہ کے اجلاس میں برطانیہ کی خارجہ پالیسی پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے معاہدہ میونخ کے علاوہ برطانوی اطالوی معاہدے اور ہسپانیہ کے باغیوں کی حکومت کو تسلیم کرنے کی صورت حال کو جمہوریت سے غداری، عہد شکنی اور اجتماعی تحفظ کے نظام کی بیخ کنی قرار دیا اور بین الاقوامی فساد کے نشوونما پانے کا مسئول ٹھہرایا تھا۔

جنگ یورپ ابھی سر پر منڈلا ہی رہی تھی تو یورپ و امریکہ کی بعض انجمنوں کے افراد گاندھی جی کی بین الاقوامی شخصیت سے [illegible] رہے تھے کہ وہ جنگ کو روکنے کے لیے کوئی تدبیر کریں۔ گاندھی جی بقول آزاد ان دنوں شدید ذہنی بحران سے گزر رہے تھے [illegible] ان کی رائے تھی کہ ہونے والی جنگ میں ہندوستان کو کسی صورت میں بھی [illegible] ہندوستان کو آزادی [illegible] یورپ دو حصوں میں بٹ گیا ہے [illegible] نازی ازم اور فاشزم کا [illegible] جمہوری طاقتوں [illegible] طاقتوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ بشرطیکہ ہندوستان آزاد ہو [illegible] ہندوستان جمہوریت کے [illegible] پنڈت جواہر لال نہرو کو [illegible] اتفاق تھا اور وہ گاندھی جی کے جنگ [illegible] نظریے سے متفق نہ تھے۔ کانگریس نے اعلان جنگ [illegible] عاملہ کا اجلاس [illegible] کے اعلان جنگ کو ہندوستانی [illegible] قرار دیتے ہوئے [illegible] آئین ساز اسمبلی کے کانگریسی ممبروں [illegible] اسمبلی [illegible] کانگریس کی عاملہ نے اپنی قرارداد میں برطانوی [illegible] ہاتھوں پامال قومی آزادی و سالمیت [illegible] قرار دیتے ہوئے اعلان کیا [illegible] صورت ہی میں جنگ کے متعلق فیصلہ کرسکتی ہے [illegible] ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کیا جائے [illegible] ہندوستان ایک آزاد قوم کی حیثیت سے جمہوریت کش طاقتوں سے [illegible]

یہ دور ہندوستان ہی کے لیے نہیں تمام دنیا کے لیے نازک تھا۔ کانگریس ایک زبردست معرکے کے سر پر تھی، ہندوستان جنگ میں شریک ہو یا اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرے۔ یہی دو چیزیں اس کے سامنے تھیں، سوال تھا کہ اس فیصلہ کن دور میں کانگریس کا صدر کون ہو، کانگریس کی نگاہ انتخاب مولانا آزاد پر پہلے سال مولانا اس خواہش کو رد کرچکے تھے، اب مرحلہ نازک بھی تھا اور سنگین بھی۔ گاندھی جی نے

مولانا سے اصرار کیا کہ وہ صدارت قبول کریں۔ چنانچہ مولانا راضی ہو گئے۔ مسٹر ایم این رائے مقابلے میں تھے جو معمولی سے ووٹ حاصل کر کے رہ گئے۔ مولانا نے رام گڑھ کانگرس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور جو خطبہ پڑھا اس میں جنگ سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہی کانگرس کی اس قرارداد کی بنیاد تھے جو اس اجلاس میں منظور کی گئی۔ مختصراً یہ کہ ہندوستان اس صورت ہی میں شریک جنگ ہو سکتا ہے کہ اس کو آزادی دی جائے اور ملک برطانوی استعمار اور استحصال سے آزاد ہو۔ ادھر کانگرس ہائی کمانڈ کے حکم پر ستمبر ۱۹۳۹ء میں کانگرس کی صوبائی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیے۔

مولانا کی صدارت سے پہلے سبھاش چندر بوس سے گاندھی جی کا اختلاف اس حد تک ہوا کہ سبھاش صدارت سے مستعفی ہو گئے [illegible] تھی کہ [illegible] ورکنگ کمیٹی میں شامل ہوئے [illegible] انہیں [illegible]۔

مولانا ہندوستان کی آزادی کے حصول کی شرط کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کو تیار تھے لیکن گاندھی جی [illegible] کی حالت میں بھی جنگ میں شامل ہونے کے حق میں نہ تھے۔ [illegible] کا نقطہ نظر [illegible] کی بات [illegible] نے عقیدہ بنا لیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ

"جواہر لال نہرو، سردار پٹیل [illegible] بعد کی منزل میں [illegible] تھے لیکن راجندر پرشاد [illegible] شنکر راؤ دیو گاندھی جی کے مرید تھے"

جولائی ۱۹۴۰ء میں کانگرس کی مجلس عاملہ ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ پونا میں مولانا کے خیالات کی تائید کی۔ قرارداد کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کی بنیاد عدم تشدد پر ہے، لیکن آزادی اور جمہوریت کی جنگ میں ہندوستان اپنی آزادی کے بعد ہی جمہوری طاقتوں کا ساتھ دے سکتا ہے۔ سردار پٹیل نے پونا میں جنگ کے سوال پر مولانا کی ہمنوائی کی لیکن پھر ایک مہینے کے اندر اندر اپنی رائے بدل دی اور گاندھی کے ہم خیال ہو گئے کہ وہ ہر حالت میں اہنسا کے طرفدار رہیں۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں راجندر پرشاد اور بعض دوسرے ممبروں نے مولانا کو خط لکھا کہ

جنگ کے بارے میں انہیں گاندھی جی کے خیالات سے اتفاق ہی نہیں عقیدت بھی ہے

اور وہ چاہتے ہیں کہ کانگرس ان کی پیروی کرتی رہے۔ لیکن چونکہ صدر (مولانا) کو ان سے اختلاف ہے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر نہ رہیں۔

اس خط پر جواہر لال نہرو، راجگوپال آچاریہ، آصف علی اور سید محمود کے سوا تمام ممبروں کے دستخط تھے۔ مولانا لکھتے ہیں۔ انہیں سخت تکلیف ہوئی کہ خان عبدالغفار خان جو ان کے مخلص و معتمد ہم خیال میں تھے، گاندھی جی کے موافق ہو گئے۔ مولانا نے اس خط کو اس وقت خفیہ رکھا اور ساتھیوں کو لکھا کہ برطانوی حکومت ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہیں کرتی اور جنگ میں ہماری شرکت کا سوال محض ایک علمی مسئلہ ہے۔ مولانا کے ان دلائل سے وہ ساتھی راضی ہو گئے اس طرح استعفیٰ کا بحران ٹل گیا۔

وائسرائے نے اگست ۱۹۴۰ء میں مولانا کو دعوت دی۔ وہ ان سے ملیں تاکہ ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کے اختیارات بڑھا دیئے جائیں اور [illegible] کانگرس حکومت میں [illegible] ہے۔ مولانا نے انکار کر دیا جس میں ساتھیوں کا [illegible] تھا۔ مولانا [illegible] تھا۔ [illegible] مولانا نے [illegible] کو [illegible] بے معنی سمجھ کر جواب [illegible] تھا۔ گاندھی جی نے [illegible] وائسرائے کو ملاقات کے لیے لکھا تو اس نے انکار کیا تھا۔ مولانا کے انکار پر [illegible] نے [illegible] مولانا کی [illegible] وائسرائے کی پیش کش [illegible] کا جواب ہے۔ گاندھی جی نے مولانا کے نام ایک خط میں [illegible] کی تائید و تحسین کی۔

حالات کانگرس کی ساتھی نہ تھی [illegible] کانگرس کے نزدیک قومی آزادی کی اہمیت سے خلاف تھی [illegible] ہندوستان [illegible] اس کے مفادات کی نفی تھا نتیجۃً کانگرس نے انفرادی ستیہ گرہ کا فیصلہ کیا۔ مولانا برطانوی سرکار کے خلاف زیادہ وسیع و شدید تحریک چلانے کے حق میں تھے۔ لیکن گاندھی جی انفرادی ستیہ گرہ سے آگے بڑھتے نہیں تھے۔ چنانچہ گاندھی جی کے آشرم کے ایک درویش ونوبا بھاوے پہلے ستیہ گرہی نامزد کیے گئے۔ دوسرے پنڈت جواہر لال نہرو۔ اس طرح ہندوستان میں ایک علامتی تحریک پیدا ہو گئی۔ مولانا پنجاب سے لوٹ رہے تھے کہ الہ آباد ریلوے اسٹیشن پر گرفتار کر لیے گئے۔ انہیں دو برس کی سزا دے کر نینی جیل میں رکھا گیا۔ جنگ اس تیزی سے الٹ پلٹ رہی تھی کہ اتحادیوں کو شکستوں پر شکستیں ہو رہی تھیں۔ اس دوران دو واقعات نے دنیا کو ہلا دیا اور جنگ خونخوار عفریت ہو گئی۔ جون ۱۹۴۱ء میں جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا۔ دوسرا اس کے چھ مہینے بعد جاپان نے پرل ہاربر (امریکہ) میں جنگ

پھیڑ دی، اس طرح تمام دنیا عالمگیر جنگ کی لپیٹ میں آگئی۔ جاپان نے چند ہفتوں ہی میں ملایا اور سنگاپور کو فتح کر لیا، پھر برما پر قبضہ کیا۔ اس سے آگے ہندوستان تھا، خلیج بنگال میں جاپانی جہاز پھرنے لگے تھوڑے ہی دنوں میں ان کا انڈیمان اور نکوبار پر قبضہ ہوگیا۔ امریکہ شروع سے برطانیہ پر زور دے رہا تھا کہ ہندوستان سے سمجھوتہ کرے اب اس نے زیادہ دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ ہندوستان سے مسئلہ طے کیا جائے۔ چنانچہ طوعاً و کرہاً برطانیہ کو مفاہمت کی خواہش پیدا ہوئی۔ چرچل برطانوی قدامت پسند تھا اس نے دوسری گول میز کانفرنس کے دنوں میں گاندھی جی کے لنگوٹ سمیت سینٹ جیمس (شاہی محل) میں داخل ہونے پر احتجاج کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"وہ برداشت نہیں کر سکتا [illegible] سلطنت برطانیہ عظمیٰ کے خلاف [illegible] ہے جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا ہے۔"

[illegible] ہندوستان سے بات چیت کرے چنانچہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں [illegible] جواہر لال نہرو رہا کر دیے گئے [illegible] دہلی میں تھے مولانا نے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس وہاں طلب کیا مولانا لکھتے ہیں:

"گاندھی جی سے [illegible] سے دور ہوتے ہیں [illegible] کا تجزیہ کر کے بنیادی طور پر مختلف نتیجے نکال رہے تھے۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ برطانوی حکومت ہندوستان کو آزادی دینے پر تیار ہو سکتی ہے، میں سمجھتا تھا برطانوی حکومت یہ تو چاہتی ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں، لیکن وہ اب بھی ہندوستان کو آزاد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جنگ کے دوران برطانوی حکومت زیادہ سے زیادہ یہ کرے گی کہ ایک نئی ایگزیکٹیو کونسل بنائے جس کے اختیارات زیادہ ہوں اور کانگریس کو اس میں کافی نمائندگی دے۔"

مولانا نے اپنی رہائی کے تھوڑا عرصہ بعد ایک پریس کانفرنس میں غیر ملکی اخبار نویسوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

"جنگ کے متعلق کانگریس کی پالیسی عقیدے کی نہیں۔ اگر جاپان ہندوستان پر حملہ کرے تو ہر ہندوستانی کو ہاتھ میں تلوار لے کر ملک کا تحفظ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ ہم اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ وہ زنجیریں کھول دی جائیں جن میں ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس پابہ زنجیری کے ساتھ ہم کیسے لڑ سکتے ہیں"

لندن کے "ٹائمز" اور "ڈیلی نیوز" نے اس پریس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا

"معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی جی اور کانگریس کے لیڈروں کے درمیان اختلاف ہے"

گاندھی جی نے بارڈولی کے اجلاس میں [illegible] ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو [illegible] ہندوستان سے [illegible] ۱۹۴۲ء میں [illegible] ریڈیو [illegible] تقریر [illegible] معاملات [illegible] وہ لوگ ہیں [illegible] گاندھی جی کا خیال تھا [illegible] جرمنی یا جاپان کی ہو گی۔ ان دونوں [illegible] کہ ہندوستان سے [illegible] پر حملہ [illegible] بڑھ گیا [illegible] خود چینی حکومت کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔

جواہر لال نہرو [illegible] جنرل [illegible] جنگ کے دوران مولانا آزاد [illegible] ہندوستان [illegible] ہمدردی رکھتے ہیں۔ مولانا [illegible] ہندوستان [illegible] کانگریس کے زعماء سے ملاقات کی [illegible] جیانگ کائی شیک فروری ۱۹۴۲ء کو دہلی پہنچے وہ چینی کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ وہ اور جواہر لال نہرو ان سے ملے تو زبان کی دقت کے باعث ان سے گفتگو میں کسی قدر دقت ہو گئی لیکن مادام چیانگ کائی شیک کی وجہ سے کہ وہ انگریزی جانتی تھیں، بات چیت میں سہولت ہو گئی۔ چیانگ نے گاندھی جی کی ملاقات کے لئے تو وہ چیانگ کو متفق نہ کر سکے۔

آخر چیانگ، مولانا اور پنڈت سے مطالعاتی تاثرات کر روانہ ہو گئے، انہوں نے مراجعت سے پہلے ایک بیان میں برطانیہ سے اپیل کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ ہندوستان کو سیاسی اختیارات سونپ دے کہ ان حالات میں جمہوریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہندوستان کی آزادی کا اعتراف و اعلان

ضروری ہے۔

روز ویلٹ اور چیانگ کائی شیک کے اصرار اور دباؤ کا نتیجہ تھا کہ چرچل نے سر کرپس کو ہندوستان سے مصالحت کی گفتگو پر مامور کیا — اس کا اعلان ۱۱ مارچ کی شام کو ۷ بجے بی بی سی سے ہوا۔ اخبار نویسوں نے فوراً ہی مولانا سے ردِ عمل دریافت کیا تو مولانا نے کہا:

"میں اس وقت کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ جب تک صحیح تفصیلات معلوم نہ ہوں۔ البتہ ایک پرانے دوست کی حیثیت سے میں ان کا خیر مقدم کروں گا۔"

مولانا وردھا ہی میں تھے کہ وائسرائے کا تار ملا۔ مولانا نے دعوت قبول کر لی۔ کرپس نے کانگریس کے علاوہ لیگ کے لیڈروں کو بھی مدعو کیا [illegible] عبدالغفار خاں [illegible] سر کرپس نے اپنی تجاویز کا خلاصہ [illegible] سے متعلق [illegible] ہیں وہ دوسری [illegible] کی اساس پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے [illegible] گاندھی جی [illegible] عزت [illegible] خیالات [illegible] ہندوستان [illegible] دل [illegible] ہوں گے۔ اس گفتگو [illegible] بات چیت کا خلاصہ اور برطانوی حکومت و ہندوستانی فوج سے متعلق مفاہمت کی تجویزوں پر مشتمل تھی۔ ان کی تجویز تھی کہ:

۱۔ برطانوی حکومت فوراً اعلان کرے گی کہ جنگ ختم ہوتے ہی ہندوستان کو آزاد قرار دے دیا جائے گا۔

۲۔ ہندوستان کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا کہ وہ برطانوی کامن ویلتھ میں شامل رہے یا نہیں؟

۳۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل جنگ کے دوران دوبارہ مرتب کی جائے گی۔ اس کے ارکان کو وزیروں کا مرتبہ حاصل ہوگا اور وائسرائے کی حیثیت ایک دستوری سربراہ کی ہوگی۔ اس طرح اختیار عملاً منتقل کر دیا جائے گا لیکن اسے قانوناً منتقل کرنے کی کارروائی لڑائی ختم ہونے کے بعد ہوگی۔

مولانا نے سر کرپس سے واضح الفاظ میں یقین حاصل کیا کہ وائسرائے کی حیثیت انگلستان کے بادشاہ کی طرح دستوری سربراہ کی ہوگی اور ایگزیکٹو کونسل کو برطانوی کابینہ کے سے اختیارات حاصل ہوں گے۔

مولانا نے پوچھا: "کہ اس تنظیم میں انڈیا آفس کی حیثیت کیا ہوگی؟"

کرپس نے جواب دیا:

"یہ ایک تفصیل طلب معاملہ ہے جس پر انہوں نے اب تک غور نہیں کیا البتہ اس بارے میں کانگریس کے خیالات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔ پھر قدرے سوچ کر کہا انڈیا آفس قائم رہے گا مگر وہ زیر بند بھی رہے گا۔ مگر اس کی حیثیت وہی ہوگی جو دوسری ڈومینینوں کے وزیر نو آبادیات کی ہوتی ہے۔"

ان تجاویز پر غور کرنے کے لیے کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۲۹ مارچ ۱۹۴۲ کو شروع ہوکر [illegible] اپریل تک جاری رہا۔ گاندھی جی ان تجاویز کو مسترد کرنے کے حق میں تھے۔ [illegible] کا سبب جنگ سے ان کی نفرت تھی۔ جواہر لال کا موقف [illegible] کی طرف تھا [illegible] پر اصرار رہے تھے۔ دوسرے ممبر مجلس عاملہ [illegible] کی حالت دیکھتے رہتے۔ مولانا نے مجلس عاملہ کا [illegible] اجلاس ختم ہوتے ہی یکم اپریل ۱۹۴۲ کو کرپس سے دوبارہ ملاقات کی۔ مولانا لکھتے ہیں:

"انہوں نے محسوس کیا کہ کرپس کے بنیادی نقطہ نظر میں تبدیلی آگئی ہے [illegible] کے خیالات پہلے سے مختلف ہیں۔ [illegible] کے بارے میں ان کا سب سے پہلا رویہ معقول تھا۔"

مولانا نے انہی دنوں ایک جیسے عالم میں تو ریکھے حیرت زدہ کر دیا۔

"کرپس آئے تو پہلی ملاقات میں وہ ہمارے سامنے تھے اور وہ ایک بصیرت کے انسان معلوم ہوتے تھے۔ لیکن جب ورکنگ کمیٹی کے اعتراضات کی دریافت کے سلسلے میں ان سے دوبارہ ملا تو وہ ایک بدلے ہوئے انسان تھے۔ میں حیران تھا کہ انسان تو وہی ہے لیکن بات دوسری ہوگئی ہے۔"

مولانا نے اس کے وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"میری ان سے پہلی اور دوسری ملاقات کے درمیان جو وقفہ ہوا اس میں حکومت ہند کے افسران اعلیٰ نے انہیں معکوس طور پر متاثر کیا۔ وائسرائے اور ان کے متعلقین نے انہیں محصور رکھا۔ اس طرح لندن اور دہلی کے درمیان تبادلہ خیال نے ان کی سوچ کا رخ پھیر دیا۔"

کرپس خود سوشلسٹ خیال کے تھے اور مشہور سوشلسٹ لیڈر یوسف مہر علی سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ راقم لاہور سنٹرل جیل میں تھا تو یوسف مہر علی بھی وہیں قید تھے۔ کرپس نے ہندوستان پہنچ کر انہیں اپنے خط میں لکھا کہ "میں اس قوم کا ایک فرد ہوں جو میری قانونی رائے لینے کے لیے مجھے ہزاروں پونڈ دیتی ہے۔ لیکن سیاسی رائے مفت دیتا ہوں تو قبول نہیں کرتی۔" کرپس روس میں انگلستان کے سفیر رہے اور سوویٹ کو اتحادیوں سے قریب لانے میں انہی کی سوجھ بوجھ کو دخل تھا۔ [illegible] کے مطابق کھنچاؤ کی اتحادی فضا استوار کرنے میں وہ کامیاب رہے تھے۔ [illegible] سفارت [illegible] لیڈروں کو [illegible] نہیں ہوا۔ [illegible] اور چند دنوں [illegible] ملاقات کے بعد [illegible] بتایا کہ:

۱۔ برطانوی حکومت جنگ کے دوران میں ہندوستان [illegible] منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں۔

۲۔ وہ کانگریس [illegible] ہے۔

۳۔ [illegible] اور نہ دوران جنگ اس سے دستبردار ہونے کو تیار ہے۔

۴۔ [illegible] ہوتا ہے۔

۵۔ ہندوستان کی آزادی کے مسئلے پر برطانوی حکومت ایک نئے زاویے سے غور کر سکتی ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ لڑائی بند ہونے کے فوراً بعد ہندوستان کو آزادی دی جائے گی۔

۶۔ جنگ کے بعد چرچل وزارت کی جگہ کسی دوسری وزارت نے لی تو یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وہ کیا تدبیر اختیار کرتی ہے۔

۷۔ کرپس کی تجاویز منظور کرنے کے بعد یہ بات معلق رہے گی کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان کے مستقبل کے متعلق کسی بات کا صاف صاف یقین دلایا ہے۔

مولانا نے ۹ اپریل کو کرپس سے ایک اور ملاقات کی اور ۱۰ اپریل کو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کیا۔ کانگرس نے افسوس کے ساتھ کرپس کی تجاویز کو نامنظور کر دیا۔ کرپس نے جواہر لال کو ڈھب پر لانا چاہا۔ وہ چاہتا تھا کہ جواہر لال جمہوریتوں کی بقا کے نام پر آل انڈیا ریڈیو سے براڈکاسٹ کریں۔ جواہر لال مان گئے کیونکہ وہ نظریاتی انسان تھے اور فاشزم کے ہاتھوں تخت و تاراج سے ناخوش تھے۔ مولانا نے اس براڈکاسٹ کو برطانوی ڈپلومیسی کا شاخسانہ سمجھتے ہوئے پنڈت جی کو منع کیا۔ پہلے تو پنڈت جی بحث کرتے رہے پھر مان گئے۔ مولانا نے انہیں [illegible] براڈکاسٹ کریں گے۔ [illegible] تھا کہ پنڈت جی مسائل کو ہمیشہ بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے [illegible] ان کا زاویۂ نظر ہمیشہ قومی سے زیادہ بین الاقوامی ہوتا۔ وہ کرپس کی تجاویز کے [illegible] کے چین پر حملے کا ردعمل [illegible]۔

جواہر لال اس وقت [illegible] ہندوستان [illegible] رہنماؤں کے شانہ بشانہ [illegible] سے دو گئے [illegible] وہ قدرت [illegible] سے جدا [illegible] جاتے تھے۔

رجعت پسند [illegible] کرپس کی تجاویز [illegible] حق میں تھے۔ [illegible] مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم [illegible] کانگرس [illegible] پارٹی میں اس مطلب کا ریزولیوشن پیش کر دیا۔ [illegible] منظور کر لیا جائے [illegible] کانوٹس لیا [illegible] اور آپ نے [illegible] اجازت [illegible] اپریل ۱۹۴۲ء کو کانگرس کی عاملہ سے مستعفی ہو گئے۔ [illegible] سے دو تین چیزیں [illegible] ہوتی ہیں کہ:

۱۔ ہندوستان کی آزادی کے متعلق بین الاقوامی جمہوریت کا دباؤ موجود ہے لیکن چرچل ہندوستان کو آزادی دینے سے گریز و فرار کرتے ہیں۔

۲۔ کانگرس کی مجلس عاملہ میں جنگ سے متعلق دو نظریات ہیں۔ ایک ذہن کے رہنما گاندھی جی ہیں اور وہ سرے سے جنگ میں شمولیت ہی کا مخالف ہے۔ دوسرے ذہن کے نمائندہ جواہر لال ہیں اور وہ عالمی جمہوریت کی دیرپائی کے عمدے کی تاب نہ لا کر جنگ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ تیسرے

ذہن کے نمائندے مولانا آزاد ہیں اور مولانا ہندوستان کی آزادی کو اساس بنا کر شریک جنگ ہونا چاہتے ہیں۔

۳۔ کرپس مشن نے مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے موقف کو اس طرح بڑھایا کہ ہندو مسلم مسئلہ شدید سے شدید ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے ہندوستان کی آزادی کا سوال طے نہیں کیا جا سکتا۔

کرپس مشن کے ناکام ہونے سے ہندوستان کی سیاسی فضا میں مایوسی اور غصہ پیدا ہو گیا۔ اس شدید ردعمل اور سنگین صورت حال پر غور کرنے کے لیے ۲۷ اپریل سے ۲ مئی تک الہ آباد میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۲ء اپریل سے ۲ مئی تک مجلس عاملہ کا اجلاس ہوتا رہا۔ مولانا نے کرپس مشن کے مذاکرات اور اس کے نتائج پر ایک واضح خطاب کیا اور جو حالات اس وقت ہندوستان کو درپیش تھے، ان پر مکمل روشنی ڈالی۔ مجلس عاملہ نے فیصلے کی توثیق کی اور فیصلہ کیا کہ آزادی کی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے مزید کارروائی کرنی چاہیے۔

مولانا کہتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ گاندھی جی پر اس صورت حال کا اثر یہ تھا کہ وہ جنگ میں اتحادیوں کی شکست فاش کا یقین رکھتے تھے اور بعض حلقے جاپان کی فتح کے منتظر تھے۔ وہ یہ سوچتے بھی نہیں تھے کہ جاپان نے ہندوستان کو فتح کر لیا تو نتیجہ کیا ہوگا"

گاندھی جی جنگ کے دوران کسی تحریک کو شروع کرنے کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک شروع ہوئی تو اس سے تشدد پیدا ہو جائے گا۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

"میں انفرادی ستیہ گرہ یا شخصی سول نافرمانی پر انہیں بڑی مشکل سے راضی کر سکا تھا لیکن اب ان کا ذہن ایک منظم عوامی تحریک کی طرف جا رہا تھا۔ اب وہ آغاز جنگ کی پوزیشن سے بہت آگے جا چکے تھے۔"[9]

جاپان کے متعلق قیاس تھا کہ بنگال پر قابض ہونے کی کوشش کرے گا اور اس کا حملہ مدراس سے کلکتے کی طرف ہوگا، ادھر حکومت نے کلکتے کو اس کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور سرکاری

عہدیداروں کو ہدایات دیں کہ اس صورت میں کلکتہ، ہوڑہ اور چوبیس پرگنہ کس طرح خالی کریں اور کن راستوں سے جائیں۔ دریائے پدما کو مقابلے کا پہلا محاذ، اور آسنسول اور رانچی کے درمیان دوسرا محاذ تجویز کیا گیا۔ آخری محاذ الہ آباد تھا۔ اس طرح پسپائی ہو تو شہروں کو برباد کر دینے کے علاوہ صنعتوں اور کارخانوں کو اڑا دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جمشید پور کو خاکستر کر دینے کے پلان سے پورا علاقہ ہراساں تھا۔

مولانا نے گاندھی جی سے جاپان کے حملے کے خوفناک خطرے کا ذکر کیا لیکن گاندھی جی کا خیال تھا کہ جاپانی فوجیں ہندوستان میں آئیں تو وہ ہماری نہیں انگریزوں کی دشمن ہوں گی۔ انگریز اس وقت چلے گئے تو جاپانیوں کے ہندوستان پر حملے کرنے کی کوئی وجہ نہ رہے گی۔ مولانا یہاں بھی گاندھی جی سے متفق نہ تھے۔ اپنے طور پر مولانا نے جاپانی حملے کی مدافعت کے لئے کلکتہ کے مختلف وارڈوں میں رضاکاروں کے جتھے بھرتی کئے۔ اسکیم یہ تھی کہ صورت میں جاپانی فوجیں آئیں تو یہ رضاکار مزاحمت کر سکیں۔

جولائی ۱۹۴۲ء کے پہلے ہفتے میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس وردھا میں ہوا۔ مولانا جب وہاں پہنچے تو گاندھی جی نے ان سے ہندوستان چھوڑ دو تحریک کا ذکر کیا کہ وہ ان خطوط پر سوچ رہے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

"میں اس خیال کو اپنے تصور میں آسانی سے قبول نہ کر سکا۔ ایک عجیب سی مشکل کا سامنا تھا۔ جنگ شروع ہوئی تو گاندھی جی ہر طرح کی مخالفت کے حق میں تھا۔ لیکن گاندھی جی متفق نہ تھے۔ اب جاپانی افواج ہندوستان کی سرحد تک آ پہنچی تھیں اور ہم ان کے قبضے میں تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس حالت میں انگریزوں کی تحریک کسی حال میں بھی پیش نہ کرنی چاہئے۔ گاندھی جی خوش امید تھے کہ انگریز اس تحریک کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ پہلے ستیہ گرہ میں رضاکارانہ گرفتاری کی تحریک عمل تھی۔ اب گاندھی جی کا خیال تھا کہ وہ بڑا مقابلہ کیا جائے اور حکم اسی صورت میں مانا جائے جب مجبور کر دیا جائے۔"

جواہر لال کو مولانا سے اتفاق تھا لیکن سردار پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور آچاریہ کرپلانی کے متعلق مولانا رقم طراز ہیں کہ:

"نہیں ٹھیک معلوم ہی نہ تھا کہ لڑائی کیا ہے؟ اور کس لیے ہے۔ وہ شاذونادر ہی معاملوں کو اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ اپنی رائے کو بہرحال

گاندھی جی کے تابع کریں، ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنا فضول تھا ان کی ایک ہی دلیل تھی کہ ہمیں گاندھی جی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور بس۔"

مولانا لکھتے ہیں کہ:

"میں نے گاندھی جی سے کامل اختلاف کیا اس سے پہلے ایسا اختلاف کبھی نہ ہوا تھا، ہم ایک دوسرے سے ذہنی طور پر اتنی دور ہوگئے کہ باہمی تعاون نہیں ہو سکتا تھا۔"

گاندھی جی نے انہیں (مولانا) لکھا کہ:

"خیالات کے اس بعد میں انہیں (مولانا) صدارت سے مستعفی اور ورکنگ کمیٹی سے الگ ہو جانا چاہیے۔"

جواہر لال کے بیٹے بھی گاندھی جی سے [illegible] بہت دور [illegible] پٹیل بھی تک [illegible] گاندھی جی کا [illegible] پٹیل [illegible] وقت گاندھی جی کے پاس سے [illegible] دوران [illegible] شاید وقت نہیں گاندھی جی نے [illegible] لیکن [illegible] غور کرنے کے بعد وہ [illegible] گاندھی جی سے الگ ہیں کہ گنہگار [illegible] کے پاس گئی ہے [illegible] ریزولیوشن پاس کیا جو ہندوستان چھوڑ دو کے نام سے منسوب [illegible] ۱۹۴۲ء [illegible] بمبئی میں جلسے کے [illegible] بعد ملک کے [illegible] میں ایک طوفان ہیجان پیدا ہو گیا [illegible] قید و بند میں رکھے [illegible] گئے [illegible] پیش منظر میں [illegible] کے طول و عرض میں [illegible] طوفان [illegible] حکومت [illegible] ہے۔ ایک برطانوی امیر البحر کی بیٹی مس سلیڈ جو گاندھی جی سے متاثر ہو کر ہندوستانی طریق زندگی میں ڈھل گئی اور گاندھی بھگت کہلاتی تھیں وہ ہیں ان کا نام میرا بہن تھا۔ گاندھی جی کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی کے ساتھ وائسرائے سے ملنے دہلی گئیں لیکن وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری نے ان سے کہا چونکہ گاندھی جی بغاوت کی باتیں کرتے ہیں اس لئے ان سے وائسرائے کو ملنا منظور نہیں، اور حکومت جنگ کے زمانے میں کسی طرح کی بغاوت برداشت

کرسکتی ہے۔ مس سلیڈ یہ جواب لے کر واپس آگئیں۔ مہادیو ڈیسائی نے ان سے گفتگو کا اور پوچھ معلوم کر کے بیان جاری کیا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ مہاتما جی نے برطانیہ کے خلاف کھلی بے تشدد بغاوت کا فیصلہ کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ :

"بے تشدد انقلاب کی اصطلاح پنڈت جواہر لال کی ایجاد تھی گاندھی جی نے اس اصطلاح کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی باتیں کرنے لگے تھے۔"

مولانا نے مختلف [illegible] لیڈروں کو [illegible] بغاوت کی [illegible] دوسرے کانگریسی رہنما اگر گرفتار [illegible] تو [illegible] گاندھی جی کی ہدایات پر سختی سے [illegible] ضروری ہے۔

مولانا نے [illegible] تیار تھے [illegible] بھی تھا۔

مولانا [illegible] گاندھی جی [illegible] ہندوستان کی تحریک [illegible] کمیونسٹوں کے [illegible] کی وجہ سے [illegible] کانگریس [illegible] گاندھی جی نے بھی [illegible]

مولانا [illegible]

[illegible] خبر دے گئے ہیں [illegible] حکومت نے تمام رہنماؤں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن [illegible] پونے چار بجے تھے اور پریزیڈنٹ روزویلٹ کو ہندوستان چھوڑ دو کی قرارداد بھیجنے کے لئے خط لکھنا شروع کیا۔ درد کی وجہ سے [illegible] کر سو گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں بھولا بھائی ڈیسائی کے بیٹے دھیرو بھائی ڈیسائی نے جگایا کہ بمبئی کا ڈپٹی کمشنر پولیس برآمدہ میں گرفتاری کے وارنٹ لئے انتظار کر رہا ہے۔ مولانا نے غسل کیا، کپڑے بدلے، پرائیویٹ سیکرٹری اجمل خان کو ہدایات دیں اور ڈپٹی کمشنر کے ساتھ چلے گئے۔ وکٹوریا ٹرمینس

پہنچ کر معلوم ہوا کہ اسپیشل گاڑی تیار ہے اور دوسرے لیڈر بھی گرفتار کر کے لائے جا چکے ہیں۔ گاندھی جی بھی اسی گاڑی میں سوار تھے۔ مسز نائیڈو گاندھی جی کے ساتھ تھیں۔ گاندھی جی اس وقت بہت ہی افسردہ تھے انہیں اس اچانک گرفتاری کا یقین نہ تھا۔ لیکن انگریز یہ بھی کر گزرے تھے۔ گاندھی کے ساتھ ان کی اہلیہ کستوربا بائی، ایک ذاتی سیکرٹری اور سروجنی نائیڈو کو آغا خان کے محل واقع پونا میں رکھا گیا اور باقی لیڈر قلعہ احمد نگر میں نظر بند کیے گئے۔ احمد نگر کے قلعہ میں دس ممبر تھے، مولانا، نہرو، پٹیل، آصف علی، ڈاکٹر راؤ، دیو، گووند بلبھ پنت، [illegible] سیتا رامیہ، ڈاکٹر سید محمود، [illegible] پرفلا گھوش۔ قلعہ کا انتظام فوج کے سپرد تھا [illegible] تھا۔

مولانا نے غبار خاطر [illegible] جس وقت ان کی [illegible] بھی [illegible] ہیں۔
قلعہ بند [illegible] خط و کتابت ممنوع اور
خبریں [illegible]
تھے اور [illegible] حکومت نے [illegible]
کی موت کا [illegible] مولانا کو [illegible]
[illegible] تیسرے مہینے
مولانا کی بہن [illegible] میں رحلت کر گئیں۔

اوائل [illegible] کے آغاز میں جنگ کا پانسہ پلٹ [illegible] قریب ہو رہا تھا۔ وائسرائے کو جب گاندھی جی سے کوئی [illegible] ڈاکٹروں کی رپورٹ پر، گاندھی جی بھوک ہڑتال سے صحت کھو چکے اور موت کے راستے پر ہیں [illegible] بچنے کے لیے انہیں رہا کر دیا۔ گاندھی جی چند ہفتے آرام کے بعد پھر سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کیا اور اعلان کیا کہ برطانوی حکومت سے ہندوستان کی آزادی کا [illegible] تعاون کرے گی۔ لیکن اب برطانیہ کو [illegible] تھا اس نے گاندھی جی کی پیشکش سے بے اعتنائی برتی۔ حکومت نے ۱۹۴۴ء کے نصف آخر میں قلعہ احمد نگر کے اسیر راہنماؤں کو اپنے اپنے صوبوں کی مختلف جیلوں میں بھجوا دیا۔

مولانا کو بنکورہ بھیج کر ایک دو منزلہ بنگلے میں رکھا گیا وہ قلعہ احمد نگر میں گئے تو ان کا وزن ۱۷۰ پونڈ تھا لیکن ساڑھے تین سال کی نظر بندی میں ان کا وزن گھٹ کر ۱۳۰ پونڈ رہ گیا حتی کہ اشتہا بھی ختم ہو گئی۔

لارڈ ویول نے جون ۱۹۴۵ء کی ایک شام کو کانگریس کے صدر اور دیگر ارکان عاملہ کی رہائی کا اعلان کیا اور بتایا کہ برطانوی حکومت ہندوستان کے مسئلے سے متعلق شملہ کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔

مولانا اس اعلان کے اگلے روز کو رہا کر دیے گئے اور ریل گاڑی سے کلکتے پہنچے اسٹیشن پر انسانوں کا سمندر استقبال کے لیے موجیں مار رہا تھا۔ وہ اسٹیشن سے سیدھے اپنی اہلیہ کی قبر پر گئے وہاں پھول چڑھائے فاتحہ پڑھی اور گھر میں آگئے جو اب اہلیہ سے خالی ہو چکا تھا۔

تفہیم سے تقسیم تک

[illegible] ہندوستان کی مدد سے [illegible]
[illegible] ان علاقوں [illegible]
[illegible] ہندوستان
[illegible]
[illegible] مولانا سے ان
[illegible] کے فوراً بعد ملاقات [illegible] جنگ سے متعلق ہو گئے۔ مولانا نے
جواب دیا [illegible] لیکن اپنی عملی
[illegible] اپنے
[illegible] نامہ کو لکھا کہ مولانا [illegible] مشرقی [illegible] یورپی دماغ کے عظیم سیاست دان ہیں انھیں
[illegible] کی کاٹ پر قدرت حاصل ہے۔

کرنل [illegible] نے ۲۸ جون ۱۹۴۵ کو [illegible] عوام میں بیان دیا کہ ہندوستان کو ایک آزاد
[illegible] حیثیت سے جنگ کے بارے میں طے کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ لارڈ ویول نے مولانا کو تار دیا کہ

وہ ۲۵ جون کو شملہ کانفرنس میں شریک ہوں۔ کانفرنس ہندوستان کے سیاسی مسئلے پر کوئی حل تلاش کرنے کے لیے ہو رہی ہے۔ مولانا نے بمبئی میں کانگریس کا اجلاس طلب کیا۔ اجلاس نے مولانا کو بات چیت کا مجاز ٹھہرایا۔ مولانا نے کانفرنس سے پہلے لارڈ ویول سے ملاقات کی اور ان سے تجاویز معلوم کیں۔ مولانا چاہتے تھے کہ قلعہ احمد نگر میں ان کی لارڈ ویول سے جو خط و کتابت ہوئی تھی وہ شائع کریں لیکن لارڈ ویول نے مولانا سے خواہش کی کہ وہ ابھی رک جائیں۔ یہ خط و کتابت کبھی شائع نہ ہوئی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اس کا مضمون کیا تھا۔ مولانا لارڈ ویول سے بے حد متاثر ہوئے۔ انھوں نے ہماری آزادی میں ان کی دوستی کا اعتراف کیا ہے۔ لارڈ ویول بھی مولانا سے محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے [illegible] دعوت میں مولانا کے [illegible]

[illegible] سوال مطلقاً [illegible]

[illegible] کے [illegible] سے الفاظ [illegible] جب [illegible] تجویز [illegible] بات چیت [illegible] بات [illegible] پر نام ہوئی [illegible] مولانا نے [illegible] کہ ہم اپنے کوٹے میں سے جتنے چاہیں نامزد [illegible] ہمارے [illegible] پر اپنے شرائط کا حق نہیں [illegible]۔ مولانا کے نزدیک [illegible] ایک [illegible] ایک [illegible] ہندو تھے۔ لیکن مسٹر جناح کو مسلمان نمائندے کے تقرر پر اعتراض تھا۔

لارڈ ویول نے جو فہرست تیار کی اس میں کانگریس اور لیگ کے علاوہ ایک سکھوں کا اور دو شیڈول کاسٹ کے نمائندے تھے جو تھا نمائندہ ملک خضر حیات تھے۔ اس لحاظ سے چودہ کی ایگزیکٹو کونسل میں سات ممبر مسلمان ہوتے مگر مسٹر جناح نے اتفاق نہ کیا۔ انہیں مسلمانوں کی واحد نمائندگی کے دعوے پر مسلمان ممبروں

اُن کو خود نامزد کرنے پر اصرار تھا۔ یہ کوشش ناکام ہوئی تو بظاہر ایک تعطل پیدا ہو گیا۔ مولانا بھی صحت کے لیے کشمیر چلے گئے۔ جولائی اور اگست کے مہینے وہیں رہے۔

اُدھر انگلستان میں چرچل کی پارٹی کو انتخابات میں شکست ہوئی اور ان کی جگہ لیبر پارٹی آ گئی۔ مسٹر ایٹلی وزیر اعظم ہوئے۔ مولانا نے انہیں ہندوستان کا مسئلہ حل کرنے کی خواہش پر مبارکباد کا تار دیا۔ انہوں نے مولانا کو لکھا کہ وہ عنقریب اس بارے میں [illegible] سال [illegible] کے دنوں میں [illegible] مولانا نے [illegible] دیے [illegible] حکومت کو یقین [illegible] نہیں کی [illegible] دیا۔ [illegible] بعض تجاویز [illegible] انتخابات [illegible] کو انتخابات [illegible] پنجاب اور سندھ [illegible] سب سے [illegible] پارٹی تھی اس نے تقریباً آدھی نشستوں پر [illegible] سب [illegible] وزارت سازی کے سلسلے میں یا کم از کم لیگ سے تعاون کی راہ [illegible] میں مولانا نے پنجاب [illegible] بات چیت کی اور وہ واقف تھے بالخصوص [illegible] میں ذہنی طور پر تیار ہو چکے تھے [illegible] لیگ [illegible] مولانا سے دو دفعہ ٹیلیفون پر [illegible] جہاں مولانا مقیم تھے بات ہوئے۔ مولانا نے [illegible] پیش کش کی۔ لیکن قائد اعظم نے ہر جگہ روک دیا کہ کانگرس سے تعاون کرنا لیگ کے مسلک سے خارج ہے۔ چنانچہ انحراف کر دیا۔

ملک خضر حیات نے کانگرس پارٹی میں تعاون ہو گیا اور کولیشن بن گئی۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس کولیشن پر جواہر لال کے بعض دوستوں اور عزیزوں نے انہیں میرے خلاف کرنا چاہا۔ انہیں سمجھایا گیا کہ مسلم لیگ کے بجائے یونینسٹ پارٹی سے کولیشن بنا کر کانگرس کے مفاد کی نفی کی ہے۔ اس سلسلے میں کمیونسٹ پیش پیش تھے۔ وہ روس پر حملے کے دن سے لیگ کے ساتھ مل کر عوام میں جلسے کرتے تھے۔ ان کا مقصد تفرقہ کرنا تھا۔

اور کانگریس کے لئے وہی سب سے ہندوستان جنگ آزادی کی جنگ میں زیادہ سے زیادہ مفید ہوسکتا ہے۔ انہوں نے پنڈت جی کے کان میں بہت کچھ ڈالا۔ پنڈت جی کے ان دوستوں نے یہ دن اور شہ کیوں کو مولانا سے متعلق بعض اخبارات کی اس روش پر بھی اعتراض تھا۔ کوئی ان کے تدبر کو خراج ادا کر رہا اور ان کی شخصیت کے عظیم ہونے کا معترف ہے اس طرح پنڈت جی ثانوی ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ پنڈت جی کا ذاتی اخبار ہیرالڈ لکھنؤ بھی مولانا ہی کی شخصیت کے محاسن گنوا رہا ہے۔ [illegible] پنڈت جی نے ورکنگ کمیٹی میں پنجاب کمیشن پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا [illegible] پنڈت جی نے شدت سے مولانا کی تائید میں [illegible] پنڈت جی [illegible] [illegible]

[illegible]

لیکن [illegible] [illegible] [illegible] مولانا نے [illegible] نہیں سمجھا گیا۔ [illegible] سردار پٹیل نے بھی مولانا سے [illegible] جنرل آچن لیک [illegible] تھے۔ مولانا [illegible] اور کسی [illegible] لوگوں کے [illegible] کے سبب خوش یقین دلایا اور اس طرح ایک قضیہ طے ہو گیا۔

آزاد ہند فوج سے متعلق [illegible] ایک بیان میں [illegible] حکومت ہند نے [illegible] ہزاروں نوجوان قید میں ڈال رکھے ہیں۔ کانگریس ان کا مقدمہ لڑنے اور ان کی رہائی کے لئے جدوجہد کا فیصلہ کر چکی ہے۔ پنڈت جواہر لال نے اس مسئلے کو ملک کی زبردست عوامی تحریک بنا دیا۔

ملک کی آزادی لازم ہو چکی تھی اور ایک نیا ہندوستان وجود میں آ رہا تھا۔ لارڈ پیتھک لارنس نے [illegible] ۱۹۴۶ء کو پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ برطانوی حکومت ہندوستان کی آزادی کے سوال پر گفت و شنید کیلئے

ایک کیبنٹ مشن بھیج رہی ہے۔ لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند، تجارتی بورڈ کے صدر سر کرپس اور محکمہ بحر کے پہلے لارڈ اے وی الیگزینڈر اس کے ارکان ہوں گے۔

۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو مسٹر ایٹلی وزیر اعظم انگلستان نے دارالعوام میں ایک یادگار تاریخی بیان دیا جو ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لینے کا اعلان اور پچھلی غلطیوں کو بھول جانے کی اپیل تھا۔ ۲۳ مارچ کو کیبنٹ مشن ہندوستان پہنچا مولانا ۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی پہنچے، مولانا کے الفاظ میں:

"اس وقت سب سے [illegible] ہندوستان اور برطانیہ [illegible] نہیں بلکہ فرقہ [illegible] تھا۔ اس بات سے [illegible] انکار نہیں کر سکتا [illegible] کی حیثیت سے اپنے مستقبل کے بارے میں [illegible] اور [illegible] کا [illegible] دشمن [illegible] مرکز کے پاس ہوں۔ [illegible] حالات [illegible] ایسی [illegible] ہوں [illegible] چاہیے [illegible] صوبائی حکومتیں چلائیں اور مرکز کے [illegible]"

مولانا [illegible] اپریل کو [illegible] پیش کیا۔ لارڈ پیتھک لارنس نے ان سے کہا کہ آپ [illegible] مسئلہ [illegible] حل [illegible] انکار کرتے رہے ہیں۔ آخر وہ بھی [illegible] متفق ہو گئے۔ [illegible] ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا کمیٹی کے ارکان نے جن میں گاندھی جی بھی شامل تھے اس [illegible] پر [illegible] قائل ہو گئے۔ گاندھی جی نے [illegible] سوالات [illegible] گاندھی جی نے انہیں مطمئن کر دیا۔ اس کا مرکز ہی [illegible] ہے۔

مشن سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور کئی دن تک رہا پھر ایک وقفہ کے لیے مشن کشمیر چلا گیا وہاں سے ۲۴ اپریل کو دہلی واپس آیا اور مذاکرات شروع کیے۔ مولانا سے بہت سی ملاقاتیں کیں پھر کانگریس اور لیگ سے کہا گیا کہ وہ گفتگو کو آگے بڑھانے کے لیے اپنے نمائندے نامزد کریں۔ مولانا نے سردار پٹیل اور جواہر لال کو ساتھی منتخب کیا۔ گاندھی جی کو مشن نے از خود مدعو کیا۔ ۵ مئی کو شملے میں گفتگو شروع ہوئی جو ۱۲ مئی تک

جاری رہی۔ ... بے ضابطہ میٹنگیں ہوتیں۔ آخر طویل مذاکرات کے بعد تجاویز کا ایک نقشہ تیار ہوا۔ مسٹر ایٹلی نے ۲۰ مئی کو دارالعوام میں اس کا اعلان کیا۔ مولانا نے ابتدائی ملاقات میں جن تجاویز کا خاکہ دیا تھا کیبنٹ مشن کا پلان بڑی حد تک اسی کے مطابق تھا۔

شیخ عبداللہ نے اپنی "کشمیر چھوڑ دو" کا اعلان کر دیا۔ مہاراجہ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ جواہر لال نہرو نے صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے کشمیر کا دورہ کیا تو مہاراجہ کی حکومت نے سرحد کشمیر میں داخل ہونے سے روک [illegible] ... سردار پٹیل ... لارڈ ویول کی وساطت سے مولانا نے پنڈت نہرو [illegible] کے بعد [illegible] حیثیت [illegible] کا [illegible] مان گئے۔ وائسرائے نے [illegible] اور وہ دہلی واپس آ گئے۔

القصہ [illegible] مسلم لیگ نے [illegible] پلان کو منظور کر [illegible] کانگریس [illegible] دونوں نے پلان قبول کر لیا۔ پلان کا حسب [illegible] یہ تھا کہ:

۱۔ برطانوی ہند اور ریاستوں کی ایک یونین ہو گی جس کے تحت امور خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل کے محکمے ہوں گے۔ ان امور کے واسطے [illegible] یونین کو اختیار ہوگا۔ جہاں تک دفاع کا تعلق ہے [illegible] یونین [illegible] استعمال کر سکے گی۔ تمام فوج یونین کے تحت ہو گی [illegible] ہندوستان ایک ہی [illegible] ہو گا۔ رسل و رسائل کے تمام ذرائع مرکز کے تابع ہوں گے۔

۲۔ یونین کی ایک مجلس قانون ساز اور مجلس عاملہ ہو گی۔ جو برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو گی اور مرکز ہی کے سامنے جواب دہ ہو گی۔

۳۔ جو امور ہندوستانی یونین کے سپرد کیے جائیں گے ان کے علاوہ دوسرے تمام معاملات صوبوں کے اختیار میں ہوں گے جن میں مالیتی اختیارات بھی شامل ہیں۔

۴۔ ان امور کے سوا جو یونین کے اختیار میں ہوں گے تمام اختیارات صوبوں اور ریاستوں کے ہاتھ میں ہونگے۔

۵۔ صوبوں کو گروہ بندی کا اختیار ہوگا۔ جو اپنی الگ مجلس مقننہ اور مجلس منتظمہ رکھ سکیں گے ہر گروہ کو یہ حق ہوگا کہ وہ طے کر دے کہ کتنے صوبجاتی اختیارات مشترک کر لئے جائیں۔

۶۔ یونین اور گروہ کے دستور میں ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ کوئی ایک صوبہ اگر یونین یا گروہ کے آئین پر نظر ثانی کرنا چاہے تو اپنی اسمبلی کی اکثریت [illegible] کی تجویز پاس کر کے نظر ثانی کرا سکے گا۔

۷۔ دستور ساز اسمبلی ۳۸۵ ارکان کی ہوگی جن میں [illegible] ہندو، [illegible] مسلمان، [illegible] سکھ اور ۹۳ دیسی ریاستوں کے نمائندے ہوں گے۔ ان کے علاوہ [illegible] بلوچستان اور ایک کورگ [illegible] ہوگا [illegible] کوئی ہندو [illegible] تمام [illegible] ارکان تین گروپ میں تقسیم ہوں گے۔

۱۔ [illegible] ہندو اور [illegible] مسلمان ہوں گے۔ گروپ [illegible] مدراس، سی پی، یو پی، بمبئی اور [illegible] کے نمائندے شامل ہوگا۔

۲۔ بی گروپ میں [illegible] ارکان ہوں گے۔ [illegible] پنجاب، سرحد اور سندھ پر مشتمل [illegible] کے صوبے ہوں گے۔

۳۔ سی گروپ [illegible] مسلمان [illegible] اراکین کا ہوگا۔ [illegible] نمائندے دہلی، اجمیر اور کورگ کے اے گروپ میں اور بلوچستان کا نمائندہ بی گروپ میں شامل ہوگا۔

یہ گروپ اپنے صوبوں کی آئین سازی کا کام کریں گے۔ ریاستوں کے ۹۳ ارکان ہوں گے جو ریاستوں کا دستور وضع کریں گے۔ ان نمائندوں کے سپرد [illegible] یونین کا دستور بنانا تھا۔ اس کے بعد پھر اپنے اپنے صوبوں کا گروپ اور دستور تیار کرنا۔ اگر کسی گروپ کی اکثریت یہ فیصلہ کرتی کہ گروپ نہ بنے تو گروپ نہ بنتا۔ دستور کا طے کرنا دستور ساز اسمبلی کے اختیار میں تھا کہ وہ ملک کے لئے کس قسم کا دستور چاہتی ہے۔ دستور ساز اسمبلی کے لئے صرف ایک شرط تھی کہ وہ مذکورہ بالا نکات کی پابند ہوگی۔ اس پلان میں کانگریس کے موافق نکات حسب ذیل تھے کہ۔

۱۔ کانگرس کا مطالبہ کامل آزادی تسلیم کر دیا گیا۔

۲۔ سارے ہندوستان کے لیے ایک دستور ساز اسمبلی مان لی گئی۔

۳۔ ہندوستان کی وحدت برقرار رہی اور ایک مرکز بھی باقی رہا۔

۴۔ دستور ساز اسمبلی میں نمائندگی آبادی کے لحاظ سے رکھی گئی۔

۵۔ ہندوستان کی اساس ایک قوم پر رکھی گئی اور ہندو، مسلم، سکھ تین فرقے مانے گئے۔

اور کانگرس کے خلاف نکات یہ تھے کہ

۱۔ مرکز کمزور رکھا گیا۔

۲۔ صوبوں کو چاہنے کے مطابق علیحدہ علیحدہ گروہ بنانے کی اجازت دی گئی، ہندوستان میں عملاً تین خطے ہو گئے۔

۳۔ [illegible] پیش نہیں کیا جا سکے گا۔

مسلم لیگ کے موافق نکات حسب ذیل تھے۔

۱۔ صوبوں کی گروہ بندی [illegible] گروپوں میں مسلمانوں کی اکثریت کو محفوظ بنا دیا۔ جو عملاً مسلمانوں کی [illegible] بنگال میں [illegible] جو ہندو اکثریت [illegible] ہر بات میں صوبے خود مختار رکھے گئے۔

۲۔ گروپوں میں صوبوں کی شرکت اختیاری [illegible] وہ چاہیں بھی تو جلد علیحدہ نہیں ہو سکتے تھے۔

۳۔ [illegible] مسلمان گروپ اپنے اپنے حلقے کے لیے جس قسم کا آئین چاہیں بنا سکتے تھے۔

۴۔ یہ شرط کہ کسی فرقے کی اکثریت کے بغیر کوئی فرقہ وارانہ سوال یا قانون انڈین یونین یا دستور ساز اسمبلی میں پیش نہ ہو سکے گا، مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ اور بالفاظ دیگر ان کے تحفظ کا ایک وثیقہ تھا۔

۵۔ صوبوں کو یہ حق دے دیا گیا کہ دس سال بعد وہ دستور پر نظر ثانی کرا سکتے اور ہندوستان سے علیحدہ

ہونے کی تحریک پیش کر سکتے تھے۔ بالفاظ دیگر دس سال بعد کامل علیحدگی ہو سکتی تھی اور یہی پاکستان تھا۔

مسلم لیگ کے خلاف نکات ذیل تھے۔

۱۔ مسلمانوں کے علیحدہ قوم ہونے کا نظری تصور تسلیم نہ کیا گیا۔

۲۔ دو دستور ساز اسمبلیاں نہ بنائی گئیں۔

۳۔ ملک تقسیم ہونے سے محفوظ رہا۔

۴۔ کوئی [illegible] زندگی کی [illegible] ۲۵ فیصد سے بھی کم [illegible] کے ایوان میں صرف [illegible] تھے ۲۲ فیصد لیکن [illegible] زندگی کے جتنی [illegible] ہو جاتے اور بعض [illegible] قباحتیں جو بعد میں تقسیم ملک کی نئی سکیم کے باعث [illegible] ہوئیں کبھی پیدا ہی نہ ہوتیں۔ اگر کانگرس اور لیگ کے [illegible] کرتے یہ ایسا ہی [illegible] کانگریس [illegible] لیکن [illegible] کے ارادے پر [illegible] تھے۔

وزارتی [illegible] تصدیق [illegible] انڈیا کانگرس کمیٹی [illegible] میں طلب کیا گیا۔ [illegible] جولائی [illegible] پلان کی منظوری [illegible] شدو مد سے [illegible] دو تہائی اکثریت سے پاس ہوئی

[illegible] کہ اس کی ذہنیت وزارت سے پلان پر آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے صاد کیا ہے لیکن مشہور مصرع ہے کہ ع

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۰ جنوری ۱۹۴۷ء کو کلکتے میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ

"کانگرس دستور ساز اسمبلی میں اپنے تئیں معاہدوں کا پابند نہ سمجھے گی جس قسم کے حالات پیدا ہوں گے ان کے مطابق آزادانہ فیصلہ کرے گی۔"

پریس والوں نے کہا:

"تو گویا کیبنٹ مشن پلان میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔"

جواہر لال نے کہا:

ہم نے صرف دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا وعدہ کیا ہے، اور ہم کیبنٹ مشن پلان میں تبدیلی اور کمی بیشی کرنے کے مجاز ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں:

"جواہر لال کا یہ بیان غلط تھا [illegible] کہ [illegible] حسب منشا [illegible] گئے [illegible] کانگرس [illegible] کیبنٹ مشن پلان [illegible] صوبوں کی گروپ بندی کے لیے [illegible] تبدیلی کی [illegible] تھی۔"

قائد اعظم نے پنڈت جی کی [illegible] پر فوری ایک بیان میں [illegible] کی اس توضیح سے صورت حال بدل گئی ہے۔ چنانچہ ۲۷ جولائی کو [illegible] بمبئی میں [illegible] منعقد ہوا جس میں پنڈت جواہر لال کے [illegible] کیبنٹ مشن پلان کی منظوری منسوخ کر دی۔ پاکستان کے مطالبہ کا اعادہ کیا اور [illegible] ڈائریکٹ ایکشن کی تجویز منظور کی۔ مولانا پنڈت جی کے اس بیان سے سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے [illegible] کے [illegible] جا رہا ہے تو ۸ اگست کو کانگرس ورکنگ کمیٹی [illegible] جواہر لال کی توثیق [illegible] ورکنگ کمیٹی سے دوبارہ اعلان کرایا [illegible] قائد اعظم نے کانگرس کی توثیقی قرارداد کو تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ ان کا بیان تھا کہ کانگرس انگریزی کی موجودگی میں اس قدر جلد رائے تبدیل کرتی ہے تو انگریز کے چلے جانے پر اس کا طرز عمل کیا نہیں ہو گا؟ وہ اس وقت بھی اپنی پالیسی اور بیان میں حسب منشا تبدیلی لا سکتی ہے۔"

ادھر ۱۲ اگست کو وائسرائے نے پنڈت جواہر لال نہرو کو عبوری گورنمنٹ بنانے کی دعوت دی، ۱۵ اگست کو

کانگرس نے دعوت پر صاد کیا۔ پنڈت جی نے قائد اعظم کو دعوت شمولیت دی۔ انہوں نے انکار کیا۔ پنڈت جی قائد اعظم کے مکان پر گئے لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ گو انہوں نے ڈائریکٹ ایکشن کا مطلب واضح نہ کیا تھا۔ لیکن بنگال کی مسلم لیگ نے دس دن کی تعطیل عام کا اعلان کیا۔ جب کانگرس نے عبوری گورنمنٹ قائم کی تھی کہ بنگال میں ہندو مسلم فسادات کا لاوا پھوٹ پڑا اور جو پہلا دن مسلم لیگ گورنمنٹ نے چھٹی کا مقرر کیا تھا اس روز کلکتے میں خون، قتل اور آگ کا طوفان اٹھ آیا۔ سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں۔ ہزاروں زخمی ہوئے اور کروڑوں کی جائیداد برباد کی گئی۔ سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا [illegible]

ایک تاریخی سرگزشت میں تفصیلات پر [illegible] مسلم لیگ سے [illegible] قائد اعظم [illegible] مشکل تھا۔

مولانا ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۶ء تک مسلسل آل انڈیا کانگرس کے صدر [illegible] صدر رہنے کے متعلق کئی [illegible] ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو پنڈت جواہر لال کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا [illegible] سے الگ نہ ہونا چاہتے تھے۔ لیکن صدارت سے الگ ہو گئے تو بظاہر اس کے وجوہ تھے مثلاً

۱۔ مولانا [illegible] کی صدارت پر فائز تھے۔

۲۔ انہوں نے وزارتی مشن سے ہندوستان کی آزادی کے مسئلے پر گفتگو کی [illegible] کے تحت متحدہ میں [illegible] مسلم لیگ کے الزامات کی سیاسی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ کانگرس کی صدارت پنڈت جواہر لال کو منتقل ہو تو بہتر ہے۔ مسٹر جناح کی سیاسی زبان میں جواہر لال ہندو تھے۔

۳۔ مسٹر جناح مولانا سے بات ہی نہ کرتے تھے۔

۴۔ ان کی سیادت کو مسلم لیگ کے جماعتی خیمہ نے عوامی اعتبار سے بہت صدمہ پہنچایا تھا کہ [illegible] مانع ہیں

ان کی آواز اگرچہ اپنی اعتبار سے [illegible] تھی اور ہندوؤں کے نزدیک وہ بہرحال مسلمان تھے۔

۵۔ وزارتی مشن تو اپنا منصوبہ ایک پلان کی شکل میں دے کر چلا گیا تھا۔ لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی آمد کے بعد مولانا کی صدارت شاید اس کے لیے موزوں نہ تھی۔

۶۔ کانگریس کی عمومی نمائندگی [illegible] اعتبار سے مسلم لیگ نے ایک ایسی راہ پکڑ لی تھی کہ بہت سے نیشنلسٹ ہندو بھی کثرتی اعتبار سے سوچ کے ذمہ داری کے دائرے میں [illegible] گئے تھے اور ورکنگ کمیٹی کے بیشتر [illegible] غور رہے تھے۔

۷۔ [illegible]

۸۔ مسلمانوں [illegible] کہ مسلمانوں کا [illegible] تھیں [illegible] دستور کی [illegible] میں مسلمانوں [illegible] جو منصوبہ تیار کیا [illegible] ہو گئے ہیں [illegible] کانگریس [illegible] ہو گئے ہیں چلے جائیں۔

[illegible] دو قومی [illegible] ہندوؤں میں انتہائی [illegible] مسلم لیگ نے مسلمانوں کو ان سے اس قدر برگشتہ کر دیا تھا کہ مولانا ان کے نزدیک [illegible] معتوب ہو چکے تھے۔

[illegible] انتخاب سردار پٹیل پر چھوڑ دیا [illegible] جس نے اپنے [illegible] کی بجائے تجویز کیا لیکن وہ [illegible] غلط ثابت ہوا۔ اس کو چند دن بعد کابینہ سے الگ کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ایک دوسرے پارسی ڈاکٹر جان متھائی کو منتخب کیا گیا جو کانگریسی تو قطعاً نہ تھا لیکن اس عہدے کے لیے موزوں تھا۔ مولانا پر زور دیا گیا کہ اگر گورنمنٹ میں آئیں لیکن گاندھی جی کے اصرار اور پنڈت جی کی استدعا کے باوجود وہ تیار نہ ہوئے اپنی جگہ آصف علی کو بھجوا دیا۔

مسلم لیگ ابتدا شامل نہ ہوئی [illegible] کو فیصلہ بھی تھا اور [illegible] بھی۔ [illegible] ساتھ ملی ہوئی تھی۔ آخر لارڈ ویول کی تحریک پر ۱۵ اکتوبر کو مسلم لیگ [illegible] حکومت میں شامل ہوگئی۔ [illegible] جاری کیا کہ مسلم لیگ کے [illegible] بجانب [illegible] ہیں۔ [illegible] مشن کی تجاویز سے [illegible] جاتے ہیں۔ مگر [illegible] کے نزدیک قابلِ اعتنا ہی نہ تھی۔

قائد اعظم نے [illegible] نواب [illegible] اور [illegible] کو شامل [illegible] کے نزدیک اس کا سبب یہ ہر دو کا خود [illegible] ہونا اور ان کے سیاسی [illegible] کے اس [illegible] مسلمانوں کی [illegible] لیگ [illegible]

[illegible]

لیگ [illegible] میں [illegible] شامل [illegible]

[illegible] دیتے [illegible] کی صورت بھی بدل جاتی [illegible] کے باعث [illegible] کے چھوٹے چھوٹے [illegible] انگریزی فوجیں [illegible] ہندوستانی [illegible] پر [illegible] رہی تھیں۔ جواہر لال نے [illegible] دیا اور [illegible] کیسے [illegible] گئے۔ بعض [illegible] ہوئے [illegible] نے

بھی یہی مشورہ دیا لیکن پنڈت جی نہ مانے۔ پشاور پہنچے تو [illegible] نے سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا اور سخت مزاحمت کی۔ قبائلی علاقے میں گئے جہاں انگریزی فوج کی بمباری رکوائی تھی اور انگریز اس علاقے کو ہمیشہ اپنی جنگی مشقوں کے لیے استعمال کرتا تھا تو وہاں سرکاری ایجنٹوں نے راستوں میں پتھراؤ کرا دیا۔ واقعات معلوم ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے ہندو ذہن مشتعل ہوتا تھا۔ وزیرستان پہلی جنگ عظیم سے انگریزوں کی جنگی مشقوں کا میدان تھا۔ جب [illegible] ختم ہونے لگی تو اس علاقے میں آزمائشی تربیت کے لیے [illegible] جنگی مشقوں کے لیے اس علاقے میں آتے تھے۔

[illegible] کے حق میں تھے [illegible] منظم تھے لیکن [illegible]

[illegible] کے تیز ہونے اور وزارتی پلان [illegible] وارڈیوں کے علاوہ جانیں [illegible] وارڈیوں نے مولانا سے درخواست [illegible] لندن گئے [illegible] کا خیال تھا کہ ہم شروع [illegible] زیر بحث رہا۔ مولانا لکھتے ہیں [illegible]

[illegible] کے لیے درست قرار دیا تھیں [illegible]

[illegible] جواہر لال اور سردار پٹیل نے مولانا پر زور دیا کہ وہ صدر بن جائیں لیکن مولانا نہ مانے اور بابو راجندر پرشاد کو صدر بنا دیا گیا۔ اب گاندھی جی نے اصرار کیا اور جواہر لال بھی متفق ہوئے کہ مولانا وزارت میں شریک ہوں۔ چنانچہ مولانا محکمہ تعلیم کے وزیر ہو کر شامل ہو گئے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

"لیگ اور کانگریس کا اختلاف بڑھتا ہی جا رہا تھا اور لیگ کے ساتھ قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے"

لیاقت علی کا بجٹ بظاہر کانگریس کے ان معاشی نظریات کے حق میں تھا جن کا اظہار پنڈت جواہر لال نہرو مختلف اوقات میں کرتے رہتے تھے لیکن اصل میں اسے کانگریس کو زچ کرنا مقصود تھا۔ سردار پٹیل اور راجگوپال آچاریہ بجٹ کے سخت خلاف تھے۔ وہ چاہتے تو اسی وقت تعطل پیدا ہو سکتا تھا لیکن [illegible] توڑنا چاہتے [illegible] بجٹ [illegible]

[illegible] ہندوستان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] میں ہندوستان سے متعلق [illegible] مندرجہ ذیل کلمات کہے کہ

"میں ایک بہت ہی مشکل وقت میں وائسرائے بنا تھا۔ میں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ اب ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ مجھے مستعفی ہونا پڑ رہا ہے تاریخ بتائے گی کہ اس وقت پر میرا استعفیٰ دینا صحیح تھا یا نہیں۔ بہرحال میری آپ سے درخواست

جیسے اکثریت میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔ آپ لوگوں نے میرے ساتھ جو تعاون کیا میں شکر گزار ہوں۔"

اتنا کہا اپنے کاغذات سمیٹے اور اٹھ کر چلے گئے پھر دوسرے ہی دن دہلی سے روانہ ہو گئے۔ ان کی جگہ [illegible] ماؤنٹ بیٹن کا تقرر ہوا۔ وہ شاہی خاندان کے فرد تھے اور انگریزی فوج میں امیر البحر۔ مسٹر ایٹلی نے انہیں ۳۰ جون تک اقتدار منتقل کر دینے کی ہدایات دے کر روانہ کیا۔ وہ ۲۲ مارچ کو دہلی پہنچے اور ۲۴ مارچ کو اپنے عہدے کا چارج لیا۔

مولانا نے ان سے کئی ملاقاتیں [illegible] [illegible] حکومت کا نقشہ بھی مخدوش ہو چکا تھا۔ ہندوستانی فرقہ وارانہ ذہن میں بٹ چکے [illegible] بلکہ خونریزی کا باعث ہو رہے تھے۔ انگریز افسروں کا رویہ [illegible] [illegible] ان کے علاوہ کرپس [illegible]

مولانا [illegible] ہندوستان کا نقصان تھا وہ مسلمانوں [illegible] بٹوارے کے بعد آپس میں دوست ہو سکتے تھے۔ مولانا کے نزدیک اصل مسئلہ فرقہ داری نہیں معاشی تھا اور اختلافات [illegible] کے درمیان نہیں طبقوں کے درمیان تھے۔ مولانا نے اپنے ساتھیوں پر زور دیا کہ [illegible] آخری نتیجہ [illegible] باہمی جنگ کا آغاز ہوگی۔ [illegible] کے متعلق کوئی [illegible]

ہمیشہ ذہنی رنجش رہے گی۔ لیکن مہرو سیٹھی تقسیم پر تُل چکے تھے اور عملی اعلان کرنے لگے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ساتھ رکھنا ناممکن ہو چکا ہے۔ جو بہرحال تقسیم نہیں چاہتے تھے لیکن ان کے نزدیک بھی اب کوئی دوسرا حل نہ تھا۔

مولانا لکھتے ہیں۔

"میں تقسیم کے ہمیشہ خلاف تھا [illegible] مسلمانوں [illegible] میں [illegible] [illegible] تقسیم کے رک جانے کا امکان تھا؟"

[illegible] ابھی دن اور اس کے بعد [illegible] کو رد کرنے کے لیے مولانا نے [illegible] [illegible] تقسیم [illegible] اس سے [illegible] تقسیم [illegible] نے بغیر مولانا سے اتفاق کیا لیکن اندرونی [illegible] [illegible] تقسیم ہو گیا۔ اس میں [illegible] مخصوص تحفظات چاہتی تھی اور [illegible] طرح سے حاصل ہو جاتے تھے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ۲ جون کو اس بیان پر غور کرنے کے لیے اجلاس طلب کیا جس میں صوبہ سرحد کے مسئلے پر غور کیا گیا [illegible] جدوجہد کی تھی اگر صوبے کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ گاندھی جی کی ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے بعد خان عبدالغفار خان قائداعظم سے ملے لیکن پاکستان بن جانے کے بعد ان سے اور ان کی وزارت اور خدائی خدمت گاروں سے جو سلوک ہوا وہ

اظہر من الشمس ہے۔

اس تقسیم پر ۱۴ جون ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے صاد کیا۔ مولانا نے تقسیم کو ایک سیاسی حادثہ سے تعبیر کیا، اور اپنی تنقیدی تقریر میں کہا۔

> پانی پر چھڑی رکھ دینے سے ایسا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے لیکن پانی جوں کا توں رہتا ہے اور چھڑی کے ہٹتے ہی ظاہری تقسیم غائب ہو جاتی ہے:

سردار پٹیل نے مولانا کی تقریر [illegible] اختلاف کیا [illegible] میں حکومت کے موجودہ [illegible] سردار پٹیل [illegible] [illegible] [illegible] مسلمانوں [illegible] پاکستان [illegible] نتیجتہ [illegible]

غرض ۱۹۴۷ء میں اس ذہنی [illegible] کے دوران [illegible] فسادات ہوئے جو [illegible] اس کا [illegible] لیے ڈیڑھ [illegible] ان کی بے شمار [illegible] قیامت صغریٰ [illegible] گیا [illegible] بچوں کو مسجدوں کی دیواروں پر کیلوں سے ٹھونک دیا گیا۔ تقریباً ہر مکان کے اندر ایک کنواں تھا، جس میں عورتوں کی لاشوں کے ڈھیر تھے۔ ستم یہ کہ اس فساد کو خود کانگریس کے منتخب نمائندوں نے منظم کیا۔ مسٹر [illegible] نارائن وزیر مالیات بہار اس کے منتظم تھے، وہ غالی قسم کے ہندو، انتہائی فرقہ پرست، اور صوبے کے وزیر اعظم سری کرشن سنہا کے حریف تھے۔ سنہا ایک سچا نیشنلسٹ تھا، لیکن [illegible] افسوسناک پہلو

تھا کہ بابو راجندر پرشاد نے ... ہونک فسادات سے انحراف کیا۔ جے پرکاش نارائن ... دیے گئے ... سے
اس وقت مولانا کو مطلع کر دیا۔ ان دنوں ہم دہلی ہی میں تھے۔ مولانا نے شیخ حسام الدین اور راقم کو بلوایا
... بہار میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلے جانے کی تیاری سے آگاہ کرتے ہوئے تیار ... کا رد عمل
بہار میں ہوگا۔ اس کا منصوبہ بن چکا ہے۔ ایک ... میں پوچھ ... اس کی مذمت ... سے ... کر
دو کہ آپ ایک بڑا ... سے ... کے مظلوموں ... جو ... فوراً پہنچ جاؤ۔ شیخ
صاحب نے ... [illegible] ... صاحب کی وجہ
سے ... [illegible] ... کے متعلق ... مطلع کر کے ایک
[illegible] ... ہوتی
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ... مسلمانوں کا ... ہو کر
بھی ... [illegible] ... تھے۔

[illegible] ... سوئی گیانی
تارا سنگھ نے ماسٹر تارا سنگھ ... [illegible] ... اعلان کیا کہ پاکستان ... قائم
ہوگا۔ ... [illegible] ... سکھوں اور
سنگھیوں ... وحشیانہ ... [illegible] ... جاتے تھے۔ ... ادھر
مسلمانوں پر بھی ... وحشی تھے۔ ... [illegible] ...
فروخت ہو رہی تھیں۔ ... [illegible] ... ہندو ... محفوظ
تھے باقی سب ایک دوسرے کے متعلق ... میں تھا۔ راولپنڈی کے سوداگروں نے کھوٹہ میں
ماسٹر تارا سنگھ کی بوڑھی والدہ کو ... پر ... ... کے علاقے میں مسلمانوں کے ساتھ یہی
ہوا۔ پورا ملک اغوا، خون، قتل، آگ اور وحشت کا گھر تھا۔

ان حالات میں ۱۴ اگست کو پاکستان قائم ہو گیا اور ۱۵ اگست کو ہندوستان آزاد ہوا۔ لیکن دونوں

حرفِ [illegible] نوں کا لہو بہتا رہا اور تخت کا سبب بگڑان ہوگیا۔ مسٹر ریڈ کلف کو سرحدوں کا تصفیہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ لیکن اس نے سیاسی فیصلہ کیا۔ گورداسپور کا ضلع مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود ہندوستان کی نذر کیا۔ جہاں تک تقسیم ملک کے مرکزی اثاثہ کا تعلق تھا، اگر تقسیمیں آسان ہوگئیں۔ لیکن دشواریوں کا ایک انبار تھا۔ ہندوستان کو تین چوتھائی اور پاکستان کو ایک چوتھائی فوج ملی۔ ملازموں کے متعلق [illegible] کا خیال تھا کہ ان کی [illegible] تقسیم خطرناک ہوگی۔ انہوں نے ماؤنٹ بیٹن سے ذکر کیا [illegible] کے مسلمانوں کو حق دیا گیا [illegible] رہ سکتے ہیں [illegible] تھا کہ مسلمان [illegible] پاکستان چلے گئے [illegible] ایک [illegible] حفاظت [illegible]

[illegible]

[illegible] نتیجہ [illegible] [illegible] نہیں [illegible] موت کا [illegible] ان کے نزدیک پاکستان [illegible] نہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے [illegible] اور فوج کا [illegible]

[illegible]

[illegible] کا سربراہ بنا دیا۔ اس نے پہلے ہندو اور سکھ [illegible] مسلمانوں کے قتل عام کی بنا ڈالی اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام [illegible] پنڈت جواہر لال نے بعض معروف [illegible] میں جنوبی ہندوستان سے فوج طلب کر لی [illegible] اثرات سے محفوظ تھی۔ [illegible] بہت جلد [illegible] قابو کر لیا [illegible] ایک خونیں طوفان نکل گیا۔

اور دوسری بات یہ تھی کہ کوئی مسلمان اس یقین کے ساتھ رات کو سو نہیں سکتا تھا کہ دوسرے دن وہ زندہ اُٹھے گا۔ مولانا نے جو محسوس کیا ہے اپنی دونوں مقالوں سے عظیم حق ادا کیا۔ انہیں جھنجوڑا اور جگایا۔ انہوں نے اپنی پستی ہمت کا نام تقدیر رکھ دیا ہے۔ مولانا نے ان کی تحریروں میں لہو دوڑایا اور ان کی پژمردگی کو شگفتہ کرنے کے لیے کہا کہ

"یہی وہ جمنا ہے جہاں تاریخ کی [illegible] ہوتے ہیں [illegible] صبح کی [illegible] رہی تھیں۔"

مولانا نے [illegible] [illegible] ہے۔ گاندھی جی نے [illegible] [illegible] کے لیے زمین کا پیٹ [illegible]

گاندھی جی [illegible] میں [illegible] [illegible] کے دوران [illegible] [illegible] پٹیل [illegible] [illegible] گاندھی جی کے [illegible] [illegible] بھی [illegible] [illegible] سردار پٹیل [illegible] کے خلاف [illegible] [illegible] مسلمانوں کو قتل کرنے میں [illegible] نے بڑی مشکل سے روا ہے۔ فسادات [illegible] [illegible] ایسا شہر رہا تھا جو ان کی لپیٹ میں نہ ہو۔

ہندوستان کی آزادی ۱۵ اگست کی شب کو بارہ بجے شروع ہوئی۔ ایک عظیم جشن منایا گیا، لیکن مولانا اس میں مطلقاً شریک نہ ہوئے۔ چودھری خلیق الزماں نے ترنگا کو سلام کیا اور ہندوستان سے وفاداری کا حلف اُٹھایا۔ اس کے چند دن بعد فرار ہو کر پاکستان آ گئے۔

مولانا آزاد دلی کی اس بات کو سخت غمگین تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے خوابوں کی دنیا اجڑ چکی ہے اور مسلمانوں کی بدقسمتی اور بزدلی شباب پر تھی۔ مولانا دیکھ رہے تھے کہ بعض مسلمان زعماء سردار پٹیل کی چوکھٹ کا طواف کر رہے ہیں۔ ان کا محسوس کرنا یقیناً دل پہ ایک داغ تھا۔ نواب اسمٰعیل میرٹھی اور چودھری خلیق الزمان مولانا کے پاس گئے کہ وہ جامع مسجد کے پاس اردو بازار میں سردار پٹیل کو سپاسنامہ دینا چاہتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو تحفظ دوستی کی نذر ... مولانا نے ان سے کہا کہ اس طرح قومی حمیت مجروح ہوگی۔ یہی اناحمیت ہی سے باقی رہتی ہے۔ [illegible] بہت جلد حمیت جاتی رہے گی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

گاندھی جی [illegible]

[illegible]

کر بہت ختم کیا:

۱۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں پر حملہ کرنا فوراً بند کر دیں اور انہیں یقین دلائیں کہ وہ سب بھائیوں کی طرح ساتھ ساتھ رہیں گے۔

۲۔ ہندو اور سکھ ہر طرح کوشش کریں کہ ایک مسلمان بھی جان و مال کے ڈر سے ہندوستان نہ چھوڑے۔

۳۔ چلتی گاڑیوں میں مسلمانوں پہ جو حملے کئے جا رہے ہیں وہ فوراً بند کئے جائیں اور ہندوؤں اور

سکھوں کو جو اس طرح کے جلسوں میں شرکت کر رہے ہیں روکا جائے۔

جو مسلمان نظام الدین اولیاء، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی درگاہوں کے آس پاس رہتے اور خوف کی وجہ سے اپنے مکانات چھوڑ کر چلے گئے ہیں انہیں واپس ان کے مکانوں میں آباد کیا جائے۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کی درگاہ کو جو نقصان پہنچا ہے حکومت [illegible] کی مرمت [illegible] جی کو [illegible]

دہلی کے [illegible]

[illegible]

[illegible] پاک کی تلاوت [illegible] پڑھیں بستی سے [illegible] کے جلسہ [illegible] جس سے [illegible] زخمی ہوئے [illegible] مہاتما کے تعاقب [illegible] ۱۹۴۸ [illegible]

[illegible] جان شیریں جان آفریں کے حوالے کر گئے یہ ہندوستان کے بیٹے کا اس عظیم انسان کے ساتھ سلوک تھا جس نے ہندوستان کو آزادی حاصل کی اور کسی غرض کے بغیر ڈیڑھ [illegible] سال کی ایک غلام قوم کو آزادی سے بہرہ مند کیا [illegible] کے خلاف غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی [illegible] گاندھی جی کی حفاظت سے [illegible] جب اس قسم کی علامات موجود تھیں کہ مہاتما جی کے جان لیوا

سازش کر رہے ہیں تو سب کے وزیر داخلہ کی حیثیت سے مہاتما جی کی نگہداشت سردار پٹیل کا فرض [illegible] انھوں نے غفلت کی سردار پٹیل نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ [illegible] لوگ کانگریس کے دشمن ہیں [illegible] پھیلا رہے ہیں۔ لیکن سردار پٹیل کے دل پر اس حادثے کا [illegible] خفقان کی شکل میں تھا [illegible] دو سال کے اندر اندر رحلت کر گئے۔

مولانا کی عظمت [illegible] لیکن [illegible] سے نیچے گرتا [illegible] کے لیے [illegible] ہوتیں [illegible] کی [illegible] تشبیہ [illegible] ہیں [illegible] ہمکلام ہوتے لیکن کلام اپنا الٹے خطاب [illegible] ہوتے [illegible] باعث [illegible]

[illegible] سخت کے [illegible] جانے [illegible] ڈھے ہوں نہیں مسلمانوں سے متعلق شکوہ تھا کہ [illegible] غبار کی [illegible] کی مخلوق ہیں [illegible] نے ان کی [illegible] میں مسلمانوں کا زوال خارجی نہیں داخلی تھا [illegible] مخلوق [illegible] سے نسبت کرتے [illegible] محض جذبات [illegible] نہیں [illegible] زوال سے اپنے سیاسی زوال [illegible] سیاسی [illegible] ہوتے [illegible] نظام [illegible] تھا [illegible] تہذیبی [illegible] کے ہوتے [illegible] خصائص سے محروم ہوگیا [illegible] ایک قوم زوال کے زینے پر قدم رکھتی ہے اور اس کا انحطاط کب شروع ہوتا ہے۔ جب زوال و انحطاط ہوتے اور قوم و ملک اس کی زد میں آ جاتے ہیں تو یک لخت زوال و ادبار کا احساس ہوتا اور قوم کو کے عوارض کا شکار ہونے کی خبر ملتی ہے۔

ہندوستانی مسلمان بادشاہتوں کی پیداوار تھے۔ انہی کے زمانے میں اسلام قبول کیا لیکن

[illegible] تاریخ کا مرہون تھا۔ بادشاہوں نے ہندوستانی معاشرے کو مسلمان بنانے کی طرف توجہ نہ کی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے بڑے شہنشاہ اکبر اعظم نے اسلام میں ہندوستانی معاشرے [illegible] گئے اور اپنے ہاں ہندو دھرم کی بعض ایسی رسمیں داخل کیں کہ اصل اسلام [illegible] جن [illegible] نے اسلام قبول کیا ان میں ایک طبقہ ان چھوٹی ذاتوں کا تھا، جو ہندوؤں کے عمرانی و معاشی سلوک [illegible] تھے [illegible] کے لیے ہندو سوسائٹی میں عزت کا کوئی مقام نہ تھا۔ [illegible] کے مسلمان ہونے سے [illegible] اسلامی معاشرے میں [illegible] غالب تعداد تا ہم ابھی ان لوگوں سے [illegible] طور پر [illegible] ہندوستان [illegible] مسلمانوں کی [illegible] سیاسی [illegible] مسلمان زبردست مزاحمت کے باوجود [illegible] قومی تحریک [illegible] وحدت [illegible] مفقود تھی [illegible] سلطنت پر صاد کیا مسلمانوں کے ضعیف الاعتقاد [illegible] موافقت [illegible] دوسرے [illegible] عقیدہ [illegible] کے مختلف [illegible] کے ہو [illegible] ہوئی [illegible] نبوت کی بنیاد اٹھا کر نظریہ جہاد منسوخ کر ڈالا [illegible] ایک ایسی [illegible] مسلمان قوم جو ہندوستان میں اپنے اقتدار کی تلاش میں تھی اپنے جزوی عقائد کی تو [illegible] گئی۔

تحریک خلافت میں ایک دور [illegible] مسلمانوں میں سیاسی وحدت کے برگ و بار آگ آئے [illegible] لیکن تحریک کے ختم ہوتے ہی مسلمانوں کی وحدت [illegible] بھی انتشار کا شکار ہو گئی اور وہ [illegible]

اس تحریک کے رہنما تھے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ نتیجتاً وہ اتحاد ہی ختم ہو گیا جو رہنماؤں کی صف میں تھا، جو لوگ متروک ہو چکے تھے یا جنہیں مرعوب نے اس غرض سے اموریا تھا اس انتشار کو ہوا دیتے رہتے۔ مولانا یہ تحریک خلافت کے سربر آوردہ رہنما حسد و رقابت اور بغض و عناد کا شکار ہو کر تقسیم ہو گئے۔

اس وقت مسلمانوں کے رہنما مولانا ابوالکلام، مولانا محمد علی، ان کے بھائی شوکت علی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خان تھے۔ ان کے علاوہ کچھ اور نوجوان بھی تھے جو آگے چل کر [illegible] مولانا محمد علی کے [illegible] مولانا آزاد سبحانی [illegible] خلافت [illegible] سیاسی جوڑ توڑ کے [illegible] حقیقت [illegible] میں کوئی [illegible] تھے اور عوام سے ربط بڑھاتے ہوئے جھکتے تھے [illegible] تاریخ کے مطالعے نے ان میں ایک ایسے مدبر کا [illegible] روایات کے باعث اپنے معاصروں کی [illegible] تھے

[illegible] ہماری تاریخ میں اس کی نظیر موجود [illegible] مولانا [illegible] تھا [illegible] ہی پچھے [illegible] کوئی [illegible] جگہ سے نکل گئے [illegible] ۱۹۲۴ [illegible] جگہ [illegible] ان کا عہدہ لیا۔

مولانا غیر معمولی [illegible] ان کے علم و فضل سے مستفید ہوتے۔ عجب [illegible] تھا کہ مولانا اختلاف رائے کی پاداش میں الگ کیے جاتے یا الگ ہو جاتے لیکن یہ [illegible] تو مولانا کے اختلاف کا [illegible]

ہوتا وہ فریق ثانی نہ تھے دوسرے کانگریس اس پوزیشن میں نہ تھی کہ مولانا کا ساتھ دیں۔ تیسرے مولانا کے سیاسی مشورے کانگریس کے لیے نہایت درجہ حیرت افزا تھے لیکن مولانا سے سردار پٹیل، آچاریہ کرپلانی، آچاریہ جی اور بعض دوسرے رہنما شاذ ہی متفق ہوتے۔ کئی دفعہ خان عبدالغفار خان نے عدم تشدد کے سوال پر مولانا سے اختلاف کیا کیونکہ مولانا عدم تشدد کو عقیدہ یا اصول نہیں مانتے تھے۔

آچاریہ کرپلانی نے ۱۹۷۰ میں گاندھی اور ان کے [illegible] عنوان سے ایک کتاب لکھی [illegible] کانگریس کے لیے [illegible] رہی ہے۔ جو شخص اس پر یقین [illegible] کہ وہ کانگریس میں [illegible] تھا۔ مولانا نے اس کی مخالفت [illegible] کی مذمت کی [illegible] کے لیے مخصوص [illegible] خوب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے مخالفت [illegible] متفق [illegible] مسلمان [illegible] ہندوستانی ہونے [illegible] جمعیۃ علماء [illegible] احمد مدنی تھے۔ اکثر مولانا سے [illegible] مولانا کے مشوروں پر عمل [illegible] خدائی خدمت گار [illegible] مولانا حبیب الرحمٰن [illegible] ہٹ جانے [illegible] رکھتے تھے [illegible] پنجاب کے واحد مسلمان تھے جو [illegible] منتخب ہو [illegible] میں چھپے گئے۔ مولانا [illegible] کانگریس میں ان کے خلاف [illegible] تھا۔ اس واقعے سے دیدہ دلیر ہو گیا اور مولانا کو طعن دیتا تھا۔

مسلمانوں کا جو حال تھا وہ ڈھکا چھپا نہیں۔ اخبار میں جو لوگ مولانا کی مدافعت کرتے اور مخالفوں کو گالی گفتار سے روکتے تھے، یہی مسلمان لگ بگ دو تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے لفظوں میں اردو زبان کی ایسی کوئی گالی نہ تھی جو اردو زبان کے [illegible] ادیب کو نہ دی گئی ہو۔ اکثر مسلمان اخبارات

نے مولانا کو گالی دینا اپنا شعار بنا لیا تھا اور عوام کی حالت یہ تھی کہ وہ ان کے معاملے میں خلاق بدخلقی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ ستم کی انتہا تھی کہ لیگ کا بڑے سے بڑا لیڈر بھی [illegible] تمام میں نکلتا تھا مولانا کھلے عام ہے سمجھے کہ علی گڑھ گئے ہوئے سٹیشن پر یونیورسٹی کے طلبہ نے [illegible] کہ ان سے بدتمیزی کی [illegible] قسم کے شرمناک واقعات سے قدم ملک [illegible] کسی لیڈر نے اس واقعے پر اظہار افسوس نہ کیا۔ لیکن آخری کے جدہ علی گڑھ کی [illegible] کا منصوبہ [illegible] رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں مولانا کی شخصیت [illegible]

مولانا کے [illegible] ناؤ ڈبونے کا فیصلہ کیا۔ لیکن [illegible] کو [illegible] کی [illegible]

[illegible] اور بیشتر [illegible] لیکن قوم کے [illegible] سب وشتم پر بیٹھ تھے ہے۔ ان کے نزدیک مولانا ہندوستانی مسلمانوں کے عتاب کا نشانہ تھے اور ان کے خیال میں شاید عوامی سب وشتم [illegible] اور [illegible] خدمات قومی [illegible] لیکن عوامی احتجاج کے نام پر سب کچھ گوارا کیا گیا۔ نتیجہ معلوم کہ :

۱۔ علماء کی عزت نئی پود میں متروک ہو گئی۔

۲۔ جو لوگ بزرگ خویش علماء کی حیثیت کے مالک تھے وہ بھی عوامی سب وشتم کا شکار ہوئے۔
حتیٰ کہ پاکستان میں انہیں نشانہ تضحیک بنایا گیا۔

۳۔ عوام کے دل دینی عصبیت سے خالی ہو گئے۔

۳۔ علماء کی جماعتی کی ایک روایت جو کمزور ہوگئی۔

۴۔ لوگوں میں اللہ رسول پر فدا ہونے کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

۵۔ مذہب ایک نجی عقیدہ ہوگیا۔

مولانا تقسیم کے بعد پاکستان و ہندوستان کے درمیان کوئی سائز اور دیکھنا نہیں چاہتے تھے یعنی ایک کا ذہن ان سے متعلق تھا ہی نہیں تھا۔ حسین شہید سہروردی تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ گئے تھے کچھ [illegible]

[illegible]

پاکستان ایک سیاسی تجربہ ہے [illegible] کامیاب کیجئے

[illegible] کے چند خطوط [illegible] کا مجموعہ [illegible] ابہام و اجمال سے صاف تحریر ہوگی۔ [illegible] ممکن ہے۔

وزارت تعلیم [illegible] جنوری ۱۹۴۷ء سے ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء تک ہندوستان [illegible] میں وزیر تعلیم رہے۔ ابتدا [illegible] مرکزی اسمبلی کے ممبر [illegible] کیا گیا۔

منتخب کیا تھا۔ پھر ۱۹۵۲ء میں ہندوستانی پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر منتخب کیے گئے وہ اپنی وفات تک اسی عہدے پر ڈپٹی لیڈر رہے۔ آزادی کے بعد ۱۹۵۲ء میں عام انتخابات میں ترو پور سے منتخب ہوئے اور اس انتخاب میں صرف ایک دفعہ [illegible] اور [illegible] کی کے بعد ۱۹۵۷ء میں دوبارہ جنرل انتخابات ہوئے ووٹروں سے منتخب ہوئے۔ میں اپنے حلقہ انتخاب کا دورہ بھی کیا۔ ۱۹۵۵ء میں [illegible] یورپ [illegible] دورہ کیے اور بعض ممالک میں مختلف [illegible]

[illegible]

ان کو اس قتل عام پر توجہ [illegible] پنڈت جی [illegible] حکومت پر اعتراض [illegible] ہیں اور جب [illegible] گاندھی جی [illegible] سردار نے اس امر کے باوجود کہ وہ کانگریس [illegible] تھے اور ملک میں [illegible] گاندھی جی ہی سے [illegible]۔ حضرت مہاتما جی سے انحراف کیا بلکہ ان کے خلاف ہو گئے گویا ان سے ایک غلطی [illegible] ہیں۔ گاندھی جی نے سردار پٹیل کی اس روش کو بُری طرح محسوس کیا اور ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنے برت کا آغاز کر دیا۔ [illegible] میں [illegible] ہے۔ مہاتما کے

میں مہاتما جی کا بیرسٹر سردار پٹیل کے رویہ کے خلاف ایک احتجاج تھا

مولانا اصل میں ایک علمی و تعلیمی انسان تھے۔ ان کو سب سے زیادہ دلچسپی [illegible] قدیم علم کی ہر شاخ پر وہ بخوبی واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا [illegible] تعلیم سے [illegible] علمی و [illegible] گیا ہیں؟ اس سے ہندوؤں کی عظمت پر ایک شہادت ہو سکتی ہے کہ ہندوستان کے ماہر تعلیم نے ان کی موت پر جن خیالات کا اظہار کیا وہ [illegible] ان کی علمی عظمت کے لیے بہت بڑا خراج تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین [illegible] ماہر تعلیم تھے [illegible] تعلیمی [illegible]

[illegible]

آخر دم تک عزم و ہمت نہیں چھوڑا

[illegible] ماہر تعلیم [illegible] شخصیت کے [illegible] کبھی [illegible] اپنے [illegible] بنیاد پر [illegible] کے دو مختلف [illegible] تعلیمی [illegible] حکومت کشمیر نے مئی ۱۹۵۸ء میں آزاد سیمینار منعقد کیا۔ تو آپ نے مولانا کے تعلیمی فلسفہ پر ایک پُر مغز مقالہ پڑھا۔ اس کے علاوہ آپ نے مولانا آزاد کی تعلیمی مساعی پر بڑودہ یونیورسٹی میں انگریزی زبان میں دو تحریری لیکچر دیئے۔ جن میں مولانا کے تعلیمی کارناموں کی سرگزشت بیان کی۔ خواجہ صاحب نے سری نگر کے مقالہ میں بیان کیا کہ "ماہر تعلیم" کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو تعلیم کے اصولوں اور نظریوں کا باقاعدہ

مطالعہ رکھتے اور علوم اور تجربوں میں ان کا عملی تجربہ رکھتے ہیں۔ ان کو [illegible] سمجھا جا سکتا ہے دوسرے وہ لوگ جن کو قدرت نے یہ توفیق دی ہو جو فلسفہ، مذہب [illegible] میں گہری نظر رکھتے اور جانتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا کیا مقام ہے۔ یہ لوگ زندگی کو نئی قدروں اور نئی [illegible] سے روشناس کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں زندگی کی ایک حسین اور واضح تصویر ہوتی ہے۔ [illegible] بنیادوں پر [illegible] حال کے تقاضوں سے [illegible] اور مستقبل کی [illegible] جس میں ان کا تخیل [illegible] ہے۔ مولانا آزاد کا شمار انہیں [illegible] معنوں میں تھا

[illegible]

[illegible] پیدا کی۔ اس میں رنگ بھرا۔ مشرقی علم و ادب میں [illegible] دانشمندی سے سنبھالا۔ یونیورسٹیوں کی آزادی کا [illegible] بدولت [illegible] دیا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی [illegible] ۱۹۵۸ء کو [illegible] شائع ہوا۔ آپ نے لکھا کہ مولانا کو اخلاق و [illegible] یونیورسٹی سے [illegible] شرمناک سلوک بھی سب کو معلوم ہے [illegible]

[illegible] حبیب علی [illegible] سے [illegible] کی [illegible] اپنی بے پایاں شرافت [illegible]
[illegible] پر [illegible] کو [illegible] ہونے سے [illegible] جس کی [illegible] کو [illegible] موجودہ نسل سے
[illegible] خاں [illegible] اچھے پڑھے [illegible] وہ [illegible] بیٹے ہیں [illegible] سمجھتے تھے۔ بڑے آدمی [illegible]
بہت بڑی پہچان ہے

مولانا کی تعلیمی بصیرت اور علمی وجاہت [illegible] دو [illegible] رہ گئے [illegible] گر [illegible]
ہندوستان کے [illegible] میں [illegible] تھے [illegible] سے
مولانا کی [illegible] علمی [illegible]

[illegible]

مولانا کس قدر محبوب [illegible] تھے [illegible] سعید نفیسی کے نزدیک مولانا مشرق و مغرب میں [illegible] کے عظیم
علمی اکابر میں [illegible] تھے۔ انہیں [illegible] افتخار و مسرت محسوس [illegible]
مولانا کی وفات [illegible] میں ڈپٹی سیکریٹری تھے۔ انہوں نے [illegible] کے [illegible] میں
مولانا سے متعلق ایک مضمون میں لکھا: ان کی شخصیت [illegible] حیرت ناک ذہانت [illegible]

اور تدبر تھا۔ انہیں حکومت کے کاموں اور طریقوں سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا تھا لیکن مسند وزارت پر فروکش ہوتے ہی معلوم ہوا کہ انہوں نے ان کاموں اور راہوں میں عمر گزاری ہے۔ ہر معاملہ کی تہ کو پہنچ جاتے اور پوری تفصیلات پر حاوی ہو کر فیصلہ کر دیتے۔ مولانا کی جس خوبی کا مجھ پر سب سے زیادہ اثر پڑا وہ ان کی بے لاگ دیانتداری تھی۔ ان کے دل و دماغ میں صداقت ہی صداقت کی روشنی تھی۔ وہ ہر لحاظ سے انسانیت کا فخر تھے۔"

حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات نے جنوری ۱۹۵۶ء میں مولانا آزاد کی تقاریر (۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۵ء) کا انگریزی مجموعہ ۳۲۳ صفحات [illegible] میں جواب سے وزیر تعلیم کی حیثیت میں مختلف تقریریں ہیں [illegible] اس مجموعہ کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] خیال یادو رفتہ بار بعد باقول [illegible] کے موضوع پر [illegible] ثقافت و تہذیب [illegible] [illegible] ہندوستانی [illegible] [illegible] [illegible] مشرق اور یونیسکو زندگی اور ادب [illegible] تعلیمی خدمات [illegible] [illegible] موضوع پر تحقیقی خدمات کا اظہار کیا۔ ان تقاریر [illegible] سیاست کے [illegible] میں بھر گیا۔ وہ علم و ادب اور ثقافت و تہذیب کے مسائل پر کس قدر تحقیقی نگاہ رکھتے تھے، خیالات میں وسعت تھی جس سے مولانا کو علمی ہندوستان کی [illegible] [illegible] ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے زمانے میں برصغیر کی [illegible] شخصیت تھے۔

مولانا نے ۱۲ فروری ۱۹۴۷ء کو لکھنؤ میں عربی فارسی نصاب تعلیم [illegible] کمیٹی کے اجلاس

...صدارت کرتے ہوئے جو تقریر کی وہ [illegible] یونیورسٹی کے [illegible] ان کی مجتہدانہ [illegible] کا شہ پارہ [illegible] اس تقریب [illegible] سے [illegible] اور اس کی ترقی [illegible] کے لیے [illegible] مولانا [illegible] ۱۹۵۱ء کو دار العلوم دیوبند میں [illegible] سے [illegible] خطاب کرتے ہوئے فرمایا [illegible] تعصب [illegible] نہیں [illegible] نے علوم [illegible] ذہن سے [illegible] اونچا [illegible] کا اور کوئی مقام نہیں!

[illegible]

[illegible]

اسلام اور پاکستان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حلق سے نیچے نہیں اترتے۔"

[illegible]

[illegible]

علی گڑھ کے طلبہ بیعت کے زمانے میں پنجاب آئے تو انہوں نے مختلف شہروں میں مولانا کے خلاف [illegible] کی مہم چلائی تھی۔ راقم تب قصور میں [illegible] بات کا ملک بھر میں چرچا ہو [illegible] مولانا نے [illegible] علی گڑھ [illegible]

"قصور میں کیا ہو رہا ہے؟"

[illegible] کی زبان [illegible] کا ذکر کیا اور کہا کہ [illegible] علی گڑھ [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

وقت ان کے لیے خود معلم ثابت ہوگا۔

۳۔ [illegible] میں مشغول رہتے [illegible] وقت چھپے [illegible]

میں عشرہ [illegible] ان کی خدمت میں حاضر ہوا [illegible] ان سے شبانہ روز کے سیاسی حالات اور ملک کا سیاسی مزاج بیان کرتا [illegible] سوال کے جواب [illegible] کہنا مشکل ہے کہ [illegible] حافظے پر ہمیشہ [illegible] مفہوم [illegible] ہے اور الفاظ بھی قریب قریب [illegible] راقم نے عرض کیا۔

"ہندو مسلم مفاہمت [illegible] جن میں مفاہمت کی [illegible] ہیں ناپید ہو کر پاکستان ناگزیر ہو چکا ہے۔

فرمایا

"ہندو مسلم مناقشات کا حل پاکستان ہو تو میں خود اس کی حمایت کرتا۔ ہندوؤں کا ذہن بھی اسی طرف پلٹ رہا ہے، ایک طرف اور پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان دوسری طرف اور بنگال دے کر [illegible] ہندوستان جو بچے گا وہ ایک بہت بڑی سلطنت سیاسی حقوق کے [illegible] سے محفوظ ہو جاتی ہے [illegible] کے بعد کی [illegible] ایک بڑی [illegible] ریاست ہو گا [illegible] حد تک [illegible] اور بڑی حد تک [illegible]

[illegible]

[illegible] تو اسلام ہندوستان میں [illegible] وقت میں مسلمان ہندوستان میں [illegible] سواد اعظم ہو چکے ہوتے [illegible] مغلیہ سلطنت ختم ہوئی، انگریز کا غلبہ ہوا تو مسلمان [illegible] فیصد تھے۔ غرض [illegible] حالت [illegible] مسلمان بڑھتے ہی رہے۔ لوگوں نے اسلام قبول [illegible] اگر ہندو مسلم [illegible] سیاسی مسئلہ کے سب ولہجے سے تشدد و تلخی نہ ہوتی اور [illegible] مسلمان انگریزوں کی سیاست کو پورا کرنے کے لیے ہندو مسلم نزاع کو وسیع و مستحکم نہ کرتے تو عجب نہ تھا کہ مسلمانوں کی تعداد موجودہ تعداد سے ڈیوڑھی ہوتی۔ ہم نے سیاسی نزاع پیدا کر کے تبلیغ اسلام کے دروازے اس طرح بند کیے گویا اسلام اشاعت کے لیے نہیں سیاست کے لیے ہے اور انگریزوں

کے پیچھے پڑ کر۔ وہ مسلمانوں کی آبادی میں وسعت چاہتے تھے جو اسلام کو ایک محدود مذہب بنا دیا پھر یہودیوں، پارسیوں بلکہ ہندوؤں کی طرح ہم ایک موروثی امت ہو گئے۔ کہ یہودی پارسی اور ہندو بنتے نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں نے دعوت اسلام کو منجمد کر دیا پھر خود کئی فرقوں میں بٹ گئے بعض فرقے ستمگاری پیداوار تھے ان سب میں حرکت و عمل کی جگہ جمود و تعطل پیدا ہو گیا اور وہ دنیا اسلام سے محروم کی مدد کی [illegible]

[illegible]

انھیں قرآنی دین نہیں سیاسی دین پسند ہے

[illegible]

اجداد مسلمان ہوتے ؟

[illegible] کا جواز ہو سکتا ہے، لیکن قرآن کا یا اسلام کا جغرافیائی [illegible] اسلام کی اشاعت کے لیے ہیں؟ یا سیاست کی [illegible] اسلام کی جغرافیائی تقسیم کیسے۔ پاکستان کے مطالبہ نے مسلمانوں کو اسلام یا فائدہ پہنچایا۔ [illegible] کچھ نہیں؟ پاکستان بن گیا تو اسلام کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ اس کا انحصار [illegible] قیادت پر ہے کہ اسے کس سرشت کی قیادت ملتی ہے۔ ہم جس ذہنی بحران سے گزر رہے ہیں۔ دنیا سے اسلام کی جو

حالت ہے اور مغربی علوم نے جس طرح عامی اذہان پر قبضہ کر رکھا ہے اس کے پیش نظر مسلم لیگ کی لیڈرشپ سے [illegible] ہندوستان [illegible] تقسیم ہوا تو پاکستان میں اسلام نہیں رہے گا اور ہندوستان میں مسلمان [illegible] ایک سیاسی [illegible] رہا تو ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ لیکن پاکستان میں دو مذہبی تصادم پیدا [illegible] [illegible] لوگ [illegible] ہو جائیں گے [illegible] کا عجب نہیں [illegible] ہندوستان کے [illegible] سے خوشنما [illegible] پاکستان [illegible] کمزور رہے گی حتیٰ کہ پاکستان کی شکل بدل جائے گی۔

راقم نے عرض کیا

"بعض علما بھی تو قائد اعظم کے ساتھ ہیں۔"

فرمایا:

[illegible] سیاسی [illegible] اسلامی [illegible] تیرہ سو برس کی تاریخ میں [illegible] امام احمد بن حنبل [illegible] [illegible] [illegible] ہیں ان کے لیے کسی زبان پر [illegible]

راقم نے عرض کیا:

مولانا! پاکستان اگر سیاسی [illegible] ہے تو [illegible] مسلمانوں کی ملی وحدت کو محفوظ رکھنے کے لیے چلایا جا رہا ہے۔

[illegible]

آپ مسلمانوں کا نام ایک ایسی چیز کے لئے بول رہے ہیں جو اسلام ہی کی رو سے درست نہیں۔ جنگ جمل میں قرآن نیزوں پر لٹکائے گئے وہ درست تھے؟ کربلا میں اہل بیت شہید ہوئے ان کے قاتل مسلمان تھے لیکن وہ حضور کی حضوری کے دعویدار تھے۔ جو بھی مسلمان تھا اس نے بیعت [illegible] کا فعل صحیح تھا؟ کسی بھی نقطۂ نظر [illegible] درست نہیں ہوتا [illegible] مسلمانوں نے [illegible] درست ہوتا [illegible]

[illegible]

[illegible] مجھے درست نہیں [illegible] پاکستان بھی بنے گا تقسیم آبادی کے اعتبار سے ہوئی [illegible] کوئی دریا، کوئی پہاڑ، کوئی [illegible] کچھ نہیں [illegible] دولت [illegible] اس صورت میں کسی بڑی تبدیلی، تغیر یا حادثے کے بغیر پاکستان اور ہندوستان کبھی دوست نہ ہوں گے۔ دونوں کے دل میں تقسیم و تفصیل ہوگی۔ تو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو خصوصاً پاکستان کے لیے مشکل ہے کہ اس کی زمین ان کی متحمل ہی نہیں ہو سکتی [illegible] مغربی پاکستان میں [illegible] شہروں کا [illegible] یا خود چلے جائیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں ہندوستانی مسلمانوں

کی تقسیم پاکستان پر ہوگی جس حالت میں ہندوستانی مسلمانوں کے لیے تین راستے ہونگے۔

۱۔ وہ سٹ سٹا کر پاکستان چلے جائیں۔ لیکن پاکستان کتنے مسلمانوں کو جگہ دے گا۔

۲۔ وہ ہندوستان میں اکثریت کے ہاتھوں سے قتل ہوتے رہیں۔ مسلمانوں کی یہ بڑی تعداد ایک طویل مدت تک غیظ و غضب کی قتل گاہ بنی رہے گی تاآنکہ تقسیم کی تلخیوں کی وراثت اور عمل طبعی گزر کر ختم ہو جائے۔

۳۔ مسلمانوں کی ایک تعداد جو معاشی بہتری، سیاسی دلداری اور [illegible] کی خاطر [illegible] ہو وہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔

[illegible] پاکستان [illegible] مسلمانوں [illegible] ہندوستان میں [illegible] کی ضمانت [illegible] مغربی [illegible] پاکستان کی [illegible] [illegible] ہندوستان [illegible] پاکستان کا خطرہ شدید اور نقصان عظیم ہوگا [illegible] یہ غور نہیں کیا [illegible] رہنے سے یا ہر کی شدید [illegible] دوسری جنگ عظیم میں مسٹر فضل الحق نے مسٹر جناح سے بغاوت کی [illegible] حسین شہید سہروردی بھی مسٹر جناح کے متعلق چنداں خوش رائے نہیں۔ لیگ کو چھوڑ دو، کانگریس ہی کی پوری تاریخ پر نظر ڈالو۔ [illegible] کی کھلی بغاوت سب کے سامنے ہے۔ گاندھی جی ان کی صدارت سے مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے راج کوٹ میں مرن برت رکھ کر [illegible] اپنی طرف پھیر لیا۔ [illegible] کانگریس سے الگ ہو گئے۔ بنگال کی آب و ہوا کا

فاصلہ ہے کہ وہ بیرونی لیڈرشپ سے بیزار اور اپنی [illegible] پر قائم رہتا ہے۔ وہ جب اس کے حقوق و مفادات مجروح ہوں تو بغاوت کے لیے تیار ہوتا ہے۔ مسٹر جناح یا بیرونی قوت [illegible] مشرقی پاکستان کا [illegible] نہیں ہو گا، پاکستان کی ناکامی ان کے اتحاد کا باعث ہوگی۔ لیکن ان کے بعد مشرقی پاکستان میں ان قوتوں [illegible] حقیقی ہے جو مغربی پاکستان سے اس کی بدظنی اور آخرکار علیحدگی کا موجب ہوں گے۔ مجھے شبہ ہے مشرقی پاکستان زیادہ دیر مغربی پاکستان کے ساتھ رہ سکے گا۔ دونوں حصوں میں مسلمان کہلانے کے سوا کوئی چیز مشترک نہیں۔ [illegible] مسلمان [illegible] عرب ملکوں کے درمیان اتحاد کا باعث نہیں ہوا ــــ عرب دنیا [illegible] [illegible] ایک دوسرے سے تضاد کی [illegible] مشرقی پاکستان کی زبان [illegible] مغربی [illegible] مغربی پاکستان سے [illegible] پاکستان کا [illegible] اقتصادیات [illegible] صوبوں کے مفادات [illegible] ہے۔

فرض کیجیے مشرقی پاکستان [illegible] تضادات و تصورات کا [illegible] جائیگا، پنجابی، سندھی، [illegible] بلوچی [illegible] تضادات و سوالات پیدا کیے گئے تو پاکستان ذہنی انتشار اور علاقائی مفادات کا شکار بن جائے گا۔ [illegible] پاکستان [illegible] ہے۔ ممکن ہے اس کے نتیجے میں [illegible] عصبیتیں [illegible] پاکستان کی مختلف لیڈرشپ کو ہاتھوں سے ایک ایسا کھیل رچائیں کہ مغربی پاکستان بلقانی ریاستوں یا عرب ریاستوں کی طرح کئی ایک ریاستوں میں بٹ جائے۔ تب یہ سوال ممکن ہے بعض ذہنوں میں پیدا ہو کہ ہم نے پایا کیا اور کھویا کیا؟

ایک دوسرا سوال جو برعظیم کی تقسیم سے وابستہ ہے وہ افریشیائی ملکوں میں عالمی طاقتوں کی

مداخلت کا مسئلہ ہے۔ افریشیائی ممالک زیادہ تر مسلمان ریاستوں ہی کا مجموعہ ہیں ان کے لیے یہ ہندوستان ہی زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن پاکستان کا ہندوستان سے اور ہندوستان کا پاکستان سے تصادم ہندوستانی عوام کو مسلمانوں سے بدظن کر دے گا بلکہ مسلمان ریاستوں کے بارے میں بھی ہمدردی کا فقدان ہے وہ جذبات پیدا ہونے سے جو شاید ہندوستان میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

[illegible] ہے [illegible] ذہنی [illegible] سے خوف [illegible] دو قومی نظریہ [illegible] [illegible] معاملہ [illegible] [illegible] علاقائیت کے واحد مالک ہوں گے۔ لیکن کب تک مسلمانوں کو نظریاتی حد میں مبتلا رکھیں گے [illegible] پالیسی میں مسائل کی مثال

[illegible]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible] سے [illegible]

۳۔ اندرونی تضادات کے تصادمات۔

۵۔ پاکستان سے [illegible]

۶۔ [illegible]

۷۔ [illegible]

۸۔ [illegible]

موجودہ حالات میں پاکستان کا استحکام [illegible] اسلامی ملک [illegible] نہیں ہو سکے [illegible] دوسری جنگ عظیم میں [illegible] ایک دوسرے کے [illegible] پاکستان کی [illegible] پاکستان میں نظریاتی اور جغرافیائی [illegible]

راقم نے عرض کیا:

"لیکن ایک ہندوستان میں مسلمان اپنی اصلی انفرادیت کیونکر قائم کر سکتے ہیں اور ان میں ایک اسلامی ریاست کے مسلمانوں کی خصوصیتیں کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں؟"

فرمایا:

"محض الفاظ کے سہارے سے حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، ورنہ سوالات کا رُخ پھیر کر جوابات میں کجی پیدا کی جا سکتی ہے۔ حقائق [illegible] سوالات یا جوابات سے توڑ پھوڑ یا خلط مبحث ہے۔ مسلمانوں کی [illegible] انفرادیت [illegible] انفرادیت [illegible] مسلمان [illegible] نہیں [illegible] آپ یہاں پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ اصل [illegible] نہیں [illegible] وہ ان پر چلنے سے کون روک سکتا ہے؟ [illegible] مسلمان آزادی کے بعد اس قدر بے بس [illegible] عیسائی طاقت ہونے کے باوجود [illegible] وہ کونسی طاقت [illegible] ہے [illegible] مسلمانوں کو اسلام سے [illegible] لوگوں کے [illegible] ہو چکے وہ سب [illegible] ہندوستان کی تاریخ [illegible] مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان میں اسلام کی خدمت کی ہوتی تو آج تین چوتھائی ہندوستان ضرور مسلمان ہوتا۔ میں ان بادشاہوں سے اسلام سے ظاہرا واسطہ رکھ، وہ اسلام کے داعی نہ تھے وہ ملوکیت چاہتے اور حکومت کرتے تھے۔ اسلام یہاں صوفیوں کی بدولت پھیلا۔ مسلمانوں کا سواد اعظم ان اہل اللہ کا مرہون ہے۔ اسلام کی دولت انہی کی بدولت ملی ہے لیکن بادشاہوں نے ان کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا اور اپنے گرد و پیش اس قسم کے علما پیدا کئے جو اشاعت اسلام کی راہ میں ایک بڑی روک تھے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے اس وقت کی مہذب دنیا کو مغلوب کیا اور حجاز کے گرد و پیش سے بیسیوں ملک

کافی اسلام کی آغوش میں آگئے لیکن ہندوستان میں صحیح اسلام نہ آسکا۔ مسلمان یہاں کے رسومات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسلام کی حقیقی روح سے محروم رہ گئے۔ ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام یہاں عجم کی معرفت آیا تھا لیکن اس کے باوجود ہندوستان کی بارہ سو برس کی تہذیب پر مسلمانوں کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور اس کا معاشرہ اسلامی نقش و نگار کا مرہون ہے۔ ہندوستان کے آرٹ، ہندوستان کی موسیقی، ہندوستان کے ادب، ہندوستان کی تہذیب، ہندوستان کے تمدن، ہندوستان کی صنعت، ہندوستان کے فن تعمیر و ہندوستان کی [illegible] اسلامیت سے [illegible] ہے [illegible] بھی [illegible] ہیں۔ [illegible] مسلمان ہندوستان کو اتنا کچھ دے کر بھی خطرہ [illegible] کے خلاف ہو جاتے ہیں [illegible] تو ہندوستان [illegible] جاسکتی [illegible] کو اعتقادات [illegible] ہیں [illegible] میں حرکت [illegible] سکتے ہیں لیکن [illegible] اجتماعی طور پر [illegible] ہو چکے ہیں [illegible] سے نہیں ڈرتے [illegible] سے ڈرتے ہیں [illegible] نہیں [illegible] ہندوستان میں [illegible] کا اندیشہ محسوس ہوتا ہے۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو [illegible] کے باوجود [illegible] مسلمان [illegible] ہندوستان [illegible] کے نقشے دور کا نقشہ ان کے علم میں ہو تو مسلمان شاید محسوس کریں۔ ان کے ذہنی خطرے بے اصل ہیں وہ [illegible] میں پھنسے رہتے ہیں اور اس کی وجہ ان کے معاشرے [illegible] ہے۔ ہندوستان کے تین طرف اسلامی دنیا پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستان کی کثرت مسلمانوں کو مٹا کر کیونکر پنپ سکتی ہے۔ کیا کروڑ مسلمانوں کو مٹانا آسان ہے؟ ہمیں یقین ہے

کہہ سکتے ہیں کہ ہماری تہذیب اور ثقافت میں ایک ایسا جادو ہے کہ شاید آئندہ پچاس سال میں ہندوستان کی سب سے بڑی آبادی مسلمان ہو۔

دنیا کو پائیدار امن کی تلاش کے علاوہ ایک فلسفۂ زندگی کی ضرورت ہے۔ اگر ہندو کارل مارکس کے پیچھے دوڑ سکتے اور فلسفۂ زندگی کی تلاش میں یورپ کے علم و دانش کو کھنگال سکتے ہیں تو اسلام سے شغف کیوں نہیں۔ وہ اس کے [illegible] سے آگاہ ہیں۔ [illegible] کا دل [illegible] کرتا ہے کہ اسلام [illegible] عصبیت [illegible] نہیں [illegible] دینی فلسفہ ہے۔ اسلام ایک عالمگیر معاشرے کی دعوت ہے [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] کی تعدیوں سے نا مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کیا ہے۔ اگر اسلام کو اپنے اغراض کی [illegible] [illegible] [illegible] موجود ہیں [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible] لیے تمام دنیا کو [illegible] ہے اور [illegible] میں بھی مسجدیں تعمیر کرنے کے مجاز نہیں۔ اگر ہندوستانی مسلمان [illegible] میں اقلیتوں کی طرح منتشر ہوتے تو ان کی بھلائی کے لیے ایک دو صوبوں میں ان کے اکثریتی علاقے کا مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔ [illegible] مطالبہ اسلامی نہ ہوتا۔ [illegible] مسلمانوں کے قومی تحفظ کی [illegible] سمجھ میں آ سکتا تھا۔ لیکن موجودہ حالت یکسر مختلف ہے۔ ہندوستان کے سرحدی صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ان سے ملحق خود مختار اسلامی ریاستیں ہیں۔ وہ کون سی طاقت ہے جو انہیں مٹا سکتی ہے یا مٹا دے گی۔ ہم تقسیم کا مطالبہ کرتے مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ کے علاوہ ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کو ہندو راج کے حوالے

کر رہے ہیں۔ وہ مسئلہ جو آج ہندو مسلم آویزش کی شکل میں مسلم لیگ اور کانگریس کا تنازعہ بنا ہوا ہے کل دو ریاستوں کا تنازعہ ہو جائے گا۔ اور یہی تنازعہ عالمی استعمار کی معرفت کسی دن ان میں جنگ کا موجب ہو گا۔ رہا یہ سوال کہ پاکستان مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے تو ہندو اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں، تو یہ سوال فی الواقع دلچسپ ہے۔ جنہیں آزادی کی لگن ہے اور ملک کی یک جہتی کے شیدائی ہیں وہ عالمی سامراج کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہنے کے لیے بٹوارے کی مخالفت کرتے ہیں۔ کچھ [illegible] مسلمانوں کو پاکستان کے سبز باغ دکھا رہے ہیں [illegible] [illegible] حالات بھی سنبھال سکتے ہیں اور مرکز [illegible] سکتے ہیں۔ لیکن [illegible] کا تحفظ [illegible] سیاسی آویزش کا غیر سیاسی حل ہے۔ ہندوستان کے [illegible] مسلمانوں [illegible] میں بھی [illegible] کانگریس کے [illegible] انہیں [illegible] مسلمان [illegible] اور مسلمان جاگیردار [illegible] انگریزوں کے قدرتی [illegible] مسئلے کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ بنا دیا ہے لیکن اس کی تنہا ذمہ داری مسلمانوں پر عائد نہیں ہوتی۔ انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور میں اس مسئلے کو جنم دیا۔ پھر سرسید کی تعلیمی جدوجہد نے سیاسی ذہن سے اس کو پروان چڑھایا۔ آخر ہندوؤں کی من حیث الجماعت تنگ دلی اور کوتاہ نظری نے اس مسئلے کو تقسیم کی اس منزل تک پہنچا دیا کہ ملک کی آزادی بٹوارے کے یقینی موڑ تک آ پہنچی ہے۔ مسٹر جناح ایک

زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کا مظہر تھے۔ وہ ان کے لیے یہ عقب کانگریس کے سالانہ اجلاس میں خود سر دھنی نائیڈو نے تجویز کیا تھا، وہ دادا بھائی نوروجی کے شاگرد تھے۔ مسلمانوں کا مشہور وفد ۱۹۰۶ء میں ترتیب پایا تو مسٹر جناح نے اس میں شامل ہونے سے انکار کیا تھا۔

یہی وفد تھا جس نے مسلم لیگ کی ڈولی سیاست کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۹ء میں جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو ایک نیشنلسٹ مسلمان کی حیثیت سے بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے مسلم مطالبات سے تعلق [illegible] ۱۹۲۵ء [illegible] ٹائمز آف انڈیا میں [illegible] لکھا جس میں اس کا رونا رویا کہ انڈین نیشنل کانگریس [illegible] ۱۹۲۵ء [illegible] ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کانفرنس ہوئی [illegible] ۱۹۲۵ء [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہ بن جائے۔"

۱۹۲۹ء میں [illegible] ۱۹۳۰ء [illegible] چھوڑ کر چلے گئے [illegible] آئینی خود مختاری کے بعد ہندوستان کے سات صوبوں میں [illegible] حکومتیں بنائیں تو لیگ کے [illegible] سے [illegible] اور وہ مسلمانوں کے سیاسی مفادات کو محسوس کرتے ہوئے ۱۹۴۰ء میں پاکستان کے مطالبے پر جم گئے۔ پاکستان [illegible] کے سیاسی تجربات کا رد عمل ہے [illegible] نہیں [illegible] پہنچتا ہے لیکن مجھے ان کی ذاتی ذہانت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں۔ انہوں نے ایک سیاست دان کی حیثیت سے مسلمانوں کی عصبیت کو مضبوط کیا اور پاکستان کو اٹل بنا دیا۔ اب یہ چیز ان کی انا ہو گئی ہے اور وہ کسی قیمت پر کسی حالت میں اس انا سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔"

راقم نے عرض کیا:

"ان حالات میں مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان سے جتنا پائیدار ممکن نہیں رہا، ورنہ انہیں کوئی سی خصوصیت اس کا تحریا اعتدال اٹھا سکتا ہے۔"

مولانا نے فرمایا:

"قوم کے استقلال سے [illegible] مستقل بنانا ممکن ہوتا ہے۔ لیکن ضمیر کے ارتحال کو برداشت کرنا موت ہے۔ اس وقت مسلمان [illegible] نہیں رہتے بلکہ رہتے ہیں بعض وجوہات [illegible] مسلمانوں نے دو قومی نظریے کا جھنڈا [illegible] وہ جینا جانتے ہی نہیں۔ جب قومیں اعتماد [illegible] سے محروم ہو جاتی ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] گے۔"

تم نے دو قومی نظریہ پر اعتراض کیا۔

"ہندو اور مسلمان [illegible] دو مختلف قومیں ہیں اور یہ اجتماع ضدین کیونکر ہو سکتا ہے؟"

فرمایا

"یہ ایک پرانی بحث ہے۔ کئی سال پہلے علامہ اقبال اور مولانا مدنی کے مابین اس مسئلے پر جو بحث ہوئی تھی ہم نے بالاستیعاب دیکھی اور پڑھی ہے۔ قوم کا لفظ قرآن میں محض امت کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ جماعت انسانی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ آخر ملت، قوم اور امت کے الفاظ کی بحث چھیڑ کر کیا پانا چاہتے ہیں؟ ہندوستان میں مذہباً

نہیں ہیں قومیں بستی ہیں ہندو ہیں مسلمان ہیں عیسائی ہیں پارسی ہیں سکھ ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں دینی اعتبار سے بہت بڑی مغایرت ہے۔ لیکن اس مغایرت کے باعث ہندوستان کی آزادی روکی نہیں جا سکتی۔ اور یہ دو قومی نظریہ وحدت ہندوستان یا ملت ہندوستان کی نفی کرتا ہے۔ سوال تو آزادی کا ہے کہ بیرونی غیر ملکی طاقت سے کیونکر آزاد ہوں اور آزادی ایک ایسی نعمت ہے کہ [illegible] نہیں ہو سکتی۔ [illegible] [illegible] اپنے [illegible] [illegible] ہندو [illegible] اور عقائد کی [illegible] [illegible] ایک دو جماعت ہے [illegible] [illegible] انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں [illegible] [illegible] [illegible] طوفان [illegible] [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] [illegible] کافروں کو مسلمان بناتے تھے۔ اب [illegible] جانے لگے۔ [illegible]

پائے۔ ان مشکلات کا اندازہ کرنا سہل نہیں۔ ہوشربا حالات سے اللہ تعالیٰ کے بغیر ہی نمٹ سکتے تھے۔ ہمیں بھی ابتلاء و آزمائش کی ایک گھڑی گزارنی پڑی۔ جب عقلیں گمراہ ہو جائیں، دلوں کو تالے لگ جائیں اور طبیعتیں منجمد ہوں تو مصلحین و مصلحین کے لیے انسانوں کو اس جہالت سے بہرہ ور کرنا دشوار ہوتا ہے۔ آج تو سماں ہی دوسرا ہے۔ ہماری قوم سیاسی تعصبات میں [illegible] ہے [illegible] سیاست کو ترجیح دیتی [illegible] ہندوستان کے [illegible] کو اسلام سمجھتی ہے۔ [illegible] قوم کے [illegible] تصویروں [illegible] دشمنوں [illegible] تو حیران ہیں۔ حضرت [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] حضرت [illegible] شارع [illegible] شک کے بغیر وں [illegible]

[illegible]؟

ایک [illegible] دریافت کیا:

"آپ نے 'الہلال' کی دینی آواز اٹھائی [illegible] کامل [illegible] ہیں؟"

فرمایا:

[illegible] آزادی کی [illegible] صحبت یا شکان رسالت کا [illegible] تھا۔ میں نے اس آواز میں قفس کی طرح مست ہو کر جسم ہو گیا۔ الہلال کے مقاصد جہاں تک ان کے معنوی مضمرات کا تعلق تھا، پیا اتحاد [illegible] دلہا تھے اور مسلمانوں کا ایک نیا دور انگڑائی لے رہا تھا۔ میرے سامنے تجربات کا ایک ڈھیر تھا۔ میں نے سفر میں ترتیب پیدا کی اور اس صراط مستقیم پر قدم جما دیئے جو اس ملک کی آزادی کے حصول کا صحیح راستہ تھا۔ میرے اعتقاد میں یہ بات داخل

ہو گئی کہ ایشیا، وسط افریقہ کی آزادی کا انحصار ہندوستان ہی کی آزادی پر ہے اور ہندوستان کی آزادی کا صحیح نقشہ ہندو مسلم اتحاد ہی سے بن سکتا ہے۔ یہ دونوں جماعتیں (ہندو و مسلم) جو مذہب و اعتقاد کے معاملے میں مختلف اوضاع و اطوار رکھتی ہیں۔ جب تک متحد العمل نہ ہوں گی ہندوستان کی آزادی میں انجاد پیدا ہوں گے۔ وہ اس طرح ایک ایسی برائی راہ پائے گی کہ سینکڑوں خرابیاں یکے بعد دیگرے جنم لیتی رہیں گی۔

میں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان [illegible] اور اس کی آزادی [illegible] میرے سامنے مسلمانوں کے مقام کا تعین بھی تھا [illegible] میں چاہتا کہ مسلمان اپنے وطنی بھائیوں کے ساتھ [illegible] ہندوستان کی آزادی [illegible] دیکھنے کی عادت ڈالی اور وہ [illegible] ہوتے گئے۔"

راقم نے عرض کیا:

"پاکستان [illegible] سوال [illegible] بالخصوص ان مسلمانوں کا فرض کیا ہو جو [illegible] پاکستان کی مخالفت کرتے رہے ہیں [illegible] پاکستان کے حقیقی شہری ہیں؟"

فرمایا:

"اس صورت میں میرا یہ کہنا ہے کہ پاکستان دشمنی سے نہیں دوستی سے قائم ہو، اور جب پاکستان بن جائے تو پھر دونوں ملکوں کی باہمی دوستی ہی ان کے استحکام کی ضامن ہو سکتی ہے، جانبین میں کشیدگی رہی تو دونوں کے لیے مضر ہوگی، نہ ہندوستان کا اس میں بھلا ہے نہ پاکستان کا۔ جذبات کا غصہ ایک عارضی چیز ہے لیکن حالات کی ضرورت ایک سیاسی عنصر ہے۔ پاکستان ہندوستان ایک دوسرے کے دوست بن کر نہ صرف اپنے ملک کی خوش حالی میں تعمیر کر سکیں گے بلکہ ان عالمی طاقتوں کے مخفی عزائم سے بھی محفوظ رہیں

گے جو دنیا کے تمام چھوٹے ملکوں اور نو آزاد ریاستوں کو اپنے تابع رکھنا چاہتی ہیں اور اسی میں ان کے مفادات ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کی ذہنی [illegible] جو دونوں ملکوں کو اضطراب رکھے گی۔ ہندوستان نے پاکستان کو اگر مستقل رکھنے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے عالمی سطح پر بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ پاکستان نے ہندوستان سے لڑائی باندھ کے رکھی تو جس غرض سے اس نے تقسیم کرائی ہے وہ مقصد ختم ہو جائے گا۔ [illegible] میں نشو و نما [illegible] اور ہندوستان [illegible] ہو سکتی ہے۔

مولانا سے ۱۹۵۶ء میں [illegible] دریافت کیا [illegible] مولانا [illegible] سے ناخوش تھے۔ مولانا:

پاکستان [illegible] پاکستان کی باہمی مفاہمتوں سے بہت کچھ دلچسپی ہے۔ خدا کرے اب اس کے مطابق [illegible] پاکستان کی سیاسی [illegible] سے [illegible] کی نشاندہی کرتا ہے۔ [illegible] آئین کے تحت [illegible] نہیں سکے۔ آئین ختم ہو جانے کا [illegible] پاکستان کے سیاست دان [illegible] ہیں۔ انہوں نے [illegible] کی عنان بیوروکریسی کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ سکندر مرزا نہیں چاہتے۔ پاکستان میں انتخابات ہوں، وہ [illegible] صدارت کی مسند پر رہنا چاہتے ہیں اور [illegible] ہیں۔ انہوں نے آئین توڑ کر مارشل لاء نافذ کیا، تو قطعی نتائج کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ مارشل لاء نافذ کر کے وہ کب تک اقتدار میں رہ سکیں گے؟ اس بارے میں کچھ کہنا [illegible]

کا تعین کرنا مشکل ہے۔ لیکن جس فوج کے بل پر وہ مارشل لا لائیں گے وہی فوج انہیں سبکدوش کر دے گی۔ ملک غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت توڑ کر پاکستان کو غلطیوں کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ اور اب آئندہ کئی خرابیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ سیاستدانوں کی جگہ بیوروکریسی نے لی ہے۔ ہو سکتا ہے پاکستان ایک لمبے عرصے کے لیے سیاستدانوں کے ہاتھ سے نکل کر بیوروکریسی ہی کے عسکری ہاتھوں میں چلا جائے۔ پھر ایک طویل مدت مارشل لا کی حکومت ہو۔ اس کے بعد جو آئین وضع ہو وہ فوج کی مثال میں ڈھلا ہوا اور جمہوریت کے انتخابی نظام پر پاکستان کی عسکری چھاپ ہو۔ فوج کے سپہ سالاروں کی جمہوریت پاکستان کے حق میں [illegible] نہ ہوگی۔ وہ جو تجربہ بھی فوج کی موافقت میں جمہوریت کی تشکیل کے لیے [illegible] ہوگا [illegible] فوج [illegible] [illegible] سے [illegible] میں [illegible] [illegible] پاکستان میں [illegible] سے ملحق ملکی حریفیں پیدا ہو کر بالآخر اس کی علیحدگی کا باعث ہوں۔

پاکستان کو محسوس کرنا چاہیے۔ ہندوستان کی سیاسی جیب کو اس کے عوض وجود میں [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] سے مقاومت کرتی [illegible] ہندوستان کی [illegible] سے محفوظ ہو جاتا۔ پنڈت جواہر لال نہرو [illegible] انسان [illegible] ہیں وہ بسا اوقات [illegible] پر ضدی ہو جاتے ہیں لیکن انہیں استدلال کی طاقت سے منا لینا مشکل نہیں۔ سردار پٹیل کشمیر کے مسئلے میں پاکستان کی تائید کرتے تھے، کہ پاکستان کا اس پر حق ہے اور وہ پاکستان ہی کو ملنا چاہیے۔ جواہر لال [illegible] مشکل نہ تھا۔ وہ [illegible] کشمیر پر ہندوستان کے قبضے سے دستبردار ہو جاتے لیکن قائد اعظم کی رحلت کے بعد لیاقت علی بھی اس مسئلے پر ہندوستان سے گفتگو کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ مجھ سے سردار پٹیل نے بیان کیا، انہوں نے گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں لیاقت علی کے اصرار و استفسار پر ان سے کہا تھا کہ وہ پاکستان کے وزیر اعظم ہیں اور پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے وزیر اعظم ہیں۔ دونوں ہی مجاز و مختار ہیں، کسی مسئلے کا حل مشکل نہیں ہے۔ استدلال سے

طویل چکر میں پڑے بغیر ذمہ داری لیتا ہوں اور معاہدہ ابھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان، مناودر، جوناگڑھ اور حیدرآباد دکن سے دستبردار ہو جائے ہند کشمیر کو چھوڑ دیتے ہیں، دو ریاستیں ہندوستان کے حدود میں ہیں اور کشمیر پاکستان کے حدود میں ہے۔ مسٹر پٹیل نے لیاقت علی سے یہ پیشکش بھی کی کہ وہ پاکستان کی ہندو اقلیت کو روکیں میں ہندوستان کی مسلم اقلیت کو روکتا ہوں اس کے بعد جو فساد برپا کرے اس کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جائے۔ اس سے امن دونوں میں قائم ہو جائے گا۔ لیکن لیاقت علی نے مناودر، جوناگڑھ اور حیدرآباد دکن کے بارے میں پس و پیش [illegible] سے اختلافی باتیں [illegible] داخلی خطروں پر خوش ہوتا ہے اور ہندوستان [illegible] طاقتیں [illegible] ان طاقتوں کی ذہنی عادت دونوں [illegible] پاکستان ہندوستان کے خلاف [illegible] خوف زدہ [illegible] اور خود [illegible] ہندوستان [illegible] پاکستان [illegible] دوسری جنگ عظیم کے بعد [illegible] ہندوستان کے دفاعی اخراجات سو کروڑ روپے تھے لیکن برصغیر کی تقسیم کے بعد ایک چوتھائی فوج پاکستان کے حصے میں چلی گئی اور تین چوتھائی ہندوستان میں چلی گئی۔ اب ہندوستان کی فوج کے اخراجات دو سو کروڑ ہیں اور پاکستان کے اخراجات بھی کم سے کم سو کروڑ تک پہنچتے ہیں یہ وہ رقم ہے جو دونوں ملکوں کے عوام حکومت کے واجبات کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ وہ امداد اس کے علاوہ ہے جو دونوں ملکوں کو ان کے عالمی دوستوں سے ملتی اور اس کی مانگ برابر رہتی ہے یہی رقم دونوں ملک اپنی ترقی خوشحالی پر صرف کریں اور عوام پر روزمرہ کے ٹیکسوں کا بوجھ ہلکا پڑ جائے تو یہ دونوں ملک صحیح معنوں میں خود مختار اور آزاد ہو سکتے ہیں اور ان کے وہ خطرات بھی ٹل سکتے ہیں جو فریقین کے دلوں میں بیٹھ چکے ہیں اور دونوں مملکتیں اپنے

مسائل کا حل ایک جنگ کی شکل میں دیکھ رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ ان دنوں حالات پاکستان اور ہندوستان دونوں کے لیے مہلک ہے۔

ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان سے دوستانہ رشتہ استوار کرنے پر سوچے ابھی وہ لوگ زندہ ہیں جو ہندوستان کے مزاج کی برہمی کو ٹھیک کر سکتے ہیں۔ پاکستان ایک سیاسی تجربہ ہے۔ پاکستان کے ارباب حل و عقد کا فرض ہے کہ اس تجربے کو کامیاب بنائیں، ادھر ہندوستان کے ارباب بست وکشاد [illegible] پاکستان ایک حقیقت [illegible] [illegible] جب جانبین میں دوستانہ تعلقات اور مشترکہ عمل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

عظیم خطیب

ایک زمانے میں خطابت علمی حلقوں اور [illegible] میں بہت پسند [illegible] رہنے کا نام تھا، اب علوم و مسائل کے اس مغربی دور میں خطابت بھی ایک فن [illegible] شمار ہے [illegible] اپنی جگہ مستقل ہے، فن ایک [illegible] میں پہلو [illegible] خطابت [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] خطابت کا [illegible] [illegible] پالیٹکس [illegible] خطابت [illegible] انسانی کی معرفت ہے۔ مختصراً عوام سے [illegible] خطابت [illegible] ایک اچھا مقرر عوام پر جادو کرتا ہے۔ خطیب و مقرر کے لئے [illegible] ذاکر [illegible] بھی اس صنف میں آجاتے ہیں [illegible] پنجابی [illegible] ہیں جو [illegible] کی آتش بازی چھوڑ کر رونق پیدا کرتے ہیں [illegible] خطیب یا مقرر نہیں ہوتا لیکن وہ ان سے فن کی روش پر [illegible] ہوتے ہیں، انہیں خطیب یا مقرر نہیں کہتے مگر ان کی مثال [illegible] میں [illegible] باندی سے [illegible] کی [illegible] ہے۔

برعظیم کی تاریخ میں خطابت کا فن مسلمانوں کی آمد سے منسلک ہے۔ اس خطابت کی ابتدائی تشکیل مساجد کے خطبے اور خانقاہی وعظ تھے جن کا محور قرآن و حدیث اور ان سے پیدا شدہ علوم و مسائل تھے۔

ہندوستانی مسلمان یعنی وہ مسلمان جو ہندوؤں سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور جن کا خمیر اس مٹی ہی سے تھا وہ زیادہ تر صحبت اولیا سے مسلمان ہوئے۔ اور ان کے اسلام کا سبب اہل اللہ کی نگاہ تھی یا پھر ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کی وجہ علما کے وعظ تھے۔ وہ گویا علما کی زبان سے مسلمان ہوئے

تھے۔ اس سلسلے میں کوئی حتمی تجزیہ آسان نہیں۔ لیکن ہندوستانی عوام کے مسلمان ہونے میں خطابت و وعظ کی فتح مندیوں سے انکار ناممکن ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر شاہ عبد العزیز تک ان کے بعد برطانوی عملداری میں تحریک خلافت کے آغاز تک وعظ و خطابت کا ایک عظیم سلسلہ موجود ہے اور یہ قول مولانا آزاد [illegible] کے گرد و پیش ایسی شخصیتیں پائی جاتی تھیں ان کے بیان کی حرارت سے دلوں کی سنگینی موم کی طرح پگھل جاتی۔ خود مولانا آزاد کے تذکرے میں ان شخصیتوں کا ذکر اشارۃً موجود ہے۔ بعض صوفیہ کے تذکروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔

مولانا آزاد کے نانا مولانا منور الدین [illegible] میں درج ہے [illegible] میں وعظ [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] میں [illegible]

مولانا [illegible] انہوں نے [illegible] وہ [illegible] دیا اور [illegible] ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہید اور شاہ عبد العزیز [illegible] خطیب تھے [illegible] زمانے میں [illegible] سامعین [illegible] وعظ [illegible] پڑ چکے ہیں اور اس [illegible] بھی نہیں رہے۔ کچھ [illegible] واعظ زور بیان پر انحصار کرتے اور آواز کی [illegible] کے علاوہ جوش طبعی [illegible] لیکن جب وعظ ہی اصل خطابت ہی [illegible] واعظ محض [illegible] کے چٹخاروں سے واعظ نہیں ہوتا تھا اس کی معراج قرآن و حدیث [illegible] سیرت طیبہ اور آثار صحابہؓ کے علاوہ علما و فقہا کے افکار و مباحث سے کماحقہ باخبر ہوتا اور یہی وجہ تھی [illegible] واعظ آیات قرآن کی تفسیر میں کئی کئی برس وعظ کرتا تھا۔ ایک واعظ کی بڑی خوبی اس کے مطالب [illegible] مضمون کی ترتیب، تقسیم، استنباط اور استدلال کا شاندار ہوتا۔ اس کو معلوم ہوتا کہ اجمال سے تفصیل اور تفصیل سے اجمال [illegible] میں [illegible]

پیوند ہوتا ہے۔

ہندوستان میں انگریز جم گئے اور برطانوی تعلیم کی راہیں نکل آئیں تو دین و مذہب کے علاوہ عمرانی وعلمی اور تہذیبی و تمدنی موضوعات پر لیکچرز کا سلسلہ چلا۔ ظاہر ہے کہ انگریزی تعلیم نے اس کی نیو رکھی۔ سرسید، وقارالملک، محسن الملک اور بعض دوسرے اکابر اس میدان کا ہیرو رہے تھے۔ ادھر علامہ شبلی خطابت میں یکتا تھے لیکن ڈپٹی نذیر احمد اپنے زمانے کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ وہ انجمن حمایت الاسلام وغیرہ کے سالانہ اجلاس کو بہ التزام خطاب دیتے اور عموماً اپنی تقریر لکھ کے لاتے تھے۔ نہیں ہے بیان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ طویل خطبات میں بھی جملے کے [illegible] سے موثر پیرایوں اور تحسین سے خوش کر دیتے تھے۔ [illegible] خطابت [illegible] کو پہنچی تو وہ مدت العمر [illegible] بدولت مسلمانوں نے منبر و محراب کے معرکوں ہی میں فتوحات حاصل [illegible] کے محاذوں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] خطابت کا [illegible] ہو چکا تھا۔ لیکن اس کا [illegible] ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ ہندوستان میں تحریک خلافت، جلیانوالہ باغ اور رولٹ ایکٹ وغیرہ کا طوفان کھڑا ہو گیا تو ملک کی عوامی قیادت بھی یہ تبدیل ہو گئی۔ جتنے بڑے خطیب، مقرر اور [illegible] اس زمانے میں پیدا ہوئے وہ اس سے پہلے [illegible] اور [illegible] تحریک کے بعد [illegible] ہندوستان کا یہ دور خطیبوں اور مقرروں کا دور تھا۔

خطابت کے تین عناصر ہیں:

پہلا: خطیب، جو اپنے فن اور شخصیت کی معرفت عوام سے خطاب کرتا ہے۔

دوسرا: خطاب جس کی ہیئت انفرادی لیکن مقصد اجتماعی ہوتا ہے۔

تیسرا: پبلک، سامعین و حاضرین، جس سے خطیب کلام کرتا ہے۔

خطیب کی اصل خوبی اس کی شخصیت ہے۔ ہو سکتا ہے ایک خطیب قائد نہ ہو، بعض قائد خطیب نہیں ہوتے۔ ایک حد تک مقرر ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کی سیادت کے باعث ان کی خطابت قائم ہوتی ہے۔ وہ اس لیے نہیں سنے جاتے کہ خطیب ہیں، وہ اس لیے سنے جاتے ہیں کہ قائد ہیں۔ قائد ہوتے تو ان کی تقریروں میں سامعین کے لیے بڑی کشش ہوتی۔ مثلاً ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر

مہاتما گاندھی تھے۔ ان کی سیادت کا جادو سب پر چھایا ہوا تھا۔ مگر وہ اس درجے کے مقرر بھی نہ تھے۔ قائداعظم بھی کوئی خطیب نہ تھے اور نہ ان میں ایک مقررانہ رنگ و روغن تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سینہ ان کا ہر بول سچ تھا اور وہ ان پر فدا تھے۔ پنڈت جواہر لال آزادی کے بعد ہندوستان کی روح رواں، اور آزادی سے پہلے کانگرس کا سہاگ تھے۔ لیکن فن تقریر کا تیور شناس ہونے کے باوجود ان کی خطابت پر ان کی قیادت غالب تھی۔ خطابت ان کے لیے تھی وہ خطابت کے لیے نہیں تھے۔

خطابت کے فن پر جو معیاری کتابیں مغرب میں تصنیف ہوئی ہیں یا جن کی بنیاد مشہور خطیب، ڈیماستھیز (یونان) اور سیسرو (روما) کی فنی روایتوں سے ماخوذ ہیں، ان کے مطابق ایک خطیب کے بنیادی اوصاف یہ ہیں:

۱۔ بے ریا کردار
۲۔ شخصی عظمت
۳۔ بلند نصب العین
۴۔ اخلاص فی العمل
۵۔ صداقت شعاری
۶۔ وجاہت ذاتی
۷۔ معلوماتی ذہن
۸۔ نستعلیق اشارات
۹۔ طلاقت لسانی
۱۰۔ بے عیب آواز
۱۱۔ صحیح تلفظ
۱۲۔ حاضر جوابی
۱۳۔ برجستہ گوئی
۱۴۔ [illegible]
۱۵۔ وحدت مقصد
۱۶۔ طبعی ہمدردی
۱۷۔ نفسیات سے آگاہی
۱۸۔ فہم سامع
۱۹۔ مہارت تامہ
۲۰۔ لگاتار مطالعہ
۲۱۔ عمیق مشاہدہ

اور خطابت کے اجزائے ترکیبی ہیں:

۱۔ سلاست
۲۔ ذہانت
۳۔ ظرافت
۴۔ تکنیک (طریق)
۵۔ اسلوب
۶۔ آواز

۷- لہجہ ۸- اشارات

۹- استدلال ۱۰- تجربہ

۱۱- تمثیلات ۱۲- انفرادیت

ان اجزاء کا تناسب ہر تقریر کے لیے قدرے مختلف ہے۔ اس میں شخصیت اور موضوع کی مناسبت سے تھوڑی بہت کمی بیشی لازم ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو محض خطیب (ORATOR) ہے اس وقت تک [illegible] حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ ان اجزا سے بہرہ مند نہ ہو یا ان سب میں سے [illegible] نہ ہو۔

خوش [illegible] ہے۔ ادب بھی [illegible] ہے [illegible] سعدی [illegible] ہیں جب [illegible] خطابت ہی میں ہے۔

مولانا [illegible] خطیب [illegible] شروع کی۔ اس کی [illegible] تقریر [illegible] ہوتا ہے۔ لیکن تقریر محض [illegible] نہیں [illegible] ہے۔ جو [illegible] تقریر کا [illegible] خطیب [illegible] ہوتی ہے پھر تقریر محض علم ہی نہیں [illegible] ممکن نہیں:

> مولانا آزاد کے [illegible] خطیب تھے۔
>
> ان کے والد ایک بہت بڑے واعظ تھے۔ مولانا [illegible] دور میں تھے کہ والد نے منبر پر کھڑا کر دیا اور وہ تقریر کرنے لگے۔ مولانا بیس سال کی عمر میں اکابر کے لیے موجب حیرت تھے۔ انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں پہلی دفعہ خطاب کیا تو مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ شبلی ہکا بکا ہو گئے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کہا، تقریر خوب رٹی ہوئی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ان ریمارکس پر مولانا نے اعلان کیا کہ ڈپٹی صاحب جو عنوان تجویز فرمائیں، میں اسی جلسہ یا اگلے اجلاس میں اسی موضوع پر تقریر

کروں گا۔ ڈپٹی صاحب نے موضوع تجویز کیا، مولانا نے تقریر کی تو مجمع لوٹ پوٹ ہو گیا، علامہ شبلی نے مولانا کے انہی کمالات پر کہا تھا کہ "یہ دماغ عجب روزگار میں ہے"۔

مولانا نے خطابت کے ابتدائی دور میں کہ ابھی ان کا ذہن سیاست کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا، عیسائی مشنریوں سے کئی شہروں مثلاً بمبئی، احمد آباد، [illegible] وغیرہ میں مناظرے کئے۔ تب ان کے ساتھی ایک تو ان کے بڑے بھائی ابو نصر آہ اور دوسرے آغا حشر کاشمیری تھے۔ اس طرح ان کے ملا خطابت کو جلا [illegible] مناظروں سے [illegible] ان مناظروں سے طبیعت [illegible] خطابت سے [illegible] میں زیادہ مناظرہ کا شہرہ تھا، اور عیسائی مشنریوں کی یلغار [illegible] سید سلیمان ندوی نے "حیات شبلی" میں لکھا ہے [illegible] عیسائیت میں [illegible] رسول چڑیاکوٹی اور مولانا [illegible] عیسائی نہیں دیکھتے [illegible] ہو جاتے [illegible] میں عیسائی [illegible] مولانا [illegible] [illegible] اس شخص کا وجود [illegible] سے [illegible] ہے۔ مولانا سے متعلق سید سلیمان ندوی [illegible] ہے کہ

"ندوہ کا جلسہ [illegible] میں سید رشید رضا [illegible] میں منعقد ہوا سید صاحب نے ڈھائی گھنٹے تک [illegible] فصیح تقریر فرمائی۔ سماں بندھ گیا۔ اس اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی قدر شناسی کے خوب خوب مناظر سامنے آئے وہ سید رشید رضا مصری کی [illegible] تقریر کا خلاصہ اردو میں سامنے کھڑے ہوتے تو بجائے خود اپنی سحر بیانی سے دلوں میں تلاطم برپا کر دیتے تھے۔"

خلافت کی تحریک ۱۹۱۹ء میں شروع ہوئی لیکن ۱۹۲۰ء کا زمانہ اس کے برگ و بار کا زمانہ تھا۔ جس طرح بہار کے موسم میں پھول کھل آتے اور چمنستان لالہ و گلاب سے لہلہا جاتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں سیاسی کارکنوں، سیاسی راہنماؤں اور سیاسی خطیبوں کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی۔ سارا ملک ان سے متحرک ہو گیا۔ کوئی سی ہندوستانی قوم اس سے خالی نہ رہی، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی، ہر جماعت میں

شخصیتیں ڈھلنے لگیں۔ تی مجلہ ہی زمانہ اردو میں جاندار سیاسی خطابت کا عہد آغاز تھا۔ مولانا آزادؒ، مولانا محمد علیؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کے علاوہ خطیبوں کی ایک لمبی ڈوری لگ گئی۔ پھر آزادی کے ظہور (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) تک ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہر صوبہ میں بیسیوں خطیب تھے۔ اور سب کو تقریر و خطابت کے فن میں کمال حاصل تھا۔ اردو زبان کا مزاج اگرچہ عربی و فارسی سے مشتق اور یک اعلیٰ پایہ کے خطیب کا ان دونوں زبانوں سے مستفید ہونا ضروری بھی ہے۔ خطابت میں ان سے توانائی پیدا ہوتی تھی لیکن تنہا اردو نے بھی بڑے بڑے خطیب و مقرر پیدا کئے۔ کچھ جن کے پاس انگریزی زبان اور اس کا علم تھا، اردو نے پر سہاگہ تھا۔ [illegible] حیثیت سے ڈاکٹر سیف الدین کچلو [illegible] ڈاکٹر محمد اشرف [illegible] کے خطیب تھے [illegible] خطابت بھی [illegible] دور میں [illegible] احمد سعید [illegible] تقریر [illegible] خطیب تھے [illegible] پیتے تھے۔

لیکن [illegible] سیاسی خطابت [illegible] ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت [illegible] حیثیت سے [illegible] وہ صف اوّل کے خطیب بھی [illegible] مولانا محمد علیؒ [illegible] اسلوب خطابت [illegible] سے جاتے اور [illegible] تھے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری [illegible] خطیب تھے [illegible] ان کی خطابت کے [illegible] مقابلہ [illegible] بڑا عوامی خطیب پیدا [illegible] ان میں یہ خوبی پائی [illegible] تھی کہ [illegible] تھے۔

مولانا آزادؒ میں محمد علی کی [illegible] کی مقاومت، عطاء اللہ شاہ کی شہامت اور احمد سعید دہلوی کی نزاکت کے عناصر تھے۔ لیکن وہ ہر لحاظ سے اتنے جامع الصفات خطیب تھے کہ خطابت ان کے بیان کا لازمہ تھی۔ وہ ہر خطبہ میں فن کی رعایت سے اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب تھے اور خطابت کے معنوی محاسن میں کوئی ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ وہ ایک ہی شخص تھے جن میں قیادت و خطابت کی رعایتوں سے ایک نادرۂ روزگار انسان کی وہ تمام خوبیاں بیک وقت اکٹھا ہو

گئی تھیں، جن سے پورا ہندوستان آخر تک خالی رہا۔ وہ قدیم و جدید کے محاسن کا امتزاج تھے۔ سیاستدان مدبر، مفکر، رہنما، ادیب، صحافی، خطیب، مفسر اور کیا کچھ نہیں تھے۔ ہر مجلس میں منفرد و یگانہ تھے۔ ان کے محاسن اتنے عظیم تھے کہ ہر شخص ان پر فخر کرتا تھا۔ ان کے علم کی بے پناہی نے انہیں عوام سے الگ کر دیا تھا۔ وہ شمع محفل کی طرح سب سے جدا اور سب کے رفیق تھے، لیکن اپنے دماغ سے باہر نہیں جھانکتے تھے۔ انہیں چاروں طرف ایک سیاسی میدان نظر آتا [illegible] اسی چیز نے انہیں سیاست عوام سے محروم کر دیا، اور وہ نتیجۃً عوام سے محروم ہو گئے [illegible] خطیب زبان و بیان میں ان کے قدم [illegible] عوام میں شاذ ہی آتے تھے۔ وہ [illegible] خلافت [illegible] کے شعلہ افشاں [illegible] رہتے تھے [illegible] حاصل کیے۔ [illegible] فرمیں خدمت [illegible]

[illegible] خطابت [illegible]

[illegible] خطابت میں [illegible] نہیں تھا [illegible]

[illegible]

[illegible] سے مرعوب ہیں۔

[illegible] زبان [illegible] فصاحت [illegible] مطالعہ [illegible] مشاہدہ [illegible] اردو [illegible] زبان شمع، سلاست [illegible] رنگینی [illegible] خود بخود [illegible] طرف کھنچتی چلی جاتی ہیں۔ اسلوب بے مثال آواز [illegible] لہجہ شگفتہ [illegible] استدلال [illegible] کی مانند، [illegible] انفرادیت [illegible] نام پر علامہ تھا۔

افسوس کہ مولانا کی تقاریر کا کوئی مستند مجموعہ موجود نہیں۔ البتہ حکومت ہند کے [illegible] کے

زیر اہتمام بعض سرکاری تقریبات کی تقاریر کا انگریزی مجموعہ جنوری ۱۹۵۸ء میں چھپا تھا "چٹان" میں کوئی نصف تقاریر کا ترجمہ کیا گیا۔ ان تراجم کو بعض دوسری تقاریر کی اخباری رپورٹوں کے ساتھ ملا کر پاکستان کے بعض ناشروں نے شائع کیا۔ لیکن الفاظ و مطالب کی صحت کا بالکل خیال نہ رکھا جس سے فاش غلطیوں میں ہر اشاعت کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا۔

جب دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۵ء میں پانچ سالہ قید گزار کر رہا ہوا تو پہلے پہل مولانا کے [illegible] خطبات [illegible] جمعیت علماء [illegible] انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبات تھے۔ اس مجموعے [illegible] دوسرے شائقین [illegible] نے بھی [illegible] مختلف [illegible] مقدمے لکھوا [illegible] مجموعہ [illegible] خطبات [illegible] ناشروں [illegible]

[illegible] خطبات [illegible] ۱۹۴۸ء میں [illegible] میں پانچ چھ دوسری تقریریں بھی ہیں۔ [illegible] مولانا کی دو چار تقریریں جو تقسیم کے بعد دہلی کی جامع مسجد اور دیوبند کے دارالعلوم [illegible] خطبات [illegible] بھی [illegible] ایسا کوئی [illegible] تقریروں سے غفلت [illegible] پاکستان اور ہندوستان میں کئی ایک ناشروں کا شغل [illegible] دلی اور [illegible] تقسیم [illegible] مولانا [illegible] غفلت تھا۔

مولانا کی [illegible] تقریریں [illegible] وہ مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گئیں [illegible] سامنے [illegible] مولانا کی تقریریں [illegible] اس قدر نہ تھیں جتنی جمع کر کے شائع کی گئیں۔ تقاریر کا ایک ذخیرہ تھا۔ اس ذخیرے کو یکجا کر کے شائع کیا جاتا تو کئی جلدیں مرتب ہو سکتی تھیں وہ خطابت کا شہ پارہ ہوتیں اور ان سے برعظیم کی سیاسی جدوجہد کے علاوہ بعض دوسرے احوال و وقائع معلوم ہو سکتے تھے۔

ان ناشرانہ مجموعوں میں بعض تقریبوں کی تقاریر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی شامل ہیں لیکن وہ مکمل

رپورٹیں نہیں۔ مولانا کی تقریر مکمل لکھنا مشکل تھا۔ بالخصوص اس دور کی تقریریں جب مولانا مسلمانوں کے مجامع کو خطاب کرتے اور قرآن و حدیث کے حوالے دے کر اسلامی افکار کی اصطلاحیں بولتے تھے۔ مولانا تقریر کے دوران مضمون کی رعایت سے فارسی اشعار بھی پڑھتے تھے۔ ان کی تقاریر کا مضمون تو نوٹ ہو جاتا تھا لیکن رپورٹر خود ان کے سحر میں ڈوب جاتا۔ اس کے لیے تقریر کا سراپا کھینچنا ناممکن تھا۔ تقریر محض مضمون نہیں ہوتی وہ آواز کے زیر و بم اور اشارات کے رنگ و آہنگ کا نام بھی ہے۔ اور [illegible] بند کرنا مشکل تھا۔ اس کے باوجود ان ٹکڑوں میں خطابت [illegible] تجزیہ ہو سکے اور خطابت کیا ہے؟ اس کا اندازہ ہو جائے۔

خطبات [illegible] جلسہ عام کی ہے۔ ۲۶؍ نومبر ۱۹۰۰ء ایک [illegible] خطبہ صدارت ہے ۲۸؍ فروری ۱۹۲۱ء اور [illegible] کتاب ہے۔ اس موضوع [illegible]

[illegible] ہیں اور دونوں اجلاس جمعیت کے خطبے ہیں۔ [illegible]

[illegible] ۱۹۲۱ء [illegible] مسلمانوں کو خطاب کیا [illegible] ملاحظہ ہو یہ تقریر بھی ہے۔ دو خطبات [illegible] اجلاس کی صدارت کے ہیں۔ ایک دہلی کے سپیشل اجلاس کا خطبہ ہے ۱۵ ستمبر ۱۹۲۳ء [illegible] کا خطبہ ہے ۱۰ مارچ ۱۹۲۰ء۔ مولانا کے خطبات [illegible] خطبہ صدارت مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب پر ایک قطعی دستاویز ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بول رہا ہے۔ قرآن چہرہ فگن ہے۔ حدیث اس چہرے کا غازہ ہے اور [illegible] یہ خطبہ کتابی شکل میں شائع ہوا تو بہ لحاظ مضامین و مباحث ۲۰×۲۶ سائز کے ۱۰۵ صفحات میں تھا اور تمہید کے علاوہ ۲۵ فصلوں میں منقسم تھا۔ جن میں موضوع کے جملہ مطالب کا احاطہ کیا گیا۔ [illegible] آیات قرآنی کے حوالے سے

بحث کی گئی ہے۔ خلافت کانفرنس [illegible] لاہور کے خطبات میں ایک مسلمان سیاست دان کی روح آواز دے رہی ہے۔ اواخر ۱۹۲۱ء میں اسلام جس لق ودق صحرا میں تھا، جمعیت العلماء لاہور کے خطبات تحریری وتقریری اس جسد کے مضطربانہ خطبات ہیں اور جہاد بالسیف کی آواز ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے خطبات فتنۂ تاتار کی مزاحمت میں کلمۃ الحق تھے۔ مولانا کے خطبات فتنۂ انگریز کے خلاف نعرۂ جہاد تھے۔ کانگریس کے دونوں خطبے ایک سیاست دان کی پکار ہیں جو ۱۹۲۳ء میں ملک کے زوال کو باہم دست وگریباں دیکھ رہا تھا اور جس کے سامنے سقوطِ خلافت کے بعد ہندو مسلم اتحاد کی بربادی کا نقشہ تھا۔ [illegible] ۱۹۳۹ء نے ہندوستان کی آزادی کا سوال چھیڑ دیا تھا۔ اور مسلمان ایک الگ قوم کی بنا پر ہندو اکثریت کے جمہوری اقتدار سے خوفزدہ تھے۔ ۱۹۴۰ء [illegible] کے ہاتھ سے کھو دینے [illegible] کی [illegible] سیاسی [illegible] دست و گریباں تھے۔

ان خطبات [illegible] کا انتخاب ممکن نہیں۔ خطبہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا [illegible] وہ [illegible] ذہنی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ [illegible] حالات بدل چکے ہیں اور [illegible] محدود [illegible] ہیں [illegible] خطبات کے [illegible] وقت میں [illegible] ہیں [illegible] جاتے ہیں [illegible] اس کے تحت [illegible] ذخیرہ سے ایک [illegible] میں نقل کئے ہیں [illegible] تاریخی مطالعہ ہیں [illegible] مولانا کے خطبات کی مکمل و تمام نمائندگی ہوتی ہے [illegible] سے مولانا کی [illegible] کے طرق و اسلوب کا پتہ ضرور چلتا ہے۔ ان سے بہتر اقتباس بھی ہو سکتے تھے [illegible] ہیں۔ [illegible] التزام کسی حد تک ملحوظ رکھا ہے کہ حوالے تین ادوار کے ہیں۔

پہلا دور: جب مولانا صرف قرآن و حدیث کے خطیب تھے۔

دوسرا دور: جب تحریک خلافت کا سیاسی منبر [illegible] لیا۔

تیسرا دور: جب مولانا ہندوستان کے سیاسی کارزار میں صف اوّل کے راہنما تھے۔ [illegible] کی نجات

دو دماغ دونو سیاسی تھے۔

ان اقتباسات میں یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔

"عزیزو! میری آواز اس آلۂ جہیر الصوت کے ذریعے آپ کے اس فقید المثال اجتماع کا آویزۂ گوش ہو سکتی ہے۔ مشرق و مغرب تک جا سکتی ہے۔ شمال و جنوب تک پہنچ سکتی ہے۔ پھر ثریا کی بلندیوں تک اُڑ سکتی ہے۔ اور ثریٰ کی پستیوں میں اُتر سکتی ہے۔ سوال ہے تمہارے دل و دماغ کا فاصلہ کس قدر ہے۔ کوشش کروں کہ اپنی آواز ان تک پہنچا سکوں۔"

زندگی نہ بھڑک اٹھنے کا نام ہے۔ نہ بجھ جانے [illegible] نام ہے سلگتے رہنے کا۔

دل جب [illegible] ہے جوانی تو [illegible] نہیں لگ نہیں ہو سکتی۔

مسلمان کئی صدیوں سے [illegible] میں [illegible] رہے ہیں [illegible] کی طرح [illegible] کی طرح چھپا جاتے اور گرد کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔

تاریخ مغرب [illegible] ہے سیاست کے [illegible] میں [illegible] نہیں ہوتا۔ انسانی تجربوں کی طویل تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ ادھر ہندوستان کے سیاسی تجربوں سے [illegible] بات آشکارا ہوتی کہ سیاستدان صرف اپنے ہی مستقبل پر سوچتے ہیں۔ انہیں تاریخ کے اجتماعی عمل سے کہیں زیادہ اپنے ذوق کی انفرادی تلاش مطلوب ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں سیاست میں بعض تنظیمیں دوڑتی ہیں یا ہانپتی ہیں۔ انہوں نے ابھی چلنا نہیں سیکھا جس دن چلنا سیکھ لیں ان کا سفر آسان ہو جائے گا اور منزل خود بخود سامنے آ جائے گی۔

جو کھونا نہیں جانتے وہ پانے کا مزہ کیونکر لے سکتے ہیں۔ جس نے کبھی کانٹے کی چبھن نہیں دیکھی، وہ تلوار کے زخموں کی روداد کیونکر بتا سکتا ہے۔ دریا میں اتر کر ہی تیرنا آسکتا ہے۔ تم یہ چاہو کہ پاؤں بھیگے نہ ہوں پانی بدن کو چھوئے نہیں، اور کناروں پر کھڑے کھڑے تیرنا سیکھ لو تو یہ ممکن نہیں۔ اسلام کی سربلندی کا راز ساحلوں پر کھڑے ہو کر دریاؤں کا پیچ و تاب دیکھنے میں نہیں اس کی سرفرازی کے لیے تمہیں طارق کی طرح اپنی کشتیاں جلانا ہوں گی۔ کچھ کھو کر ہی پا سکتے ہو۔

میں ستاروں کو الفاظ بنا سکتا ہوں اور چاندنی [illegible] ہو سکتی ہے [illegible] سکتی ہے۔ ہمالہ کی بلندی میرے خیال [illegible] افق ہو سکتی اور سمندر کی تہ میرے فکر کا عمق۔ [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] ہندوستان میں ملتِ بوستانِ اسلام [illegible] [illegible] اسلام [illegible] [illegible]

[illegible] خصوصیت [illegible] ہوئے اور ہندوستان [illegible] مسلمانوں کے معاشرے میں [illegible] آب و تاب [illegible] اور دنیاوی عزتوں سے بہت [illegible] ان کے پاؤں میں ڈھیر ہوتے تھے۔ جونہی وہ [illegible] دستبردار ہوئے اور انہوں نے شخصی شرافت و مجد کے بت تراش لیے، ان کا معاشرہ اقوامِ عالم کے لیے عبرت کی ایک ایسی کہانی ہو گیا کہ آج دوسری کوئی داستان اس درجہ غمناک نہیں ہے۔

ہم مسلمان جہاں جہاں آباد ہیں ایک ملک سے لے کر دوسرے ملک تک جغرافی تقسیم کے علی الرغم ملتِ واحد

ہیں، وہ زخم جو بصرہ میں کسی ترک کو لگتا ہے اس کا درد حق میں ایک مسلمان کے سینے سے رستا ہے۔ درد وہ کانٹا جو مراکش میں کسی فرزند توحید کو چبھتا ہے اس کی ٹیس ہندوستان کے مسلمان کو ہوتی ہے۔

برطانیہ اور فرانس ہی نہیں یورپ کی تمام مسیحی طاقتوں نے ایک خاص متفقہ عہد عمل وضع کیا ہے اور اس کا نام مشرقی مسئلہ رکھا ہے۔ اس کی غایت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کے بقیۃ السیف سیاسیہ کا بتدریج خاتمہ کر دیا جائے۔ [illegible] نہیں یورپ کی مسیحی حکومتیں [illegible] کے ساتھ ساتھ [illegible] گذشتہ دس برس کے واقعات سے آنکھیں [illegible] یورپ کے مسیحی عزائم اور مستقل مقاصد کو بخوبی دیکھ سکتا ہے۔

[illegible] دلوں کا اندازہ [illegible] سے دھکی [illegible] رہتے ہیں [illegible]

[illegible] کی غیب سے اُبھر [illegible] معکوس [illegible] دیتے ہیں [illegible] کاٹ دے گی [illegible] ترک و عرب [illegible] دی جا رہی ہے۔

اے اقوام یورپ! اے درندگان قافلہ انسانیت! اے مجمع وحوش و کلاب! ظلم و عدوان تابکے؟ اور خون ریزی تا چند؟ کب تک خدا کی سرزمین کو اپنے حیوانی غضب سے ناپاک رکھو گے؟ کب تک صداقت ظلم سے اور روشنی تاریکی سے مغلوب رہے گی؟ تبریز میں تمہارے ہاتھوں انسانوں کی گردنیں سولی پر لٹک رہی ہیں، طرابلس کی ریت پر اب تک اس جمے ہوئے خون کے دھبے باقی ہیں، جو تمہاری آنکھوں کے

سامنے تمہارے ایک پیش رو نے جہاں مراکش میں ان لاشوں کا شمار کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ جن میں سینکڑوں کو تمہارے گھوڑوں کے سموں کی پامالیاں اور تمہارے جنگی بوٹوں کی ٹھوکریں نصیب ہوئی ہیں۔

تلوار کی صداقت کسی عہد میں ضعیف نہیں ہوتی وہ ہاتھ نہایت مقدس ہیں جن میں صلح کا سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ لیکن زندہ وہی رہ سکتا ہے جس کی مٹھی میں خونچکاں تلوار کا قبضہ ہو۔

برطانوی دستور سے ہم مسلمانوں میں ایک باعث تبدیلی ہے اور [illegible] وہ ہیں خود [illegible] کے لیے دینی غیرت کا جوش [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] قبضہ میں [illegible] وسالت [illegible] اتر تے ہوئے احکام [illegible] جن کے قلوب [illegible] کی جگہ اصطلاح شیطان ہیں۔

[illegible] میں [illegible] ہوتی ہیں [illegible] کے لیے [illegible] اپنی [illegible] نہیں سکتے، وہ اہل ہیں۔ جو لوگ مقصد کے سفر میں [illegible] حق اور [illegible] سے گزرتے ہیں ان کے قدم کسی موڑ پر ڈگمگاتے نہیں [illegible] چہرے سے خوشبو اٹھتی [illegible] معین ہوتی ہے۔

میں علی گڑھ سے آ رہا تھا اور آگرہ کے حدود میں تھا۔ جمنا کو دیکھا تو یکایک رنگا رنگ خیالوں میں مستغرق ہو گیا۔ ایک تصور میں ڈوب گیا۔ جمنا میں اس وقت تنا پانی بھی نہ تھا جتنا ان پانچ سالوں میں مسلمانوں کا خون بہہ چکا ہے۔ جمنا اسی طرح بہہ رہی ہے جیسا کہ صدیوں سے بہتی آ رہی ہے لیکن سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ ذرا دیکھو کہ اسی فضا میں ایک بہترین آواز اور اس کی زبان موجود ہے۔ اس کے پاٹ میں عبرت کے ورق

کھڑے ہوئے ہیں گو ان کی زبان نہیں لیکن فصاحت کا مجسمہ ہے۔ پھر ان عمارتوں پر نگاہ ڈالو جو آگرہ اور اس کے نواح میں تمہاری فرمانروائی کی یادگار ہیں۔ ان کی آواز سنو تاریخ پکار رہی ہے۔ ان کے کھنڈر تمہاری گزشتہ عظمت کا ماتم کر رہے ہیں۔ ان کے چہروں کا رنگ وفورِ گریہ سے اُڑ چکا ہے۔ ادھر وہ شاہجہان کا مدفن ہے کیا اس سے بڑھ کر کوئی زبان ہو سکتی ہے جو تمہارے کانوں کو مخاطب کر سکتی ہو۔ آگرہ کا چپہ چپہ تاریخ کا امانت دار اور اس کا ذرہ ذرہ عظمتِ رفتہ پر اشکبار ہے۔ اب آواز موجود نہیں؟ افسوس کہ تم نے اپنے کان بند کر رکھے ہیں ورنہ دیکھتے [illegible] ہے۔ تمہاری نیندیں معلوم ہوتا ہے جیسے قیامت تک [illegible] ہوں گے اور قیامت کا صور پھونکے تک [illegible]۔

[illegible] ہے کہ پھول [illegible] صلح وصفائی کا ہاتھ انگریزوں کی طاقت بڑھا رہی ہیں۔

آسمان کی [illegible] بجلیاں [illegible] ایک ثانیہ کے لیے بھی میدان کو شکست نہیں دے سکتی ہیں۔ قدرت کا غضب [illegible] طاقت بخشتی ہے تو وہ بے پناہ ہو جاتا ہے۔

میری طرف نہ دیکھو اپنے گریبان کی طرف دیکھو۔ [illegible] ضرورت یہ نہیں [illegible] سلام [illegible] ابھی [illegible] کے صحرا میں دیوانگی عشق [illegible] ہے۔ اور وہ بیابان جہاں تم نے اپنے قدموں کی چاپ سے لالہ زار پیدا کئے تھے۔ تمہارے قدموں کے انتظار میں ہے۔ اب گریبان کے چاک اپنے تو رفتار اور کاروان استقامت کا پھریرا بناؤ منزل دوڑ کر تمہارے قدم لے گی۔

آج کرہ ارضی کی خشکی و تری حق و صداقت سے محروم ہو چکی ہے۔ اور خدا کی زمین پر اس کے مظلوم و درماندہ

بندوں کے لیے کوئی گوشۂ امن و عافیت باقی نہیں رہا۔ گویا زمین کی پچھلی تمام نامرادیاں لوٹ آئی ہیں اور تاریخ عالم کی ساری گزری ہوئی شقاوتیں ایک ایک کر کے پلٹ رہی ہیں۔ سرزمین اصحاب کہف کا جبر و طغیان، فراعنۂ مصر کا جبر و استبداد، نمارود کلدان کا غرور و تمرد، اصحاب مدین کا انکار، اعراض قوم عاد کا فسق و عدوان، یہ سب کچھ ایک ظرف و زمان جمع ہو گیا ہے۔ (علما سے خطاب)

دنیا میں علم و یقین صرف وحی الٰہی [illegible] سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے ماسوا جس قدر بھی ہے قرآن پکار پکار کے کہتا ہے ظن ہے، تخمین ہے، قیاس ہے، [illegible] ظلمت ہے [illegible] بالترتیب ہے۔

آج جب کہ [illegible] وقت [illegible] وقت [illegible] اس کے جو [illegible] قدم کے نیچے [illegible] جا رہی ہیں۔ وہ وقت کا [illegible] اس کی جنبش پر حرکت [illegible] ہو [illegible] دنیا [illegible] کا اعتماد [illegible] رفاقت کے [illegible] اس کا [illegible] صورت [illegible] اس کا قدم منتہائے نبوت پر [illegible] مستقل [illegible] کے [illegible] عہد و ایام کے [illegible] اس طرح [illegible] دنیا کی ساری [illegible] کے مقابلے اور [illegible] ساری [illegible] اللہ عزیز۔

میری طرف دیکھو، میں ایک ساز ہوں جو تمہیں موجود ہوں، جو ساٹھ سال سے صرف ایک ہی صدائے دعوت بلند کر رہا ہوں۔ ایک ہی بات کی طرف تڑپ تڑپ کر پکار رہا ہوں [illegible] ہے۔ تم نے ہمیشہ اعراض کیا، تم نے [illegible] ہی نہیں کیا بلکہ غفلت و سرشاری کی ساری غفلتیں تازہ کر دیں۔ افسوس تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو، تم میں کوئی نہیں جو میرا آشنا ہو۔ میں اپنے تئیں پاتا ہوں کہ اس پورے ملک میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں۔

دنیا کے تمام تغیرات و حوادث کی طرح جماعتوں کے احساس بھی ختم ہو جاتے یا جاری رہتے ہیں۔ بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ البتہ اُتار چڑھاؤ رہتا ہے۔ ہم غلطی سے اُتار کو خاتمہ اور چڑھاؤ کو پیدائش سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ کسی قومی جد و جہد کے وقفہ کو خاتمہ سمجھ لینا ایسی غلطی ہوگی جیسے سمندر کا اُتار دیکھ کر سمجھ لیں کہ وہ کل پھر نہیں چڑھے گا۔

جماعت یا تو دوڑتی ہے یا چھوڑ جاتی ہے [illegible] ہوتا ہے [illegible] رفتار سے چلتی رہے۔ جب بھی آزمائش و ابتلاء کے مواقع پیش آتے ہیں [illegible] کے لیے اپنا خون دینا پڑتا ہے [illegible] ہیں جلوق [illegible] حاصل [illegible] ہیں [illegible] عشق کی راہ میں کھوئی جائیں [illegible] افسوس تو ہو سکتا ہے، ہراس نہیں۔ کیونکہ ہراس یقین و آگہی کی موت ہے۔

[illegible] شکست [illegible] کے بارے میں بھی شک نہیں [illegible] پوری احتیاط کے ساتھ [illegible] اس تمام [illegible] فیصلہ [illegible] ترتیب دیتے ہیں [illegible] عزت [illegible] دیکھتے ہیں [illegible] سوچتے ہیں [illegible] کی حالات میرے سامنے [illegible] حالت کا جائزہ لیتا ہوں اپنے مشاہدے کو جھٹلا نہیں سکتا۔ میرے لیے ممکن نہیں کہ اپنے یقین سے لڑوں یا اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دوں۔ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمانوں کے لیے نجات وہی راہ عمل ہو سکتی ہے جس کی میں نے ۱۹۱۲ء کے الہلال میں انھیں دعوت دی تھی۔

میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں۔ میں تیار نہیں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تعلیم،

اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون، اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔ لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔ میں اس متحدہ قومیت کا ایک اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔

ہندوستان کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی ہے اور اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی ہے۔ انہی قافلوں میں ایک آخری قافلہ ہم پیروانِ اسلام کا بھی تھا۔ یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشانِ راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا اور ہمیشہ کے لیے بس گیا۔ یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا ملاپ تھا۔ یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے، لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے، دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا۔ ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا، اسی دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا۔ ہم اپنے ساتھ اپنا ذخیرہ لائے تھے اور یہ سرزمین بھی اپنے ذخیروں سے مالامال تھی۔ ہم نے اپنی دولت اس کے حوالے کر دی اور اس نے اپنے خزانوں کے دروازے ہم پر کھول دیے۔ ہم نے اسے اسلام کے ذخیرے کی سب سے زیادہ قیمتی چیز دے دی جس کی اسے سب سے زیادہ احتیاج تھی۔ ہم نے اسے جمہوریت اور انسانی مساوات کا پیغام پہنچا دیا۔ تاریخ کی پوری گیارہ صدیاں اس واقعہ پر گزر چکی ہیں۔

دوسری جنگِ عظیم اپنی ہولناک خونریزیوں سمیت یورپ کے میدانوں میں پھیل چکی ہے۔ ایک پردہ گرتا، دوسرا اٹھتا ہے۔ یقین کے ساتھ کہنا بڑا مشکل ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے کہ کل آج کا دن اور آج کی رات گزار کر آئے گا۔ حالت یہ ہے کہ ہفتوں میں صدیاں گزرتی چلی جا رہی ہیں۔ آنکھ کی ایک جھپکی ہیں

صورت حالات کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے تصور و گمان سے بعید ہے۔ خدا سے علیم و خبیر ہی جانتا ہے کہ آئندہ ساعت اپنے ساتھ کیا لا رہی ہے؟ بنیادیں اکھڑ اکھڑ کر پست ہو رہی ہیں اور پستیاں ابھر ابھر کر بلند ہو رہی ہیں۔ مسٹر چرچل انگلستان کا وزیر اعظم ہونے کے بجائے کیمبرج یا آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر ہوتا تو ہندوستان کے بارے میں اس کا فیصلہ مختلف ہوتا۔ وہ نسل انسانی کے ہزار تجربوں سے فائدہ اٹھاتا، ضد نہ کرتا، تجزیہ کرتا، لیکن اقتدار نے ان کے ذہن کو اس حد تک ماؤف کر دیا ہے کہ اس کا مزاج طاقت کا مزاج ہو گیا ہے اور طاقت ہمیشہ تاریخ سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کے فیصلوں پر بھروسہ کرتی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان [illegible] آزادی [illegible] خونریزی [illegible] فسادات [illegible] طوفان تھا کے زمانے [illegible] تھے [illegible] رخصت ہو گیا تو [illegible] لاکھوں [illegible] بستیاں [illegible] قتل کر دیئے گئے، بچوں کو مار دیا گیا [illegible] بربادی [illegible] زندگی کا دن آیا تو [illegible] مسلمانوں کی [illegible] مسلمانوں [illegible] بھی ان کی چہل پہل سے پُررونق تھے [illegible] جامع مسجد میں مسلمانوں کے ایک [illegible] اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ایک دل گداز تقریر کی۔ اس تقریر سے چند اقتباس حسب ذیل ہیں۔

"عزیزانِ ملت! ایک زمانہ ہے کہ اس لیل و نہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی ہیں، میں نے تمہیں یہیں سے خطاب کیا تھا، لیکن اس وقت تمہارے چہروں پر اضمحلال کی بجائے اطمینان تھا اور تمہارے دلوں میں شک کی بجائے اعتماد تھا۔ لیکن آج تمہارے چہروں کی پریشانی اور دلوں کی ویرانی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار سالہا سال پیچھے کی بھولی بسری کہانیاں یاد آ جاتی ہیں۔ میں نے تمہیں پکارا تو تم نے میری زبان قطع کر دی، میں نے قلم اٹھایا تو تم نے میرے ہاتھ قلم کر دیئے۔ میں نے چلنا چاہا تو تم نے میرے پاؤں توڑ ڈالے۔ میں نے کروٹ لینا چاہی

تم نے میری کمر توڑ دی، تم نے غفلت و انکار کی وہ ساری سنتیں تازہ کر دیں جو رویہ انحطاط قوموں کا مقدر ہوتی ہیں۔ نتیجہ معلوم کہ آج ان تمام خطروں نے تمہیں گھیر لیا ہے جن کا خوف تمہیں صراطِ مستقیم سے دُور لے گیا تھا۔

اب میں ایک جمود ہوں یا دُور افتادہ صدا، جس نے وطن ہی میں رہ کر غریب الوطنی کی زندگی گزاری ہے۔ میرے دامن کو تمہاری دست درازیوں سے گلہ ہے۔ وہ خوف جو تمہارے دلوں کو محیط ہے تم نے خود فراہم کیا ہے۔ یاد رکھو اس قسم کے خوف قوموں کی حیاتِ معنوی کے لیے وزنی موت ہوتے ہیں۔

جن سہاروں پر تمہارا بھروسہ تھا وہ تمہیں لاوارث سمجھ کر تقدیر کے حوالے کر گئے اور شاید اس لیے کہ تمہارے نزدیک فقدانِ ہمت کا نام تقدیر ہے۔ [illegible] تمہاری خواہش کے خلاف الٹ دی گئی اور رہنمائی کے وہ بت جو تم نے خود وضع کیے تھے [illegible] حواس کو بھی معطل کر جاتی ہوں [illegible] مجھے [illegible] وجود [illegible] ہوا تھا وہ ہوتا تھا۔ [illegible] کے مطابق ایجاد نہیں ہیں۔ لیکن وقت کے [illegible] ہوا وہ [illegible] آرزوؤں [illegible] کے سامنے سپر انداز ہو۔ میں نے تمہیں ہمیشہ بلایا اور آج پکار کر کہتا ہوں کہ تذبذب کا راستہ چھوڑ دو، شک سے ہاتھ اٹھا لو اور بدعملی ترک کر دو۔ وہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو۔ جس طرح کچھ دن پہلے تمہارا جوش و خروش بے جا تھا اسی طرح آج یہ خوف و ہراس بھی بے جا ہے۔ مسلمان اور بزدلی یا مسلمان اور اشتعال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ جو تمہیں چھوڑ کر چلے گئے، انہوں نے تمہیں فراموش ہونے ہی کے لیے چھوڑا تھا۔ اگر تمہارے دل ان کے ساتھ رخصت نہیں ہو گئے اور یہ سچ تمہارے پہلو میں ہیں تو ان کو اس خدا کی جلوہ گاہ بنا دو جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عرب کے ایک اُمّی کی معرفت فرمایا تھا

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

(جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جم گئے تو پھر ان کے لیے نہ کسی کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم)

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لیے تیار نہ تھے۔ میں نے پینتیس برس پہلے ۱۹۱۲ء میں یہ کہہ دیا تھا کہ ہندوستان کی آزادی رک نہیں سکتی۔ برطانوی اقتدار کو رخت سفر باندھنے کے لئے تیار ہونا ہوگا۔ تمہارے دماغوں میں غیر ملکی غلامی کے قائم رہنے سے متعلق کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔ مسلمانوں نے پس و پیش [illegible] ہندوستان [illegible] ظاہر [illegible] میں [illegible]۔ افسوس [illegible] دو [illegible] راہوں میں [illegible]۔

[illegible] تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا [illegible] ہیں۔ [illegible] آندھیاں آئیں تو ان سے کہہ دو [illegible] ہیں۔ اور خدا [illegible]۔

یہاں کسی منڈی سے نہیں ملتی [illegible] ہیں۔ نہیں ڈھونڈو [illegible] خالی تو نہیں ہو گئے [illegible] جہاں پناہ تھے لیکن آج جب نوروں کے ڈبوں سے پناہ مانگ رہے ہیں اور قبروں کے سینے ڈھونڈ رہے ہیں

مولانا آزاد کی تقاریر ۱۹۴۷ء–۱۹۵۵ء کا انگریزی مجموعہ پبلیکیشنز ڈویژن گورنمنٹ آف انڈیا کا شائع کردہ ہے۔ یہ ۲۳×۳۶/۸ سائز کے ۱۰۳ صفحات میں ۵۵ تقریریں ہیں۔ ان تقریروں میں آزادی

کے بعد وزیر تعلیم کی حیثیت سے موصوف نے بعض تحقیقی، علمی، اور تعلیمی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ بعض عنوانات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تعلیم اور قومی تعمیر
۲۔ تربیت اساتذہ
۳۔ تعلیم اور آزادی
۴۔ قومی تعلیم کا منصوبہ
۵۔ عمرانی تعلیم
۶۔ مختلف زبانوں میں ہندوستانی آرٹ
۷۔ ہندوستانی آرٹ اور کلچر
۸۔ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ
۹۔ تاریخ اور تعبیرات
۱۰۔ علی گڑھ اور ہندوستانی نیشنلزم
۱۱۔ ہندوستان اور یونیسکو
۱۲۔ ہندوستان اور ایشیا
۱۳۔ آرٹ اور تعلیم
۱۴۔ دنیا اور ہندوستان
۱۵۔ ادب اور قومیت
۱۶۔ یونیسکو اور بین الاقوامیت
۱۷۔ یونیسکو کا نصب العین
۱۸۔ مشرق و مغرب میں آزادی کا تصور
۱۹۔ عوام اور آرٹ
۲۰۔ رقص، ڈرامہ اور موسیقی کا رول
۲۱۔ فطرت اور انسان
۲۲۔ مشرق اور یونیسکو
۲۳۔ ادب اور زندگی
۲۴۔ نئے ارتقا کی ضرورت
۲۵۔ آثار قدیمہ
۲۶۔ جنگ آزادی کی تاریخ
۲۷۔ زبان کا مسئلہ
۲۸۔ مقصد اور وسیلہ
۲۹۔ مغربی تعلیم کے اثرات
۳۰۔ تعلیم اور مذہب

وزارت تعلیم کے باب میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے ہر تقریر جامع و مانع ہے۔ گو اردو کے اس سب سے بڑے خطیب کی شعلہ نوائیوں کا ان تقریروں سے اندازہ نہیں ہوتا، اور ہم ان کی زبان یا اس کے سحر اور فقروں کے جلال و جمال سے بہرہ اندوز نہیں ہوتے لیکن بہرحال ایک چیز ہر تقریر میں ابھری ہوئی نظر آتی ہے وہ ہے ان کے علم کی گہرائی اور نظر کی توانائی جس سے ان کے دماغ کی پہنائی کا اندازہ ہوتا ہے اور قارئین و سامعین ان کے خیالات کی پرواز سے متمتع ہوتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ ایک ایک جملے میں کیا کیا نہاں ہے۔

قبولِ عام کے لیے میں نے کبھی کسی کی پیروی نہیں کی۔

افراد کی حقیقت طرزِ عمل سے آشکار ہوتی ہے۔

اسلام حقِ مساوات تسلیم کرتا ہے لیکن مقدارِ مساوات تسلیم نہیں کرتا۔ انسان کو زندگی کی لوازم مہیا کرنا ریاست اور معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ جب آدمی پیدا ہوا تو اس کی زندگی سوسائٹی پر فرض ہو گئی۔ یہی اسلام کے معاشرے کی اصل ہے۔

سوشلزم جس قسم کی مساوات پیش کرتا ہے وہ بالکل غیر فطری ہے۔

مسلمانوں کا اسلام کے متعدد خصائص، فضائل اور فرائض سے محروم ہونا اس لیے ہے کہ انہوں نے اسلام کے احکام کی اجتماعیت کو ترک کر کے انفرادیت اختیار کر لی۔ مثلاً زکوٰۃ اجتماعی عمل تھا۔ مسلمانوں نے انفرادی فعل ٹھہرا لیا جو غلط ہے۔

جملہ نزاعات کا سرچشمہ انسان کا دماغ ہے۔

مولانا کی تقریریں جن لوگوں کے حافظے میں ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ہر تقریر میں کوئی اچھوتا خیال، کوئی اچھوتا جملہ، کوئی چھوٹی ترکیب اور کوئی چھوتا رنگ ضرور پیدا کرتے تھے۔ جو چیز ان کی زبان کا ایک بول ہوتی وہ دوسروں کے لیے معانی کا معجزہ ہوتا۔ کئی کئی دن تک لوگ جھومتے۔ ان کی بعض تقاریر کے چند جملے راقم کے ذہن میں آج تک محفوظ ہیں۔ مثلاً جنگ کے زمانے میں لاہور کے ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”جنگِ عظیم شروع ہو چکی ہے۔ آخر وہ کون سی عالمی جمہوریت ہے جس کے لیے برطانیہ لڑ رہا ہے۔ ہم سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتے اور استعمار کا ہاتھ بٹانے سے معذور ہیں۔ ہمارے سامنے اب ایک ہی کام ہے کہ برطانوی استبداد کے خلاف ملک میں قومی جدوجہد کا جو چراغ ٹمٹما رہا ہے اس کے لیے سب کے کونے کونے

سے ایندھن جمع کریں اور اس آگ کو بھڑکائیں جو اپنی غلامی کے خلاف سلگ رہی ہے۔

آخرت کا تصور ہی صحیح اخلاق پیدا کر سکتا ہے۔ فلسفہ یا سائنس دونوں انسان کی بے چینی کا سدِباب کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف مذہب ہی ایک ایسی طاقت ہے جو انسانیت کی دکھتی ہوئی پیٹھ کو سہارا دے سکتی ہے۔

میری صحت گرتی ہوئی دیوار ہے۔ میں نے اتنی دماغی بدپرہیزیاں کی ہیں کہ تندرستی کا تصور ہی عنقا ہو گیا ہے۔ میں زمانے سے مجبوراً رسے کا عادی نہیں۔ میری منزل اس سے بہت دور واقع ہوئی ہے۔ میرا معاملہ صائبؔ کے الفاظ میں اس قدر ہے ؎

طبعے بہم رساں کہ بسازی بعالمے
یا ہمتے کہ از سر عالم تواں گذشت

قومی بیداری عقل سے نہیں عشق سے پیدا ہوتی ہے۔ جس عقل سے عشق و پیار کا جذبہ پیدا ہو وہ کسی معرکے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ اس کا ہر قدم شکست کی علامت ہوتا ہے۔

جس قوم کی ذہنی نشوونما کی آب و ہوا سے تیار ہو گی اس میں ایک متمدن قوم کی آب و تاب کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔

عدالت کے کٹہرے میں

سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنا بہترین جہاد ہے جس سے مسلمانوں کی پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں پر گزری اس تاریخ کے اس دن سے پہلے اور بعد کسی دوسری قوم میں نصیب ہوئی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد تقریباً ۱۹۰۰ء تک جن علماء کو تختۂ دار پر کھینچا گیا ان میں بہت سے مستقل بھی مشہور ہیں۔ بعض عدالتوں نے ان کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دی، وہ لوگ جو دستاویز رکھے گئے اور موت کی سزا اس زمانہ کا قانون بن گیا تھا۔ علماء کے ادوار کے مقامات اور ان کی تعداد میں ہیں کہ ان کے نام ایسی یادگار ہیں کہ ہر قسم کے انسان شاذ ہی جنتی ہے۔

تحریک خلافت ۱۹۲۱ء نے سیاسی مقدمات کا رخ پھیر دیا۔ قومی آزادی کی جدوجہد کا پانسہ پلٹا اور ایک جماعتی تحریک عدم تعاون کے روپ میں شروع ہی سے جرأت و مردانگی کی ایک نئی تاریخ ابھری۔ آئرلینڈ، فرانس اور بعض دوسرے یورپی ملک سچائی کی ان مرحلوں سے گزر چکے تھے۔ ان کے بعض سپوتوں نے استبداد کو اس کے خنجر تلے للکارا۔ اور سچائی کا سرعام اعلان کیا۔ ان ملکوں کی عدالتوں نے انہیں کڑی سے کڑی سزائیں دیں اور وہ قید و بند کی ان سنگینیوں پر آمنا و صدقنا کہتے رہے۔

ہندوستان برطانوی سلطنت کی مفتوحہ ریاست ہوئی تو یہاں بھی عدالتی تاریخ کی سچائیاں اسی طرح پر آگئیں کہ زیادہ سے زیادہ جو سزا دی جا سکتی ہے بلا تامل دے دو میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم سنتے ہوئے جس قدر جنبش تمہارے دل میں پیدا ہوگی اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سن کر میرے دل کو نہ ہوگا۔

(بقیہ نوٹ)

مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ مسلمانوں کی تازہ وارد لیڈرشپ کے سرخیل تھے۔ ان تینوں نے ایک نئی انقلابی صحافت کا آغاز کیا تو سارے ملک کے سیاسی روزمرہ پر چھا گئے۔ یہ بات پہلے کہی جا چکی ہے کہ پہلے زمیندار تھا، پھر کامریڈ، اس کے بعد الہلال۔ اب تحریک لاتعاون شروع ہوئی تو پہلے مولانا ظفر علی خانؒ پکڑے گئے۔ پھر مولانا محمد علیؒ، پھر مولانا ابوالکلام آزادؒ۔

مولانا ظفر علی خان ۲۵ ستمبر ۱۹۲۰ء کو پکڑے گئے اور ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ء کو حضرو (پنجاب) میں ان کے مقدمے کی سماعت زیر دفعہ ۱۲۴ الف اور ۱۵۳ الف شروع ہوئی۔ استغاثہ نے چودہ گواہوں کا نام پیش کیا جن میں سے دو ہندو اور بارہ مسلمان تھے۔ ہندوؤں نے مولانا کے خلاف شہادت دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کا نام گرامی بھی استغاثہ کے گواہوں میں رکھ دیا۔ لیکن حضرت نے انکار فرمایا۔ باقی بارہ مسلمانوں نے ذلت کی شہادت دی۔ مولانا کا اعلانِ حق یہی تھا کہ حق کی متابعت میں استعماری سیاست کے مرید کچھ اور تبصرہ تھا۔ مسٹر ایمن ہل سپیشل مجسٹریٹ نے مولانا کو مجرم گردانتے ہوئے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ۱۲۴ الف میں پانچ سال اور ۱۵۳ الف میں دو سال قید کا حکم سنایا، البتہ دونوں سزائیں ایک ساتھ کر دیں۔ مولانا محمد علی کا مقدمہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۱ء کو شروع ہوا۔ انہیں اور ان کے بھائی مولانا شوکت علیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا نثار احمدؒ، پیر غلام مجددؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور سوامی شنکر آچاریہ کے ساتھ گرفتار کیا گیا اور ان سب کا مقدمہ مشترکہ طور پر سیشن جج کراچی نے سماعت کیا۔

مولانا محمد علی نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل بیان دیا اور کہا کہ ایک ہندوستانی، ایک انسان اور ایک مسلمان کی حیثیت میں برطانوی حکومت کا ساتھ دینا اور اس کی غلامی پر رضامند ہونا ضمیر کی موت اور ایمان کی جانکنی ہے۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بیان دیتے ہوئے کہا

"ہم برطانیہ کی رعایا کے طور پر رہنے کے لیے تیار نہیں بلکہ مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

مولانا شوکت علیؒ نے عدالت سے کہا۔

"اگر حکومت مسئلہ خلافت کے متعلق ہمیں مطمئن نہ کر سکی، پنجاب (جلیانوالہ باغ) کے بارے میں انصاف سے کام نہ لے گی اور کامل سوراج نہ دے گی تو میرا فرض ہے کہ بحیثیت

ہندوستانی مسلمان کے اس حکومت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی پوری کوشش کروں۔"

پیر غلام مجدّد نے اپنے بیان میں کہا کہ:

"میں نہ جیل سے ڈرتا ہوں نہ پھانسی سے۔ میں احکام قرآن کی متابعت میں ہر صعوبت برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ خواہ اس کی شکل کچھ ہی ہو۔"

مولانا نثار احمد نے عدالت سے کہا:

"ہمارے لیے قرآن و حدیث کے سوا کوئی چیز حجت نہیں ورنہ ہم [illegible] کے مقابلے میں کسی دوسرے قانون کی وفاداری و اطاعت سے رکتے ہیں۔"

سوامی شنکر آچاریہ نے کہا:

"میں نے قرآن [illegible] [illegible] جو کچھ میرے دوستوں نے کہا ہے مجھے ان سے کامل اتفاق ہے۔"

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا:

"مولانا محمد علی [illegible] میری قوم اور میرے مذہب کا حکم ہے [illegible] فرض ہے۔ اور میں نے [illegible] تقریریں کی وہ [illegible] سے [illegible] تھیں۔"

مولانا محمد علی کو دو سال قید بامشقت [illegible] ان کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اسی مدت کے لیے قید کیا لیکن سوامی شنکر آچاریہ بری کر دیئے گئے۔ سیشن جج کے ساتھ جن اسیسروں کا تقرر ہوا تھا ان کے سربراہ مسٹر [illegible] نے جیوری کی طرف سے کہا کہ [illegible] بے قصور ہیں وہ ان پر کوئی الزام ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ [illegible] کی رائے تھی کہ سوامی شنکر آچاریہ کے سوا باقی ملزم صرف دفعہ ۵۰۵ اور ۱۰۹ میں قصوروار ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کی صبح [illegible] زیر دفعہ ۱۲۴ الف گرفتار کیے گئے، چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں ۲۳ دسمبر کو سماعت شروع ہوئی۔ ۲۴ جنوری کو مولانا نے اپنا بیان داخل کیا اور آئندہ پیشی ۹ فروری ۱۹۲۲ء کو عدالت نے ایک سال قید بامشقت کا حکم سنایا، مولانا نے مسکرا کر کہا "یہ اس سے بہت کم ہے جس کا میں متوقع تھا۔"

مہاتما گاندھی مشترکہ ہندوستان کے قائد تھے۔ انہوں نے اس بیان پر کہا:

"مولانا آزاد کا عدالتی بیان، ایک عظیم بیان ہے اس میں بہت بڑی ادبی خوبصورتی ہے وہ نہایت وسیع اور روشنی کے ساتھ پُر جوش بھی ہے، غایت درجہ وجدان ہے اس کا لہجہ غیر متزلزل اور غیر مفاہمانہ ہے۔ لیکن سنجیدہ اور متین بھی ہے۔ پورا بیان گرانقدر ہی نہیں بہترین سیاسی تعلیم ہے اور محض عدالتی بیان ہی نہیں۔ قوم و ملک سے خطاب ہے۔"

(ملخص)

پورا متن حسب ذیل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد بڑے سے بڑا سیاسی معرکہ ہوا، لیکن کسی عدالت میں اتنا عظیم اور خوبصورت بیان کسی نے نہیں دیا جو

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

بیان

میرا ارادہ نہ تھا کہ کوئی تحریری یا زبانی بیان یہاں پیش کروں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمارے لیے نہ تو کوئی امید ہے نہ طلب ہے، نہ شکایت ہے۔ یہ ایک موڑ ہے جس سے گزرے بغیر ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے تھوڑی دیر کے لیے ناچار یہاں دم لینا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم سیدھے جیل چلے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دو سال کے اندر میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی کہ عدالتوں میں کسی طرح کا بھی حصہ عدالت کی کارروائی میں لیا جائے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی، مشرقی خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء نے بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کی واقفیت سے ہے تحریری بیان دیا جا سکتا ہے جو قومی مقصد پر روشنی ڈال سکے اور بالکل موقع دیتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس سے بیان دیتا ہے، گو بُرا نہیں، اگرچہ اس کا مقصد صرف کی واقفیت ہو، تاہم وہ اشتباہ سے محفوظ نہیں ہے، ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ہلکی سی خواہش اور حمایت حق کی ایک کمزوری توقع اس کے اندر کام کر رہی ہو اور نان کوآپریشن کی راہ بالکل قطعی اور یک سو ہے۔ وہ اس بارے میں شک و شبہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔

کامل مایوسی، اس لیے کامل تبدیلی کا عزم

نان کوآپریشن موجودہ حالت سے کامل مایوسی کا نتیجہ ہے۔ اور اسی مایوسی سے کامل تبدیلی کا عزم پیدا ہوا ہے۔ ایک شخص جب گورنمنٹ سے نان کوآپریشن کرتا ہے تو گویا اعلان کرتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے انصاف اور حق پسندی سے مایوس ہو چکا وہ اس کی غیر منصفانہ طاقت کے جواز سے منکر ہے اور

اس لیے تبدیلی کا خواہش مند ہے۔ پس جس چیز سے وہ اس درجہ مایوس ہو چکا کہ تبدیلی کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔ اس سے کیونکر امید کر سکتا ہے کہ ایک منصف اور قابل اعتماد طاقت کی طرح اس کے ساتھ انصاف کرے گی؟ اس اصولی حقیقت سے اگر قطع نظر کر لیا جائے۔ جب موجودہ حالت میں برات کی امید رکھنا ایک بے سود زحمت سے زیادہ نہیں ہے۔ گویا اپنی معلومات سے اطلاع ہو گا۔ گورنمنٹ نے [illegible] موجودہ [illegible] عدالتوں سے انصاف کی کوئی امید نہیں ہے [illegible] ایسے [illegible] جس کے ساتھ خود گورنمنٹ [illegible] کا مطالبہ [illegible] گورنمنٹ [illegible] نہیں ہے۔

عدالت گاہ، ناانصافی کا قدیم ترین ذریعہ ہے

[illegible] تمام عدالت کی [illegible]

[illegible] عدالت کا ہم [illegible] انصاف [illegible] وہ عدالی وحشی کا سب سے بہتر ذریعہ [illegible] اس سے بڑھ کر انتقام اور ناانصافی کا قانونی آلہ بھی نہیں۔ تاریخ کا [illegible] سب سے بڑی ناانصافیاں [illegible] جنگ کے بعد عدالت کے [illegible] ہی میں ہوئی ہیں۔ دنیا کے مقدس [illegible] سے [illegible] اس کے محققین اور ملتفتین [illegible] اور حق پسند [illegible] حقیقت [illegible] بہت سی باتیں مٹ سکیں، میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب دنیا میں دوسری صدی عیسوی کا خوفناک رومی عدالتیں اور زمنہ متوسط کا ڈل ایجزیا نی پر اسرار انکویزیشن" وجود نہیں رکھتی لیکن میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ جو جذبات ان عدالتوں میں کام کرتے تھے۔ ان سے بھی ہمارے زمانے کو نجات مل گئی ہے۔ وہ عمارتیں ضرور گرا دی گئیں۔ جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے۔ لیکن ان دلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خودغرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہیں؟

ایک عجیب مگر عظیم الشان جگہ

عدالت کی ناانصافیوں کی فہرست بڑی ہی طویل ہے۔ تاریخ آج تک اس کے ماتم سے فارغ نہ ہو سکی۔ ہم اس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کیے گئے، ہمیں اس میں سقراط نظر آتا ہے۔ جس کو صرف اس لیے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا۔ ہم کو اس میں فلورنس کے فدا کار حقیقت گلیلیو کا نام ملتا ہے، جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لیے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک ان کا ظاہر کرنا جرم تھا۔ میں نے حضرت مسیح کو انسان کہا کیونکہ میرے عقیدہ میں وہ ایک مقدس انسان تھے، جو نیکی اور محبت کا آسمانی پیام لے کر آئے تھے۔ لیکن کروڑوں انسانوں کے عقیدہ میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہ مجرموں کا کٹہرہ کیسی عجیب مگر عظیم الشان جگہ ہے جہاں سب سے اچھے اور سب سے بُرے دونوں طرح کے آدمی کھڑے کیے جاتے ہیں؟ اتنی بڑی ہستی کے لیے بھی یہ ناموزوں جگہ نہیں۔ [illegible] کسی جگہ کھڑے ہونے کی عزت [illegible] میرے [illegible] میں ڈوب جاتی ہے [illegible] کیا حال ہوتا ہے؟ میں مجرموں کے کٹہرے میں [illegible] کتابوں کے [illegible] اپنی خوب [illegible] میں وہ خوشی اور راحت [illegible] نصیب جس سے میرے دل کا [illegible] کاش خائن اور نفس پرست انسان [illegible] ایک جھلک بھی دیکھ پاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں یقین کرتا ہوں کہ لوگ اس جگہ کے لیے دعائیں مانگتے۔

میں بیان کیوں دیتا ہوں؟

بہرحال میرا ارادہ نہ تھا کہ میں بیان دوں۔ لیکن ۶ جنوری کو جب میرا مقدمہ پیش ہوا تو میں نے دیکھا گورنمنٹ مجھے سزا دلانے کے لیے نہایت عاجز اور پریشان ہو رہی ہے۔ حالانکہ میں یہ شخص ہوں جس کو اس کی خواہش اور خیال کے مطابق سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سزا ملنی چاہیے۔ پہلے میرے خلاف دفعہ ۱۰۸ الف ضابطہ فوجداری کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ لیکن جب اس کا ویسا ثبوت بھی بہم نہ ہو سکا جیسا آج کل اثبات جرم کے لیے کافی تصور کیا جاتا ہے تو مجبوراً وہ دفعہ واپس لے لی گئی۔ اب ۱۲۴ الف کا مقدمہ چلایا گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بھی مقصد برآری کے لیے کافی نہیں کیونکہ جو تقریریں ثبوت میں پیش

کی گئی ہیں وہ ان بہت سی باتوں سے بالکل خالی ہیں جو اپنی بے شمار تقریروں اور تحریروں میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں اور جو شاید گورنمنٹ کے لیے زیادہ کارآمد ہوتیں۔ یہ دیکھ کر میری رائے بدل گئی میں نے محسوس کیا کہ جو سبب بیان نہ دینے کا تھا وہی اب متقاضی ہے کہ خاموش نہ رہوں اور جس بات کو گورنمنٹ باوجود جاننے کے دکھلا نہیں سکتی۔ اسے خود کامل اقرار کے ساتھ اپنے قلم سے لکھ دوں۔ میں جانتا ہوں کہ قانون عدالت کی رو سے یہ میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ میری جانب سے پراسیکیوشن کے لیے یہی مجسٹریٹی مدد ہے کہ میں نے ڈیفنس نہیں کیا۔ میں حقیقت کا قانون ساز ہوں تو میں کی تمہید جرموں کا پابند نہیں ہے۔ یقیناً یہ سچائی کے خلاف ہوگا۔ ایک بات ندیف سی ہے پوشیدہ رہ جائے کہ عدالت اپنی عاجزی کی وجہ سے ثابت نہ کر سکا۔

اقرارِ جرم

ہندوستان کی موجودہ بیوروکریسی ایک ویسا ہی حاکمانہ اقتدار ہے جیسا کہ اقتدار ملک [illegible] قومی [illegible] سے [illegible] میں [illegible] کے طور پر یہ اقتدار قومی بیداری [illegible] جدوجہد [illegible] بیوروکریسی کا لازمی نتیجہ [illegible] اور کوئی وجود [illegible] پسند نہیں کر سکتا۔ گو [illegible] کتنا ہی [illegible] بیوروکریسی [illegible] ایک جنس ہوتی ہے جس میں دو قوتیں [illegible] اپنے فوائد کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ قومی بیداری [illegible] حاصل کرے تو بعض [illegible] اپنی [illegible] فریق [illegible] بھی قابل ملامت نہیں [illegible] یہ دوسری بات ہے کہ اس کا وجود انصاف کے خلاف واقع ہوا ہے۔ ہم طبیعت کی مقتضیات سے توانکار نہیں کر سکتے۔ [illegible] دنیا میں [illegible] زندہ رہنا چاہتی ہے۔ وہ خود کتنی ہی قابل ملامت ہو لیکن زندگی کی خواہش قابل ملامت نہیں ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اگر بیوروکریسی کے نزدیک آزادی اور حق طلبی کی جدوجہد جرم ہو، اور وہ ان لوگوں کو سخت سزاؤں کا مستحق خیال کرے جو انصاف کے نام سے اس کی غیر منصفانہ ہستی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس کا مجرم ہوں بلکہ ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس جرم کی اپنی قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے۔ میں مسلمانانِ ہند

میں پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۰۲ء میں اپنی قوم کو اس دھرم کی عام دعوت دی اور تین سال کے اندر اس غلامانہ روش سے ان کا رُخ پھیر دیا جس میں گورنمنٹ کے پُرپیچ فریب نے مبتلا کر رکھا تھا۔ بس اگر گورنمنٹ مجھے اپنے خیال میں مجرم سمجھتی ہے اور اس لیے سزا دلانا چاہتی ہے تو میں پوری صداقت دلی کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہے جس کے لیے مجھے شکایت ہو۔ میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ فرشتے کی طرح معصوم ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے۔ کیونکہ اس نے خطاؤں کے اقرار سے ہمیشہ انکار کیا۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے کبھی پیغمبری کا بھی دعویٰ نہیں کیا۔ پھر میں کیوں امید کروں کہ وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی۔ وہ تو وہی کرے گی جو کر رہی ہے اور جو ہمیشہ سے جدوجہد آزادی کے مقابلے میں کیا ہے۔ پس یہ ایک قدرتی معاملہ ہے جس میں دونوں فریق کے لیے شکوہ و شکایت کا کوئی موقع نہیں۔ دونوں کو اپنا اپنا کام کیے جانا چاہیے۔

گورنمنٹ بنگال اور میری گرفتاری

میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ جو پیش ہوا گورنمنٹ کے اندیشوں کا نتیجہ تھا۔ وہ کسی خاص معین الزام کی بنا پر نہیں بلکہ موجودہ تحریک عدم تعاون کی وجہ سے مجھے گرفتار کرنا ضروری سمجھتی تھی اور حیلہ تلاش کیا جا رہا تھا گرفتاری کے لیے کوئی حیلہ چاہیے تھا۔ [illegible] میں عام طور پر حیران کیا جاتا تھا کہ کیوں گورنمنٹ مجھے زیادہ مہلت دی گئی۔ مگر اب زیادہ عرصے تک خاموش نہیں رہ سکے گی۔ یہ واقعہ ہے کہ گورنمنٹ بنگال کے سامنے اس وقت میرا معاملہ تھا۔ وہ دفعہ ۱۲۴ الف کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ اس وقت عدالت میں جو تقریریں پیش کی گئی ہیں وہ مختلف سال پہلے کی ہیں اور گورنمنٹ نے مقدمہ کی اجازت ۲۲ دسمبر کو دی ہے۔ یعنی میری گرفتاری سے ۱۲ دن بعد۔ اگر یہ تقریریں سڈیشن تھیں تو کیوں مجھے چھ ماہ تک گرفتار نہیں کیا گیا۔ اور جب گرفتار کیا بھی تو گرفتاری کے بارہ دن بعد [illegible] ان دو تقریروں سے مدد حاصل کی گئی ہے۔ خصوصاً جب یہ واقعہ بھی پڑھا دیا جائے کہ ابتدا میں جو دفعہ لگائی گئی تھی وہ ۱۲۴ الف نہ تھی بلکہ ضابطہ فوجداری تھی۔ پچیس دن کے بعد مجھ سے کہا جاتا ہے کہ وہ واپس لے لی گئی ہے۔

گرفتاری کا اصلی باعث

حقیقت یہ ہے کہ میری گرفتاری میں اس دفعہ کو کوئی دخل نہیں۔ یہ قطعی ہے کہ مجھے انہی حالات کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا جو ۱۲ نومبر کے بعد

رونما ہوتے ہیں۔ اگر میں پہلی دسمبر کو کلکتے نہ آتا یا ۱۰ دسمبر سے پہلے باہر چلا جاتا جس کی جلسہ جمعیۃ العلمائے بدایوں
کی وجہ سے توقع تھی۔ تو گورنمنٹ بنگال مجھ سے کوئی تعرض نہ کرتی۔ ۱۲ نومبر کے بعد دنیا کی تمام چیزوں میں
سے جو چاہی جا سکتی ہیں وہ یہ چاہتی تھی کہ ۲۴ نومبر کو جب پرنس کلکتہ پہنچیں تو ہڑتال نہ ہو اور جو جابرانہ
بے وقوفی ترمیم ضابطہ فوجداری ۱۹۰۸ء کے نفاذ میں ہو گئی ہے۔ وہ ایک دن کے لیے ہی قبول کر
لی جائے وہ خیال کرتی تھی کہ میری اور مسٹر سی۔ آر۔ داس کی موجودگی اس میں حارج ہے۔ اس لیے کچھ
عرصے تک تذبذب [illegible] کے بعد [illegible] گرفتار کر لیے گئے۔ گرفتاری بلا وارنٹ کے ہوئی تھی لیکن
جب دوسرے دن ضابطہ کی خانہ پری کرنے کے لیے مجسٹریٹ جیل میں بھیجا گیا تو مسٹر داس کی طرح میری
گرفتاری کے لیے بھی [illegible] پیش کیا [illegible] گذشتہ دو سال سے [illegible] بہت کم کلکتے میں رہا
ہوں [illegible] میں صرف ہوا۔ یا ملک کے پیہم دوروں میں۔
[illegible] خدمت ملی سے کام
[illegible] کلکتے سے روانہ ہوں تاکہ جمعیۃ العلمائے
[illegible] کی شورش کا حال معلوم ہوا
اور [illegible] جنوری تک [illegible] دسمبر جمعیۃ علما بدایوں کا اسپیشل اجلاس
[illegible] تمام وقت [illegible] میں صرف
[illegible] کے تازہ [illegible] کیونکہ [illegible] اطلاع بمبئی میں ملی اور میرے
[illegible] سے مشورہ [illegible] بھی یہی
[illegible] مجھے [illegible] زیادہ خیال [illegible] بات کا کہیں
یہ نہ ہو [illegible] کا صبر و تحمل لوگوں کو بے قابو کر دے اور کوئی بات صبر و ضبط کے خلاف کر بیٹھیں بالخصوص
جب [illegible] کے قیام کی خبر [illegible] اس بارے میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی تھی یہ بھی
اسلحہ بندی کن شریفانہ اور پُرامن اغراض کے لیے وجود میں آئی ہے؟ میں پہلی دسمبر کو کلکتے پہنچا ہی تھا کہ
ظلم اور برداشت دونوں کے انتہائی مناظر اپنے سامنے پائے۔ میں نے دیکھا کہ ۱۷ نومبر کی یادگار ہڑتال سے
بے بس ہو کر گورنمنٹ اس آدمی کی طرح ہو گئی ہے جو جوش اور غصے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور
غیظ و غضب کی کوئی حرکت بھی اس سے بعید نہ ہو۔ ۱۹۰۸ء کے کریمنل لا امینڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت قومی

رضاکاروں کی تمام جماعتیں مجمع خلاف قانون "ان لافل" قرار دے دی گئی ہیں۔ پبلک اجتماعات یک قلم روک دیئے ہیں۔ قانون صرف پولیس کی مرضی کا نام ہے وہ "ان لافل" جماعت کی تفتیش و شبہ میں جو چاہے کر سکتی ہے حتیٰ کہ ان کے جیتوں کی جان و آبرو بھی محفوظ نہیں۔ گورنمنٹ نے پہلے ۱۸ نومبر کے کمیونک میں صرف سابق و موجودہ رضاکار جماعتوں کا ذکر کیا تھا۔ لیکن ۲۲ کو دوسرا کمیونک جاری کر کے تمام آئندہ جماعتیں بھی خلاف قانون قرار دے دیں۔ اور پولیس نے بلا امتیاز ہر شخص کو جو اس کے سامنے گیا گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات بھی جس سے ۲۲ کی ہڑتال رُکے وہ ممکن ہو، چھوڑی نہ گئی۔ پولیس سے بھی زیادہ شریف قوم [illegible] سول گارڈ کے لیے ناجائز نہیں، سول گارڈ یا قومی رضاکاروں کا جواب ہے۔ وہ بالکل ننگے سوٹے پر بھی جبر و تشدد سخت [illegible] ہڑتال روک دیں گے۔ اس کے مقابلے میں لوگوں [illegible] رہا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] میں لیے [illegible] بے نقاب دیکھیں۔ ایک یہ کہ حکومت کی تمام طاقت [illegible] دوسری یہ کہ [illegible] موجودہ حالت نے بتا دیا کہ ہماری آزادی کی مبادیات تک محفوظ نہیں ہیں [illegible] حقوق ہیں۔ ان کی پامالی مشہور [illegible] لیکن یہ پامالی بلا کسی جنگ کے [illegible] وقت تک کلکتہ ہی میں رہوں گا جب تک [illegible] گورنمنٹ اپنا کمیونک واپس لے لے یا مجھے گرفتار کرے۔ گورنمنٹ نے ۱۰ دسمبر کو مجھے گرفتار کر لیا میں پورے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جیل کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ میں اپنے پیچھے ایک [illegible] خوشی سے معمور ہے کہ کلکتہ اور بنگال نے میری توقعات پوری کر دیں۔ وہ پہلے جس قدر پیچھے تھا اتنا ہی آج سب سے آگے ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کامیابی کے لیے گورنمنٹ کی امداد کا ہمیں پوری طرح اعتراف کرنا چاہیے۔ اگر وہ ۱۸ نومبر کے بعد یہ طرز عمل اختیار نہ کرتی تو فی الواقع ہمارے لیے آئندہ کاموں کے [illegible] میں چند در چند مشکلات تھیں۔ ہم ۲۲ کو بمبئی میں انھی مشکلات پر غور کر رہے تھے۔

دو حقیقتیں

حقیقت یہ ہے کہ ان گذشتہ ایام نے بیک وقت دو نو حقیقتیں صفحاتِ تاریخ کے لیے مہیا کر دیں۔ اگر ایک طرف گورنمنٹ کے چہرے سے ادعا و نمائش کے تمام نقاب دُور ہو گئے تو دوسری طرف ملکی طاقت بھی ایک سخت آزمائش میں پڑ کر پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ دنیا نے دیکھ لیا اگر گورنمنٹ ہر طرح کے جبر و تشدد میں بالکل بے حجاب اور بے لگام ہے تو ملک میں بھی صبر و برداشت کی طاقت روز افزوں نشوونما پا رہی ہے۔ ہمیشہ انکار کیا گیا ہے آج بھی اس کا موقع حاصل ہے کہ انکار کر دیا جائے۔ لیکن کل تاریخ کے صفحے [illegible] عبرت انگیز داستان ہوگی۔ مستقبل کی رہنمائی کرے گی [illegible] مدافعت، مادی طاقت کے [illegible] کو شکست [illegible] اور یہ کیسے ہو سکتا ہے [illegible] اب میں نہیں جانتا کہ ان دونو فریقوں میں سے کس [illegible] صبر و عفو کی تعلیم [illegible] گورنمنٹ [illegible] ملک [illegible] کے نام سے [illegible]

گورنمنٹ کا فیصلہ اور شکست

[illegible] گورنمنٹ نے خیال کیا کہ وہ جبر و تشدد سے [illegible] خلافت [illegible] کر سکے گی [illegible] ۲۴ کی ہڑتال [illegible] اس نے والنٹیئر کور کو خلاف قانون قرار دیا [illegible] تمام کارکن گرفتار [illegible] والنٹیئرز کی ممانعت [illegible] کارکنوں کی گرفتاری کے بعد [illegible] خود بخود ہڑتال رک جائے گی لیکن بہت جلد گورنمنٹ کو معلوم ہو گیا [illegible] قومی بیداری کے مقابلے میں [illegible] ہو تو وہ کوئی مہلک چیز نہیں ہوتی [illegible] ہڑتال رک سکی [illegible] خلافت اور کانگریس کمیٹیاں [illegible] والنٹیئر [illegible] ایک دن کے لیے بھی بند ہوئی بلکہ ہماری غیر موجودگی میں [illegible] زیادہ قوی اور مستحکم ہو گئیں۔ میں نے ۱۰ دسمبر کو جو پیغام ملک کے نام لکھا تھا اس میں گورنمنٹ بنگال کے لیے بھی یہ پیغام تھا کہ میری اور مسٹر سی۔ آر۔ داس کی گرفتاری کے بعد کام زیادہ طاقت اور مستعدی کے ساتھ جاری رہے گا۔ اور ۲۴ کو ہڑتال اس سے زیادہ مکمل ہو گی جس قدر ہماری موجودگی میں ہو سکتی تھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گورنمنٹ خود اپنے پسند کیے ہوئے میدان میں ہار گئی۔ اب وہ اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور جن لوگوں کو گرفتار کر چکی ہے انہیں کسی نہ

کسی طرح مزا دلانا چاہتی ہے۔ لیکن کراچی شکست اس لیے فتح میں بدل سکی کہ وہ بہت زیادہ پھیلا گئے ہیں۔

دفعہ ۱۲۴ الف

نہ صرف میری گرفتاری غیر یقینی طور پر اچھی وقت کا نتیجہ ہے اور اسی لیے دو ہفتے تک میرے خلاف دفعہ ۱۲۴ الف ضابطہ فوجداری کا دعویٰ قائم رہا ہیں جب اس بارے میں کوئی سہارا نہ ملا تو میرے پولیس اور سلطان کی عدالت کی گئی۔ تاکہ مرکزی حکومت پر حاصل رہتے ہوئے مقدمہ قرار دیا جائے۔ جب وہاں سے بھی [illegible] مجبوراً [illegible] کے محفوظ [illegible] [illegible] مستقل رہا ہے [illegible] کوبھی معلوم نہیں [illegible]

اجتماع عندیان

[illegible] بنت کرخواسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے [illegible] [illegible] قادر ہے [illegible] نہیں ہوا [illegible] [illegible] ہے [illegible] سب سے [illegible] ہوا ہے۔ ابھی چند مہینے ہوئے میں کراچی [illegible] [illegible] [illegible] بیٹھ [illegible] پیش کی [illegible] سے ڈیفنس نہیں کیا جائے گا اور سخت سے سخت خط [illegible] میں بھی [illegible] شکست کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔

نئی قانونی تشریحات

[illegible] نہیں کی ہے۔ [illegible] مقدمات آج کل جس طرح چلائے جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم [illegible] جاتا ہے کہ لا اینڈ آرڈر کے معنی موجودہ [illegible] اصطلاحات میں [illegible] ہیں۔ لا اینڈ آرڈر کی طرح اب دعویٰ ثبوت، شہادت، تشخیص، ذی ذہنی، وغیرہ تمام عدلیہ کی مصطلحات کے معانی میں بھی انقلاب عظیم ہے۔ گویا قانون کی [illegible] کو جلد سزا دے دینے کے لیے ہر طرح کی

لیے قاعدگی اور قانون شکنی جائز ہے۔ حتیٰ کہ اس بات کی بھی تحقیق ضروری نہیں کہ جس انسان کے ملزم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، مجرم ہے کا مجرم ہونا اس کی ذات ہے بھی یا نہیں؟ ابھی ابھی بنگال کی عدالت سے ایک شخص حبیب الرحمٰن ہاشم ... پر زور قانون اور منطقی ثبوت پر چھ ماہ کی سزا دے دی گئی ہے۔ ... نامی ایک مخالفت و انتشار دنیا میں وجود رکھتا ہے ... دونوں کے نام میں لفظ ہاشم مشترک ہے۔ خود میرے مقدمے میں ... کا ذکر ... نہیں کر ... جانا ... [illegible]

[illegible]

... گرفتاری دونوں دن وقوع میں ... نہیں کرایا گیا ... شہادت ... [illegible]

... آدمی ... [illegible]

... دیا گئی ... [illegible]

قانون کا ڈرامہ

[illegible] ... تماشا کی طرح مضحک بھی ہے ... [illegible]

... جسٹس ہے۔

میری تقریریں

پراسیکیوشن کی جانب سے میری دو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں جو میں نے یکم اور پندرھویں جنوری کو مرزا پور پارک کے جلسے میں کی تھیں۔ اس زمانے میں گورنمنٹ بنگال نے گرفتاریوں کی حالت میلا نہ اٹھایا تھا۔ دو پہر ... خلافت پر مقدمہ چلا کر ایسی ولائی تھیں۔ میں اس وقت سفر سے ... واپس آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں میں ... جوش پھیلا ہوا ہے اور ہر طرح کے مظاہرے کے لیے لوگ بے قرار ہیں۔ چونکہ میرے خیال میں ... پر

مظاہرہ کرنا نان کوآپریشن کے اصول کے خلاف تھا۔ اس لیے میں نے ہڑتال اور جلوس یک قلم روک دیے۔ اس پر عوام کو تکلیف ہوئی تو میں نے یہ جلسے منعقد کیے۔ اور لوگوں کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہوئے سمجھایا کہ نان وائلنس اور نان کوآپریشن کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ گرفتاریوں پر صبر و سکون کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے اگر کوئی لوگ ان گرفتاریوں کا تمہارے دل میں درد ہے تو چاہیے کہ اصلی کام کرو، اور بیرونی کپڑا ترک کر کے دیسی کاڑھا پہن لو۔ استغاثہ نے جو نقل پیش کی ہے وہ نہایت ناقص، غلط اور مسخ شدہ صورت میں ہے۔ اور محض بے جوڑ ہیں بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ اس کے پڑھنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ تاہم میں اس سے [illegible] جملوں کو چھوڑ کر کیونکہ اس سے [illegible] گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار [illegible] ہے۔ [illegible] نقل شدہ تقریر [illegible] کرنا چاہتا ہے [illegible] الف سے ہے وہیں نے بھی دریافت نہیں [illegible] تو استغاثہ کے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ قابل اعتراض حسب ذیل ہیں۔

"یہی گورنمنٹ ظالم ہے جو [illegible] انصافی کر [illegible] نقصان کے آگے تعجب [illegible] جاتے ہیں:"

"اگر فی الحقیقت تمہارے دل میں [illegible] کا درد ہے تو تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آج سوچ لے کہ وہ اس بات کے لیے راضی ہے کہ جس جابرانہ قوت نے انہیں گرفتار کیا ہے وہ اس بڑا ظلم میں اسی طرح قائم ہے جس طرح ان کی گرفتاری کے وقت قائم تھی"

گرتم ملک کو آزاد کرنا چاہتے ہو تو [illegible] یہ ہے کہ [illegible] جالاک دشمنوں کے پاس خونریزی کا بے شمار سامان موجود ہے انہیں کبھی ذرا بھی اس کے استعمال کا موقع نہ دو۔ اور کامل امن و برداشت کے ساتھ کام کرو۔" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقریروں میں کوئی ایسی بات کہی جاتی ہے تو اس سے مقرر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چپکے چپکے سامان کرے ورنہ اس کی دلی خواہش یہ نہیں ہوتی۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ آج تمہارے سے [illegible] تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ جاننے کے لیے تیار نہ ہوگا کہ

وہ جیل جانے سے یا نظر بند ہونے سے ڈرتے ہیں [illegible]، اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ امن و سکون کے ساتھ کام کرنا چاہیے تو ان کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس ظالمانہ گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری کرنی چاہتے ہیں۔ جو گورنمنٹ اور اس کی طاقت کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ اور [illegible] تخت آج دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے یقیناً وہ اس گورنمنٹ کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد میں نے کہا ہوا مطالبہ ہیں نہیں ہے" وہ تو صرف اس لیے یہ کہتے ہیں کہ خود تمہاری کامیابی امن رہنے پر موقوف ہے۔ تمہارے پاس وہ شیطانی ہتھیار نہیں ہیں جن سے یہ گورنمنٹ مسلح ہے [illegible] تمہارے پاس [illegible] ہے۔ [illegible] طاقت ہے [illegible] انہی [illegible] سے [illegible] میں [illegible] تیار ہوں سے [illegible] کرسکتے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] گڑھی آجائے تو پھر یاد رکھو گورنمنٹ [illegible] بائیس کروڑ انسان ہاتھ [illegible] ہیں"

جو الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں [illegible] عبارت کے معنی [illegible] ہوتے ہیں [illegible]

[illegible] تیار ہوں [illegible] بات صاف اور [illegible] لوگوں کو [illegible] ہے کہ جو گورنمنٹ [illegible] اور اس [illegible] فعل ہے اس سے ناانصافی کی کوئی بات بھی بعید نہیں۔

اقرار

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ صرف انہیں دو موقعوں پر بلکہ گزشتہ دو سال کے اندر اپنی بے شمار تقریروں میں یہ اور اسی مطلب کے لیے اس سے زیادہ واضح اور قطعی جملے کہے ہیں یہ بات میرے اعتقاد میں میرا فرض ہے۔ میں فرض کی تعمیل سے اس لیے باز نہیں رہ سکتا کہ وہ ۱۲۴ [illegible] کا جرم قرار دیا جائے گا میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور جب تک بول سکتا

ہوں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر میں جانتا ہوں تو پہلے آپ کو خدا [illegible] اس کے بعد [illegible] کے بادشاہ کا مرتبہ سمجھوں۔

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے

عقیدہ میں نے لکھا ہے موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے لیکن اگر میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ میں نہیں جانتا کیوں مجھ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ایک چیز کو اس کے اصلی نام سے پکاروں نہیں سادہ و سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔ میں ہرگز [illegible] بھی ہے یہی مخصوص وقت [illegible] نہیں [illegible] گورنمنٹ حق تلفی اور ناانصافی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

یہ اعتقاد کیوں ہے

[illegible] اس کے وجوہ [illegible] جا سکتا ہے [illegible] واضح و محسوس [illegible] [illegible] [illegible]

شخصی اقتدار بالذات ظلم ہے

اعتقاد [illegible] حق ہے [illegible] حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے لیے کیسے ہی خوشنما نام کیوں نہ رکھ لیے جائیں، لیکن وہ غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے۔ پس میں موجودہ حکومت کو جائز حکومت تسلیم نہیں کرتا اور اپنا ملکی، مذہبی اور انسانی فرض سمجھتا ہوں کہ اس کی محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔ اصلاحات اور بتدریج ترجیح اختیارات کا مشہور مغالطہ میرے اس صاف اور قطعی اعتقاد

میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کر سکتا۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اور کسی انسان کو اختیار نہیں کہ حقوق کی ادائیگی میں حد بندی اور تقسیم کرے۔ یہ بتانا کہ کسی قوم کو اس کی آزادی بتدریج ملنی چاہیے بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مالک کو اس کی جائیداد اور قرضدار کو اس کا قرضہ بتدریج ادا کرتے رہنا چاہیے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مقروض سے ایک ہی دفعہ قرض واپس مل سکے تو قرض دار کو یہی کرنا پڑتا ہے کہ قسط کی صورت میں وصول کرے۔ لیکن یہ بات مجبوری کی [illegible] ہو سکا۔

[illegible] ہیں کہ [illegible]

[illegible] آزاد نہیں ہو جائیں گے [illegible]

[illegible] اپنے ملک [illegible] کو جائز یقین کرتا ہوں [illegible] تمام [illegible] میرے اعتقاد میں [illegible]

اگر ایک شخص [illegible] قیام کے [illegible]

[illegible]

نہیں [illegible] حالت میں بھی [illegible]

یہودی [illegible] جب اس کی غلطی [illegible] بے شمار قتل [illegible]

اتنا مسلمان ہوں اور بحیثیت مسلمان ہونے کے بھی میرا ایسا ہی فرض ہے۔

اسلام اور یہود و کلیسی [illegible] جو شخص یہود یا [illegible] کی

بیوروکریسی ہو۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو بنی نوع انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لیے آیا تھا۔ یہ آزادی، بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سماجی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق "طاقت و قبضہ" ہے لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں ہے، بلکہ خود حق ہے اور خدا کے سوا کسی انسان کو یہ روا نہیں کہ بندگانِ خدا کو اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ اس نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی اور نسلی بت یک قلم مٹا دیئے اور دنیا کو بتا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت، رنگ معیارِ فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف عمل ہے اور سب سے بڑا وہ ہے جس کے کام اچھے ہوں۔ یہ [illegible] ان حقوق [illegible]

اسلام ایک جمہوری نظام ہے

انسانی حقوق کا [illegible] اعلان ہے جو [illegible] سے کیا [illegible] برس پہلے [illegible] مشہور [illegible] پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی اور [illegible] سے نیابت اور انتخاب سے اس کی بنیاد ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ اسلام کی [illegible] جامع اور [illegible] کے لیے موجود ہیں شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام [illegible] ایک [illegible] جمہوریہ پریذیڈنٹ آف ری پبلک [illegible] لیکن [illegible] "خلیفہ" کا لقب تجویز کیا جس کے لغوی معنی نیابت کے ہیں، گویا اس کا [illegible] محض نیابت ہے۔ اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا [illegible] قرآن نے نظام حکومت کے لیے [illegible] ہے۔ وامرہم شوریٰ بینہم، چنانچہ پوری سورت ہی اس نام سے قرآن میں موجود ہے۔ شوریٰ کے معنی باہم مشورہ کے ہیں۔ یعنی جو کام کیا جائے جماعت کی باہم رائے مشورے سے کیا جائے۔ [illegible] اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔

قومی اور مسلم بیوروکریسی بھی ظلم ہے

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو، تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے؟ اگر آج ہندوستان

میں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہوجائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو، یا چند حاکموں کی مرضی ہو تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس وقت بھی میرا فرض یہی ہوگا کہ اس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔ اسلام کے علمائے حق نے ہمیشہ جابر بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی اعلان و مطالبہ کیا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے پُرشوکت افسانوں نے مسلمان حکمرانوں کو گمراہ کر دیا۔ اسلامی خلیفہ کی جگہ جو بے انتہا سادگی سے پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا، انہوں نے قیصر و کسریٰ بننے کو ترجیح دی۔ تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے جنہوں نے علانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو، اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی نہ جھیل لیا ہو جو اس راہ میں پیش آئی ہیں۔

مسلمانوں کا قومی وظیفہ

جب مسلمان سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے، تو یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دستبردار ہو جائے۔ اگر تم کسی آدمی سے یہ مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ بھی نہیں رکھ سکتے کہ وہ ظلم کو ظلم نہ کہے، کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ یہ تو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہے جس کے الگ کر دینے کے بعد اس کا سب سے بڑا مابہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں۔ ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کرے۔ ٹھیک اسی طرح ہر مسلمان کا بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا اسے علم و یقین دیا گیا ہے ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے اور اس فرض کی راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے۔ بالخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جبر کا دور دورہ ہو جائے اور جبر و تشدد کے ذریعے اعلانِ حق کو روکا جائے تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چپ ہو جانا گوارا کر لیا جائے، اور "گواہی" کو اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ ایسا کہنے سے انسانی جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لیے خطرے میں پڑ جائیں اور حق کے ابھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ حقیقت کا قانون نہ تو طاقت کی تصدیق کا محتاج ہے، نہ اس کے لیے بدلا جا سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گزرتی ہے؟ وہ تو حقیقت ہے اور اس وقت بھی حقیقت ہے جب اس کے اظہار سے ہمارا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے

صرف اس لیے کہ ہمیں قید کر دیا جائے گا۔ آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا ہو سکتی۔

شہادت علی الناس

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی کتاب شریعت (قرآن) میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ خدا کی زمین میں "شاہد" ہیں۔ یعنی سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔ یہ حیثیت ایک قوم کے یہی ان کا قومی وظیفہ، نیشنل ڈیوٹی، ہے اور یہی ان کی قومی خصلت ہے (نیشنل کیرکٹر) ہے جو ان کو تمام پچھلی اور آئندہ قوموں میں ممتاز کرتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر اسلام نے فرمایا "انتم شہداء [illegible]" (بخاری، ترمذی) [illegible] کی وجہ سے سچائی کے گواہ ہیں [illegible] مسلمان جب تک مسلمان ہے [illegible] گواہی کے اعلان سے باز نہیں [illegible]۔

کتمان شہادت

[illegible] قرآن کی اصطلاح میں کتمان شہادت ہے یعنی گواہی کو چھپانا [illegible]

اسی کتمان شہادت کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی قومیں [illegible]

[illegible]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

[illegible] اور یہی امر بالمعروف [illegible] قرآن [illegible] نے عقیدہ و عمل کے [illegible] ان میں سے [illegible] قرآن نے بتلایا ہے کہ مسلمانوں کی تمام قومی بڑائی کی بنیاد اسی کام پر ہے وہ سب سے بڑی [illegible] قوم اس لیے ہیں [illegible] نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور وہ ایسا کرتے ہیں تو [illegible] قرآن نے سچے مسلمانوں کی پہچان یہ بتلائی ہے۔

"وہ حق کے اعلان میں کسی سے نہیں ڈرتے، نہ دنیا کی کوئی چیز ان پر غالب آسکتی ہے، نہ کوئی خوف۔ وہ طمع بھی کرتے ہیں تو صرف خدا سے اور ڈرتے بھی ہیں تو صرف خدا سے۔"

پیغمبر اسلام کے بے شمار اقوال میں سے جو اس بارے میں ہیں، ایک قول یہ ہے۔ نیکی کا حکم کرو، برائی کو روکو، اگر ایسا نہ کرو گے تو ایسا ہوگا کہ نہایت برے لوگ تم پر حاکم ہو جائیں گے اور خدا کا عذاب تمہیں

گھیرے گا۔ تم دعا بھی مانگو گے کہ یہ عذاب ٹل جائے مگر قبول نہ ہو گی۔ [illegible] لیکن
یہ فرض کیونکر انجام دیا جائے، تو معلوم ہے کہ اس کے تین مختلف طریقے ہیں اس کے تین مختلف درجے بتلائے ہیں چنانچہ
پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص برائی کی بات دیکھے تو چاہیے اپنے ہاتھ سے درست کر دے۔
اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اعلان کرے اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو اپنے دل میں اس کو برا
سمجھے۔ لیکن یہ آخری درجہ ایمان کی بہت ہی کمزوری کا درجہ ہے۔ (مسلم) ہندوستان میں جہاں یہ استطاعت
نہیں ہے کہ پہلے ہاتھ سے [illegible] گورنمنٹ کی رعایا ہونے [illegible] دوسرا درجہ [illegible]
مطلق حاصل ہے یعنی زبان سے اس کا اعلان کر سکتے ہیں۔

ارکان اربعہ | قرآن نے مسلمانوں کی [illegible] انسانی ترقی اور کامیابی اصلی [illegible]

تواصی بالصبر، تواصی بالحق کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسلامی توحید اور امر بالمعروف

شرک سے بیزاری اور نفرت ہر مسلمان کی فطرت میں

[illegible] توحید سے مقصود [illegible] ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

خدا کی عظمت و جبروت ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس سے ڈرنا چاہیے۔ یا جس کے آگے [illegible] وہ
یقین رکھتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے ڈرنا خدا کے ساتھ اس کو شریک کرنا اور اپنے دل سے
خوف و اطاعت کا حقدار ماننا ہے یہ بات توحید کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اسلام تمام تر بے خوفی
اور قربانی کی دعوت ہے۔ قرآن جا بجا کہتا ہے مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے ہر حال میں

سچی بات کہے۔" (دوام بخش الاالله) پیغمبر اسلام نے فرمایا: "سب سے بہتر موت اس آدمی کی موت ہے جو کسی ظالم حکومت کے سامنے حق کا اظہار کرتے اور اس کی پاداش میں قتل کیا جائے۔" (ابوداؤد) وہ جب کسی آدمی سے اسلام کا عہد و قرار لیتے تھے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا "میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں۔" (بخاری و مسلم) اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں حق گوئی اور حق گوئی کے لیے قربانی کی ایسی مثالیں نہیں مل سکتیں، جن سے تاریخ اسلام کا باب معمور ہے۔ اسلام کے عالموں، پیشواؤں، بزرگوں، مصنفوں کے سوانح [illegible] تمام تر اسی قربانی کی سرگذشت ہیں۔ جن مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ موت قبول کریں مگر حق گوئی سے باز نہ آئیں ان کے لیے دفعہ ۱۲۴ الف کا مقدمہ یقیناً [illegible] ساری سزا سات برس کی قید ہے۔

اسلام میں کوئی دفعہ ۱۲۴ نہیں

تاریخ اسلام کے دو دور ہیں۔ پہلا دور پیغمبر اسلام [illegible] اور ان کے چار جانشینوں کا ہے۔ یہ دور خالص اور کامل طور پر اسلامی نظام کا تھا یعنی اسلامی جمہوریت (ری پبلک) اپنی اصلی صورت میں قائم تھی۔ ایرانی شہنشاہی [illegible] اور رومن [illegible] کا کوئی اثر ابھی اسلامی نشاۃ [illegible] پر نہیں پڑا تھا۔ اسلامی جمہوریت کا خلیفہ خود بھی طبقہ عوام [illegible] ڈیموکریٹ کا ایک فرد ہوتا تھا۔ وہ ایک فرد قوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ دارالخلافت کے ایک فرش پوش حجرہ میں رہتا [illegible] پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا۔ اسلام کے دار الخلافت میں امریکن ری پبلک کا کوئی قصر سفید (وائٹ ہاؤس) نہ تھا۔ دوسرا دور شخصی حکمرانی اور شہنشاہی کا ہے جو خاندان بنو امیہ سے شروع ہوا۔ اس دور میں اسلامی جمہوریت درہم برہم ہو گئی، قوم کے انتخاب کی جگہ طاقت و تسلط کا دور شروع ہو گیا شاہی خاندان سے طبقہ امراء ارسٹوکریٹ کی بنیاد پڑی، اور اسلام کے گلیم پوش خلیفہ کی جگہ شہنشاہیت کا تاج و تخت نمودار ہو گیا تاہم مسلمانوں کی زبانیں جس طرح پہلے دور کی آزادی میں بے باک تھیں اس طرح دوسرے دور کے جبر و استبداد میں بھی بے خوف رہیں۔ میں جتلانا چاہتا ہوں کہ تعزیرات ہند کی طرح اسلامی قانون میں کوئی دفعہ ۱۲۴ الف نہیں ہے۔ پہلے دور کے مسلمانوں کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دارالخلافت کی ایک بڑھیا عورت خلیفہ وقت سے برسر عام کہہ سکتی تھی اگر تم انصاف نہ کرو گے تو تکلے کی طرح تمہارے بل نکال دیں گے۔ لیکن وہ مقدمہ بغاوت

چلانے کی بجائے خدا کا شکر کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز رعایا موجود ہیں۔ عین جمعہ کے مجمع میں جب خلیفہ منبر پر خطبے کے لیے کھڑا ہوتا اور کہتا "اسمعوا واطیعوا" سنو اور اطاعت کرو تو ایک شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا "نہ تو سنیں گے نہ اطاعت کریں گے کیوں؟" اس لیے کہ تمہارے جسم پر جو چغہ ہے وہ تمہارے حصے کے کپڑے سے زیادہ کا بنا ہوا ہے اور یہ خیانت ہے۔" پس پر خلیفہ اپنے لڑکے سے گواہی دلاتا، وہ اعلان کرتا کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا بھی اپنے باپ کو دے دیا تھا، اس سے چغہ تیار ہوا۔ قوم کا یہ طرز عمل اس خلیفہ کے ساتھ تھا جس کی صولت و سطوت نے مصر و ایران کا تخت الٹ دیا تھا۔ تاہم اسلامی حکومت میں کوئی دفعہ ۲۴۴ [illegible] نہ تھی۔ دوسرا دور شخصی حکومت و استبداد کا دور تھا جس کی پہلی تمہید [illegible] سے [illegible] ترقی کی طرح سرگرم رہی [illegible] بغیر سلام کے ساتھی [illegible] مطالبہ کرتے رہتے۔ حکومت قوم کے مشورے اور انتخاب سے ہونی چاہیے۔ جو لوگ ان کے تربیت یافتہ تھے [illegible] امام محمد غزالی نے احیاء کو یورپ کے مورخین فلسفہ [illegible] کے مادی [illegible] کے دو [illegible] باب [illegible] صرف ان صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے زمانے تک موجود تھے اور جنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا اعلان کر کے [illegible] اور [illegible] کا مطالبہ کیا ہے ان کی تعداد ۲۳ سے بھی زیادہ ہے۔ ہشام بن عبد الملک نے طاؤس یمانی کو بلوایا وہ آئے مگر اس طرح سے کہ سلام کیا "امیر المومنین" یعنی قوم کا سردار نہ کہا جو مسلمان خلفا کا لقب تھا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو کہا قوم تیری حکومت سے راضی نہیں اس لیے تجھے ان کا امیر کہنا جھوٹ ہے۔ ہشام نے کہا "نصیحت کیجئے" فرمایا خدا سے ڈر کیونکہ تیرے ظلم سے زمین بھر گئی ہے۔" مالک بن دینار بصرے کی جامع مسجد میں اعلان کرتے "ان ظالم بادشاہوں کو خدا نے اپنے بندوں کا چرواہا بنایا تھا کہ ان کی رکھوالی کریں، پر انہوں نے بکریوں کا گوشت کھا لیا، بالوں کا کپڑا بن کر پہن لیا اور صرف ہڈیاں چھوڑ دیں" سلیمان بن عبد الملک جیسے ہیبت ناک خلیفہ سے ابو حازم کہتے "ان آباءک قهروا الناس بالسيف، واخذوا الملك عنوة من غير مشورة من المسلمين ولا رضا منهم" تیرے باپ دادوں نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مقہور کیا

اور بلا قوم کی رائے اور انتخاب کے مالک بن بیٹھے۔ سلیمان نے کہا "اب بتایئے کیا ہے؟" جواب دیا
"جن کا حق ہے انہیں لوٹا دے اور میرے لیے دعا کیجئے۔ فرمایا "خدایا اگر سلیمان حق پر ہے تو اسے
مہلت دے۔ لیکن اگر ظلم سے باز نہ آئے تو پھر تو ہے اور اس کی گردن" — سعید بن مسیب بہت بڑے
تابعی تھے۔ وہ علانیہ برسر بازار حکام کے ظلم و جور کا اعلان کرتے اور کہتے کہ کتوں کا پیٹ بھرتے ہو اور انسانوں
کو تم سے اماں نہیں"۔ اس عہد کے بعد بھی مسلمان عالموں اور پیشواؤں کی حق گوئی کا یہی عالم رہا۔ منصور عباسی
کے خوف و ہیبت سے [illegible]

[illegible]

[illegible] مسلمان عالموں اور [illegible] موقوف نہیں۔ اس عہد کا عام
فرد بھی اس حال میں بالکل بے خوف تھا۔ منصور عباسی ایک دن کعبے کا طواف کر رہا تھا۔ آواز آئی کوئی شخص
دعا مانگ رہا ہے "خدایا میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں۔ ظلم غالب آگیا ہے اور حق اور حقداروں کے درمیان
روک بن گیا ہے"۔ منصور نے اس شخص کو بلا کر پوچھا "وہ کون ہے جس کا ظلم روک بن گیا ہے؟" جواب ملا "تیرا وجود
اور تیری حکومت۔"

حجاج بن یوسف کا ظلم و ستم تاریخ اسلام کا نہایت مشہور واقعہ ہے لیکن اس کی بے پناہ تلوار بھی مسلمانوں کی حق گوئی پر غالب نہ آسکی۔ حطیط جب گرفتار ہو کر آیا تو پوچھا "اب میرے بارے میں کیا کہتے ہو"۔ اس نے کہا "تو خدا کی زمین پر سب سے بڑا دشمن ہے"۔ پوچھا "خلیفہ کے لیے کیا کہتے ہو؟" کہا "اس کا جرم تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ تیرا ظلم تو اس کے بے شمار ظلموں میں سے ایک ظلم ہے"۔ مامون الرشید کے عہد میں ایسے مسلمان موجود تھے جو پکار پکار کر بر سر دربار کہتے:

"یا ظالم! انا ظالم ان لم اقل لک یا ظالم!"

"اے ظالم! میں ظالم ہوں اگر تجھے ظالم کہہ کر نہ پکاروں۔"

فتنۂ تاتار اور فتنۂ یورپ

یہ تو [illegible] مسلمانوں کے لیے موجودہ [illegible] فتنہ کوئی پہلا فتنہ نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے [illegible] [illegible] ہوتا ہے [illegible] [illegible] عثمانی خلافت [illegible] بغداد کا قتل عام تھا [illegible] جیسے مسلمانوں کے [illegible] شیخ سعدی شیرازی سے زیادہ [illegible] [illegible] شیخ الاسلام [illegible] تیمیہؒ نے اباقاآن پر سر دربار عنت [illegible] بے دریغ قتل کر دینے کا قانون [illegible] چنگیزخانی" [illegible] میں کوئی دفعہ ۱۲۴ - الف نہ تھی۔

حجاج اور ریڈنگ

ہم مسلمانوں کا جب اپنی قومی گورنمنٹوں کے ساتھ جن کی اطاعت ازروئے شرع واجب تھی ایسا سلوک رہا ہے۔ تو پھر ایک اجنبی گورنمنٹ کے کارندے ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ کیا ہندوستان کی "ازروئے قانون قائم شدہ" گورنمنٹ ہمارے پچھلے گورنمنٹ سے بھی زیادہ محترم ہے جو ازروئے شریعت "اسلام" واجب الاطاعت ہے [illegible]

لارڈ ریڈنگ کی نیابت عبد الملک کی خلافت اور حجاج بن یوسف کی نیابت سے بھی ہمارے لیے زیادہ مقتدر ہو سکتی ہے؟ اگر ہم "اجنبی و غیر مسلم" اور "قومی و مسلم" کا عظیم الشان اور شرعی فرق بالکل نظر انداز کر دیں، جب بھی ہم سے صرف یہی امید کی جا سکتی ہے کہ جو کچھ حجاج بن یوسف اور خالد قسری کی گورنمنٹوں کے لیے کہہ چکے ہیں، وہی "چیمسفورڈ" اور "ریڈنگ" کی گورنمنٹوں کے لیے بھی کہیں۔ ہم نے ان سے کہا تھا۔
اتق الله فقد ملأت الارض ظلما وجورا۔ "خدا سے ڈرو کیونکہ تمہارے ظلم سے زمین بھر گئی ہے"، یہی ہم آج بھی کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے آج ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دراصل قومی حکمرانوں کے ظلم و جور سے پہلے ہمیں مبتلا کیا گیا تھا یہ ایک اجنبی قبضہ و تصرف کے مقابلے میں اگر برٹش گورنمنٹ کے ارکان اس حقیقت کو سمجھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کے تحمل اور درگزر کی حد ہو گئی ہے۔ اس سے زیادہ وہ اسلام پر بڑھا نہیں سکتے ہیں چھوڑ سکتے۔ اسلام نے ظالموں کے ظلم کے مقابلے میں دو طرح کے طرز عمل کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ حالتیں بھی دو مختلف ہیں۔ ایک ظلم اجنبی قبضہ و تسلط کا ہے، ایک خود مسلمان حکمرانوں کا ہے۔ پہلے کے لیے اسلام کا حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ کیا جائے۔ دوسرے کے لیے حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ نہ کیا جائے لیکن "امر بالمعروف" و اعلان حق جس قدر بھی ممکن ہو ہر مسلمان کرتا رہے۔ پہلی صورت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا، دوسری صورت میں ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اور مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی۔ مسلمانوں کو دونوں حالتوں میں دونوں طرح قربانیاں کرنی چاہئیں۔ اور دونوں کا نتیجہ کامیابی و فتح مندی ہے۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں نے دونوں طرح کی قربانیاں کیں، اجنبیوں سے مقابلے میں سرفروشی بھی کی اور اپنوں کے مقابلے میں صبر و استقامت بھی دکھلائی۔

پہلی صورت میں جس طرح ان کی "جنگی جدوجہد" کوئی مثال نہیں رکھتی، اسی طرح دوسری صورت میں ان کی "شہری جدوجہد" بھی عدیم النظیر ہے۔ ہندوستان میں آج مسلمانوں نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ حالانکہ معاملہ ان کا پہلی حالت سے ہے۔ ان کے لیے جنگی جدوجہد کا وقت آ گیا تھا۔ لیکن انہوں نے "شہری جدوجہد" کو اختیار کیا، انہوں نے "نان وائلنس" رہنے کا فیصلہ کر کے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ ہتھیار سے مقابلہ نہ کریں گے۔ یعنی صرف وہی کریں گے جو انہیں مسلمان حکومتوں کے ظلم کے مقابلے میں کرنا چاہیے۔ بلاشبہ اس طرز عمل میں ہندوستان کی ایک خاص طرح کی حالت کو بھی دخل ہے۔ لیکن گورنمنٹ کو سوچنا چاہیے کہ اس سے زیادہ بدبخت مسلمان اور کیا کر سکتے ہیں؟ حد ہو گئی کہ اجنبیوں کے ظلم کے مقابلے میں وہ بات کر رہے ہیں جو انہیں اپنوں کے مقابلے

میں کرتی تھی۔

انقلاب حال

میں پوچھتا ہوں اس کی بنا پر بھی شکایت نہیں کہ سزا دلانے کے لیے مجھ پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔ یہ بات تو بہرحال ہونی ہی تھی۔ لیکن حالات کا یہ انقلاب میرے لیے بڑا ہی عبرت انگیز ہے کہ ایک مسلمان سے کتمان شہادت کی توقع کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ ظلم کو صرف اس وجہ سے ظلم نہ کہے کہ دفعہ ۱۲۴۔ الف کا مقدمہ چلایا جائے گا۔ مسلمانوں کو حق گوئی کا جو نمونہ اس کی تاریخ دکھلاتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک جابر حکمران کے سامنے ایک بے پروا انسان کھڑا ہے [illegible] بھی جبکہ اس نے ظالم کے ظلم کا اعلان کیا، اس کی یاداش میں [illegible] لیکن جب تک زبان نہیں کٹ جاتی وہ بھی اعلان کرتی رہتی ہے [illegible] جس کی صورت افریقہ سے سندھ تک [illegible] دفعہ ۱۲۴ [illegible] اس [illegible] کے ساتھ [illegible] میں اس [illegible] انہوں نے اسلامی [illegible] ان کی موجودہ حالت [illegible] اسلام کے [illegible] میں [illegible] ہندوستان میں وہ مسلمان [illegible] موجود ہیں [illegible] کمزوری کی وجہ سے [illegible]

یا آزادی یا موت

لیکن انسانوں کی بدبختی سے [illegible] حقیقت [illegible] چھپائی جا سکتی۔ اسلام کی تعلیم [illegible] موجود ہے۔ وہ [illegible] جائز نہیں [illegible] آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں۔ مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیے یا [illegible] تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔ اسی لیے میں نے آج سے بارہ سال پہلے ”الہلال“ کے ذریعے مسلمانوں کو [illegible] آزادی کی راہ میں قربانی [illegible] کا قدیم اسلامی ورثہ ہے۔ [illegible] کا اسلامی فرض یہ ہے [illegible] تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ میری صدائیں بیکار نہ گئیں۔ مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں گے۔

مسئلہ خلافت و پنجاب

میں یہاں گورنمنٹ کی ان ناانصافیوں کا افسانہ نہیں چھیڑوں گا جو ”مسئلہ خلافت“ اور ”مظالم پنجاب“ کا عبرت انگیز افسانہ ہے۔ لیکن میں اقرار کروں گا کہ گزشتہ دو سال کے

اندر کوئی صبح شام مجھ پر ایسی نہیں گزری ہے جس میں میں نے "خلافت" اور "پنجاب" کے بارے گورنمنٹ کے مظالم کا اعلان نہ کیا ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا جو گورنمنٹ اسلامی خلافت کو پامال کر رہی ہو اور مظالم پنجاب کے لیے کوئی تلافی اور شرمندگی نہ رکھتی ہو ایسی گورنمنٹ کے لیے کسی ہندوستانی کے دل میں وفاداری نہیں ہو سکتی۔ گورنمنٹ کی جگہ وہ ایک فریق محارب کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے ۳ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جب میں رانچی میں گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے نظر بند تھا، لارڈ چیمسفورڈ کو ایک مفصل چٹھی لکھی تھی۔ اس میں واضح کر دیا تھا کہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں؟ میں نے صاف کہا کہ اگر برٹش گورنمنٹ اسلامی ممالک پر خلاف وعدہ متصرف ہو گئی تو اسلامی قانون کی رو سے ہندوستانی مسلمان ایک نہایت کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے ان کے لیے صرف دو ہی راہیں رہ جائیں گی یا اسلام کا ساتھ دیں یا برٹش گورنمنٹ کا۔ وہ مجبور ہوں گے کہ اسلام کا ساتھ دیں۔ [illegible] یہی ہوا گورنمنٹ نے اپنے وعدہ [illegible] سے انکار کر دیا۔ اس وعدہ کا بھی ایفا ضروری نہ سمجھا جو گورنمنٹ آف انڈیا نے [illegible] ۱۹۱۴ء کو [illegible] میں کیا تھا اور وہ وعدہ بھی [illegible] ثابت ہوا جو مسٹر لائڈ جارج پرائم منسٹر نے ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو ہاؤس آف کامنس کی تقریر میں کیا تھا۔ شریف آدمیوں کے لیے وعدہ خلافی عیب ہے۔ لیکن [illegible] گورنمنٹوں کے لیے کوئی بات بھی عیب نہیں۔ اس حالت نے مسلمانوں کے لیے وہی کشمکش پیدا کر دی۔ اسلامی قانون کی رو سے [illegible] ان کے فرائض میں داخل تھی کہ ایسی گورنمنٹ کی اعانت اور وفاداری سے ہاتھ کھینچ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا وہ اس وقت تک اس پر قائم رہیں گے۔ جب تک [illegible] اور مذہب کے [illegible] مسلمانوں کو یقین ہو گیا ہے کہ وہ حق و انصاف چاہتے ہیں تو اس کی راہ صرف ایک ہی ہے سوراج کا حصول یعنی ایسی قومی گورنمنٹ کا حصول جو ہندوستان کی ہو، ہندوستان میں ہو اور ہندوستان کے لیے ہو۔

اگر ظلم نہیں تو کیا عدل ہے

گورنمنٹ اس بارے میں میرا اقرار بالکل صاف اور واضح ہے۔ موجودہ گورنمنٹ محض ایک ناجائز ہیومکریسی ہے۔ وہ کروڑوں انسانوں کی مرضی اور خواہش کے لیے محض نفی ہے۔ وہ ہمیشہ انصاف اور سچائی پر پرسٹیج کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ جلیانوالہ باغ امرتسر کا وحشیانہ قتل عام جائز رکھتی ہے۔ وہ انسانوں کے لیے اس حکم میں کوئی ناانصافی نہیں مانتی کہ چارپایوں کی طرح پیٹ کے بل چلائے جائیں وہ بے گناہ لڑکوں کو صرف اس لیے تازیانے کی ضرب سے بیہوش ہو جانے دیتی ہے کہ کیوں ایک بت کی طرح یونین جیک کو سلام نہیں کرتے یا وہ تیس کروڑ انسانوں

کی پیہم التجاؤں پر بھی اسلامی خلافت کی پامالی سے باز نہیں آتی، وہ اپنے تمام وعدوں کے توڑ دینے میں کوئی عیب نہیں سمجھتی۔ وہ سمرنا اور تھریس کو صریح ناانصافانہ طور پر یونانیوں کے حوالے کر دیتی ہے اور پھر تمام اسلامی آبادی کے قتل وغارت کا تماشا دیکھتی ہے۔ انصاف کی پامالی میں اس کی جرأت انتھک اور دلیری بالکل بے باک ہے، وہ حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے اس کے منہ میں کوئی لگام نہیں۔ سمرنا میں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی ہے مگر وزیر اعظم بغیر کسی شرمندگی کے مسیحی آبادی کی کثرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ یونانی حکومت تمام اسلامی آبادی کو طوفان اور آگ کے سیلاب میں غرق کر دیتی ہے لیکن [illegible] ترکی [illegible] فرنگی داستانیں [illegible] نقصان کے نتیجے [illegible]۔

[illegible]

[illegible] ملک کے ہر حصے میں ہو رہا ہے۔ میں اگر [illegible] گورنمنٹ کو ظالم اور بددیانت [illegible] کیا صرف اس [illegible] ہے [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] ایک [illegible] تمہاری برائیوں سے انکار نہیں کر سکتے"۔

جرم کا قدیم اور ناقابل شمار ارتکاب

میں [illegible] اور یہ [illegible] ہزاروں صفحات سے جو میرے قلم سے نکل چکے ہیں [illegible] تقریروں سے جن کی صدا ہندوستان کے ایک ایک گوشے میں گونج چکی ہے، حریت ہی سرمایہ [illegible] رہی ہے۔ میں [illegible] کرتا ہوں کہ میری کوئی تقریر گزشتہ دو سال کے اندر ایسی نہیں ملی ہے جس میں [illegible] بیان نہ کی ہو۔ میں مستقل بارہ سال سے اپنی قوم وملک کو آزادی وحق طلبی کی تعلیم دے رہا ہوں۔ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی جب میں نے اس راہ میں تحریر وتقریر شروع کی۔ میں نے زندگی کا بہترین حصہ یعنی عہد شباب صرف اسی مقصد کے عشق میں قربان کر دیا۔ میں اسی کی خاطر چار سال تک نظر بند رہا مگر نظر بندی میں بھی میری ہر صبح وشام اس کی تعلیم وتبلیغ میں بسر ہوئی۔ چھنڈواڑہ کے در ودیوار اس کی شہادت دے سکتے ہیں جہاں میں نے نظر بندی کا آخری زمانہ بسر کیا ہے۔ یہ تو میری

زندگی کا دائمی مقصد ہے۔ میں صرف اسی ایک کام کے لیے جی سکتا ہوں۔ ان الصلوٰتی ونسکی ومحییٰ ومماتی للہ رب العالمین۔

آخری اسلامی تحریک

میں اس جرم سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں جبکہ میں ہندوستان کی اس آخری اسلامی تحریک کا داعی ہوں جس نے مسلمانانِ ہند کے پولیٹیکل مسلک میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا اور بالآخر وہاں تک پہنچا دیا جہاں آج نظر آ رہے ہیں یعنی ان میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے۔ میں نے ۱۹۱۲ء میں ایک اردو ہفتہ وار رسالہ الہلال جاری کیا جو اس تحریک کا آرگن تھا اور جس کی اشاعت کا عام تر مقصد وہی تھا جو اوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ یہ واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی و سیاسی حالت میں ایک بالکل نئی حرکت پیدا کر دی تھی۔ وہ پہلے اپنے ہندو بھائیوں کی سرگرمیوں سے متنفر تھے بلکہ ہندوؤں کی مخالفت سے بیوروکریسی کے ہاتھ میں پاسنگ کا کام دیتے تھے۔ ... الہلال نے ... مسلمانوں کی ... ہندوستان کی ... تو ہندو گورنمنٹ قائم ہو سکے گی۔ الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پر اعتماد ... خوف ... ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی ... جس کا آخری نتیجہ تحریک خلافت سوراج ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ... پہلے ... ضمانت ضبط کی گئی پھر جب ... کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۶ء میں ... گورنمنٹ نے مجھے نظر بند کر دیا۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال ... کی دعوت تھی ... مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک ... اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں ... مذہبی ... بیدار کر دینے والی ... اس وقت سے ۱۹۱۲ء میں شروع ہو چکا تھا۔ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی ... سرگرمی اسی وقت شروع ہوئی جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکوں نے پوری طرح فروغ پایا۔

خلافت کانفرنس کلکتہ

چار سال کے بعد پہلی جنوری ۱۹۲۰ء کو میں رہا کیا گیا۔ اس وقت سے گرفتاری کے لمحے تک میرا تمام وقت انہی مقاصد کی اشاعت و تبلیغ میں صرف ہوا ہے۔ ۲۸-۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو اسی کلکتے کے ٹاؤن ہال میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا اور مسلمانوں

نے مایوس ہو کر اپنا آخری اعلان کر دیا تھا۔

"اگر برٹش گورنمنٹ نے مطالباتِ خلافت کی اب بھی سماعت نہ کی تو مسلمان اپنے شرعی احکام کی رُو سے مجبور ہو جائیں گے کہ تمام وفادارانہ تعلقات منقطع کر لیں۔" میں اس کانفرنس کا پریسیڈنٹ تھا، میں نے اس کے طولانی پریسیڈینشل ایڈریس میں وہ تمام امور بتفصیل بیان کر دیے تھے جو اس قدر ناقص شکل میں ان دو تقریروں کے اندر دکھلائے گئے ہیں۔

سوالات اور فوجی ملازمت

میں نے اس ایڈریس میں اس عقیدے کی تشریح کر دی تھی جس کی بنا پر مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ سے ترکِ موالات کریں۔ یعنی گورنمنٹ [illegible] سے ہاتھ کھینچ لیں [illegible] کی شکل میں خود [illegible] تھا۔ [illegible] سلامی [illegible] خلافت اور [illegible] کا مقصد اسی ریزولیوشن کی بنا پر چلایا گیا ہے [illegible] اخبار [illegible] ریزولیوشن سب سے پہلے [illegible] نے ہی [illegible] تھا اور میری ہی صدارت [illegible] سب سے پہلے [illegible] بریلی اور [illegible] ایڈریس کو [illegible] کتاب کی شکل میں [illegible] ترجمے کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے۔ وہ گویا [illegible] تحریری چارج شیٹ ہے۔

میری زندگی سر تا سر ۱۲۴ الف ہے

میں نے گزشتہ دو سال کے اندر تحریکِ خلافت کے ساتھ تمام ہندوستان کا بار بار دورہ کیا۔ کوئی ایسا شہر نہیں جہاں میں نے خلافت، پنجاب، سوراج [illegible] ہندوستان کو برٹش [illegible] تقریریں نہ کی ہوں اور وہ تمام باتیں نہ کہی ہوں جو یہی ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا بھی جلسہ ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء کا بریلی میں جلسہ ہوا۔ گزشتہ اکتوبر میں یو۔پی پراونشل خلافت کانفرنس آگرہ میں منعقد ہوئی۔ نومبر میں آل انڈیا علماء کانفرنس کا لاہور میں اجلاس ہوا۔ ان تمام کانفرنسوں کا بھی میں ہی صدر تھا۔ لیکن ان میں بھی تمام مقررین نے جو کچھ کہا اور صدارتی تقریروں میں میں نے جو خیالات ظاہر کیے ان سب میں وہ تمام باتیں موجود تھیں جو ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔ بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان

سے بہت زیادہ قطعی و واضح عبارات ظاہر کئے گئے تھے۔ اگر میری ان دو تقریروں کے مطالب دفعہ ۱۲۴ الف کا جرم ہیں تو میں نہیں سمجھتا، صرف پہلی اور پندرھویں جولائی ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے؟ میں تو اس کثرت کے ساتھ اس کا ارتکاب کر چکا ہوں کہ فی الواقعہ اس کا شمار میرے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ مجھے کہنا پڑے گا کہ میں نے گزشتہ سالوں کے اندر بجز ۱۲۴- الف کے اور کوئی کام نہیں کیا۔

نان وائلنس نان کوآپریشن

ہم نے آزادی اور حق طلبی کی اس جنگ میں نان وائلنس و نان کوآپریشن" کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارے مقابلے میں طاقت ہے تمام جبر و تشدد اور خونریزی وسائل کے ساتھ کھڑی ہے۔ لیکن ہمارا حصہ صرف صبر ہے اور حق پر ثابت قدمی اور غیر متزلزل استقامت پر [illegible] خود نہیں [illegible] جن [illegible] ساتھ ہی ہندوستان کی [illegible] وہاں کی [illegible] نان وائلنس [illegible] فتح مند ہوگا [illegible] یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ [illegible] موضوع پر تقریریں جیسا کہ ہمیشہ [illegible] معقول [illegible] چند مسلمانوں [illegible] کہہ سکتے ہیں کہ [illegible] نہیں معلوم مسند خلافت کی [illegible] فیصلہ کر لیا [illegible] ہندوستان کے ہر حصے میں ایک [illegible] کا منظر تو ضرور نظر آ جاتا۔

سی۔آئی۔ڈی کی رپورٹرز

اب جب کہ میں ان دو تقریروں کے تمام حصوں کا اقرار کر چکا ہوں جن سے پراسیکیوشن استدلال کر سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر چند لفظ ان کی پیش کردہ صورت کی نسبت بھی کہہ دوں۔

سی۔آئی۔ڈی کے گواہوں نے بیان کیا ہے کہ میری تقریروں کے نوٹس بھی لئے گئے اور مختصر نویسی کے ذریعے بھی قلمبند کی گئیں جن کی کاپی داخل کی گئی ہے وہ گزائیٹ ہے۔ اوسی، وہ مختصر نویسی کی مرتب کی ہوئی ہے۔ لیکن یہ میری تقریروں کی ایک ایسی مسخ شدہ صورت ہے کہ اگر چند [illegible] اور [illegible] کی طرف اشارہ

نہ ہوتا تو میرے لیے شناخت کرنا بھی مشکل تھا۔ وہ بلا سبب ایک چیز ہے جو دور تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز ہے؟ محض بے جوڑ، بے تعلق اور اکثر مقامات پر بے معنی جملے جو بغیر کسی ربط و سلسلے کے صفحوں پر بکھیر دیے ہیں۔ گرامر اور محاورہ دونوں سے انہیں یک قلم انکار ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹر تقریر سمجھنے اور قلمبند کرنے سے عاجز تھا۔ اس لیے درمیان سے جملوں کے جملے چھوڑتا جاتا ہے اور تمام حروف ربط و تعلیل تو بالکل ہی حذف کر دیتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمام وہ الفاظ جن کی آواز ذرا بھی مشتبہ ہے بالکل ہی بدل گئے ہیں اور عبارت یا تو بے معنی ہو گئی ہے یا منحرف۔ [illegible] تقریر میں مستند رپورٹ [illegible] آزادی کا [illegible] مختصر نویس نے "علم" کی جگہ [illegible] [illegible] کوئی معنی نہیں [illegible] [illegible] لکھ دیا۔

اردو مختصر نویسی

اصل یہ ہے کہ اردو مختصر نویسی [illegible] اور مختصر نویس کی قابلیت دونوں ناقص [illegible] [illegible] ٹیکنیک کا [illegible] [illegible] اس وقت لکھنؤ میں تھا۔ اس لیے مجھے ذاتی طور پر اس کے دیکھنے اور موجدوں سے گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کے موجدوں نے انگریزی علامات کو بہت محنت سے تغیر کے ساتھ منتقل کیا ہے لیکن وہ اردو حروف [illegible] کو پوری طرح محسوس [illegible] نہ ہو سکے۔ خود انہیں بھی اس نقص کا ایک حد تک اعتراف تھا۔ لیکن وہ خیال کرتے تھے کہ مختصر نویس کی ذاتی قابلیت اور حافظہ و مناسبت سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کہتا ہوں کہ تجربے سے ان کا خیال درست نہ نکلا۔ صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے ابتدائی تجربے کے لیے دو پولیس سب انسپکٹروں کو تعلیم دلائی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے آزمائشی طور پر جن پبلک تقریروں کو قلمبند کیا میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ میری اور شمس العلماء مولانا

شبلی نعمانی مرحوم کی تقریریں تھیں۔ ہم دونوں نے انجمن اسلامیہ ہردوئی کے سالانہ جلسے میں لیکچر دیئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا شبلی نے فی منٹ ساٹھ لفظوں کی رفتار سے تقریر کی تھی اور میری تقریر فی منٹ ۸۰ سے ۹۰ تک بھی جیسا کہ خود مختصر نویسوں نے ظاہر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی تیز رفتار نہ تھی۔ تاہم جب انہوں نے اپنا کام مرتب کر کے دکھایا تو بالکل ناقص اور غلط تھا۔ اس کے بعد بھی مجھے بارہا اپنی تقریروں کے قلم بند کرانے کا اتفاق ہوا لیکن ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ نکلا۔ ابھی حال کی بات ہے کہ خلافت کانفرنس گڑھ میں میرا زبانی پریسیڈینشل ایڈریس ایک مشاق مختصر نویس سید غلام حسین نے قلم بند کیا جو ابھی یو۔پی کے محکمہ سی آئی ڈی میں کام کرنے کے بعد مستعفی ہوا ہے۔ لیکن جب انہوں نے مسودہ [illegible] میں مرتب کر کے مجھے دکھایا تو اس کا کوئی حصہ بھی اور مکمل نہ تھا تو اصل تقریر سے ناقص ہے [illegible] ہر مختصر نویس کی [illegible] جائے تو پھر کوئی خرابی ایسی نہیں ہے جس سے اصلی تقریر [illegible] خصوصیت [illegible] اس نقص کو اور زیادہ پُر مصیبت بنا دیتی ہے [illegible] گئی تھی کہ معمولی طور پر دل بھی نہیں [illegible] شکل مختلف لہجے میں اور نہایت اردو کا استعمال [illegible] پولیس اور عدالت کے رپورٹروں اور مختصر نویسوں کو بطور سند کے استعمال کر رہی ہے۔ جن [illegible] استعداد اور [illegible] دونوں مشکوک ہوتے ہیں۔ میں [illegible] کے ساتھ [illegible] لکھنے کی پولیس اور عدالتوں میں ایک شخص بھی اردو [illegible] قابل قدر نہیں ہے۔ [illegible] حقیقت کا کچھ بھی احساس ہوتا تو [illegible] بات بطور ایک تجربہ [illegible] خوش قسمتی [illegible] تقریروں کے لیے پولیس [illegible] سی آئی ڈی نے غائب رپورٹروں کی شہادتوں [illegible] ہے [illegible] ناظم [illegible] میرے لیے تکلیف دہ ہے۔

مشرقی لٹریچر اور سرکاری وسائل علم

میں [illegible] پیش کرنے کی غرض سے ان شہادتوں کی بے اعتباری ثابت نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو پورا پورا اقرار کر چکا۔ مقصود صرف دو باتوں کا اظہار ہے۔

اولاً: جو سرکاری مقدمات اردو تقریر و تحریر کی بنا پر چلائے جاتے ہیں ان کے وسائل ثبوت کس درجہ ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں؟

ثانیاً: ہندوستان کی بیوروکریسی کی ناکامیابی اور ناموافقت، وہ ڈیڑھ سو برس تک حکومت کر کے بھی اس

قابل نہیں ہوئی کہ ہندوستانی زبانوں کے متعلق صحیح اور مستند ذرائع سے معلومات حاصل کر سکتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۱۶ء میں نظر بند کیا گیا اور بہار گورنمنٹ کے حکام و پولیس افسر جن کو اردو زبان سے بمقابلہ بنگال زیادہ تعلق ہے، تلاشی کے لیے آئے تو انہوں نے میری تمام کتابوں کو بھی ایک خوفناک لٹریچر سمجھ کر نہایت احتیاط کے ساتھ قبضے میں کر لیا۔ یہ تمام کتابیں عربی اور فارسی زبان میں تھیں اور تاریخ، فقہ، فلسفہ کا معمولی مطبوعہ ذخیرہ تھا جو بازاروں میں فروخت ہوتا رہتا ہے۔ صرف ایک کتاب "مطالب عالیہ" نامی قلمی تھی جو سب سے زیادہ پُراسرار سمجھی گئی۔ لطف یہ ہے کہ ان کی فہرست ڈپٹی کمشنر کی درخواست سے مجھے ہی مرتب کرنی پڑی۔ کیونکہ تفتیش جرائم کے اس پورے کمیشن میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو ان کتابوں کے نام کو صحت کے ساتھ پڑھ سکتا۔ میں نے نظر بندی کے زمانے میں چار سال تک جو ڈاک بھی بھیجی وہ خود ہی مرتب کر کے بھیجتا رہا ہوں، کیونکہ جو سرکاری افسر اس غرض کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہ اس قدر قابل آدمی تھا کہ اردو کے معمولی لکھے ہوئے خطوط بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ اکثر میری ڈاک صرف دستخط کر کے بھیج دیتا اور شب کو آ کر مجھ سے اس کا ترجمہ لکھوا لیتا۔

جب کہ نظر بندی میں میں اپنی ڈاک کی خود ہی مترجم رہا تو معلوم ہوتا ہے کہ حکام اپنی کارفرمائی پر نہایت نازاں ہوں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ انہوں نے ایک خطرناک دشمن کو بالکل مجبور و معطل کر دیا ہے۔ اس وقت بھی میرے قلمی مسودات قلمی پولیس کے قبضے میں ہیں جن میں سب سے زیادہ خوفناک جرم تاریخ، تفسیر قرآن اور لٹریچر ہے۔ میں یہاں ناظرین کی دلچسپی کے لیے ان کتابوں کے چند نام درج کر دیتا ہوں جنہیں نہایت خوفناک سمجھ کر پولیس نے قبضہ کیا تھا اور جو مسٹر کلیولینڈ کے حکم سے میری نظر بندی کے دیگر معاملات کی طرح ان کی بھی تحقیقات ہوتی رہی۔

فتح القدیر شرح ہدایہ، طبقات الشافعیہ سبکی، درمختار، کتاب الام، مدونۃ امام مالک، مطالب عالیہ امام رازی، شرح حکمۃ الاشراق، شرح علم الجبرات، بحر العلوم، کتاب مستصفی، کتاب الملل۔ اصل یہ ہے کہ کسی جرم کے لیے جو لٹریچر سے تعلق رکھتا ہو کوئی بھی عدالت منصفانہ کارروائی نہیں کر سکتی جو ذاتی طور پر رائے قائم نہ کر سکے۔ یعنی خود اس زبان سے واقف نہ ہو لیکن موجودہ بیوروکریسی علاوہ بیوروکریسی ہونے کے غیر ملکی بھی ہے۔ اس لیے ہر گوشے میں اجنبی اقتدار کی غلامی کے نتائج کام کر رہے ہیں۔ صداقت ہندوستان

کی ہیں اور ہندوستان کے لیے ہیں۔ لیکن ان کی زبان جزیرہ برطانیہ کی ہے اور اکثر حالتوں میں ایسے افراد سے مرکب ہے جو ملکی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم اس گورنمنٹ سے اور کچھ نہیں چاہتے، صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو وہ اپنے جبر اور اقتدار کے لیے اپنی جگہ خالی کر دے۔

موجودہ حالت قدرتی ہے

میں جیسا کہ ابتدا میں لکھ چکا ہوں خاتمۂ سخن میں بھی دہراؤں گا۔ آج گورنمنٹ جو کچھ ہمارے ساتھ کر رہی ہے وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ جس کے لیے خاص طور پر اسے ملامت کی جائے۔ قومی بیداری کے مقابلے میں مقاومت ہر جابر و تشدد پسند تمام قابض حکومتوں کے لیے طبیعت ثانیہ کا حکم رکھتی ہے۔ ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ہماری خاطر انسانی طبیعت بدل دی جائے گی۔ یہ قدرتی [illegible] ہمیشہ [illegible] رکھتی ہے۔ دنیا میں کتنے آدمی ہیں جو اپنے قبضے میں آئی ہوئی [illegible] حقدار نہیں۔ پھر ایک پورے [illegible] سے یہ [illegible] کی جا سکتی ہے۔ طاقت کبھی بھی [illegible] کے لیے نہیں [illegible] وہ تو خود اپنی طاقت کی موجودہ انتظار کرتی ہے اور جب وہ نمودار ہو جاتی ہے تو [illegible] جب مقابلے کے آگے [illegible] ہے [illegible] کشمکش [illegible] ناگزیر ہے۔ اور ایک ایسی قدرتی بات ہے جس کے لیے دنیا کے [illegible] تعجب [illegible] شکایت کے بجائے [illegible] پانا چاہیے۔ میں [illegible] تسلیم کرتا ہوں [illegible] ظلم و تشدد کی [illegible] مناظر [illegible] ہیں ان کے مقابلے میں موجودہ جبر و تشدد کی [illegible] زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کمی اس لیے ہے کہ ابھی ملک کا جذبہ [illegible] ناتمام ہے یا اس لیے ہے کہ ظلم زیادہ [illegible] نہیں؟ مستقبل اس کو واضح کر دے گا۔ جس طرح اس تمثیل کا آغاز ہمیشہ یکساں طور پر ہوا ہے اسی طرح خاتمہ بھی یکساں ہی طرح ہوا ہے۔ ہمیں معلوم ہے اگر ہمارا جذبۂ آزادی وقتی نہیں تھا اور اٹل ثابت ہوا تو یہی گورنمنٹ جو آج ہمیں مجرم ٹھہرا رہی ہے کل کو فتح مند محب الوطنوں کی طرح ہمارے استقبال پر مجبور ہوگی۔

بغاوت

مجھ پر سیڈیشن کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ لیکن مجھے "بغاوت" کے معنی سمجھ لینے دو۔ "بغاوت" آزادی کی اس جدوجہد کو کہتے ہیں جو ابھی کامیاب نہیں ہوئی ہے؟ اگر یہ ہے تو میں اقرار کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اس کا نام قابل احترام حب الوطنی بھی ہے۔ جب وہ کامیاب ہو جائے، کل تک

آئرلینڈ کے مسیح لیڈر باقی تھے لیکن آج ڈی ویرا اور گریفتھ کے لیے برطانیہ عظمیٰ کونسا لقب تجویز کرتی ہے؟ آئرلینڈ کے پارنل (PARNEL) نے ایک مرتبہ کہا تھا۔

"ہمارا کام ہمیشہ ابتدا میں بغاوت اور آخر میں حب الوطنی کی مقدس جنگ تسلیم کیا گیا ہے۔"

قانون قضاء بالحق

میں مسلمان ہوں اور میرے یقین کے لیے وہ بس کرتا ہے جو میری کتاب شریعت نے بتلایا ہے۔ قرآن کہتا ہے، جس طرح مادہ اور اجسام میں انتخاب طبیعی

انتخاب اصلح

کا قانون جاری ہے اور فطرت صرف اسی وجود کو باقی رہنے دیتی ہے جو صحیح و نافع ہو۔ ٹھیک اسی طرح تمام عقائد و اعمال میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے۔ اخلاقی فتح اسی عمل کی ہوتی ہے جو حق اور سچا ہو۔ وہی باقی و قائم رہنے کا حقدار ہو۔ پس جب کبھی صداقت اور ناانصافی میں مقابلہ ہوگا تو آخری جیت صداقت اور انصاف ہی کے حصہ میں آئے گی۔

واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کو دیکھ لو سورۃ الرعد آیت ۱۷:۱۳ یعنی جو چیز نافع ہو وہی قائم رہنے کی حقدار ہو، غیر نافع چیز مٹا دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں سچائی کا نام "حق" ہے جس کے معنی ہی جم جانے اور ثابت ہو جانے کے ہیں۔

جھوٹ اور بدی کا نام باطل ہے جس کے معنی ہی مٹ جانے کے ہیں۔ "ان الباطل کان زھوقا۔" باطل تو مٹنے ہی کے لیے ہے کہ مٹ جائے۔ پس آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کا فیصلہ کل ہوگا۔ انصاف باقی رہے گا اور ناانصافی مٹا دی جائے گی۔ ہم مستقبل کے فیصلے پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ یہ قدرتی بات ہے کہ بدلیوں کو دیکھ کر بارش کا انتظار کیا جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسم نے تبدیلی کی علامتیں قبول کر لی ہیں۔ افسوس ان آنکھوں پر جو نشانیوں سے انکار کریں۔ میں نے ابھی تقریروں میں جو میرے خلاف نقل کی گئی ہیں کہا تھا: "آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک جبر و تشدد کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو۔"

لیکن گورنمنٹ نے آبیاری شروع کر دی ہے۔ میں نے یہی کہا تھا "تم خلافت کی گرفتاریوں پر کیوں مغموم ہو؟ اگر تم فی الحقیقت انصاف اور آزادی کے طلب گار ہو تو جیل جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

علی پور کا جیل اس طرح بھر جائے کہ اس کی کوٹھریوں میں چوروں کے لیے جگہ باقی نہ رہے۔ فی الحقیقت جگہ باقی نہیں رہی ہے، پریسیڈنسی اور سنٹرل جیل کا بڑا حصہ معمولی قیدیوں سے خالی کر دیا گیا، پھر بھی جگہ کافی نہ ہوئی۔ نیا جیل بنایا گیا، وہ بھی آنا فانا بھر گیا۔ جگہ نکالنے کے لیے سینکڑوں قیدی رہا کر دیے گئے۔ لیکن ان سے

[illegible] آگئے۔ اب مزید نئے جیل بنائے جا رہے ہیں۔

سرکاری وکیل، پولیس اور مجسٹریٹ

قبل اس کے کہ میں اپنا بیان ختم کردوں اپنے ان ہم وطن بھائیوں کی نسبت بھی ایک جملہ کہوں گا جو اس مقدمے میں میرے خلاف کام کر رہے ہیں۔ میں نے اوپر نہیں کہا ہے کہ سی آئی ڈی کا کام جہالت اور شرارت دونوں سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ میں نے اسی ذاتی علم کی بنا پر کہا جو بے شمار مقدمات کی بابت مجھے حاصل ہے تاہم میں تسلیم کرتا ہوں کہ سی آئی ڈی نے جن آدمیوں سے میرے خلاف شہادت دی ہے [illegible] اپنے کام پر ظاہر کیا ہے کوئی بات بھی غلط نہیں کی ہے۔ میری تقریریں جو پیش کی گئی ہیں ان میں بھی کوئی بات شرارت کی نہیں پاتا [illegible] ایسے دو مقامات ایسے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے [illegible] ہڑتال [illegible] وہ بقیہ حصوں سے بھی زیادہ [illegible] کے نقص اور ذہنی نااہلیت [illegible] البتہ میں یقین [illegible] انہوں نے اپنے [illegible] معذور [illegible] ہے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے [illegible] وہ محض چند روپوں کی نوکری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور [illegible] نہیں رکھتے [illegible] میرے دل میں ان کے لیے کوئی رنج اور ملامت نہیں ہے [illegible] اس لیے انہیں معاف کرتا ہوں [illegible] خدا بھی معاف کرے [illegible] میرا ایک ہم وطن بھائی ہے اس کا ضمیر [illegible] میرے سامنے نہیں ہے محض مزدوری ہے جو اس کام کے لیے وہ گورنمنٹ سے حاصل کرتا ہے۔ پس اس کی طرف سے بھی میرے دل میں کوئی رنج نہیں۔ البتہ میں ان سب کے لیے وہی دعا مانگوں گا جو پیغمبر اسلام نے ایک موقع پر مانگی تھی۔ خدایا ان پر رحم کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کیا کر رہے ہیں۔

ناقص امانت قاصر

میں مجسٹریٹ کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سزا جو اس کے اختیار میں ہے بلا تامل مجھے دے دے۔ مجھے شکایت یا رنج کا کوئی احساس نہ ہوگا۔ میرا معاملہ پوری شیرزی سے ہے کسی ایک پرزے سے نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جب تک مشین

نہیں بدلے گی پر نہ اپنا فعل نہیں بدل سکتے۔

میں اپنا بیان اٹلی کے قتیلِ صداقت گارڈینو برونو کے لفظوں پر ختم کرتا ہوں۔ جو میری ہی طرح عدالت کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ سزا جو دی جا سکتی ہے، بلا تامل دے دو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم لکھتے ہوئے جس قدر جنبش تمہارے دل میں پیدا ہوگی اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سن کر میرے دل کو نہ ہوگا۔"

خاتمہ مسٹر مجسٹریٹ اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصے میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے تمہارے حصے میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لیے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹہرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کر دیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے۔ ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے۔ وقت اس کا جج ہے۔ وہ فیصلہ لکھے گا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔

والحمد للہ اولاً و آخراً۔

۱۱ جنوری ۱۹۲۲ء — دستخط

پریسیڈنسی جیل، علی پور، کلکتہ — احمد

جب تک انگریز برصغیر سے نکل نہیں گیا، اس بیان کا تعدد روشن رہا۔ جب تک سول نافرمانی کی تحریک چلی، ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کا حکومت سے نبرد ہوا، انگریز دشمن رہنما یا اہل باغیانہ تقریر کے الزام میں پکڑے گئے تو کئی دفعہ اس بیان کا تذکرہ آیا، اور عدالتوں میں ان کلمات کی گونج سنی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بیان کے تیور ایک ایسے خطبے کے رہے جو قافلہ حریت کے لیے حدی خوانوں کا نغمہ بھی تھا۔ ملک کی سیاسی جدوجہد کا نعرہ مستانہ بھی اور قومی راہنماؤں کا آذوقہ رستخیز بھی۔

راقم نے اپنی تقریروں کے ابتدائی دور میں اس سے نہ صرف آرائش بیان حاصل کی بلکہ اس کے ضمنی عنوانات سے مستقل نوعیت کی بہت سی تقریریں حاصل کیں۔ برعظیم کے سیاسی لٹریچر میں "قول فیصل"

کو ہمیشگی حاصل رہی۔ اس کی شہرت ایک موڑ پر صرف اس لیے رُک گئی کہ مولانا جہاں تھے اس بُت کدے میں اُن کی جگہ نہ تھی وہاں کے لوگ اس کی زبان و مزاج سے نا آشنا تھے اور جس قوم سے مولانا مذہباً منسلک تھے وہ ان سے سیاستہً ناراض ہو چکی تھی اس کے نزدیک مولانا کے محاسن بھی معائب تھے۔

جن دنوں وزارتی مشن دہلی میں تھا ہم دوسرے تیسرے علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف سوالات چھیڑ کر شیریں گفتار کا لطف اٹھاتے۔ راقم دوران گفتگو مولانا کی تحریروں، ان تقریروں کے فقرات، برجستہ شعروں کی طرح استعمال کرتا۔ [illegible] مولانا سے داد نہ [illegible] تھی وہ ہر چیز چپ چاپ سنتے مگر کوئی بول پسند آتا تو چہرے پر رونق سی آجاتی۔ [illegible] فرماتے ہیں: "قول فیصل" کے متعلق [illegible]

"ہندوستان کے سیاسی لٹریچر میں اس کا [illegible] سیاسی [illegible] جلی [illegible] زیادہ مؤثر ہیں۔ بیان میں قومی سیاست کے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کے علاوہ جس میں خوبیاں بھی ہیں [illegible] ہو گیا ہے۔"

[illegible]

"تب تحریک [illegible] لوگ جماعتی طور پر عدالت میں بیان [illegible] فیصلہ کر چکے تھے اور یہ فیصلہ [illegible] قید ہونے والوں کی تعداد [illegible] ظاہر ہے کہ اس قافلے میں ہر قسم کے لوگ تھے [illegible] پابندی تھی کہ جماعت جماعت کی بولیاں [illegible] وحدت [illegible] تحریک میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے ضروری تھی۔ میرا یہ [illegible] تحریک کے افکار و مطالب پر ایک خطبہ تھا۔ معاملہ یہ تھا کہ بیان ناگزیر تھا۔ مقصود یہ تھا کہ تحریک کو اس طرح تقویت ہوگی، عوام کا حوصلہ بڑھے گا کہ جو لوگ حق کے سفر کو نکلتے ہیں وہ ملزموں کے کٹہرے سے خوف زدہ نہیں ہوتے وہاں ان کا لب و لہجہ باہر سے کہیں زیادہ توانا ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اس بیان نے فی الواقع عوام کو حوصلہ دیا، ان کے ارادوں کو مستحکم کیا اور ان کے دل و دماغ کو انگیز نے کے علاوہ ان

کے حوصلہ و یقین کو علو کیا۔ یہ بیان ایک لحاظ سے میرا ذاتی بیان نہ تھا۔ ایک اجتماعی جہد کا رَجز تھا۔ میں نے عوام کے محسوسات ان کے دماغوں سے کھرچ کے الفاظ کے اس سانچے میں ڈھال دیئے۔ ایبٹ آباد کی قید کی تنہائی میں ایک پہر گزری۔ طبیعت نے چاہا کہ بیان ہونا چاہیے۔ وہ بیان ہوگیا۔ ایک ہی نشست میں تیار کیا، قلم اُٹھایا، کاغذ موجود تھے، لکھنا شروع کیا تو خیالات اسی سرعت سے چلے آرہے تھے کہ سوال الفاظ کی تلاش کا تھا، الفاظ کے چناؤ کا نہ تھا۔

بسا اوقات ایک ہی بات کے لیے کئی کئی الفاظ [illegible] سے چلے آتے تھے اور ان کا [illegible] مسلسل موجود تھا، لیکن کوئی خیال ملتوی ہوتا [illegible] مطلب میں [illegible] [illegible] کے [illegible] مطالب [illegible] ہوتے تھے۔

[illegible] جس دوسرے پہلوؤں سے [illegible] [illegible] ٹوکا فوراً روک دیا۔ فرمایا:

"[illegible] [illegible] کہ میں نے کیا کیا اور فلاں نے کیا کہا، زبان [illegible] [illegible] ہے تو وہ ایک ذاتی چیز ہے وہ لوگ بھی ہیں جو [illegible] [illegible] پڑھتے مانتے ہیں چونکہ ان کے نزدیک غالب کہے ہیں وہ [illegible] ہیں جو [illegible] ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک [illegible] کی شاعری کے مقابلے میں [illegible] [illegible] بالفعل [illegible] کے جذبے سے [illegible] ایک ہی تھا [illegible] [illegible] وہ سب ان کے رشحات فکر تھے۔ [illegible] [illegible] اور سب [illegible] قرآن کے متعلق [illegible] [illegible] سے کئی [illegible] بیت حاصل مشاعرہ تھا۔ فی الجملہ شاعری کی آبرو کے منافی ہے جن لوگوں نے عدالتوں کو للکارا، اصل چیز ان کی للکار ہے [illegible] [illegible] ہے اس کی گونج اور گرج عزموں کے جس کھرے سے بلند ہوئی اس میں دعوت و عزیمت کے آثار و نقوش بکمال و تمام موجود تھے۔ للکار کا حُسن تو وہ ہر چہرے پر تھا۔"

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کہا۔

"لیکن ہر حُسن ہر شخص پر سحر نہیں کرتا اور نہ ہر طبیعت اس سے متاثر ہوتی ہے۔"

فرمایا:

حُسن جہاں تہاں ہوسحر ہوتا ہے۔ البتہ وہ چیز دوسری ہے جو حُسن کے انتخاب میں طبیعتوں کے اخذ و قبول کر متاثر کرتی ہے۔"

مولانا کو موازنہ گوارا نہ تھا اور وہ اس کو ایک طرح کی خفیف الحرکتی سمجھتے تھے۔

راقم نے عرض کیا:

"بیانوں کا موازنہ مقصود تھا، شخصیتوں کا نہیں۔"

فرمایا:

"اس قسم کے موازنے مجھے سخت ناپسند ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کے اپنے حالات میں [illegible] ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کی خوبیاں جو قدرتی [illegible] کا [illegible] ہیں [illegible] شخصیتوں ہی سے پیدا ہوتی ہیں [illegible]۔ آپ کچھ [illegible] ہیں [illegible] بیان کو فوقیت دینا چاہتے ہیں۔ یہیں سوال [illegible] فوقیت کا نہیں ایک فرق کا تھا۔ اور وہ خصوصیت ہر بیان میں تھی۔ اس قسم کے سوالوں اور جوابوں میں [illegible] کا راستہ ہے۔ کسی شخص کے [illegible] تعریف کی جائے تو [illegible] ہے اور اخلاق لوگی خوش سلو [illegible] ہیں [illegible] بڑی بڑی گمراہیاں [illegible] ہی سے نکلی ہیں۔"

محفل ختم ہو [illegible] فرمائے [illegible] عبد القدوس [illegible] آئے ہیں۔ مولانا دوسرے کمرے میں چلے گئے اور اس طرح [illegible] ختم ہوئی۔

ترجمان القرآن

قرآن پاک کے تفسیری سلسلے تین ہیں۔ پہلا تفسیر بالروایت یا تفسیر ماثور، [illegible] تفسیر [illegible] علماء نے
یہی دو سلسلے [illegible] تیسرا [illegible] صوفیانہ ہے جس کو [illegible] کہتے ہیں [illegible] ہے۔
تفسیر ماثور یا بالروایت [illegible] معنوی [illegible] نہیں [illegible] کے مفسر
[illegible] قرآن کریم [illegible] سیدھی سادی دعوت اور [illegible] کا موضوع
[illegible] ہے۔ [illegible] بعض مباحث [illegible] ایک مفسر بہت دور تک نکل گئے ہیں۔ [illegible] کے اسلوب
میں متکلمین [illegible] نقل ہیں [illegible] فلسفہ کی [illegible] جواب [illegible] کرتے ہیں۔
ان کی ساری گفتگو قرآن کی [illegible] تعلیم [illegible] ہے۔ انہوں نے [illegible] روایت
[illegible] کے قول [illegible] اور ان کی بعض دوسری صحیفوں
کو [illegible] معاشرہ کی لسانی روایتوں کے باعث ان کے [illegible] مثال و قصص کا درجہ حاصل کر چکی تھیں
نہایت تشریح و بسط سے بیان کیا اور قرآنی الفاظ کے معانی کی تحقیق میں دورِ جاہلیت کی شاعری کے ذخائر
میں چھان ڈالے گئے۔ حضرت ابن عباس نے قرآن کے الفاظ کی تشریح کے لیے دورِ جاہلیت کی عربی شاعری کو لغت
کا درجہ دیا۔ امام سیوطی نے الاتقان میں قرآن کے دو سو سے زائد الفاظ کے معانی قبل از اسلام کی عربی
شاعری میں تلاش کیے۔ ابن عباس سے یہ قول منسوب ہے کہ اسلام سے پہلے کی شاعری کو محفوظ رکھو اس
میں قرآن کے الفاظ کی تشریح ملے گی۔ جاحظ کا قول ہے کہ جو شخص دورِ جاہلیت کے حالات سے ناواقف ہے
وہ قرآن و سنت کو نہیں سمجھ سکتا۔ ماثوری مفسرین اپنی طرف سے نہ کہیں قلم لگاتے اور نہ عقلی مباحث کو چھیڑ
کر توضیح و تشریح کے گل بوٹے اگاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام مفسرین خواہ ان کا کسی بھی مکتب فکر سے

تعلق ہو صوفی طور پر متفق ہیں کہ قرآن ایک ہی سچائی ہے جو کائنات، انسان اور خدا کے باہمی رشتہ کو حرفِ آخر کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ قرآن صرف یہ بتاتا ہے کہ خدا اور اس کی صفات کیا ہیں، اس کائنات کی تکوین کیونکر ہوئی اور انسان ربوبیت کاملہ کا مظہر ہے۔ تمام ادیان کی تعلیمات ایک سی تھیں، لیکن ان کے پیروؤں نے ان سچائیوں کو گم کر دیا اور تحریف وتلبیس کا شکار ہوگئے۔ قرآن ان تمام سچائیوں کی جامع و آخری کتاب ہے۔ وہ حلال وحرام کا مجموعہ ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے والی کتاب ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ وہ ایک ضابطہ ہے جس پر چل کر انسان رشد و ہدایت کی سعادت حاصل کرسکتا ہے۔ اس کتاب سے دنیوی و عاقبت کی [illegible] معلوم ہوتی اور انسان [illegible] کے [illegible] سے [illegible] غرض قرآن ایسی [illegible] کتاب ہے [illegible] [illegible] سکتے ہیں۔ اس کا مطالعہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تفسیر میں [illegible] ہیں۔ [illegible] لفظی [illegible] سامنے رہیں [illegible] [illegible] [illegible] کے سفر میں [illegible] [illegible] جیسے [illegible] کا عالم [illegible] ہے [illegible] مقصود [illegible] جستجو، تحقیق [illegible] انسانی زندگی جینے کے بعد [illegible] ہے۔

تفسیر [illegible] اصولی طور پر ایک مستحسن چیز ہے۔ قرآن مجید کے مطالب و معانی پر غور و تدبر کرنا عقیدہ و وجود [illegible] بلکہ خود قرآن مجید ہی کی دعوت ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غور و فکر کی توجہ فرمائی ہے اصل خرابی یہ ہوئی کہ جب اسلامی تہذیب آگے چل کر غیر اسلامی تہذیبوں سے دوچار ہوئی تو تفسیر بالرائے مفسرین کے حلقے شعبدوں کی بنا کاری ہوگئی۔ اس کا آغاز یونانی [illegible] کے فلسفہ کی [illegible] پر ہوا۔ اُدھر امویوں اور عباسیوں کے درباروں میں یونان کے حکماء سقراط، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کی تعلیمات ترجمہ ہوکر پہنچنے لگیں۔ ادھر مسلمان حکماء نے قرآن پاک کی تعلیمات کو ان فلاسفہ کے افکار سے مناسبتیں دینی

شروع کیں۔ مزید براں ایران کی زرتشتی تعلیمات اور ہندوستان کے پنڈتوں کے تصورات مسلمان علماء کے دماغوں میں جگہ پا گئے۔ عربی میں ان کے مترجم علم و فن کا سرآغاز تھا۔ اس سے پہلے عرب صرف شاعری سے آشنا تھے نہیں علم و فن کے ان نوادرات کا علم نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن پاک کی تفسیر میں یونانی، ایرانی اور ہندوستانی الہیات کا تصور اور اس تصور کے تحت ذات کی خدیت کا عقلی استدلال رو پذیر گیا اور وہ تمام بحثیں قرآن پاک کی تفسیر کا جزو ہو گئیں جو قرآن پاک کی دعوت سے خارج تھیں یا جن کی تعلیم سے ان کا کوئی ربط نہ تھا۔ [illegible] نے جو کچھ نہ [illegible] اس باب میں جس خدیت کا طرز پیدا شعوری دلائل، بالخصوص نقلی اور منطقی معنوی [illegible] مستشرقین کی ایک ڈھر سے بنی پتی تھی [illegible] گئے جس سے یہ پیچیدہ علم الکلام پیدا ہو گیا۔

[illegible] عقلی و نقلی مباحث [illegible] نہیں کرتا جس [illegible] کہ عقل سے حل [illegible] عشق [illegible] پنے قاری [illegible] دلیل دیتی [illegible] دیتی [illegible] ہے جو [illegible] وجدانی [illegible] اس [illegible] کے مفسروں نے [illegible] موقف [illegible] پر [illegible] الفاظ [illegible] کی صد ہا کی تعداد میں [illegible] کے مطابق رد و بدل ہوتا رہا [illegible] سیکڑوں فرقے پیدا ہو گئے۔

شامل تفسیریں قرآن سے متعلق صوفیانہ تعبیرات و تشابہات کا مجموعہ ہیں۔ جب سے تصوف اس کے ظہور [illegible] تفسیریں [illegible] سے معترضات کیے ہیں۔

تصوف حقیقت مطلق نعمان حکمرانوں کے سیاسی استبداد و استیلاء، معاشرتی بے انصافی و غارت گری، مذہبی جمود و تعطل اور خشک قسم کی ظاہرداری کے خلاف ایک شدید رد عمل اور خاموش احتجاج تھا۔ یہ اس شاہانہ جلال کے خلاف جو حکمرانوں کے ہاں بڑے دھڑکے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ فی الحقیقت علماء امت کے

فرد کا ایک مقدس عمل تھا۔ صوفیاء نے اسی جلال کے خلاف جو قہر و غضب کا دوسرا نام تھا۔ نہ صرف احتجاج کیا بلکہ اس کے مقابلہ میں جمال کے تصور کو تصوف کی بنیاد بنا لیا جو رحمت و برکت کا دوسرا نام اور خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ حضرت موسیٰ جلال کا مجسمہ اور حضرت عیسیٰ جمال کا پیکر تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی تھے۔ اس لیے جلال و جمال دونوں کا مرقع و مظہر تھے۔ صوفیاء نے قرآن کے مباحث کو جمالیاتی روپ دے کر اپنے دماغی و قلبی حظ کی خاطر ایسی منزلیں بنائیں جس سے طریقت ایک مستقل زندگی بن گئی۔ ورنہ شریعت و تصوف کی اصطلاحیں اسلام کے دورِ اول میں موجود ہی نہ تھیں۔ اگر ان کا کوئی تصور تھا تو وہ صرف اسلام تھا۔

اشاری تفسیر کسی عقیدہ یا احساس سے [illegible] قول [illegible] جو اقوال آیات الٰہی کی تشریح و تعبیر کرتے وقت [illegible] ایسے صحیح معانی [illegible] نہیں رکھتے۔ [illegible] آیات قرآنی سے متعلق ان کے اقوال [illegible] جمع کئے ہیں [illegible] قرآن پاک کی آیت۔ آیت تفسیر کی [illegible] مختلف [illegible] پہلو بیان کیے جاتے اور ان میں [illegible] نمونے ہیں۔ مثلاً شبلی [illegible] وصل حبیب [illegible] اللہ کے حضور میں ہوتا ہے۔ قرآن میں حسنہ کا لفظ آیا ہے۔ تستری کہتا ہے اس کے معنی [illegible] علم و عبادت کے ہیں اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی کے [illegible] تفسیر [illegible] کے لغوی معنی پر [illegible] نہیں کرتا بلکہ باطنی معنی کی طرف [illegible] ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی ظاہر پرست علماء و فقہاء پر نہیں بلکہ ارباب عرفان و معرفت پر القاء کیے گئے ہیں۔ قرآن ایک سمندر ہے جس کا نہ کوئی ساحل ہے نہ تہ۔ اس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے اور بہت سے سلامت بھی رہے۔ اس بارے میں ابن عربی کا ایک دلچسپ قول ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کی کتابیں عام طور پر نہیں پڑھی جانی چاہییں۔ غرضیکہ باطنی مطالب کے اس ذخیرہ کی پیچیدگیوں اور گہرائیوں کو محسوس کرتے ہوئے ابن خلدون نے اصحاب اقتدار کو زور دیا تھا

کہ عام لوگوں کے مفاد کی خاطر ابن عربی کی تصنیفات جلا دینی چاہییں۔"

ان تینوں سلسلہ ہائے تفسیر کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں بالکل غلط ہے یا فلاں بالکل صحیح ہے عبث خیال ہے۔ ہر سلسلہ میں علم و نظر، فکر و دانش، معرفت و فراست اور حقائق و نکات کی جلوہ طرازیاں موجود ہیں۔ بعض ماثور سلسلہ دعوت قرآن سے اس درجہ قریب ہے کہ قرآن فہمی کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اور ہم عقل کے جھگڑوں سے الگ تھلگ قرآن کی عظمت پا جاتے ہیں۔ قرآن عقل کی نہیں حکمت کی دعوت دیتا ہے اور حکمت ہی وہ سچائی ہے جو تعین ذات، تحفظ نفس اور معرفت حق کا سامان کرتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن ماثور سلسلے کی تفسیر ہے۔ [illegible] میں [illegible] تفسیر کا تذکرہ نہیں [illegible] حسن [illegible] نظر آتا ہے [illegible] ایک [illegible] کبھی فضا میں [illegible] کے [illegible] عقیدت [illegible] تقلید [illegible] سلسلے کے [illegible] معاشرہ کے عوام پر تنقید [illegible] الو [illegible] ابن عربی اور سفیان ثوری کی بہ نسبت احمد بن حنبلؒ اور ابن تیمیہؒ [illegible] کے وجوہ [illegible] ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

"صدر اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا قرآن کے فطری اسلوب سے طبیعتیں نا آشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ ایک وقت آ گیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہوتے گئے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں الجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔"

تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"قرآن کی حقیقت سے آشنا ہونے کے لیے بیضاوی و بغوی کی ورق گردانی نہیں بلکہ دل دردمند کے الہام اور جبریل عشق کے فیضان کی ضرورت ہے۔"

دل دردمند کا الہام اور جبریل عشق کا فیضان اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم قرآن کو نحو و لغت کی اس زبان میں سمجھیں جو احادیث نبوی، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کے سانچے میں ڈھلی ہے اور قرآن ہی کے الفاظ و مطالب کی زبان ہے۔

سید سلیمان ندوی نے ترجمان القرآن کی اس امتیازی خصوصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تبصرہ میں لکھا ہے کہ:

۱۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق مولانا ابوالکلام کے [illegible] اسلوب [illegible] کے ساتھ [illegible] سے قرآن پاک کی ہر آیت کو جس بیان سے ان [illegible] کے دروازے کھول دیئے۔ اور ان کے دلوں میں قرآن پاک کے معانی و مطالب کی [illegible] وسعت پوری طرح نمایاں کر دیا۔

۲۔ علمائے روایت پسند ہوتے تو [illegible] روایات کے شکار ہوتے اور علمائے [illegible] پسند ہوتے تو یونانیوں کے نظریات سے بہرہ ور ہوتے۔ تمام علمائے اسلام میں صرف ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم ہی دو بزرگ ہیں جو ایک طرف روایات کے نقاد و مبصر ہیں تو دوسری طرف یونانی فلسفیات کے نقاد اور دین کے حق و باطل کے واقف کار ہیں ان کے [illegible] سب سے اور دینی حکمت کے ذوق چشیدہ [illegible] ہیں۔ ان کی تفسیر تمام تر حکمت و مصلحت اور حقیقت و مغز پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ حکمت نہیں جو یونان کے صنم کدہ سے اچھلی ہو بلکہ وہ جو حجاز کی نہر و شہر سے بہہ کر نکلی ہو یا جو فطرت انسانی کے ربانی چشموں سے ابلی ہو۔

۳۔ مصنف ترجمان القرآن کی یہ دیدہ وری داد کے قابل ہے کہ انہوں نے وقت کی روح کو پہچانا اور اس فتنہ فرنگ کے عہد میں اس طرز و دانش کی پیروی کی جس کو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے فتنہ تاتار میں پسند کیا تھا۔ جس طرح انہوں نے اس عہد کے مسلمانوں کی تباہی کا راز فلسفہ یونان

کی دماغی پیروی کو قرار دیا اسی طرح اس عہد کے مسلمانوں کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفہ یونان و فرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا اور نسخہ علاج بھی وہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسول کی زبان و اصطلاح اور لغات کے عقل و فلسفہ سے سمجھنا چاہیئے۔

۴۔ ترجمان القرآن دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول مصنف کی تفسیر البیان ہے جس سے سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے اور حصہ دوم سورہ فاتحہ سے لے کر انعام تک کا تفسیری ترجمہ ہے۔ مصنف کی دیدہ وری اور مذہبی دقت نظر کا اصل جوہر اسی حصہ میں ہے۔ یہ درحقیقت ایک مستقل کتاب ہے۔ اس میں سورہ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کی ایسی دلنشیں تشریح اور بصیرت افزا تفسیر ہے کہ اس سورہ کے ام الکتاب واصل قرآن ہونے کا مسئلہ [illegible] ہو جاتا ہے اور اسلام کے تمام [illegible] ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] امام غزالی نے الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ [illegible] اس بحث پر [illegible] [illegible] [illegible] توحید [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۵۔ ترجمان القرآن [illegible] اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے۔

سید صاحب نے اس سے پہلے [illegible] مولانا کی رانچی میں نظر بندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"رانچی ایک نیا مقام تھا جہاں مسجدیں بے چراغ تھیں وہاں ایک خورشید سے دیر و حرم سب میں اجالا ہو گیا۔ مولانا نے نظر بندی کا یہ زمانہ جس عزم و استقلال، استغنا اور قوت ایمان کے ساتھ بسر کیا وہ ائمہ سلف کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔"

اسی مضمون کے آخر میں سید صاحب رقمطراز ہیں۔ ان سطروں کو لکھتے وقت مجھ کو یہ دھوکا ہو رہا ہے

کرکے میں خود ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ یا شمس الائمہ سرخسی اور امیہ بن عبدالعزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں۔

سجاد علی انصاری نے لکھا:

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا دماغ ان معجزات میں سے ہے جو کارکنان قضاوقدر کی حیرت انگیز کرشمہ سازیوں کو نمایاں کرتے رہتے ہیں۔

۲۔ ہندوستان میں مذہب و سیاست کے [illegible] جامعیت کبھی اس طرح وحدت سے نمایاں نہیں ہوئی جو [illegible] آزاد کی شخصیت میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے۔

۳۔ [illegible] میں حسن و صداقت [illegible] وہ محض تنبیہ و تہدید یا دلائل و عجز نہیں [illegible] خصوصیات [illegible] اصابت پر تیس [illegible] ہوئی ہے [illegible] مسلمان محسوب ہو سکے [illegible] دو سو برس پہلے تک اس صحیفہ میں [illegible] موجود ہے۔

ترجمہ کی خصوصیات

[illegible] قرآن [illegible] میں ہے۔ [illegible] کے ۱۹۲۶ء [illegible] صفحات [illegible] کل ۱۰۴۹ صفحات ہیں۔ سورہ فاتحہ [illegible] ایڈیشن کی نقل ہے اور نقل میں [illegible] ہندوستانی ایڈیشن [illegible] دہلی نے اُردو ٹائپ میں ڈاکٹر ذاکر حسین [illegible] جلد [illegible] چھاپا۔ اس سے ۵۱۳ صفحات میں [illegible] صفحہ پر مقدمہ [illegible] ہے۔ پروفیسر محمد جمال خان کا نام ترتیب و مقدمہ کے زیرعنوان درج ہے۔ لیکن اس میں مقدمہ قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اگر ترتیب سے مراد بعض چیزیں جو اس میں چھوٹ گئی تھیں ان کا اندراج ہے۔ مثلاً کتابت کی تصحیح، طباعت کی اصلاح، آیات کے نمبر، مباحث میں مندرجہ آیات کے ابواب، نمبروں کی جانچ، بعض آیات کا چھوٹا ہوا ترجمہ، احادیث نبوی عربی اشعار، مقدسہ اور بائبل کے حوالوں کی درستی، یورپی مصنفین اور ان کی تصنیفات کا رومن حروف

میں نام، املا کی صحت اور عبارت کے رموز و اوقاف وغیرہ تو یہ کام پروفیسر محمد اجمل خان نے تنہا انجام نہیں دیا۔ ڈاکٹر عبدالحمید خان صاحب اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے استاد عربی مدرسی محمد حسن خان بھی ان کے مددگار رہے ہیں۔ پروفیسر محمد اجمل نے تفسیر فاتحہ کے آخر میں دو صفحے حاشیہ [illegible] لکھ چھوڑے ہیں اور ڈیڑھ سطر میں مقدمۃ البیان کے بارھویں باب کی سورہ فاتحہ سے متعلق روداد بیان کی ہے۔

(۲) مولانا سے پہلے قرآن پاک کے تراجم عربی آیات کے الفاظ کا تحتی ترجمہ تھے۔ یعنی جس ترتیب سے سورۃ کے الفاظ تھے اسی ترتیب سے الفاظ کے [illegible] معنوں کا [illegible] [illegible] کی دعوت کا [illegible] مولانا [illegible] میں جنھوں نے قرآن کا ترجمہ [illegible] کے مقطع [illegible]

احمد پاک کی خاطر تھی خدا کو منظور

ورنہ قرآن بھی اترتا بزبان اردو

[illegible] کہ قرآن [illegible] کی [illegible] سے مقدور [illegible] ہے۔ پروفیسر سید محمد صدیقی [illegible] سے ترجمہ و تفسیر میں [illegible] پہلے [illegible] ترجمہ و تفسیر [illegible] خصوصیت ہے [illegible] زبان نہیں۔ جیسا کہ ڈپٹی نذیر احمد نے [illegible] اردو کو عوامی زبان بنانے میں اس کا عربی مزاج [illegible] رہے تھے۔ مولانا نے [illegible] مسلمانوں کے ذہنی [illegible] قرآن ہی کی زبان استعمال کی ہے جس سے قرآن کی [illegible] کر رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے عجمیوں کے استفسار پر [illegible] کے باعث فارسی میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مولانا کے ترجمے سے قرآن کی دعوت کا تاثر بالکل اردو پر [illegible] عربی آہنگ قائم رہتا ہے۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ خود کو عربی فضا میں محسوس کرتے ہیں۔

(۳) مولانا کے ترجمہ و تفسیر نے ہندوستان کے غیر مسلموں میں بھی قرآن پڑھنے کی ترغیب پیدا کی۔ اس

سے پہلے وہ قرآن کو نہ پڑھتے اور نہ اس پر غور کرتے تھے۔ اکا دکا پنڈت یا گیانی مناظرے یا مجادلے کے لیے قرآن پڑھتے تھے۔ مولانا کے تفسیر و ترجمہ کی ہمہ گیری نے تعلیم یافتہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں میں اس کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا جس سے ان کی نئی نسلوں اور بعض پرانے لوگوں میں اسلام آشنائی کی راہیں کھلیں اور وہ اسلام کے بارے میں جن بدگمانیوں کا شکار تھے وہ رفع ہو گئیں الا ان لوگوں کے جو مسلمانوں سے سیاسی اور معاشرتی طور پر برگشتہ یا بدظن تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ "مولانا کے ترجمان القرآن سے پہلے اردو میں کوئی ترجمہ ایسا نہیں تھا، جو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے دلوں تک بھی پہنچ سکے۔"

اس لحاظ سے مولانا کا ترجمہ اور سورہ فاتحہ کی تفسیر بجائے خود اس دعوت کا احیاء ہے جو غیر مسلموں پر مسلمانوں کے سیاسی عروج [illegible] اسلام میں [illegible] کوئی سعی کوشش [illegible] ہندوؤں اور دوسرے [illegible] نے خود [illegible] سے مسلمان ہو گئے بلکہ اسلام کی اصل تعلیم سے بھی [illegible] ہے جو بدگمانیوں سے ان میں پیدا [illegible] اور وہ اسلام کو [illegible] ڈاکٹر [illegible] کہ مقدمہ ترجمان القرآن کو [illegible] مطالعہ سے [illegible] اردو [illegible] بیان سے حاصل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں "مولانا [illegible] غضب کی وہ دھمک ہے جس نے ان کے ترجمے اور تفسیری اشارات میں [illegible] شان پیدا کر دی ہے۔"

(۴) ذاکر صاحب کے الفاظ میں مولانا روح تفسیر کے محرم ہیں اور کلام الہی کے مطالب کو اس [illegible] سمجھاتے ہیں جس سے [illegible] کے تقلیدی ذہن کو بھی تسکین ہو جاتی ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں [illegible] مولانا نے نئے زمانہ کے اس ذہن کو [illegible] ملحوظ رکھا [illegible] وقت کے بعض سوالوں کا جواب آ گیا ہے فی الجملہ وہ تمام الحاد زدہ رفع ہوتے ہیں جو اس دور کی عقلی اور علمی تحریکوں نے پیدا کئے ہیں۔

(۵) مولانا نے جلد اول کے آغاز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ ما لا اعلم۔

(ترجمہ) کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں اللہ کی کتاب سے متعلق کوئی ایسی بات کہوں جس کا مجھے صحیح علم نہیں۔

مولانا نے ترجمہ و تفسیر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس قول کو ہاں و تمام ملحوظ رکھا اور ٹھیک وہی مطالب بیان کئے ہیں جن سے اس زمانہ کی سب تشنگیاں سیراب ہو سکتی ہیں اور جن کی غایت یہی [illegible] ہے کہ ترجمان القرآن کی سب سے بڑی خوبی یہ [illegible] عقلیات دونوں کو ترک [illegible] روایات پر [illegible] دوسرے مفسرین سے ممتاز کرتی ہے [illegible] ہوتے تھے۔ بعض [illegible] علما جو علوم و فنون کے سوا [illegible] میں کوئی خبر رکھتے [illegible] بغاوت کے مترادف تھا اور وہ اس کو قدامت کے [illegible] علما نے بھی [illegible] باعث وہ درس و افتا کی مسند [illegible] کے الحاد و دہریت کی جو آندھیاں اس سیلاب [illegible] بعض ہونے لگے تھے [illegible]۔

مولانا محمد ابراہیم [illegible] "فتح البیان" میں مولانا کو [illegible] ایڈیٹر عقاب نے مولانا ابوالکلام کو مطلع کیا [illegible] ترجمان القرآن کی جلد اول پڑھ کے گئے۔ مولانا نے [illegible] ۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء، اپنے خط کے [illegible] میں تحریر کیا کہ براہ عنایت مجھے کتاب نہ بھیجیے [illegible] میں نے جس میں [illegible] کا عہد کیا۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ کسی شخص کے [illegible] طریقہ پر میرے متعلق کچھ لکھے گا تو جواب دوں گا نہ اس کی حمایت سے اپنے نفس کو آلودہ ہونے دوں گا۔[1]

غرض یہ تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعض مطالب سے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں بالرسل [illegible]

---

[1] میرا عقیدہ از ابوالکلام آزاد، مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۰

نہیں اور اسلام کا نظام عبادات ہنگامی ہے۔

مہر صاحب لکھتے ہیں کہ مسودہ کا جواب آیا تو اپنے فہم کی نارسائی اور علم کی بے مائگی پر ندامت ہوئی۔ مولانا نے لکھا کہ:

"جس طرح اصلی دین کی دعوت کامل ہو چکی اور وہ تمام پچھلی دعوتوں کا جامع اور مشتمل ہے ٹھیک اسی طرح تشریع و تدوین کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے اور وہ تمام شرائع کے مقاصد [illegible] سورہ فاتحہ کے بعد ایک سورت [illegible] اور بھی مع اپنے مقاصد و مطالب [illegible]"

مولانا نے سورہ [illegible] کی تفسیر [illegible] وجود [illegible] ہے۔" اس کی حقیقت [illegible] تحریکوں [illegible] کی ہستی کا [illegible] ہے۔

[illegible] قرآن کی بڑی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے [illegible] کے مطابق [illegible] ہے۔ اس نے کائنات کی تکوین سے [illegible] فلسفہ و دانش کے ہاتھوں انسان [illegible] اس طرح [illegible] ثبوت [illegible] ہے [illegible] اصول و مبادی ہیں جو [illegible] ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے تو انسانی فکر و عمل کے لیے کسی موثر کی کمی نہیں رہتی۔ سورہ فاتحہ کے اکثر مباحث کی اصل انہی نکات پر ہے۔

---

[1] خط بنام مولانا غلام رسول مہر ماخوذ از مہر اعتقیدہ ابوالکلام آزاد (صفحہ ۱۹)

(۷) سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے مخاطب صرف مسلمان نہیں عام انسان ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا نے تمام راہوں سے ہٹ کر اس میں ان تمام مباحث پر قلم اٹھایا ہے جو فلسفہ و سائنس کی اس مادی بیزار دنیا میں انسان کو درپیش ہیں۔ ہمارے وہ مفسرین جنہوں نے ان مباحث کو نظرانداز کیا یا قرآن کی تفسیر سے الگ رکھا وہ نہیں جان سکے کہ ان مسائل و مباحث کی فی زمانہ اہمیت کیا ہے۔

(۸) مولانا نے قرآن کی دعوت کو جس انداز اور اسلوب اور پیرائے میں پیش کیا وہ بلاشبہ اس زمانہ کے عوارض کا علاج تھا۔ مولانا [illegible] وقت دعوت قرآن سے [illegible] جس وقت مسلمانوں کا [illegible] تھا۔ [illegible] ہندوستان میں سیاسی [illegible] اور مذہبی [illegible] سرگرم تھے [illegible] اس زمانہ میں [illegible] [illegible] اسلوب تھا جو [illegible] قرآن [illegible] تھا۔

(۹) ترجمان القرآن، قرآن کے اصولی مباحث کی [illegible] تدوین کے علاوہ اس کی مثالی زبان، اس کی ادبی خصوصیات [illegible] اسلوب [illegible] اس کے طریق [illegible] اس سے تعلق [illegible] [illegible] جس [illegible] مثالی زبان کو [illegible] دیتے ہیں۔

(۱۰) ترجمان القرآن کے طرز بیان [illegible] ہوتا ہے کہ وہ اسے انگریزی اور فرانسیسی میں فوری طور [illegible] کے ساتھ [illegible] پشتو میں ترجمہ کا [illegible] سندھی سے ترجمے ہوچکے ہیں [illegible] مولانا نے [illegible] ترجمہ محض مطالب کی [illegible] مطالب کے [illegible] [illegible] بتانا چاہتے تھے کہ قرآن کی دعوت [illegible] انسان اس کا مخاطب ہے۔

(۱۱) مولانا اصول تجدید و تعیب کے تحت فرماتے ہیں۔ ۔ ۔ ”ہر عہد کا مصنف اپنے عہد کی ذہنی سطح کی پیداوار ہوتا ہے اور اس قاعدے سے صرف وہی دماغ مستثنیٰ ہوتے ہیں جنہیں مجتہدانہ دقت نظر کی قدرتی بخشش نے صف عام سے الگ کر دیا ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون آخرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے ان کا طریق تفسیر ایک روبہ تنزل معیار فکر کی مسلسل زنجیر ہے۔ جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی سے پست تر اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں جب

قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے جس قدر نیچے اترتے آتے ہیں حالت برعکس ہوتی جاتی ہے۔ یہ صورت حال فی الحقیقت مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔

مولانا نے ترجمان میں قرآن کی حقیقی دعوت اور اس کی شکل و نوعیت سے وہ تمام پردے اٹھائے جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کے حامی [illegible] نے اس کے چہرے پر ڈال دیئے تھے۔ [illegible] کے مسائل میں کسی مکتب کے فہم و عمل کی پیروی نہیں [illegible] دین کی دعوت و تعلیم کا [illegible] اتباع کیا ہے۔

(۱۲) مولانا نے تفسیر و ترجمہ دونوں میں [illegible] علیہم السلام کے [illegible] تھا۔

(۱۳) مولانا فرماتے ہیں [illegible] سیدھی سادی فطری حالت پر قائم تھا۔ [illegible] واقع ہوتی گئیں ویسے ویسے ہی اس سے دور ہوتی گئیں [illegible] نہیں [illegible] تو قرآن کی ہر ایک آیت یہ صورت [illegible] اور [illegible] وضعیت کا دور شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت [illegible] قرآن کے [illegible] سادگیوں سے [illegible] ہوتی گئیں، رفتہ رفتہ وہ وقت آگیا [illegible] وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ اس سانچے میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی اس لئے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہوتے گئے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں الجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔

مولانا نے ترجمان القرآن میں وضعیت کے ان ہی سانچوں کو توڑا اور وہ تمام الجھاؤ ختم کئے جو اسرائیلیات و عقلیات کی بدولت متقدمین کی تفسیر میں پیدا ہو چکے تھے اور جس کا تصنیفی شاہکار امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر ہے کہ اس کی بدولت شکوک و ایرادات کے دروازے اس طرح کھلے کہ ان کا بند ہونا مشکل ہو گیا۔

(۱۴) مولانا نے ترجمان القرآن میں فلسفہ و منطق کے بجائے تلقین و وجدان کا فطری طریقہ اختیار کیا اور

یہی وہ طریق ہے جسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا اور ہر دل قدرتی طور پر قبول کر لیتا ہے۔ مولانا کی تفسیر میں قرآن کے دلائل و براہین کی ساری خوبروئی و دلنشینی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

(۵) ترجمان القرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں پوری احتیاط کے ساتھ ایک ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا ہے کہ الفاظ کم سے کم اور مطالب زیادہ سے زیادہ سمٹے ہوئے ہیں۔ کوئی چیز کم ہے تو وہ مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی سی کمی نہیں۔ ملحوظ رہے جسے پر جس قدر غور کیا جائے مطالب و مباحث کے نئے دفتر کھلتے چلے جاتے ہیں

(۶) ترجمان القرآن کی جلد اول ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی [illegible] [illegible] کی دوسری جلد ۱۹۳۵ء [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تبدیلی کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نکات کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور دین حق کا اصل ان چار باتوں پر موقوف ہے۔

اوّل۔ خدا کی صفات [illegible] [illegible] انسان کو خدا [illegible] [illegible] جس قدر [illegible] لگی ہیں وہ صفات ہی کے تصور میں [illegible] ہیں۔

دوم [illegible] [illegible] [illegible] دنیا میں ہر چیز کا [illegible] خاصہ [illegible] قدرتی تاثیر ہے اسی طرح نفسانی اعمال کے بھی معنوی خواص و نتائج ہیں۔ ہر عمل کا نتیجہ اچھائی اور برے کا برائی۔

سوم: معاد کا یقین یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی اس کے بعد بھی باقی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

چہارم۔ فلاح و سعادت کی راہ اور اس کی جستجو۔ غرض سورۂ فاتحہ کے سات بول سات آیتیں جنہیں ام القرآن، خلاصۃ الکتاب اور اساس القرآن کہا گیا ہے، اپنے خالق سے متعلق انسان کی بڑی جستجو اور اس سارے سفر کی آخری منزل کا رنگ لیے ہوئے ہیں کہ انسان اس کے سوا نہ تو اپنے رب کا تصور رکھتا ہے اور نہ خدا کا تصور اس کے بغیر تمام ہوتا ہے۔ اکثر قوموں اور ملکوں نے اللہ کے تصور کو اپنے حصار میں بند کر لیا اور خدا کو اپنا ہی رب گردانا تھا۔ لیکن اسلام نے خدا کے رب العالمین ہونے کی ہمہ گیر صدا کا اعلان کیا۔ اب تک لوگوں میں خدا کا تصور خوف و دہشت کا تصور تھا۔ اسلام نے رحمت و عدالت کا تصور پیش کیا۔ مولانا نے اس بحث میں

ایسے ایسے نکتے بیان کیے اور یہی وہی چیزیں تھیں کہ علم و نظر میں تفصیل و اطناب کے دفتر مدون کیے جا چکے ہیں

(۱۷) مولانا نے سورہ فاتحہ کو امّ القرآن کی حیثیت سے تفسیر و بیان کا موضوع بنایا اور ایک عام منشور کے طور پر پیش کیا ہے۔ ہماری تفسیر ان لوگوں کی جستجو و اضطراب کا جواب ہے جو اپنے رب کی تلاش میں عقل و فکر کے صحراؤں اور بیابانوں میں گھومتے پھرتے اور اس کی حقیقت جاننے میں کبھی منزل مقصود سے دور ہو جاتے اور کبھی گمراہی و ضلالت میں کھو جاتے ہیں۔

(۱۸) مولانا نے وحدت ادیان کا جو تصور پیش کیا اور اس باب میں جو نکات بیان کیے، پھر اس پر جو گفتگو اس کے متعلق وقت کے مذہبی فتنوں نے [illegible] کے ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ وہ وحدت ادیان کے داعی ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔ وہ اس ہے [illegible]

[illegible] لکھا ہے کہ مذہب [illegible] اختلاف کو نزاع بنا لیا گیا [illegible] سچائی [illegible] اس کا مطلب ہے الگ الگ جتھے بنا لیے [illegible] گروہ بندی کا ظہور ہوا۔ جس نے انسانوں کو مخالف [illegible] میں تقسیم کر دیا۔

مولانا کے قلم سے بہت دفعہ یہ کلمہ خاص طور سے نکلا ہے۔ [illegible] مذہب کی سچائیوں کو جس طرح گم کیا وہ اس کی نشاندہی کریں اور بتائیں کہ گمراہیاں تمہارے دین و داعی کی نہ تھیں گمراہیاں تمہاری اپنی ہیں کہ تم نے اپنے ادیان کی سچائی کھو دی ہے۔ مولانا یہ سب دعوت و حکمت کے طریق سے بیان نہ کرتے تو فی زمانہ قرآن کی دعوت دینا مشکل تھا۔ قرآن کی دعوت پیغمبر اسلام کی اپنی دعوت نہ تھی۔ اور نہ ان کے اپنے مواعظ تھے۔ خدا کا کلام جو انہیں وحی کی معرفت ملا وہ ایک سچے رسول کی حیثیت سے پیش کر دیتے تھے۔ جب سبھی دین خدا کے تھے اور پیغمبر اسلامؐ سے پہلے خدا کے رسولوں کی معرفت قوموں کی راہنمائی کا ضابط

مجھے تو یہ خیال کہ ان ادیان کا ذکر ہی نہ ہو اور دعوت الٰہی میں انسانی وحدت کی جو ترغیب و تلقین ہے وہ سرے سے بیان ہی نہ ہو ایک ذہنی گمراہی ہے۔

مولانا نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عالمگیر انسانی معاشرے کی مخفی روح پر قرآن کی یہ حقیقت آشکار کی ہے کہ وہ مختلف مذاہب کے پیروؤں کو ان کے دین کی طرف بلاتا، اور کہتا ہے کہ اپنی گم شدہ سچائیوں کی طرف لوٹ جاؤ کہ اب اس سچائی کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن کی اس دعوت کا لب لباب یہ تھا کہ جو لوگ اپنے ادیان سے منحرف ہو چکے تھے اپنے منحرف دینی حقیقتوں کے [illegible] ہو گئے تو ان پر رشد و ہدایت کا دروازہ کھلنے کا اور وہ ہدایت دین حق کی قبولیت پر آمادہ ہوں گے [illegible] راستہ پر ہو کر چلا سکنے میں جو جاتا ہے۔ [illegible] سے تفرقی قائم کر لیں [illegible] تعصب [illegible] کی سمت اختیار کرتے [illegible] مجبور [illegible] سے پہلے جو دین تھے وہ [illegible] خطاب تھا جو [illegible] منتہی ہو کر [illegible] سے محروم ہونے دین [illegible] ابتدائی [illegible] آخری کتاب ہے۔ مولانا نے مذاہب [illegible] کو وحدت [illegible] ایک [illegible] خطاب یا طریق استدلال ہے [illegible] نمایاں [illegible] ہوتی ہے۔

(۱۹) سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں [illegible] مالک یوم الدین کے مطالب و معانی کا پھیلاؤ مولانا کے علمی [illegible] خدا کی پہچان کا [illegible] حسن و خوبی سے ان چہار صفات ربانی کی [illegible] میں [illegible] جاتا ہے کہ [illegible] عقل کے آخری کنارے تک پہنچ [illegible] حقیقت [illegible] ہے کہ قرآن پاک انسانی فلسفہ و کلام کی کتاب نہیں بلکہ الٰہی رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے۔ جو انسان کو عقل کے مخمصوں سے نجات دیتا اور حکمت کی راہ پر ڈالتا ہے۔ ربوبیت کیا ہے [illegible] تقدیر، ہدایت، ہدایت وجدان، ہدایت حواس، براہین قرآنیہ، دعوت تعقل، تخلیق بالحق، برہان ربوبیت، وحی و رسالت اور وجود معاد کے اساسی مباحث فکر و نظر کی بہت سی گتھیاں حل کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر ربوبیت کے انعامات مثلاً رزق، پانی، ہوا وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس سے نسل انسانی کے مشترکہ استحقاق کی نشاندہی ہوتی ہے۔ خالق سب کا ہے تو اس کے انعام بھی سب کے لیے ہیں۔ اس طرح طبقاتی تقسیم کا جواز باطل ہو جاتا ہے

رب سب کا ہو لیکن ربوبیت سب کے لیے نہ ہو کیونکر ممکن ہے، اللہ کا رزق نسل انسانی کے لیے اس کا مشترکہ انعام ہے اس پر کسی جماعت کا قبضہ طبقاتی سماج کو پیدا کرتا ہے جو جا بجا تعلیمات ربانی کی خلاف ورزی ہے۔

(۲۰) ہدایت کی بحث میں ایک دلچسپ خیال کئی فکری مشکلوں کو حل کرتا ہے۔ جب ہر چیز کے لیے ہدایت ہے تو انسانوں کے لیے ہدایت کیوں نہیں۔ رسول منشائے ایزدی کے مظہر ہوتے ہیں اگر مادیین کے نزدیک راستہ فطری ضرورتوں کی پیداوار ہیں تو رسالت و نبوت منشائے خداوندی کے تحت مخلوق کی ہدایت و سعادت کا منصب ہے

(۲۱) الرحمن و الرحیم کے مباحث اتنے جامع ہیں [illegible] کی وسعت [illegible] قرآن کے [illegible] کی [illegible] پر قدرت کا [illegible] ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے [illegible] کارفرما ہے اور وہ سحر کی تاثیر رکھتی ہے۔ [illegible] احساس تک نہیں ہوتا [illegible] نہیں [illegible] کو [illegible] چھوڑ دیا ہے۔ [illegible] پڑھتا اور [illegible] ہے گویا انعام یزدی سے [illegible] ہے۔

(۲۲) [illegible] ہے جو قرآن سے متعلق [illegible] ہے۔ [illegible] بحث میں [illegible] بیان کرتے ہوئے بائبل کے معتقدوں [illegible] کے خلاف سمجھنا بھی تفریق بین الرسل ہے۔

(۲۳) مالک یوم الدین کی بحث میں دین کے لفظ کی پوری سرگزشت لکھ دی ہے [illegible] کی نسبت سے جس کی حقیقت پر [illegible] روشنی ڈالی ہے [illegible] نقشہ واضح ہو جاتا [illegible] ہو جاتی ہے۔ مادیت کی طرح معنویت کے بھی خواص و نتائج ہیں مثلاً ربوبیت پرورش کرتی ہے۔ رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے اور عدالت سے بناؤ اور خرابی ظہور میں آتی اور نقصان و فساد کا ازالہ ہوتا ہے۔

اسی بحث میں ظلم، طغیان، اسراف، تبذیر، فساد اور اعتداء و عدوان کے معنی بیان کئے ہیں کہ معاشرہ ان عوارض کے وجود و ظہور ہی سے خراب ہوتا ہے۔

(۲۴) صفاتِ الٰہی کے تصور سے متعلق مولانا نے غور و فکر اور مطالعہ و علم کی جو وادیاں قطع کی ہیں اور زمانہ حال کی تحقیقات پر نقد و نظر کی جو عمارت اٹھائی ہے پھر جس عمق سے مختلف اقوام و ممالک کے تصورِ الٰہیات کا احاطہ کیا ہے اور ان تمام مباحث کو حیثیت کو قرآن کے تصورِ الٰہ کی تشریحات و تصریحات کی ہیں غالباً دنیا کے کسی ادب میں ایسی سیر حاصل بحث نہیں۔ اس پورے سلسلہ کے فکری عناصر کی تحلیل کرتے ہوئے مولانا نے ارتقائی تصور کے نکاتِ ثلاثہ کی صراحت کی ہے کہ خدا کا تصور ان مرحلوں سے گزر چکا ہے۔

۱۔ تجسم سے تنزیہہ کی طرف

۲۔ تعداد و شرک سے توحید کی طرف

۳۔ صفاتِ قہر و جلال سے صفاتِ رحمت و جمال کی طرف

ان تینوں کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت پانچ دینی تصورِ خدا عالم پر چھائے ہوئے تھے۔

(۱) چینی (۲) ہندوستانی (۳) مجوسی (۴) یہودی (۵) مسیحی۔

ان پانچوں پر سب سے طویل ترین معروضی اور تجزیاتی حاشیے لکھے ہیں۔ یہاں مولانا نے پیشروؤں سے متقدمین علماء نے بہت سے غلط خیالات اٹھائے ہیں۔ ان میں بعض عقائد مختلف ملکوں کی جغرافیائی ہیئت کی بنا پر ہیں۔ ان سے ... معلومات کی ہیئت کا انکشاف ہوتا ہے بلکہ بعض نظریات کے ماخذ بھی سامنے آ جاتے ہیں۔

مولانا نے صفاتِ الٰہی کی بحث میں امام رازی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ رازی نے جو عقیدہ سکھایا تھا۔ اس پر دنیا سے جا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ امام فخر الدین رازی کی آخری تصنیف سے اقتباس درج کیا ہے کہ:

"میں نے علمِ کلام اور فلسفے کے تمام طریقوں کو خوب دیکھا بھالا لیکن بالآخر معلوم ہوا کہ ان میں کسی بیمار کے لیے شفا ہے نہ کسی پیاسے کے لیے سیرابی۔ سب سے بہتر اور حقیقت سے نزدیک تر راہ وہی ہے جو قرآن کی راہ ہے۔"

(۲۵) "اھدنا الصراط المستقیم" کی تفسیر میں مولانا نے تکوینِ وجود کے چار مرتبے بیان کئے ہیں اور (۱) تخلیق (۲) تسویہ (۳) تقدیر (۴) ہدایت۔ ہدایت کیا ہے؟ وجدان کیا ہے؟ اور جوہرِ عقل کیا ہے؟ ان تینوں کے

ذکر میں غور وفکر کا ایک خزانہ جمع کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں: دعوت قرآنی کی تین جہات ہیں (۱) انسان کی نجات وسعادت کا دارومدار اعتقاد وعمل پر ہے نہ کہ کسی خاص گروہ بندی پر (۲) نوع انسانی کے لیے دین الٰہی ایک ہی ہے اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس یہ جو پیروان مذاہب نے دین کی وحدت اور عالم گیر حقیقت ضائع کر کے بہت سے مختلف ومتخاصم جتھے بنا لیے ہیں یہ صریح گمراہی ہے (۳) اصل دین توحید ہے یعنی ایک پروردگار عالم کی براہ راست پرستش کرنی اور تمام بانیان مذاہب نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ اس کے خلاف جس قدر عقائد واعمال اختیار کر لیے گئے ہیں حقیقت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔

(۲) مولانا نے قرآن اور پیروان مذاہب کے مابین نزاع کے تین اصول بیان کیے ہیں۔

۱۔ وہ مذہبی گروہ بندی کا مخالف تھا اور دین کی وحدت یعنی ایک ہی دین کا اعلان کرتا تھا، پیروان مذاہب یہ مان لیتے تو [illegible] لیکن ان کی [illegible] ہیں کہ [illegible] طور پر [illegible] گروہ پرستی [illegible]

۲۔ قرآن [illegible] نجات وسعادت کا دارومدار اعتقاد وعمل پر ہے نسل و قوم، گروہ بندی اور ظاہری [illegible] پر نہیں ہے [illegible] وہ فیصلہ [illegible] نجات کا دارومدار [illegible] تمام نوع انسانی پر [illegible] ان میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا۔

۳۔ وہ کہتا تھا اصل دین خدا پرستی ہے اور خدا پرستی یہ ہے کہ ایک خدا کی براہ راست پرستش کی جائے لیکن پیروان مذاہب نے کسی نہ کسی شکل میں شرک وبت پرستی کے طریقے اختیار کر لیے تھے۔ وہ گو [illegible] اس بات سے انکار نہیں کر سکتے تھے کہ اصل دین خدا پرستی ہی ہے۔ لیکن یہ بات نہیں مان سکتے تھے کہ اپنے موروثہ اور معتاد طریقوں سے دستبردار ہو جائیں۔

(۳) مولانا نے قرآن کی دعوت کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تفصیلات کا خلاصہ جن نو جامع نکات میں پیش کیا ہے، انہی کے الفاظ میں وہ حسب ذیل ہیں۔

۔ نزول قرآن کے وقت دنیا کا مذہبی تخیل اس سے زیادہ وسعت نہیں رکھتا تھا کہ نسلوں، خاندانوں اور قبیلوں کی معاشرتی حدبندیوں کی طرح مذہب کی بھی ایک خاص گروہ بندی کر لی گئی تھی۔ ہر گروہ بندی کا آدمی سمجھتا تھا دین کی سچائی صرف اسی کے حصے میں آئی ہے۔ جو انسان اس کی مذہبی حدبندی

میں داخل ہے نجات یافتہ ہے جو داخل نہیں نجات سے محروم ہے۔

۲۔ ہر گروہ کے نزدیک مذہب کی اصل و حقیقت محض اس کے ظاہری اعمال و رسوم تھے۔ جو ہی ایک انسان انہیں اختیار کر لیتا یقین کیا جاتا کہ نجات و سعادت اسے حاصل ہو گئی۔ مثلاً عبادت کی شکل، قربانیوں کے رسوم، کسی خاص طعام کا کھانا یا نہ کھانا، کسی خاص وضع کا استعمال کرنا یا نہ کرنا۔

۳۔ چونکہ یہ اعمال و رسوم ہر مذہب میں الگ الگ تھے اور ہر گروہ کے اجتماعی مقتضیات یکساں نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے ہر مذہب کا پیرو یقین رکھتا کہ دوسرا مذہب سچائی سے خالی ہے۔ کیونکہ اس کے اعمال و رسوم ویسے نہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔

۴۔ ہر مذہبی گروہ کا دعویٰ صرف یہی نہ تھا کہ وہ سچا ہے بلکہ یہ بھی تھا کہ دوسرا جھوٹا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر گروہ صرف اپنے ہی کو سچا سمجھتا [illegible] دوسروں کو [illegible] کے خلاف تعصب و نفرت پیدا [illegible] کی جگہ [illegible] ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنا دینی کاموں میں داخل رکھتا۔

لیکن قرآن نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا۔

ا۔ اس نے صاف صاف کہا [illegible] اس کی ہدایت عالمگیر [illegible] خدا کی عام بخشش ہے۔ اس لیے ممکن نہیں کہ کسی ایک جماعت ہی کو دیا گیا ہو اور دوسروں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

ب۔ اس نے بتلایا کہ [illegible] نوع انسانی کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لیے ہے۔ پس پیروان مذہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بندیاں کر لی ہیں۔ اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہی ہے۔

ج۔ اس نے بتایا کہ خدا کا دین اس لیے تھا کہ نوع انسانی کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو۔ اس لیے نہ تھا کہ تفرقہ و نزاع کی علت بن جائے۔ پس اس سے بڑھ کر گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دفعہ کرنے کے لیے آئی تھی اسی کو تفرقہ کی بنیاد بنا لیا ہے۔

د۔ اس نے بتایا کہ یک چیز دین ہے ایک شرع و منہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے اور یک ہی طرح پر سب کو دیا گیا ہے۔ البتہ شرع و منہاج پر اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی۔ اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو ویسے ہی احکام و اعمال بھی اس کے لیے اختیار کیے جائیں۔ پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو جا سکتے تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کردی ہے۔ محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

ہ۔ اس نے بتایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں [illegible] کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں۔ یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دین حقیقی [illegible]

و۔ اس نے بتایا [illegible] نہیں ہے [illegible] فراموش کردہ سچائی [illegible] قبول کر لو [illegible] اسلام [illegible] پکارتا ہے۔

ز۔ [illegible] نفرت رکھے بلکہ اس لیے ہے کہ [illegible] پروردگار کے رشتہ عبودیت میں [illegible] مقصود اسی کی بندگی ہے [illegible] تو پھر مذہب اور مذاہب کے نام پر یہ تمام جنگ و نزاع کیوں ہے؟

ح۔ مذاہب عالم کا اختلاف صرف احقاق حق کی [illegible] نہیں رہا بلکہ باہمی عداوت و مخاصمت کا ذریعہ بن گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مخاصمت کیونکر دور ہو؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام پیروان مذاہب اپنے دعوی میں سچے مان لیے جائیں کیونکہ ہر مذہب کا پیرو صرف اسی بات کا مدعی نہیں ہے کہ وہ سچا ہے بلکہ اس کا بھی مدعی ہے کہ دوسرے جھوٹے ہیں۔ پس اگر ان کے دعاوی مان لیے جائیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر مذہب بیک وقت سچا بھی ہے اور جھوٹا بھی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سب کو جھوٹا قرار دیا جائے کیونکہ اگر تمام مذاہب جھوٹے ہیں تو پھر مذہب کی سچائی ہے کہاں؟ پس اگر صورت رفع نزاع کی ہو سکتی ہے تو وہ یہی

ہے جس کی دعوت لے کر قرآن نمودار ہوا ہے۔ تمام مذاہب سچے ہیں۔ کیونکہ سب دین ایک ہی ہے اور سب کو دیا گیا ہے۔ لیکن تمام پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دین کی حقیقت اور وحدت ضائع کردی ہے اور اپنی گمراہیوں کی الگ الگ ٹولیاں بنالی ہیں۔ اگر ان گمراہیوں سے لوگ باز آجائیں اور اپنے اپنے مذاہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہوجائیں تو مذہب کی تمام نزاعات ختم ہو جائیں گی۔ پھر ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی راہ بھی اصلاً وہی ہے جو ان تمام گروہوں کی راہ ہے۔ قرآن کہتا ہے تمام مذاہب کی یہی مشترک و متفقہ حقیقت دین ہے اور یہی نوع انسانی کے لیے حقیقی دین ہے اور اسی کو وہ "الاسلام" [illegible]

اور نوع انسانی کی [illegible] بھی ہو سکتے تھے سب انسانوں کے ہاتھوں ٹوٹ چکے [illegible] بے شمار ٹولیاں بن گئیں سب کی [illegible] بٹ گئے۔ سب کا درجہ ایک تھا لیکن امیر و فقیر [illegible] حالت میں کون سا رشتہ ہے جو تمام تفرقوں [illegible] سکتے ہیں؟

[illegible] بار ہو سکتا ہے۔ [illegible] پر جمع ہوتے ہیں۔ [illegible] ہوتے تو کیسے اس پر جمع ہو سکیں۔

[illegible]

ہے ٹھیک ٹھیک وہی انسان ہے جس کی تخلیق ایمان [illegible] عمل صالح سے ہوتی ہے۔

(۲۱) جلد اول فاتحہ سے [illegible] تک ہے۔ اور جلد دوم اعراف سے مومنون تک۔ [illegible] پہلے اشارات جلد اول سے ماخوذ ہیں۔ ظاہر ہے کہ جلد اول کا تمام پارہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہی ہے لیکن جلد دوم کے اشارات ہی سے خود کئی کتابوں کا پھیلاؤ رکھتے ہیں اور انہیں صرف عنوان بنا کر طویل و بسیط مقالے لکھے جا سکتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ انسانی گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے۔ جہاں

تک دین کا تعلق ہے اس کی بنیادی اصلاحیں تین ہیں۔ عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ اور خدا پرستی میں اخلاص!

بعض نکات کے ضمن میں فرمایا:

۱۔ ظالم و مستبد حکمرانوں کا تسلط بھی خدا کا ایک عذاب ہے جس میں غافل قومیں مبتلا ہوتی ہیں۔

۲۔ معرفت حقیقت کے دو راستے ہیں۔ اولاً فکر ثانیاً نظر۔ فکر یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور [illegible] سوچیں، سمجھیں۔ نظر یہ کہ [illegible] ہستی کے عجائب و دقائق کا مشاہدہ کریں اور اس سے بصیرت پائیں۔

۳۔ دین کے معاملہ میں [illegible]

۴۔ [illegible] جس کی کوئی سی نظیر تاریخ قوم میں نہیں ملتی ہے۔

۵۔ [illegible] اور اصلاح کعبہ کی تاریخ [illegible] کے نزول سے شروع ہوئی۔

۶۔ [illegible] ہے جو محنت کو [illegible] کہ خود نکالنا اور خرچ کر دینا۔

۷۔ قرآن نے چار [illegible] خصوصیت [illegible] (۱) موعظت (۲) شفا (۳) ہدایت (۴) رحمت۔

۸۔ دین اللہ کا ہے [illegible] پیغمبر کے ذمہ ابلاغ ہے۔ محاسبہ اللہ کا کام ہے۔ قرآن نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا ہے۔

۹۔ صبر کے معنی ہیں مشکلوں اور مصیبتوں کے مقابلہ میں جمے رہنا۔ شکر کے معنی ہیں اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا۔

(۲۹) قرآن اور سوشلزم کے زیر عنوان "التوبہ" کے ترجمہ میں مولانا نے جو نکتہ [illegible] تفسیر قرآن کی پہلی صدا ہے۔ جو وقت کی سب سے بڑی سیاسی و اقتصادی تحریک سے متعلق بلند ہوئی۔

سورہ المومنون کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

(۱) قرآن کی یہ اصل عظیم کہ دولت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے مگر جماعت میں پھیلی ہوئی ہو اور سب سے بڑا فتنہ ہے اگر صرف چند افراد کے قبضہ میں چلی گئی ہو اس لیے وہ ہر جگہ دولت مند افراد کو فساد وگمراہی کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور کہتا ہے فساد کا اصل سرچشمہ وہی ہیں۔

سورۃ توبہ کی تفسیر میں قرآن اور سوشلزم کے متعلق نہایت جامع اشارے کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

(۱) معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی۔ اور یہ عدم یکسانیت بعض حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی ذہنی و دماغی استعدادیں یکساں نہیں۔ اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جد و جہد [illegible] حفاظت اور انفرادی ملکیت کا حق تسلیم [illegible] جو جس قدر [illegible] رکھتا ہے وہ اس کا ہے۔ البتہ ریاست پر فرض ہے [illegible] ضروریات [illegible] اس کے فرائض کا حصہ ہوں۔

(۲) [illegible] یہ ہے کہ [illegible] ضرورت [illegible] جائے اور ایسا نظام [illegible] جو [illegible] طبقاتی [illegible] اقتصادی [illegible] حالت پیدا ہو جائے اور وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں [illegible] باقی نہ رہے۔

مولانا کے نزدیک یہ پہلی بات فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اس میں ایک شر کو ختم کرنے سے دوسرا کوئی شر پیدا نہیں ہوتا۔ معاشرہ میں توازن و اعتدال رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ قومی ملکیت کے تحریکی تجربہ کی تائید نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف ہے اور خود روس ہی اپنے دعویٰ کی بتدریج تنسیخ کر رہا ہے لیکن سوشلزم کے حامیوں کا مطالبہ یہ ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے کیونکہ چونکہ سوشلزم کے بنیادی فلسفہ کے حریص بنے ہیں ان کے لیے تجربہ ہی بہترین استاد ہو سکتا ہے۔

(۳۰) فرمایا ـــــ کلام و خطاب کے تین طریق ہیں۔

۱۔ ارباب دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو۔

۲۔ عوام کو موعظت کے ساتھ۔

۳۔ ارباب خصومت سے جدل کی بھی اجازت ہے لیکن بطریق احسن۔

فرمایا عربی میں شئے کا اطلاق نہ صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں بلکہ ہر بات اور ہر حادثہ پر ہوتا ہے حتیٰ کہ دروازہ کھٹکنے کی آواز کو بھی شئے کہیں گے۔

(۳۰) حضرت یوسف علیہ السلام کے ابتلا و اقتدار اور امراۃ العزیز کے عشق وغیرہ کی داستان سرائی میں مولانا نے پہلے مفسروں کی غلطیوں کو استدلال سے بیان کیا اور اس ضمن میں عورت پر کید کے الزام اور مرد کی معصومیت کو اس طرح جھاڑا ہے کہ ان کے نزدیک جنسی بے راہ رویوں کے دائرہ میں سب سے بڑا کید مرد کا ہے۔ مولانا نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس عقیدہ کی از روئے قرآن تردید کی ہے کہ پہلا گناہ عورت سے سرزد ہوا [illegible] بحث میں ثابت کیا ہے کہ عورت کے حقوق مرد کے برابر ہیں۔ تفاوت فرائض میں ہے، حقوق میں نہیں۔ مولانا نے اس سلسلے میں [illegible] مساوات کو نہایت تشریح و بسط سے بیان کیا ہے جو [illegible] میں [illegible] سے پہلی دفعہ عورت و جنسی [illegible] کی ذمہ داری سے معاشرہ میں [illegible] ہو گئی۔

(۳۲) [illegible] نے جدید تحقیقات کی روشنی میں تلبیس [illegible] میں بعض قصص [illegible] اور [illegible] سے الگ اختلاف کیا ہے۔ مولانا نے اس بحث میں [illegible] ایران کے سوا [illegible] پر روشنی ڈالی اور [illegible] کی [illegible] ذکر [illegible] زیر بحث [illegible] ہیں۔ [illegible] کی شخصیت سے پردہ اٹھایا ہے۔

(۳۳) فرمایا ــــ عربوں میں تسبیح کا رواج [illegible] تسبیح [illegible] ہے۔ اہل اسلام سے پہلے عرب انگلیوں پر شمار کرتے تھے۔

(۳۴) قرآن تقلید کی دعوت نہیں، غور و فکر کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب قرآن تقلید محض کا مطالبہ نہیں کرتا تو دوسری کتاب کے لیے یہ مطالبہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے اور جب صاحب قرآن اپنی بندگی کی دعوت نہیں دیتے تو دوسرا کوئی وجود کیونکر اپنی طاعت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

(۳۵) دوسری جلد پہلی دفعہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد ۱۹۳۰ء میں طبع ہوئی اور اس پر ۱۹۴۵ء میں نظر ثانی کی گئی۔ دوسری جلد کی اشاعت کے بعد مولانا ۲۲ سال زندہ رہے لیکن عوام کو تیسری جلد کا انتظار ہی رہا۔ المختصر بارہ پاروں کا تفسیری ترجمہ شائقین کے انتظار کی نذر ہو گیا۔ یہ بحث کسی دوسری جگہ ہے کہ

تیسری جلد کے ترجمہ پر کیا تھا۔ اور مقدمہ و بیان کے اعلان کیوں شرمندہ تکمیل نہ ہو سکے۔ لیکن مولانا غلام رسول مہر نے مولانا کی رحلت کے بعد ۱۹۶۱ء میں باقیات ترجمان القرآن کے نام سے تیسری جلد کی مختلف آیات و سورہ کا ترجمہ مع تفسیر و تشریح مدون کیا۔ جو تمام تر مولانا علیہ الرحمۃ کی تحریرات و تصریحات پر مشتمل ہے۔ دارالبلاغ بلاغ سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ ۲۰ سورتوں کا ترجمہ ہے۔ آیات کے ساتھ ان کا ترجمہ اور قدرے تفسیری نوٹ ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ بعض مضامین سے الگ کئے گئے ہیں۔ ان کی تشریحات ان مضامین کے دائرے میں ہیں ان تراجم کو مولانا تیسری جلد کے لیے لکھتے اور یہی وجہ ہے کہ ان تشریحات [illegible] معنویت اور کاملیت مختلف ہوتی۔

مولانا [illegible] سے پہلے [illegible] میں مولانا [illegible] ترجمان القرآن کی سرگزشت بیان کی [illegible] میں تیسری جلد کا تذکرہ آتا [illegible] محمد [illegible] پرائیویٹ سیکرٹری مولانا آزاد نے صاحب کاری [illegible] جلد میں لکھا ہے کہ جلد دوم [illegible] تفسیر [illegible] تھی [illegible] طباعت [illegible] اس کا نوٹ [illegible]

۳۶۱ [illegible] غلام رسول مہر [illegible] آیات کے ساتھ ترجمہ [illegible] قرآن کے [illegible] دونوں کی مکمل تشریح کے لیے [illegible] طویل مقدمہ ہے۔ جس میں [illegible] بیان کئے ہیں۔ مولانا نے تفسیر قرآن کے [illegible] بعد [illegible] معنویت سے ساتھ [illegible] تفسیر [illegible] کے نقاط میں لکھا ہے جو متقدمین کی تفسیروں سے مختلف اور [illegible] فکر کے حامل ہیں۔

باقیات ترجمان القرآن کے تحت تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

---

۱ جنوری ۱۹۷۰ء میں جب یہ سطریں زیر قلم ہیں، راقم کو ابھی وہ نسخہ نہیں ملا۔ ممکن ہے چھپ گیا ہو، چونکہ ہندوستان اور پاکستان میں مواصلاتی تعلقات کا انقطاع ہے اور ایک مدت سے ہندوستان سے کوئی سی کتاب نہیں آ رہی۔ لہٰذا اس نسخہ سے متعلق اشاعت و عدم اشاعت کی بات کچھ کہنا مشکل ہے۔

۳۷، ترجمان القرآن کے مباحث کا بیشتر حصہ علماء و مشائخ کے حدودِ فہم سے ہٹا ہوا ہے۔ ان کے
ترجمان القرآن کی زبان بھی اجنبی ہے۔ وہ نہ تو اس زبان پر قادر ہیں اور نہ ان مسائل ہی کا اشتباہ کر سکتے ہیں۔
جن کو مولانا نے ترجمان القرآن کے مختلف مباحث میں شرح صدر سے بیان کیا ہے۔ بعض علماء نے
خیال کیا کہ یورپ کی فکری تحریکوں کو دیکھ کر مولانا نے قرآن کے مباحث کا رُخ پھیر دیا ہے اور یہ
تفسیر میں ایک طرح کی بدعت ہے۔ سوشلزم سے متعلق علماء کا خیال تھا کہ ایک یہودی تحریک ہے جس پر قرآن
کی معاشیات کے تحت تنقید و غور غیر ضروری ہے۔ مگر اس [illegible] کے نزدیک [illegible] علم کلام [illegible] متقدمین کی امانت
ہے کہ اس کے بغیر خود قرآن کا دروازہ نہیں کھلتا۔ لیکن جن مسائل سے مسلمانوں کو آج [illegible] ہے ان کا [illegible] کی
محاسبہ بدعت [illegible] نہیں اور
[illegible]
تحریکوں [illegible]
[illegible] سوشلزم [illegible] قرآن سے
اقتصادی [illegible] قرآن کا دولت سے متعلق ٹھیک ٹھیک
تصور واضح [illegible] سوشلزم [illegible] کی ضعف بھی سامنے آتا ہے کہ اسلام کے جوہر [illegible] کو
سوشلزم کی مجوزہ مساوات [illegible] مختلف ہے۔
[illegible] کا مطالعہ [illegible] جنہوں نے مذہب کے
تصورات کو [illegible] استعمال کے [illegible] آلودہ کیا [illegible] معاشرے کی ذہنی بنیاد رکھی ہے۔ مولانا
پہلے مفسر ہیں جنہوں نے وقت کی سب سے بڑی تحریک کا نوٹس لیا جو اس وقت یورپ ہی کے ایک ملک
میں حکمران تھی۔ لیکن جس کی زد میں سب سے زیادہ مسلمان ہی تھے۔ اور اب چین کے سوشلسٹ ہو
جانے کے بعد سوشلزم کا یہ دھار مسلمان ملکوں کی جانب کچھ زیادہ ہی مرتکز ہے۔ چنانچہ افریقی ملکوں
میں سوشلزم کے لیے جو میدان کھلا ہے۔ اور نئی نسلوں کے دماغ جس تیزی سے اس طوفان میں بہہ
رہے ہیں۔ وہ اب ڈھکی چھپی شے نہیں ہے۔

۳۸، ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع ہونے پر جناب غلام احمد پرویز نے معارف اعظم گڑھ میں اپنے
والہانہ انتظار کا ذکر کیا اور [illegible] معانی کے محمل الفاظ سے باہر آ کر جلوہ نما ہونے پر تحریک کا آغاز غالب کے

اس مصرعہ سے کیا تھا کہ ؎

آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

پھر جب وہ خود ایک مفکر کی حیثیت سے سیاسی اُفق پر طلوع ہوئے تو انہوں نے مولانا کی مدح کو اپنا شعار بنا لیا اور وہ سب کچھ کہہ گئے جو کبھی ان کے دل کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ ترجمان القرآن کے بعد کئی لوگوں نے ترجمہ و تفسیر میں مولانا کے جہد و دانش کی نقل کی اور بعض نے ان کا انداز و حذر اختیار کیا، لیکن [illegible] شعوری یا [illegible]۔ ایک چیز واضح ہے کہ ترجمان القرآن کے بعد کی تمام تفسیروں میں مولانا کی چھاپ صاف صاف محسوس و معلوم ہوتی ہے۔

۳۹۔ [illegible] نہیں رہا۔ مولانا [illegible] کی دوڑ [illegible] قدم بڑھانے [illegible] علوم [illegible] سب سے بڑی مصیبت یہ تھی [illegible] کے ہاتھ سے [illegible]۔ مولانا نے قرآن سے جن آیات و مواد کو ترجمہ و تفسیر [illegible] کے لیے منتخب کیا [illegible] ترجمان القرآن میں استدلال و استنباط [illegible] کی اشاعت کے وقت [illegible] کا علمی تفسیر مذہب کی [illegible] مولانا [illegible]۔ انہوں نے سورہ فاتحہ کو تفسیر کے لیے منتخب کیا [illegible] جس میں وہ [illegible] عصری انسان ذہنی طور پر گھر چکا تھا۔

۴۰۔ ترجمان القرآن کا ایک بڑا حُسن تنقید و تحقیق کی جرأت ہے۔ مولانا نے جس سے اختلاف کیا اس کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ نہ قدما سے اختلاف کو گناہ گردانتے اور نہ کسی جماعت یا گروہ سے ڈرتے ہیں۔ عامۃ المسلمین قدما کی تقلید کو اصل دین سمجھتے اور ان پر تنقید کو جرم و گناہ خیال کرتے ہیں۔ مولانا نے امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے متعلق بلا جھجک لکھ دیا ہے کہ:

"اس میں منطق، فلسفہ، حکمت، علم الکلام وغیرہ سب کچھ ہے مگر قرآن نہیں ہے۔"

(۲۱۳) مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدیر برہان دہلی لکھتے ہیں کہ سید رشید رضا مصری کی تفسیر منار اور مولانا کا ترجمان القرآن مطالب و معانی کے اعتبار سے ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ زبانیں دو ہیں، مقصد ایک۔ مولانا علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کے شانہ بشانہ ہیں۔

(۲۱۴) راقم ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک پنجاب کی مختلف جیلوں میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت قید و بند کے دن گزار رہا تھا۔ ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک میں کانگرس کے بڑے بڑے ہندو رہنما جیل خانے میں آئے تو ان میں سے اکثر کے پاس ترجمان القرآن کے نسخے تھے معلوم ہوا کہ وہ اس سے رہنمائی لیتے اور اپنی تقریروں کے لیے حوالے نکالتے ہیں ان کا مسلک تھا کہ اس کے مطالعہ سے ایک بات ان کے ذہن میں گھر کر چکی ہے کہ اسلام مذہب کی حیثیت سے ... اور قرآن ... ہے۔

ترجمان القرآن کی سرگزشت

مولانا کے ذہن میں قرآن مجید کے ترجمہ، تفسیر اور مقدمہ کا خیال کب پیدا ہوا کچھ کہنا مشکل ہے لیکن یہ چیز واضح ہے کہ ہلال کے ساتھ ہی ان کے ذہن میں موجود تھا۔ ہلال کا پہلا پرچہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو نکلا اس کی ترتیب و تدوین سب کچھ اور مضامین و مقالات پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روح میں قرآن ہی رچا ہوا ہے۔ پھر جب مولانا نے ہلال و البلاغ کے بعد کے دور میں ۱۹۱۲ء-۱۷ء باب ... کے تحت آیات قرآنی کی تفسیر و ترجمہ کا سلسلہ ... تو معلوم ہوا کہ ... ان کے فکر کا محور ... قرآن ... اسلام ہیں۔ مختصر چند شماروں ہی سے ظاہر ہو گیا کہ مولانا کی طبیعت تفسیر و ترجمہ کی طرف راغب ہے۔ ۲۳ نومبر ۱۹۱۵ء کے شمارہ کی پشت پر ماہنامہ البلاغ کا اعلان کیا گیا جس میں ... اس کے متعلق تمام علوم و معارف پر تحقیقات کا ایک نیا ذخیرہ فراہم کرنا ... مواعظ و مقالات و ... کی ... جس کی وجہ سے موجودہ طبقہ روز بروز قرآن کریم کی تعلیمات سے ناآشنا ہوتا جاتا ہے ... اس ماہنامہ کا مقصد و موضوع ہوگا۔ لیکن البلاغ کا پہلا شمارہ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو شائع ہوا تو اس کے صفحہ اول پر ترجمان القرآن کا اعلان تھا۔ اس اعلان میں درج تھا کہ:

"آسمانی صحف و اسفار کے حقیقی حامل و مبلغ حضرت انبیاء کرام و رسل عظام ہیں۔ پس ان کی تبلیغ و تعلیم اور نشر و تبلیغ کا مقدس کام دراصل ایک پیغمبرانہ عمل ہے۔ جس کی توفیق صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے جنہیں حق تعالیٰ انبیاء کرام کی معیت و تبعیت کا درجہ عطا فرماتا ہے اور ان کا نور علم براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے وذالک فضل اللہ۔

ہندوستان کی گزشتہ قرون آخرہ میں سب سے پہلے جس مقدس خاندان کو اس خدمت کی توفیق ملی وہ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان تھا۔ ان کے فرزند حجۃ الاسلام امام اعلام مجدد عصر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے قرآن حکیم کے ترجمہ کی ضرورت الہام الٰہی سے محسوس کی اور فارسی میں اپنا عدیم النظیر ترجمہ مرتب کیا۔ اس کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما کا ظہور ہوا اور اردو زبان میں ترجمہ قرآن کی بنیاد استوار ہوئی۔ [illegible] اس واقعہ پر ٹھیک ٹھیک ایک صدی گزر چکی ہے لیکن یہ [illegible] کسی طرح [illegible] کہی جائے کہ نشر و تبلیغ قرآن حکیم کی جو بنیاد اس خاندان بزرگ نے رکھی تھی اس کی [illegible] مخصوص [illegible] بعض داعیان حق [illegible] [illegible] معارف [illegible] وقت [illegible] قرآن حکیم [illegible] حقیقت فرما عبارت میں مرتب کیا [illegible] ترجمان القرآن کا مطالعہ کر چکے ہیں اس کا جواب دینا بالکل غیر ضروری ہے۔

[illegible] سب سے [illegible] اس اعلان کو [illegible] قیمت [illegible] چار روپے [illegible] جائیں گے [illegible] چھپا جا چکا ہے۔

یہ اعلان ۲۱ مارچ ۱۹۱۶ء [illegible] چھپا تھا۔ اس وقت مولانا کی عمر ۲۸ سال تھی۔ البلاغ ۲ نومبر ۱۹۱۵ء کے شمارے سے بیان فی مقاصد القرآن کا [illegible] میں تھا۔ اور لگاتار چھپتا رہا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

"مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے قرآن حکیم کی اس تفسیر کے متعلق اس قدر ظاہر کر دینا کافی ہے کہ قرآن حکیم کے حقائق و معارف اور اس کی محیط الکل معلمانہ دعوت کا موجودہ ذوق جس قلم کے فیضان سے پیدا ہوا ہے یہ اسی قلم سے نکلی ہوئی مفصل اور مکمل تفسیر القرآن ہے۔ یہ تفسیر پوری

کتابی تقطیع پر چھپنا شروع ہو گئی ہے۔ ہر مہینے کے وسط میں، اس کے کم سے کم ۶۴ اور
زیادہ سے زیادہ سو صفحے اعلیٰ درجہ کے ساز و سامان طباعت کے ساتھ شائع ہوتے رہیں
گے۔ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جس میں نصف حصہ مقدمہ تفسیر اور نصف سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا ہوگا
انشاء اللہ، صفر کو شائع ہو جائے گا۔ قیمت سالانہ آخر محرم تک چار روپے بعد کو پانچ روپے"

یہ دونوں اعلان اس امر کی شہادت تھے کہ ترجمہ و تفسیر مولانا کے قلم سے نکل چکے ہیں اور اب طباعت
کے مرحلے میں ہیں۔ مولانا مہر نے [illegible] خیال [illegible] ہے کہ اس وقت تک ترجمہ [illegible] پاروں تک [illegible] اور
تفسیر کا مسودہ سورۂ [illegible] تک پہنچ چکا تھا۔ گو ہم غور کرے [illegible] اعلان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ترجمہ [illegible] پاروں تک
پہنچ چکا تھا۔ اور تفسیر سورۂ [illegible] تمام ہو چکی تھی [illegible] تفسیر کے متعلق اس اعلان سے یہ نتیجہ اخذ
ہوتا تھا کہ ہر مہینے کے وسط میں قسط وار [illegible] شائع [illegible] مولانا [illegible] لکھنے کا
ارادہ رکھتے تھے [illegible] میں البلاغ کا آخری شمارہ [illegible] ۱۹۱۶ [illegible] مارچ ۱۹۱۶ء
کو حکومت بنگال نے ڈیفنس [illegible] کے تحت مولانا کو حکم دیا کہ وہ صوبہ بنگال سے باہر
چلے جائیں۔ مولانا [illegible] دیباچہ میں لکھتے ہیں [illegible] اس سے پہلے اسی ضابطے کے تحت
دہلی، پنجاب، یوپی اور [illegible] کی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں [illegible] کا داخلہ روک چکی تھیں۔ اب صرف بہار
اور بمبئی ہی [illegible] رہ گئے تھے [illegible] جا سکتے تھے [illegible] اس مقصد [illegible] رانچی منتخب
کیا۔ اور اس انتخاب میں خیال یہ تھا کہ [illegible] تصنیف و طباعت کا کام جاری
رکھ سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے [illegible] ۳ اپریل کو رانچی گئے۔ لیکن جیسا کہ
مولانا نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ہی [illegible] البلاغ پریس کا تمام کارخانہ درہم برہم
ہو گیا اور [illegible] اعلان کا پورا نقشہ الٹ گیا۔ مولانا [illegible] ہیں کہ جب ترجمہ و تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا گیا تو
ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا۔ اور تفسیر سورۂ [illegible] تک مکمل ہو چکی تھی۔ مقدمہ [illegible] کی شکل میں قلمبند
تھا۔ اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ کام انجام پا جائے میں نے تصنیف کے ساتھ چھپائی
کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل ہو جائے گا۔ اور چھپ بھی جائیگا۔
نیز تفسیر کی بھی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائے گی۔ ہر سات دن کی مشغولیت میں نے یوں تقسیم کر دی تھی کہ تین
دن البلاغ کی ترتیب میں صرف کرتا، دو دن ترجمے اور دو دن تفسیر میں۔

۳ اپریل ۱۹۱۶ء کو جب میں کلکتہ سے روانہ ہوا تو تفسیر کے چند فارم چھپ چکے تھے۔ اور ترجمہ کی کتابت شروع ہو رہی تھی۔ اب میں نے کوشش کی کہ میری عدم موجودگی میں پریس جاری رہے اور کم از کم تفسیر اور ترجمہ کا کام ہوتا رہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۶ء میں پریس کے دوبارہ اجرا کا انتظام ہوگیا۔ اور میں مسودات کی ترتیب میں مشغول ہوگیا۔ تاکہ پریس کے حوالے کر دوں۔ لیکن ۸ جولائی ۱۹۱۶ء کو یکایک حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کر دیئے۔ اور اس طرح اس امید کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ نظر بندی کے بعد کوئی موقع نہ رہا کہ باہر کی دنیا سے کسی طرح کا علاقہ رکھ سکوں۔

اب میرے اختیار میں صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا یعنی تصنیف و تسوید کا مشغلہ۔ نظر بندی کی کلفتیں دقتوں میں سے کوئی دقت بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکی۔ میں نے اس پر قناعت کی [illegible] ہے بلکہ میں نے خیال کیا اگر زندگی کی [illegible] دولت [illegible] سے محروم نہیں ہوں اور اس کے نتائج محفوظ ہیں تو [illegible] کی راحت [illegible] ہے [illegible] علاحدہ میں [illegible] لیکن [illegible] کہ معدوم ہو گیا [illegible] مجھے محرومی ہی سے دوچار ہونا تھا۔

تلاشی کے لئے جس وقت [illegible] میری تمام کاغذی [illegible] بھی لے لی گئی۔ اور جس قدر کاغذات ملے سب [illegible] تفتیش [illegible] کے لئے قبضہ میں کر لئے گئے۔ انہیں میں ترجمہ و تفسیر کا مسودہ بھی تھا لیکن جب معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں کوئی چیز قابل اعتراض اور حکومت کے لئے مفید مقصد نہیں تو دو ہفتے کے بعد واپس دیئے گئے۔

لیکن جب تفتیش کے نتیجہ سے حکومت ہند کو اطلاع دی گئی تو اس نے مقامی حکومت کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا وہاں خیال کیا گیا مقامی حکومت نے کاغذات واپس دے دینے میں جلدی کی اور بہت ممکن ہے کہ پوری ہوشیاری سے ان کا معائنہ نہ کیا گیا ہو۔ اس زمانہ میں حکومت ہند کے محکمہ تفتیش کا افسر اعلیٰ سر چارلس کلیولینڈ تھا۔ اور مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں اسے میری مخالفت میں یک خاص کد ہو گئی تھی۔ وہ پہلے کلکتہ آیا اور دو ہفتے تک تفتیش میں مشغول رہا پھر رانچی آیا اور ازسرِ نو میرے مکان کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے بعد کہا گیا کہ جو کاغذات پچھلی تلاشی کے موقع پر لیے گئے تھے اب حکومت ہند کے معائنے کے لیے بھیجے جائیں گے۔ چنانچہ تمام کاغذات حتیٰ کہ چھپی ہوئی کتابیں بھی لے لی گئیں۔ ان میں نہ صرف ترجمہ و تفسیر کا مسودہ

تھا بلکہ بعض دوسری مصنفات کے بھی کچھ ناکمل مسودات تھے۔

جس وقت یہ معاملہ پیش آیا ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورہ نساء تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن اب ان کا ایک ورق بھی میرے قبضے میں نہ تھا۔ تاہم میں نے نویں پارے سے ترجمے کی ترتیب جاری کی۔ اور ۱۹۱۸ء کے اواخر تک کام ختم کر دیا۔ اب اگر ابتدا کے آٹھ پاروں کا ترجمہ واپس مل جائے تو پورے قرآن کا ترجمہ مکمل تھا۔

میں نے کاغذات کی واپسی کے لیے خود [illegible] تو مسودے واپس دیئے جا سکتے ہیں۔ [illegible] کی واپسی کی مطالبہ کوئی قریبی امید نظر نہیں [illegible] علوم ہوا کہ [illegible] طبیعت پر بہت [illegible]

[illegible] بجاست

از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

[illegible] کے حوالے کیا جاسکتے تو [illegible] دسمبر ۱۹۱۹ء میں [illegible] ہو چکا تھا۔ [illegible] دسمبر [illegible] طبع و اشاعت کی [illegible] وقت [illegible] ملک میں ایک عام سیاسی حرکت کا [illegible] سیاسی دعوت کی [illegible]

[illegible] ۱۹۲۰ء میں [illegible] کے بعد جب میں نے مطالبہ کیا تو کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس زمانہ میں صوبہ بہار کے گورنر لارڈ سنہا تھے۔ مجھ میں اور ان میں اس وقت سے شناسائی تھی جب ۱۹۱۹ء میں وہ حکومت ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ وہ علاج کے لیے کلکتہ آئے اور ایک دوست کے یہاں اتفاقاً ملاقات ہو گئی میں نے یہ واقعہ ان سے بیان کیا انہوں نے حکومت ہند سے خط و کتابت کی اور دو ہفتے کے بعد تمام کاغذات مجھے واپس مل گئے۔

گوشے سے بلند ہونے لگی تھی۔ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ وقت کے تقاضے سے تغافل کرتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رہا ہوتے ہی تحریک لاتعاون کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گیا اور عرصہ تک اس کی مہلت ہی نہ ملی کہ کسی دوسری طرف نگاہ اٹھا سکتا۔

لیکن جب ۱۹۲۱ء میں ملک کے ہر گوشے سے "ترجمان القرآن" کے لیے تقاضا شروع ہوا تو مجھے اس کی اشاعت کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔ چونکہ ٹائپ کی چھپائی اس کے لیے موزوں نہیں سمجھی گئی تھی اس لیے کتابت کا انتظام کیا گیا۔ پہلے متن کی کتابت کرائی گئی پھر ترجمہ لکھوانا شروع کیا۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں متن کی کتابت ختم ہو چکی تھی، ترجمہ کی کتابت شروع ہوئی تھی۔ لیکن وقت کا فیصلہ اب بھی میرے خلاف تھا۔

۱۹۲۱ء کے اواخر میں تحریک لاتعاون کی سرگرمیاں انتہائی شدت تک پہنچ گئی تھیں اور اب ناگزیر تھا کہ حکومت بھی اپنے تمام وسائل کام میں لاتی۔ ۱۷ نومبر سے سب سے پہلے حکومت بنگال نے قدم اٹھایا اور ان تمام مجالس کو خلاف قانون قرار دے دیا جو تحریک کی سرگرمیوں میں مشغول تھیں۔ اس اقدام نے قانون کو عدم مقاومت قانون شکنی کا موقع دے دیا اور ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو بعض دوسرے رفقاء سے پہلے کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اس مرتبہ میری گرفتاری پریس کے انتظامات میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی۔ پریس بدستور کام کر رہا تھا اور ان میں سے اس کا اورا انتظام کر دیا تھا کہ میری عدم موجودگی میں کام بدستور جاری رہے۔ لیکن گرفتاری کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ اس افسانہ کی آخری المناکی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رک گئی بلکہ میری تمام محنت کے دونوں حصے بھی ضائع ہو گئے۔

گرفتاری کے بعد جب حکومت نے محسوس کیا کہ میرے برخلاف مقدمہ چلانے کے لیے کافی مواد موجود نہیں ہے تو اسے مواد کی جستجو ہوئی اور اس لیے تیسری مرتبہ میرے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے لیے جو لوگ آئے تھے ان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اردو، عربی، فارسی کی استعداد رکھتا ہو جو چیز بھی ان زبانوں میں لکھی ہوئی ملی انہوں نے خیال کیا اس میں کوئی نہ کوئی بات حکومت کے خلاف ضرور ہوگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قلمی مسودات کا تمام ذخیرہ اٹھا لے گئے۔ حتیٰ کہ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں بھی توڑ مروڑ کر مسودات کے ڈھیر میں ملا دیں۔

حسن اتفاق سے اس وقت کسی شخص نے مطالبہ نہیں کیا کہ کاغذات مرتب کر کے لیے جائیں اور

حسبِ قاعدہ ان پر گواہوں کے دستخط ہو جائیں۔ میزان کی رسید تفصیل کے ساتھ مرتب کرکے دی جائے۔ افسران تفتیش اپنے ساتھ چھپا ہوا فارم لائے تھے۔ صرف یہ لکھ کر کہ متفرق قلمی کاغذات لیے گئے چھپا ہوا فارم دے دیا اور روانہ ہو گئے۔

پندرہ ماہ بعد رہا ہوا تو حکومت سے کاغذات کا مطالبہ کیا۔ ایک عرصہ کی خط و کتابت کے بعد کاغذات ملے مگر اس حالت میں ملے کہ تمام ذخیرہ برباد ہو چکا تھا۔

افسران تفتیش نے جب ان کاغذات پر قبضہ کیا تو تفسیری مسودات کے مختلف مجموعے تھے۔ ان میں مختلف مکمل و غیر مکمل تصنیفات کے علاوہ بڑا ذخیرہ یادداشتوں کا تھا۔ لیکن جب واپس ملے تو محض اوراقِ پریشان کا ایک ڈھیر تھا۔ اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے یا بری طرح پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے۔

یہ میرے صبر و تحمل کے لیے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا اتروں اور یہ صدمہ اس سے زیادہ تو ضرب تھا جو حوادث نے میرے سینے سے لگایا سینہ میں نے جو کچھ حکایت کے لئے چھپا رکھا تھا اس نے نہیں کہا، اس کی نوبت آج تک کہاں آئی ہے ؎

رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

سیاسی زندگی کی مشغولیتیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہو سکتیں اور یہ ایک وقت میں حصول محال ہے۔ میں نے چاہا دونوں کو ایک وقت جمع کر دوں۔ میں نامراد ایک طرف متاعِ فکر سے ہاتھ لٹاتا رہا اور دوسری طرف اپنی خرمنِ سوز کو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا اور مجھے حق نہیں کہ حرفِ شکایت زبان پر لاؤں۔ عرفی نے میری زبانی کہہ دیا ہے ؎

زاں نشستم کہ بہ دنبالِ دلِ خویش مدام
در نشیبِ شکنِ زلفِ پریشاں رفتم

اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی بحث اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ از سرِ نو محنت کی جائے لیکن اس حادثے کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہو گئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی میں نے محسوس کیا کہ حادثے کا زخم اتنا ہلکا نہیں ہے کہ فوراً مندمل ہو جائے۔

طبیعت کی بڑی رکاوٹ جو رہ رہ کر سامنے آتی تھی یہ تصور تھا کہ ایک تصنیف کی ہوئی چیز دوبارہ تصنیف کی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اہل قلم کے لیے اس سے زیادہ مشکل کام کوئی نہیں۔ وہ ہزاروں نئے صفحے بآسانی لکھ دے گا مگر ایک ضائع شدہ صفحے کے دوبارہ لکھنے میں اپنی طبیعت کو یک قلم درماندہ پائے گا۔ فکر و طبیعت کی جو گرمجوشی پچھلی محنتوں کے تصور سے بجھ جاتی ہے، بہت دشوار ہوتا ہے کہ اسے دوبارہ پیدا کیا جائے۔ اس حالت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسی بدقسمتیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ میں نے ٹامس کارلائل کے حالات میں جب پڑھا تھا کہ اس نے انقلاب فرانس پر اپنی مشہور کتاب تصنیف کی اور [illegible] سے قوت تصنیف کا یہ غیر معمولی مظاہرہ سمجھا تو میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس میں غیر معمولی بات کیا ہے؟ لیکن [illegible] کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ غیر معمولی ہے [illegible] کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔

کئی سال گزر گئے [illegible] آمادہ نہ کر سکا۔ ع

دلے سرگشتہ دارم کہ در صحرا است پنداری

[illegible] پڑھی طبیعت کا [illegible] اور دو [illegible] نسخے [illegible] ایک [illegible] سے جس کی نسبت میرا یقین تھا [illegible] سے [illegible] وقت کا [illegible] زیادہ عرصہ تک طبیعت مائل رہتی [illegible] برداشت ہوتا [illegible] محسوس [illegible] مجھ سے [illegible] اس کی انجام دہی کا موقع حاصل نہ ہو۔

۱۹۲۰ء قریب الاختتام تھا کہ [illegible] طبیعت میں جنبش ہوئی اور رشتۂ کار کی جو گرہ دہی دو ماہ کی پیہم کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کے جوشش بے اختیار سے خود بخود کھل گئی۔ کام شروع کیا تو ابتدا میں چند دنوں تک طبیعت رکی رکی رہی لیکن جونہی ذوق و فکر کے دو چار جام گردش میں آئے طبیعت کی ساری رکاوٹیں دور ہو گئیں اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا گویا اس شورش کدہ ہستی میں افسردگی و خمار آلودگی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوا تھا۔

بہ بدمستی سزد گر متہم سازد مرا ساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیمانہ بو دارد

اتنا ہی نہیں بلکہ کہنا چاہیئے شورش تازہ کی سرمستیاں مجلس دوشیں کی کیفیتوں سے بھی کہیں تندتر ہوگئیں ہے

چہ مستی است ندانم کہ رو بہ ما آورد
کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد؟

بعض اوقات عادۃ روح و قلب کے تصرفات کا بھی کچھ عجیب حال ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ بار بار کوشش کی کہ طبیعت کو متوجہ کروں نہیں ہوتی — یا اب خود بخود ہی کوئی ایسی کشش پیدا ہوگئی ہے کہ روک نہیں سکتا

شوریست نوا ریزی تار نفسم را
[illegible] نواے جنبش مضراب کجائی؟

بہر حال کام پھر شروع ہو گیا اور اس حال میں ہے کہ سورۂ نحل کی تفسیر ترجمہ کے لیے بھی ضروری تھی سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہوا پھر ترجمہ کی ترتیب شروع کی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے۔ صحت ساتھ نہ دیتی تھی مگر وہ حالت تھی کہ بیماری میں مشغول ہو گیا بدستور مصروف رہا تھا۔ تا آنکہ مسودہ و پیش جاری رہا۔ ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو اواخر سورۂ کہف کے ترجمہ و ترتیب سے فارغ ہو گیا ہوں

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

ترجمان القرآن پہلی دفعہ ۱۹۳۱ء کے اوائل میں منظر عام پر آیا۔ اور نومبر ۱۹۳۰ء میں مولانا نے مقدمہ بار اول کا دیباچہ لکھا لیکن اس سے پہلے الہلال کے دور آخر کے دوسرے شمارے (۲۴ جون ۱۹۲۷ء) میں مولانا نے بعض مسودوں کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے افتتاحیہ میں یہی روداد بیان کی تھی کہ ۱۹۱۶ء میں جب بنگال سے مجھے خارج کیا گیا اور رانچی پہنچ گیا تو یہ وہ وقت تھا کہ ابلاغ اور دار الارشاد کی مشغولیت کے ساتھ میں نے اپنے افکار و تحقیقات کی تحریر و ترتیب بھی شروع کر دی تھی۔ جن امور کی تکمیل و ترتیب پیش نظر تھی وہ کسی ایک ہی موضوع سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بے شمار گوشے سامنے آتے تھے۔ اور ہر گوشہ نظر میں اس کثرت

سے متفرق اور منتشر تحقیقیں ذہن میں ہوتی تھیں کہ ان سب کا جمع کرنا اور اصول و کلیات کے ماتحت لانا آسان نہ تھا۔ ضرورت تھی کہ عرصہ تک فکر و کاوش کا سلسلہ جاری رہے۔ بہت سی چیزیں ابتدائی شکل میں مرتب ہوئی تھیں بہت سی ناتمام تھیں۔ برسوں سے دماغ اس کا عادی ہو گیا ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی گوشۂ تحقیق کی فکر و کسی نہ کسی عقدۂ دشوار کے حل میں مشغول رہتا ہے اور اس لیے بے شمار یادداشتیں جو فی الحقیقت کسی نہ کسی مستقل مبحثِ تحقیق کی اصولی بنیادیں ہوتی ہیں قلم سے نکلتی رہتی ہیں۔ اس وقت تک کم از کم ایک ہزار مجلد سے بڑے پرچے تو صرف یادداشتوں ہی کے میرے پاس جمع ہو گئے ہوں گے

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں

مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

یہ تمام ذخیرہ [illegible] زندگی کا [illegible] سے کچھ حصہ تو [illegible] گیا تھا۔ باقی حصہ کلکتہ [illegible] میں چھوڑ دیا تھا [illegible] کچھ [illegible] کی تھی۔ [illegible] حسب [illegible] کے بعد حکومت [illegible] نظر بندی سے [illegible] اور پھر اس وقت [illegible] کاغذ میں نہ [illegible] بھی [illegible] کا قدرت [illegible] یادداشتیں تھیں، مجمل اشارات [illegible] سکتے۔ [illegible] زیادہ تر انگریزی یا بنگالی [illegible] تھا بھی تو [illegible] اردو کے سوا کچھ نہ جانتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا [illegible] سب کو ایک ڈھیر کی شکل میں جمع کر کے قبضہ میں لے لیا گیا [illegible] کہتے نہیں ان میں سے کون تھا جسے ان چیزوں کا درد ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نصف سے زیادہ اوراق تو تلاشی کے وقت کی بے احتیاطیوں میں ضائع ہو گئے اور نصف جو باقی رہے انہیں بھی اس بے احتیاطی میں ادھر ادھر جوڑ دیا گیا کہ کوئی ایک چیز بھی اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہی۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ برباد شدہ ذخیرہ بھی پورا واپس نہیں ملا۔ جو کاغذات کلکتہ سے لیے گئے تھے بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ دنوں تک پولیس کمشنر کے دفتر میں رکھے گئے۔ اتفاقاً وہاں کے ایک گوشے

میں آگ لگ گئی اور دفتر کے سامان کے ساتھ بعض اوراق بھی جل گئے۔ پولیس کے دفتر میں آگ بھی لگی تھی تو اسی وقت جب یہ دفتر پریشاں وہاں جمع تھا۔ جگر

گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟

ان مسودات میں حسب ذیل کتابیں ایک حد تک مرتب تھیں۔

تاریخ معتزلہ، سیرت شاہ ولی اللہ، دیوان غالب اردو پر تبصرہ، خصائص مسند، امثال القرآن، شرف جہاں قزوینی پر تبصرہ، مقدمہ تفسیر کے بالتمام جز، ترجمان القرآن کا مسودہ سورہ ہود تک، تفسیر البیان سورہ نساء کے ابتدائی حصے تک، مقدمہ میں [illegible] کا وجود اس کے علاوہ ہے۔ قیام رانچی کے ابتدائی زمانہ میں دو رسالے [illegible] تیار ہو چکے تھے۔ ایک وحدت قرآن کا [illegible]۔ دوسرا قانون انتخاب طبعی اور معنویت کا [illegible] یہ [illegible] اوراق بھی اسی ذخیرہ میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد [illegible] ملکی حوادث [illegible] وقت نیا تصنیف و تالیف میں صرف ہو۔ مقدمہ ترجمہ و تفسیر [illegible] بہت سی تبدیلیاں فکر و خیال میں ہو چکی تھیں، تقریباً از سر نو کام شروع ہو چکا تھا۔ [illegible] ۱۹۲۱ء میں [illegible] رانچی سے نکلا [illegible] ارادہ تھا کہ کم از کم ترجمان القرآن [illegible] طرح شائع کر دیا جائے [illegible] کی کاپیاں [illegible] دوست نے اپنے اہتمام و صرف سے لاہور میں [illegible] کتابت [illegible] ستمبر ۱۹۲۱ء میں شروع ہو گئی۔

مگر پانچ چھ ماہ [illegible] زیادہ [illegible] مشغولیت کی [illegible] کے عجیب نہیں [illegible] ان حرمن [illegible] اور سرمایہ اندوزی کی کوششیں جاری تھیں تو دوسری طرف [illegible] بھی [illegible] نہیں ہوئی تھی۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو میں گرفتار ہوا۔ اور پھر خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف غرض سے جن کی تشریح کا یہ موقع نہیں، پے در پے تلاشیاں لی گئیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ صرف بے شمار مسودات و اوراق بلکہ کتابت کی ہوئی کاپیوں کا تمام ذخیرہ پریشان و منتشر ہو کر پولیس کے قبضے میں چلا گیا۔ چھ جنوری ۱۹۲۳ء کو جب رہا ہو کر واپس آیا تو ۱۹۱۶ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک کی تمام محنت تقریباً رائیگاں ہو چکی تھی۔

متی لیا عدنا الوصال ودھرنا

یومان یوم نوی ویوم صدود

عرصہ کی رد و کد کے بعد اوراق واپس ملے۔ لیکن تمام تر ناقص، منتشر اور برباد شدہ تھے۔ اب بغیر نئی محنت کے ان کا کوئی حصہ بھی کام نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بربادی پہلی بربادی سے بھی زیادہ ہمت شکن تھی۔ لیکن چونکہ خود اختیاری حالات کا نتیجہ تھی۔ اس لیے جس طرح پہلی مرتبہ صبر و خاموشی کے ساتھ برداشت کر لی گئی تھی اس مرتبہ بھی برداشت کر لینا پڑی تھی۔ آج سے پہلے شاید اس کا تذکرہ بھی قلم و زبان سے آشنا نہیں ہوا۔

جن لوگوں کو تصنیف و تالیف کے معاملات کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک مصنف اور اہل قلم کے لیے یہ حالت کتنی شاق اور اذیت دہ ہوتی ہے۔ [illegible] دوبارہ لکھنے پر مجبور ہو۔ مشہور ہے کہ جب [illegible] تاریخ انقلاب فرانس کا مسودہ [illegible] تو پڑتا اور بغیر ایک حرف تک چھوڑ دیا۔ [illegible] اس کی بے بسی بھی قابل ملامت نہیں [illegible] خود اختیاری تھے۔ اس لیے دل کیسے کتنے ہی درد انگیز اور ہمت شکن ہوں لیکن دماغ کے لیے ان میں کوئی وجہ شکایت نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے دونوں مرتبہ تسلیم کر لینا پڑا [illegible] زندگی اختیار [illegible] تو اس کے تمام لازمی نتائج گوارا کر لینے چاہئیں۔ [illegible] کا فیصلہ [illegible] عشق [illegible] مصیبتوں کے لیے عام دائمی فیصلہ ہے ؎

یا تن برضائے دوست می باید داد

یا قطع نظر زیار می باید کرد

یہ طول طویل داد و حسرت اس لیے نقل کی ہے کہ تفسیر و ترجمہ کے لیے جس یکسوئی دماغ، فراغت خاطر اور دوسری مشغولیتوں سے انقطاع کامل کی ضرورت تھی وہ اس سارے عرصہ میں ناپید ہیں۔

مولانا جنوری ۱۹۲۳ء کو رہا ہوئے تو ملک کی سیاسی زندگی میں خلل واقع ہو رہا تھا۔ نہ صرف یہ کہ ہندو اور مسلمان دو صفوں میں بٹ رہے تھے بلکہ کانگریس کی صفوں میں بھی تفریق و تقسیم کا فتنہ سر اٹھا چکا تھا۔ چینجرز و نو چینجرز کے دو واضح گروپ بن گئے تھے۔ ایک طرف مہاتما جی کے پیرو کار تھے۔ دوسری طرف سی آر داس اور پنڈت موتی لال نہرو وغیرہ تھے۔ یہ محض دو ذہنوں کا اختلاف ہی نہ تھا بلکہ ایک کھلا تصادم تھا۔

گاندھی جی کے رفقا اسمبلیوں میں داخلے کے خلاف تھے۔ اس کے برعکس داس اور نہرو داخلے کے حامی تھے۔ اور ان کا استدلال یہ تھا کہ اسمبلیوں میں جا کر حکومت کو زچ کیا جائے تو ملک کے حق میں بہتر نتائج پیدا ہو سکتے ہیں یہ ایک ایسا موڑ تھا کہ کانگرس کے دو لخت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لیے کانگرس کا اسپیشل اجلاس ستمبر ۱۹۲۳ء دہلی میں منعقد ہوا۔ مولانا آزاد صدر تھے پہلے کسی باب میں جلاس کے حالات و نتائج کا ذکر آ چکا ہے جس قسم کی یہ مصروفیت تھی اس کے باعث ترجمہ و تفسیر کا رک جانا لازم تھا۔

مولانا کو اپنے تمام تفسیری مسودات اور بعض دوسری تالیفات کے سرکاری ہاتھوں برباد ہو جانے کا شدید ملال تھا۔ اور اس ملال کے صدمہ کی واردات کو صرف وہی طبیعتیں جان سکتی ہیں جنہیں خود بھی کبھی یہ حادثہ پیش آیا ہو وہ ایک مصنف یا مؤلف کی حیثیت میں [illegible] ترجمہ و تفسیر [illegible] کا کام ختم تھا۔ اس کے لیے [illegible] تھا۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا نے اسے [illegible] نکالا لیکن سیاسی مصروفیتوں کی وجہ سے [illegible] کے باعث [illegible] اشاعت موقوف کر دی پھر دو اڑھائی سال میں ترجمہ کی جلد دوم تیار کی جو قید کے مرحلے گزار کر ۹ نومبر ۱۹۳۰ء کو مکمل ہوئی اور جلد اول ۱۹۳۱ء میں شائع ہو گئی۔ اس کا دیباچہ [illegible] ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ میں لکھا۔ معاملہ اس پر ختم ہو جاتا تو کسی حد تک گوارا تھا۔ بعض پیشہ ور پبلشر [illegible] طباعت۔ [illegible] خریداری کی [illegible] اور اس کے بعد کمیشن فروخت نے لیے مولانا کو [illegible] مولانا کے ان خطوط سے معلوم کی جا سکتی ہے جو مولانا غلام رسول مہر کے علاوہ بعض دوسرے دوستوں کو لکھتے رہے [illegible] مجموعوں میں نقل ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں منشی [illegible] خطوط ترجمان القرآن کا مضمون [illegible] مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں ڈیڑھ سال [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کس حال میں تھے

انجمن ترقی اردو ہند کے مجلہ اردو ادب علی گڑھ نے آزاد نمبر شائع کیا تو اس میں کاتب ترجمان کے نام مولانا کے خطوط نقل کیے جن سے مولانا کی تنگ دستی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمان القرآن کی دوسری جلد ۱۹۳۶ء کے وسط میں شائع ہوئی۔ اس کا حرف آغاز ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء کی تحریر ہے۔ مولانا نے یہ چار صفحے موتی نگر کانگرس کیمپ لکھنؤ میں رقم کیے۔ جلد دوم کی طباعت و اشاعت کے اخراجات کی صعوبتوں کے لیے غلام رسول مہر کے نام مولانا کے خطوط ملاحظہ فرمائیے جو نقش آزاد کے نام سے کتاب منزل لاہور نے اواخر ۱۹۵۹ء میں شائع کیے تھے۔ خود راقم الحروف کے پاس مولانا کے بعض خطوط موجود ہیں جو انہوں

نے اپنے ایک عقیدت مند دوست کو قرض حسنہ کے لیے لکھے کہ جس قرم سے ترجمان القرآن (جلد دوم) کیلئے کاغذ لینا مطلوب تھا وہ رقم کا پیشگی تقاضا کر رہی تھی۔ اور اسی صورت میں کاغذ کلکتہ سے بجنور جا سکتا تھا۔ ادھر مدینہ پریس بجنور کے مالکوں کو بھی طباعت کی رقم چاہیے تھی۔ اور ترجمان القرآن وہاں سے نقد اُجرت پر لایا جا سکتا تھا۔ طباعت کے علاوہ کتابت کے واجبات بھی واجب الادا تھے۔ اس غرض سے منشی عبدالقیوم خطاط مدینہ پریس بجنور میں بیٹھا تھا اُس نے لکھا ہے کہ:

۱۔ مجھے نومبر ۱۹۳۸ء سے مارچ ۱۹۳۹ء تک زیر صدارت مولانا کی خدمت میں حاضر رہنے کا اتفاق ہوا۔

۲۔ ترجمان القرآن جلد دوم کی کتابت تین صفحے یومیہ در مشاہرہ [illegible] روپے ماہانہ طے پایا میں نے [illegible] چالیس روپے ماہوار [illegible] نہیں حساب [illegible] تین صفحے یومیہ کی شرح [illegible] روپے کر دیا۔ مولانا نے منظور فرما لیا۔

۳۔ کتابت کے لیے وہ مسودہ کے چار پانچ ورق سے پھر ایک ایک دو دو صفحے تازہ تحریر کے آتے رہے۔

۴۔ جہاں [illegible] کا سفر قرضوں سے تنگ ہاتھ گزرا ہے مدد دینے کی کوشش ہے لیکن مشکلات و موانعات کے باوجود وہ غیر متزلزل استقلال کے ساتھ قدم بڑھاتے جاتے ہیں۔

۵۔ مولانا جس کوٹھی میں رہتے تھے اس کا کرایہ دو سو روپے ماہوار تھا۔ ان دنوں اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھی اور قرض حسنہ پر بسر کرتے۔ اس کوٹھی کی پچھلی طرف ایک ترک عمر رسیدہ کو ساٹھ روپے ماہانہ پر وہ رکھی تھی۔ وہ کرایہ دیتا [illegible] کام آ جاتا۔ مالک کو کرایہ ادا نہیں ہو رہا تھا۔ عجب فقر و فاقہ کے دن تھے۔

۶۔ ہر روز ضرورت کے مطابق خوراک کا سامان یعنی آٹا، چاول، گھی، تیل، مسالحہ ایک دکان سے قرض آتا اور مہینہ بعد حساب چکتا تھا۔ ایک بنگالی معتقد اپنے گاؤں کے تالاب سے چھوٹی چھوٹی زندہ مچھلیاں لاتا جنہیں کوٹھی کے مختصر سے حوض میں چھوڑ دیا جاتا اور وہ دو تین دفعہ

کام میں آتی تھیں۔ اسی طرح ایک اور معتقد اکثر گوشت دے جاتا یا کبھی کبھی مرغ ورنہ خشک چاول اور ارہر کی دال صبح و شام کا کھانا تھا۔ ترکاری میں عموماً تیل استعمال ہوتا تھا۔ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ باہر ایک جنگالی خادم سید علی نامی تھا جو بازار کا معمولی کام کرتا یا چائے کو دم دیتا تھا یا پھر چاول دال تیار کرکے اندر بھیج دیتا۔ مولانا اکثر صبح کی چائے خود تیار کرتے تھے۔

۷۔ ترجمان القرآن جلد دوم کی تین ہزار جلدیں شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور کو فروخت کر دی گئیں۔ مستری محمد صدیق مولانا کے ایک معتقد تھے، انہوں نے شیخ صاحب سے روپیہ لے کر پریس کا بل ادا کیا۔ میری باقیماندہ رقم مجھے دی۔ تمام جلدیں شیخ صاحب لے گئے اور جو روپیہ بچا مولانا کو بھیج دیا۔ جس کا بڑا حصہ قرضوں میں ختم ہو گیا۔ شاید ایک قلیل سی رقم بچی ہوگی۔

۸۔ مولانا نے اوائل ۱۹۳۶ء میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ و تفسیر لکھوا دیا اور [illegible] کی کتابت ہو گئی [illegible] مسودہ [illegible] تیسری جلد [illegible] پروفیسر محمد اجمل خاں [illegible] ساہتیہ اکادمی میں [illegible] سورۂ نور [illegible] حاصل کر لیا ہے۔ اب جلد دوم کے ساتھ چھاپا جا رہا ہے۔

۹۔ مولانا نے قلعہ احمد نگر میں جلد اول پر نظر ثانی اور تفسیر کی تدوین [illegible] کے ترجمہ میں جابجا ترمیمیں کی ہیں۔ اس کے دیباچے پر [illegible] ۱۹۴۵ء کی تاریخ ہے۔

۱۰۔ جن دنوں مولانا احمد نگر کے قلعہ میں قید تھے، ان کی کوٹھی کا ایک حصہ ایک دوسرے شخص نے دو سو روپیہ ماہوار پر لے رکھا تھا اور اسی آمدنی سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔

(الجمعیۃ دہلی آزاد نمبر)

بہر حال اصل سوال تیسری جلد کا ہے۔ مولانا کی بعض تحریروں، دوستوں کے نام خطوط اور بعض عقیدتمندوں سے ملاقاتی ارشادات کو ملحوظ رکھیں تو گمان ہوتا ہے کہ تیسری جلد تیار ہو چکی تھی اور مولانا اس سلسلہ میں یہی فرماتے تھے کہ سارا کام ختم ہو چکا ہے، کتابت ہو رہی ہے، طباعت کا مرحلہ باقی ہے۔ مولانا کی رحلت کے بعد یہ سارا طلسم پاش پاش ہو گیا۔ شوق خالی ہاتھ رہ گیا، انتظار کی نگاہیں تھک کے ٹوٹ گئیں۔ پروفیسر محمد اجمل خان مولانا کی عمر کے اواخر کی دو دہائیوں میں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ انہیں مسودہ ملا تو صرف سورۂ فاتحہ

کا ترجمہ اور وہ بھی ترجمان کے کاتب منشی عبدالقیوم خان سے۔ سوال ہے کہ مولانا کے سامان میں کوئی پرزہ کاغذ تھا یا نہیں، بہ حیرت ہے کہ مولانا کے ہاں سے کوئی تحریر برآمد نہ ہوئی۔ جواہرلال نہرو کو جن بڑے آدمیوں نے خطوط لکھے، ان کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ مولانا کے تعلقات بھی اکابر عہد سے تھے اور وہ خود بھی ایک بڑے آدمی تھے۔

ان سے بار بار بھی خط و کتابت ہوگی۔ کیا ان کے نام کے تمام خطوط ضائع ہو گئے یا ان پر کوئی اور حادثہ بیت گیا؟ جن لوگوں نے اپنے نام مولانا کے خطوط شائع کئے ہیں وہ ان کے خطوط کے جواب میں۔ ان کے خطوط کہاں گئے؟ مولانا نے رفقا اکابر کے خطوط محفوظ نہیں رکھے یا ان خطوط کے معاملے میں وہ اس قدر مستغنی تھے کہ ان خطوط کے رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔ طبیعت [illegible] مولانا [illegible] منشی کے خطوط [illegible] ان کے نام [illegible] میں موجود ہیں [illegible] خطوط [illegible] سے [illegible] آتے تھے کہاں [illegible] جواہرلال کے خطوط بھی تھے۔ [illegible] رحلت کے بعد نہ جانے یہ اثاثہ کہاں گیا [illegible] تعجب [illegible] تیسری جلد کے غائب ہونے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اس [illegible] خاکہ تیار [illegible] کے سب شذرات مرتب کر لیے ہوں، لیکن سیاسی مشغولیتوں کے باعث تیسری جلد مرتب نہ ہو سکی [illegible] اپنی ذات پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ قید [illegible] میں لگے [illegible] مکمل کر دیں گے مگر ۱۹۳۶ء [illegible] ڈھائی سال ان کے [illegible] ۱۹۳۷ء [illegible] خود مختاری کے تحت پہلے انتخابات ہوئے۔ کانگرس نے پنجاب، آسام، بنگال اور سندھ کے سوا [illegible] وزارتیں [illegible] وزیروں کے نگران مولانا ہی تھے مسلم لیگ نے کانگرس کی وزارتوں کے خلاف [illegible] کیا تو معاملہ کی سنگینی نے مولانا کی مشغولیتوں میں اضافہ کر دیا۔ اواخر ستمبر ۱۹۳۹ء کے آغاز میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ اواخر ۱۹۴۰ء میں وہ کانگرس کے صدر منتخب ہوئے پھر ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک ایک آدھ وقفے کے سوا قید میں رہے۔ اس دوران میں برطانوی حکومت کے مشن آتے رہے۔ ان سے بحیثیت صدر کانگرس گفتگو کا بار ان پر تھا۔ پھر ۱۹۴۷ء تک کہ ۱۵ اگست کو برعظیم آزاد ہو گیا اور مولانا کے نقطۂ نگاہ کی ہار ہو گئی۔ ان کے لیے فرصت کا لمحہ بھی نہ تھا۔ اس کے بعد فروری ۱۹۵۸ء تک دس سال کی مدت ان کے اضطراب مسلسل کا زمانہ تھا۔ مختصر یہ کہ مولانا صدمات کا مجموعہ اور سانحات کا پیکر ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں وہ جی نہیں رہے تھے بلکہ عناصر خمسہ کی بیگار بھر رہے تھے اور ایک آہ نارسیدہ، نالۂ نا شنیدہ

کی طرح گردو پیش کی انگیٹھیوں میں تپ رہے تھے۔ اس زمانہ میں ترجمہ و تفسیر ناممکن تھے۔

۲۔ مولانا یورپی فلسفہ و افکار کی نت نئی کاوشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ترجمہ و تفسیر کو جس انداز میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ قرآن کے معانی و مطالب اس سے مختلف ہیں۔ قرآن محض عقل سے حل نہیں ہوتا، وہ عشق کی معرفت سے حل ہوتا ہے اور ایمان کی زبان میں بولتا ہے۔ شاید دماغ کے اس سفر ہی میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا اور تفسیر اُدھوری رہ گئی۔

۳۔ مولانا کا ذوق مطالعہ اپنے علم کی بلندی کے باعث اپنے مسودہ کو بار بار دیکھتے آخر وقت تک ترمیم و تنسیخ، در حذف و اضافہ فرماتے۔ ان سے یہ شکایت کاتبوں کو بھی تھی کہ وہ ہر لمحہ مسودہ میں اصلاح کرتے اور پلیٹ پر کاپی جمنے تک اضافہ [illegible] تغیر و تبدل فرماتے [illegible] بھی اپنے بعض مقدمات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [illegible]

میرا خیال ہے کہ [illegible] جلد سوم تیار کر لی گئی تھی وہ خود اس سے مطمئن نہ تھے۔ ان کے ذہن میں بعض مطالب میں اضافہ کا خیال تھا۔ [illegible] کی مادی گمراہیوں کے اندھیرے میں قرآن حکیم کی الہامی روشنی سے دور کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سیاسی مشغولیتوں نے انہیں اس کی فرصت ہی نہ دی کہ وقت آخر آگیا اور دنیا ترجمہ و تفسیر کی تیسری جلد سے محروم ہو گئی۔

[illegible] ۱۹۵۶ء میں مولانا کی [illegible] پر [illegible] تو بعض دوسرے استفسارات کے ساتھ ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے متعلق بھی دریافت کیا، فرمایا:

> "مسودہ تیار ہے کچھ اجزا جیسا ہے ویسے ہی رہ گئے تھے لیکن ملکی معاملات، نقل پر نقل ہو گئے تو اس ذہن سے غافل ہونا پڑا۔ خیال تھا کہ التوا مختصر ہوگا۔ لیکن مسلمانوں نے میرے دل کو اس قدر آزردہ کیا ہے کہ اب اس میں شگفتگی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ گو دل صد پارہ کی قاشیں بھی کام آ سکتی ہیں لیکن جب دل ہی مردہ ہو جائے تو حسرتوں کے اس مزار پر نہ دیئے جلتے ہیں نہ کوئی دوسری رونق پیدا ہوتی ہے۔
>
> قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر اور مقدمہ و بیان انشا پردازی یا افسانہ نگاری نہیں اور نہ شاعری کا ہیجان ہے کہ صریر خامہ کے نوائے سروش ہوتے ہی غیب سے مضامین آنے لگیں۔ قرآن مجید کے لیے جبریل عشق کے فیضان اور مشکوٰۃ نبوت کے عرفان کی ضرورت ہے

اور یہ دولت اتنی ارزاں نہیں کہ ادھر غنچہ کو آواز دی اُدھر قلمدان آ گیا۔ اس سفر میں سالہاسال وادیاں قطع کرنی پڑتی ہیں۔"

عرض کیا "لوگوں میں انتظار ہی نہیں، اضطراب بھی ہے۔"

فرمایا:

"مجھے لوگوں کے اضطراب و انتظار کا اندازہ ہے لیکن میں چاہتا ہوں تفسیری جلد پہلی دو جلدوں کی طرح نہ رہے وہ طوالت سے مستغنی ہو۔ جو لفظ یک دفعہ قلم سے نکل جائے اس کو دوبارہ اٹھایا نہ جا سکے۔ قرآن پر جتنا غور کریں اس کی نئی نئی حقیقتیں کھلتی جاتی ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ میں مطالب و معانی کا ذخیرہ ہے۔ تفسیر کا مسودہ ابھی نامکمل معلوم ہوتا ہے۔"

"مسودہ کی نظر ثانی کا مطلب اس سے کہیں زیادہ ہے اور یہی وجہ اس میں تاخیر کی ہے — قدرے تنگ کے فرمایا:

"بہر حال کاتب کو دیدیا ہے لیکن میں فارغ ہو کر باقی ماندہ مسودہ اس کے حوالے کر دوں گا۔"

لیکن جس سال مولانا سے گفتگو ہوئی اس کے اگلے سال مولانا ۲۲ فروری کو انتقال فرما گئے مگر ترجمان کی جلد چہارم طباعت کی روشنی نہ دیکھ سکی۔

مقدمہ اور بیان کے مسودات کا تو ذکر ہی نہیں۔ جو مسودہ ادھورا رہ گیا تھا اس کے اوراق بھی فارغ ہی ہیں لیکن ناپید ہو گئے۔ اس سلسلہ میں تفسیر کا آخری مسودہ تھا تو وہ ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے ساتھ ہی ناپید ہو گیا۔ بہر حال تیسری جلد کے غائب ہونے کا المیہ ایسا ہے کہ ایک پورا عہد جو ترجمہ و تفسیر کے انتظار میں تھا اس محرومی کے احساس سے متاثر رہا۔ مولانا نے سچ فرمایا تھا:

"افسوس ہے کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کر سکا۔ غالب کو تو صرف اپنی ایک شاعری ہی کا رونا تھا۔ نہیں معلوم میرے ساتھ قبر میں کیا کیا چیزیں جائیں گی ؂

تا مرا بود بہ بازار جہاں جنس وفا

رونقے گشتم و از طالع دکان رفتم

تذکرہ | تذکرہ مولانا کے قلم سے پہلی کتاب ہے اپنی کہانی اپنی زبانی۔ اپنے اجداد اور ان کے سلسلوں کی روداد

یا پھر دعوت و عزیمت کی بعض شخصیتوں کے سوانح و افکار۔ پہلا ایڈیشن مطبوعہ البلاغ پریس کلکتہ عربی ٹائپ ۲۰×۲۶/۸ سائز کے ۲۱۷ صفحات۔ مرتب مرزا فضل الدین احمد بی ایس سی۔ بی ایم، [illegible] آغاز میں اس کے قلم سے [illegible] صفحات کا مقدمہ۔ مرزا صاحب ۲۰۹ صفحہ پر رقمطراز ہیں کہ:

"اس مسودہ میں اس کے بعد دوسرا باب حضرت شیخ محمد بن شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں تھا۔ وہ اس پر انہوں نے اپنے والد مرحوم کے مادری سلسلے کا حال ختم کر دیا تھا۔ اس کے بعد تیسرا باب ہے ان کے جد، مجدد حضرت شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ہیں اور پھر مولانا [illegible] الدین رحمۃ اللہ علیہ کے [illegible] بعض وجوہات سے کتاب کو دو حصوں میں شائع کرنا مناسب [illegible] دوسرا باب حصہ دوم [illegible] ہے۔ [illegible] ہیں جو [illegible] حالات [illegible] ہیں اور جن سے اس تذکرہ کے زمانہ تحریر کے [illegible] حصہ کے آخر میں درج کر دی جائے تاکہ اس جلد کا اختتام بھی [illegible] ان عقیدت مندوں کی پیاس بجھے گی جو ان کے مفصل حالات کے لیے تشنہ ہیں۔"

[illegible] حالات [illegible] پر مشتمل ہیں [illegible] حضرت مولانا کے اپنے حالات میں ہیں ان کا انداز [illegible] اپنی ذات کے بارے میں شاعری سی ہے۔ آخری دو فصلوں میں پہلی فصل رانچی سے متعلق ہے جہاں مولانا نظر بند تھے، آخری فصل کے ابتدائی سطروں میں مولوی محی الدین احمد کی گرفتاری پر اپنے مخصوص تاثر کا اظہار کیا ہے۔ فی الجملہ [illegible] صفحات میں سے صرف ۲۴ صفحے مولانا نے اپنی ذات کے بارے میں لکھے ہیں۔ ان میں جیسے پچیس سال کے ایک نوجوان کی اڑانوں کا فسانہ ہے یا پھر شاعرانہ اسلوب میں ایک ایسی سرگزشت ہے جو رندی و شوخی کی تمام منزلیں قطع کر چکی اور اپنے دامن تر پر نازاں رہی ہے۔ یہ گویا اس شعر کی تفسیر ہے ؎

ہر کسے دامن تر ہست اما دیگران
باز می پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم

مولانا رانچی [illegible] سے باہر وحشی اقوام کے ایک گاؤں مورابادی میں نظر بند تھے مرزا فضل الدین احمد مئی ۱۹۱۶ء میں مولانا سے ملنے رانچی گئے تو ان سے سوانح لکھنے پر اصرار کیا۔ مولانا اولاً عذر و انکار کرتے رہے پھر راضی ہو گئے۔ مرزا فضل الدین کو ایک خط میں لکھا ہے:

"جو کچھ بے اختیار قلم سے نکل جاتا ہے بھیج دیتا ہوں۔"

چنانچہ ہفتے بعد پہلے سودہ صفحے لکھ کر بھیج دیے جون ۱۹۱۶ء سے ۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء تک سلسلہ جاری رہا۔ کبھی کبھی رک رک جاتا، مرزا فضل الدین اصرار کرتے تو پھر شروع فرما دیتے۔ غرض ساڑھے چار ماہ کی مدت میں تذکرہ مکمل ہو گیا۔ [illegible] کے ۳ صفحات تذکرہ کی [illegible] میں شامل نہ تھے۔ مولانا [illegible] ۱۹۱۷ء میں مرزا فضل الدین [illegible] تیار نہ تھے۔ [illegible] میں مولانا [illegible] فضل الدین تھے [illegible] جو کتاب ۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مکمل ہوئی تھی [illegible] مرزا فضل الدین نے [illegible] اگست ۱۹۱۹ء کو نکلوا دیا۔ تذکرہ [illegible] تین سال بعد شائع ہوا۔

پروفیسر محمد مجیب [illegible] ایک انگریزی مقالہ میں لکھتے ہیں:

تذکرہ اسلامی تاریخ کے موضوع پر ایک مقالہ کی حیثیت سے پڑھا جا سکتا ہے اس کی حقیقت یہ [illegible] ایک شخصیت ہے ایک شعلہ [illegible] ایک انسانی آواز کی قوت نطق [illegible] دل کا گریہ و بکا۔ ایک المیہ کا حزن و غم اور ایک فتح کا مسرت انگیز [illegible] وہ ایک ایسی خود نوشت سوانح ہے جو ایک تصور کا پیکر بن گئی ہے [illegible] تصور جو فطرت انسانی [illegible] ہے۔

اسی مضمون میں ہے کہ:

"یہ غیر محدود آمد ہی ہے جس نے تذکرہ کو شخص کا ایسا موثر بیان اور مذہبی و اخلاقی مسائل کا پرجوش تذکرہ بنا دیا ہے اس سے مولانا آزاد کی شخصیت وقتی طور پر اس قدر منعکس ہوتی ہے کہ کسی صحیح سے صحیح سوانح عمری سے بھی ظاہر نہیں ہو سکتی۔ تذکرہ موضوع نہیں ہے۔ حمایت حق ہے

جس کی تکمیل کے لیے تبحر علم وفضل، الفاظ پر زور اقتدار اور غیر معمولی قدرت کے طرزِ بیان سے کارفرمائی کی گئی ہے۔"

تذکرہ فی الواقع مولانا کی ایک غیر مربوط مگر عظیم تحریر ہے۔ جہاں تک اسلوب نگارش کا تعلق ہے۔ "الہلال و البلاغ" سے مشابہ ہے جس میں اس زمانے کی چالیس فی صد عربی، تیس فی صد فارسی اور تیس فی صد اردو ہے۔ ساری کتاب میں اول شباب کی رنگینی معدوم ہے۔ ہر صفحے سے مطالعے کی پختگی، مشاہدہ کی وسعت و تخیل کا تنوع جھلکتا ہے۔ مولانا کی ساری [illegible] عربی و فارسی [illegible] اس زمانے کے مذہبی شرفا عربی و فارسی کے سحر سے نکل نہیں سکے تھے۔ [illegible] فارسی [illegible] توڑنا [illegible] کی مولانا [illegible] عربی و فارسی [illegible] مسلمانوں [illegible] کے [illegible] کی وساطت [illegible] سے مقدمہ [illegible] سعدی اور [illegible] سادہ [illegible] عربی و فارسی کے عروج سے تاریخ [illegible] مسلمانوں [illegible] عربی و فارسی [illegible] تذکرہ میں مولانا نے مخاطبین [illegible] تھا کہ وہ عوام کی سطح [illegible] تذکرہ لکھتے وقت عرب [illegible] وہ شعوری نہیں تو غیر شعوری طور پر [illegible] کو ملا دیتے ہیں۔ ان کے [illegible] عام مسلمانوں کے [illegible] دین و مذہب کے وہ فرد تھے جو [illegible] چکے تھے۔

اردو کا مزاج پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء - ۱۸) کے بعد بدلنا شروع ہوا لیکن ۱۹۳۱ء تک اس کی چھاپ اسلامی ہی رہی اور جہاں تک زبان کا مسئلہ تھا اس کے عناصر ترکیبی عربی و فارسی ہی کے آب و گل سے تیار ہوتے رہے۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء - ۴۵) تک اردو شاعری کا شکوہ آہنگ اور دولت عربی و فارسی ہی کے الفاظ سے تھا۔ مثلاً اقبالؒ کی الہامانہ شاعری کا سارا کارخانہ عربی و فارسی الفاظ پر قائم ہے۔ اسی

طرح جوش کی انقلابی شاعری بھی عربی و فارسی الفاظ ہی سے اُستوار ہے۔

مولانا نے الہلال، البلاغ اور تذکرہ میں عربی و فارسی کے جو الفاظ استعمال کئے۔ ان سے جو ترکیبیں وضع کیں اور فقروں کی ساخت میں اشعار کو جس طرح موزوں کیا وہ سب ان کا اعجاز تھے۔ ان سے پہلے الفاظ کا یہ ذخیرہ نہ کبھی اُردو نثر میں اس طرح شامل تھا اور نہ ان الفاظ میں وہ برجستہ پن نظر آتا تھا، جو مولانا کی طرز نگارش کا سحر ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے بعض خانہ نشین الفاظ کو جلوۂ عام بنا دیا اور بے شمار عربی الفاظ کو محمل سے نکال کر بزم رنگین کی رونق بڑھا دی۔ [illegible] کے قوت سے متحرک ہو گئے۔ اس سے پہلے اردو نثر ان سے خالی تھی۔ میرے [illegible] کے مطابق قریب قریب تین ساڑھے تین ہزار الفاظ و اصطلاحات ہیں [illegible] جو اردو میں شامل نہ کئے تھے مولانا کہہ سکتے تھے کہ

[illegible]

"تذکرہ [illegible] ایسی جھیل کی ہے جس میں کئی چشمے اُبلتے ہوں [illegible] جس میں [illegible] کے ہوں۔ کلیاں [illegible] اور روشیں [illegible] میں۔ پہلے اجداد سے متعلق [illegible] مثلاً [illegible] صفحوں میں مادری سلسلہ کے مورث اعلیٰ شیخ جمال الدین دہلوی کے متعلق [illegible] تذکرہ ہے۔ باقی ان کے مختلف [illegible] ہے۔ جس میں بے شمار علمی، ادبی، عمرانی، سیاسی، تاریخی، دینی، فقہی [illegible] مباحث آ گئے ہیں۔ [illegible] حالات کے لیے مولانا نے والدہ مرحوم کے ایک قلمی رسالہ اور روایت پر انحصار کیا ہے۔ چونکہ [illegible] کتب یا مقالہ [illegible] میں سامنے نہ تھی۔ اس لیے [illegible] کے حوالے میں [illegible]۔ تذکرہ کے حوالے زیادہ تر حافظہ کی بنیاد پر ہیں جس سے [illegible] نہیں کی جا سکتی۔ [illegible] حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے ان کے دماغ کو اس اعتبار سے گنج قارون بنا دیا تھا۔ مولانا نے آخری صفحوں میں جو کچھ اپنے متعلق لکھا وہ محض رومانی شاعری ہے۔ ان چند صفحوں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے ہندی کا سفر کیا اور ہوس کی بادیہ پیمائی کو نکلے تھے۔ جہاں تک تصنیفی اسلوب و مقدمات کا تعلق ہے تذکرہ میں کوئی ترتیب نہیں صرف لفظ فصل کے زیرِ عنوان ایک نیا مبحث یا ایک نیا مضمون چھیڑ دیا ہے۔ کئی مقامات

کی عبارتیں اس حد تک خطیبانہ ہیں گویا مولانا منبر پر ہجوم کے سامنے خطبہ دے رہے ہیں۔

تمام مباحث کو دعوت و عزیمت کے ذوکار کی خصوصیت حاصل ہے یا پھر دعوت و عزیمت کے سفر میں آبلہ پائی کا تذکرہ اور خار مغیلان کی داستان سرائیاں ہیں، قتل و صلب اور تکفیر و تفسیق کے معرکے ہیں، معاصرت کی فتنہ پردازیوں اور تعصب کاریوں کے ہنگامے ہیں ان کے تجزیے اور ان پر تبصرے ہیں فرقہ مہدویہ کے بانی سید محمد جونپوری کے احوال و وقائع ہیں ان کی دعوت و تذکیر کا دفاع ہے۔

تذکرہ کا سب سے بڑا حصہ [illegible] جس میں [illegible] کی [illegible] شخصیتوں کے [illegible] ہیں، بعض درباری فتنوں کی روداد ہے، اس زمانہ میں درباری علما [illegible] تحقیق اور [illegible] کی مذہب [illegible] دلوں کے [illegible] تھے۔

امام ابن تیمیہ سے متعلق [illegible] مضمون علامہ شبلی نے لکھا لیکن مولانا ابوالکلام [illegible] خود مولانا کے [illegible] ابن تیمیہ کے افکار و [illegible] کو بھی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] تھا بعض حلقوں میں [illegible] سیاسی [illegible] جب مسلم لیگ اور کانگرس کے راستوں کا [illegible] تصادم کی شدت [illegible] اور [illegible] ایک تو وہ لوگ تھے جو [illegible] سیاسی [illegible] اور مسلم دوسرے [illegible] دونوں کا [illegible] اپنے غرض و مقاصد [illegible] سب [illegible] اور [illegible] ان آسانیوں [illegible] مسلم لیگ کا دامن [illegible] سب نے [illegible] کی [illegible] دین میں اپنی [illegible] تماشائیوں نے تماشہ دیکھنے ہی پر [illegible] بد کلوخ اندازی میں [illegible] کسی نے وحدت [illegible] فتنہ [illegible] کسی نے سورہ فاتحہ کی تفسیر سے انکار [illegible] کا شوشہ چھوڑا، کسی نے کہا، مولانا عقل کے ہو گئے ہیں اور قرآن مجید کو ایمان کے بجائے عقل سے ماپنا چاہتے ہیں۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ ترجمان القرآن کی بحث میں اس کا جواب آچکا ہے لیکن ان بے بصر دانشوروں میں، خلاص ہوا تو مولانا پر جو اعتراض کر رہے تھے ان کا جواب ترجمان سے کہیں پہلے تذکرہ میں موجود تھا۔ مولانا نے امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول نقل کیا کہ متکلمین و فلاسفہ سے بڑھ کر مضطرب و محروم اطمینان

قلب و سرور روح کی لذت سے یکسر ناآشنا دوسرا کوئی گروہ نہیں۔ اور تذکرہ ہی میں لکھا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت نہ صرف اساس کائنات ہے بلکہ ان کے اتباع ہی کا نام عناصر حیات ہے۔

سیرۃ نبی سے متعلق تذکرہ کے صفحہ ۲۰۰ پر مولانا نے امام ابن تیمیہؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

سیرت کے مطالعہ و تفکر سے قرآن کے رموز و اسرار و غوامض کھلتے ہیں۔ قرآن و حیات نبوی معناً ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے سیرت شرح۔ قرآن علم ہے سیرت عمل۔ سیرت ایک مجسم و متشکل قرآن ہے۔ مولانا قرآن ہی سے سیرت نبوی مرتب کرنے کے خواہاں تھے۔ علامہ شبلیؒ نے جس وقت سیرۃ [illegible] اور خود [illegible] میں اس انداز ہی سے سیرت [illegible] کے جتنے پہلو بیان کئے [illegible] غلام رسول مہر نے [illegible] کے [illegible] ایک ضخیم کتاب ہے [illegible] صفحات [illegible] سیرت [illegible] مولانا [illegible] تھے۔ [illegible] سیرت [illegible] اردو میں [illegible] مولانا [illegible] اشارات و مقامات میں ہے۔

تذکرہ [illegible] میں [illegible] مولانا [illegible] تنقید [illegible] و مطبوعہ کتابوں کا [illegible] کا تذکرہ [illegible] ہے۔ [illegible] کی زندگی [illegible] اور ان کا [illegible] تذکرہ [illegible] کی جامع تصویر [illegible] ان کی شخصیت کے عوامل و عناصر [illegible] افسوس [illegible] تذکرہ [illegible] مرزا فضل الدین کے [illegible] و مولانا کے [illegible] کی جلد شائع نہ ہو سکی۔ [illegible] جستجو بھی کی [illegible] یا مولانا نے مرزا فضل الدین سے [illegible] یا مولانا [illegible] کی روایت کے مطابق مرزا فضل الدین اپنے وطن [illegible] واپس نہ کی۔

تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے [illegible] مولانا کے زیر قلم مندرجہ ذیل کتابیں تھیں۔

۱۔ تفسیر، ترجمہ، مقدمہ

۲۔ سیرت شاہ ولی اللہ

۳۔ دیوان غالب اُردو پر تبصرہ

۴۔ شرف جہاں قزوینی کے دیوان پر تبصرہ

۵۔ سیرت حضرت مجدد الف ثانی اس کی تسوید ۱۴ اگست ۱۹۱۹ء کو رانچی میں شروع کی اور ۲۱ اگست کو پورے ایک ہفتہ میں مکمل ہو گئی متوسط تقطیع کے ۲۰۰ صفحے تھے۔

۶۔ امتحان الخلافت

۷۔ الکلم الطیب

۸۔ القول الثابت

۹۔ سیرت طیبہ از قرآن مجید

۱۰۔ سیرت امام احمد بن حنبل

سیرت امام ابن تیمیہ

۱۱۔ حدیث غاشیہ کی شرح

ترجمہ کی دو جلدیں چھپیں تفسیر کا مقدمہ [illegible] میں [illegible] منتقل ہو سکے ہیں۔ [illegible] [illegible] کئے تو [illegible] مندرجہ بالا جن مصنفات کے نام دیے گئے ہیں نہ جانے ان [illegible] [illegible] کہیں [illegible] میں دیکھا [illegible] غالب ہے کہ مولانا [illegible] [illegible] کی وجہ سے رہ گئیں۔ ایک مختصر سی مدت ہی میں مولانا اتنا آگے نکل چکے تھے کہ ان کے فکر و نظر کا ارتقا [illegible] کو ذہن سے محو کر دیا جہاں تک دوسروں کے سوانح لکھنے کا تعلق ہے، وہ خود سوانح حیات ہو گئے۔ انہیں اپنی شخصیت کے مقابلے دوسروں کے سوانح لکھنے سے روک دیا۔ حیات [illegible] کی کوشش تھی۔ [illegible] اشارہ [illegible] نہ تھے۔

تذکرہ کے متعلق بھی [illegible] تھا۔ مرزا فضل الدین نے ان کی منشا کے خلاف شائع کیا تھا۔ اب اس کا دوبارہ چھپنا ان کے نزدیک [illegible] تھی۔ وہ تذکرہ سے بہت آگے نکل چکے تھے شاید ان کا یہ خیال ہو کہ تذکرہ [illegible] ۱۹۰۲ء میں ایک دوسرے [illegible] سفر شروع کیا۔

راقم نے ۱۹۵۶ء میں مولانا سے تذکرہ کی اشاعت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ وہ ایک مرحوم ماضی کے ذوق نگارش کی داستان سرائی ہے۔ اس زمانہ میں کہ چالیس برس ہو چکے ہیں اب فہم و نظر اور تدبر و فکر کے لیے اس قسم کی حکایتیں خرافات سی ہیں۔ یوں سمجھو کہ تذکرہ ترکات کہن میں سے ہے۔ میرے پیش نظر سوانح و افکار کا پورا خاکہ موجود ہے لیکن وقت کی تنگ دامانی اور صورت حالات کی پریشانی نے قرطاس و قلم کو معطل کر رکھا ہے سعادت

کسی مقام پر ٹھہر جائیں تو پوری کہانی لکھی جا سکتی ہے۔

غبارِ خاطر

غبارِ خاطر مولانا کے قلم سے اُن کی آخری تصنیف ہے اس کا پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۴۶ء میں چھپا اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ دوسرا ایڈیشن تین ماہ بعد شائع ہوا اور وہ بھی بعجلت فروخت ہو گیا۔ یہ دونوں ایڈیشن حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی نے چھاپے لیکن مولانا ان کی طباعت و کتابت سے خوش نہ تھے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن آزاد ہند پبلیکیشنز لمیٹڈ ۸ میکلوڈ روڈ لاہور نے پچیس ہزار روپے رائلٹی دے کر چھاپا [illegible] کی صورت میں شائع کیا ہر لحاظ سے معیاری تھا چونکہ [illegible] آزاد ہند پبلیشرز کے [illegible] پہلے دو ایڈیشنوں میں [illegible] ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا [illegible] ۱۹۶۷ء میں ساہتیہ اکادمی دہلی کے زیرِ اہتمام [illegible] تقریباً ۲۲ [illegible] شائع کیا [illegible] مختلف ناشران کے [illegible] ہے۔

کل ۲۴ خطوط میں [illegible] ایک [illegible] خطوط [illegible] ۱۹۴۵ء [illegible] لکھے گئے ظاہر ہے [illegible] نہیں [illegible] قرار دیا اور لکھا ہے کہ انہیں اس خیال سے قلمبند کیا [illegible] ہوگی۔ میں اپنے پرائیویٹ سیکرٹری پروفیسر اجمل خاں کے [illegible] اور [illegible] کے بعد رسالہ غبارِ خاطر کا نام مستعار لے کر ان خطوط کو شائع فرما دیا۔

پہلا خط [illegible] آغاز ہے۔ [illegible] خط [illegible] ایک دلچسپ ہے خط دوم میں قید کے سفر کی اجمالی روداد [illegible] خطوط کا تذکرہ [illegible] ہے۔ چوتھے خط میں قبل گرفتاری کے ذہنی واردات کا مختصر سا ذکر ہے۔ [illegible] کی [illegible] سے بمبئی کا سفر چائے نوشی کے ذوق کی لطافت [illegible]

اور حیوانوں کی مناسبت، سگریٹ نوشی کی عادت اور حالت قید میں اس کے ترک پر استقلال۔ پانچواں خط "داستان بے ستون وکوہ کن" سیری کے آغاز سے قلعہ احمد نگر کی نظر بندی تک کے وقائع یعنی گرفتاری کیونکر ہوئی۔ اور قافلہ اسیران کیسے چلا؟ پھر قلعہ احمد نگر پہنچ کر اس کی پوری تاریخ معہ جزئیات سامنے آگئی حافظہ کا برگشتہ تازہ ہو گیا۔ فرماتے ہیں:

"یہی احمد نگر کا قلعہ ہے جس کی سنگی دیواروں پر برہان شاہ کی بہن چاند بی بی نے اپنے عزم و ہمت کی یادگاریں [illegible] تھیں، اور جنہیں تاریخ نے [illegible] اپنے اوراق [illegible] میں محفوظ رکھا ہے۔"

چھٹا خط [illegible]

کا اصل مضمون [illegible]

[illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible] سے مولانا کے

[illegible]

[illegible]۔ فرماتے ہیں:

[illegible]

[illegible] ایک فقرہ

[illegible]

فلسفہ اور مذہب کے [illegible] زندگی [illegible] پوری مجلس جمادی ہے۔ دسواں خط ذاتی حالات و معلومات کے ماخذ و دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ گیارھواں خط پچھلے خط سے بھی زیادہ سوانحی مواد کے [illegible] ہے۔ بارہواں خط وجود باری تعالیٰ پر انسانی فکر کی نقش آرائیوں کا اظہار ہے۔ تیرھواں خط اسی خط کے مبحث کا اعادہ، شرح اور تفصیل ہے اور جدید و قدیم نظریات خداپرستی کا نچوڑ ہے۔ چودھواں خط، پانچویں صلیبی حملوں کی سرگزشت [illegible] کا جائزہ ہے۔ مولانا نے اس کتاب کے دوخاص مندرجات پر قلم اٹھایا اور مصنف کی کچھ روایتوں پر تنقید کی ہے۔ یہ ایک تاریخی علمی عالمانہ مکتوب ہے۔

جس میں بعض صوفیانہ رموز اور حکایتوں کا تجزیاتی اجمال بھی آگیا ہے۔ پندرہواں خط چائے کا تذکرہ ہے جس
میں زمانۂ حال تک کے نوشیدنی مرحلوں کی روداد ہے۔ یہی خط ہے جس نے برعظیم میں سفید یاسمین
کی شہرت کا آغاز کی) اور یہی چائے نوشی کی داستان بیان کی ہے سولہویں
خط میں بھی چائے ہی کا تذکرہ ہے۔ مولانا نے سردی سے اپنے علاوہ ذکریا اور قلم کی بہار آفرینی تازہ کی ہے۔
سترہواں خط انانیت و حیات سے متعلق ہے۔ جس میں [illegible] پر روشنی ڈالی ہے۔ ان
کے نزدیک بجز فکری انفرادیت کا [illegible] ہے۔ مولانا کی شخصیت کا مطالعہ اس خط کے [illegible]
کی معرفت [illegible] [illegible] کے [illegible]
کے رنگ و روغن میں [illegible]
میں ادبی مطالبات کے علاوہ سیاسیات کی دور دراز [illegible]
کا [illegible] [illegible]
[illegible] رقص کی رعنائی [illegible] خوش فسانی ہے
[illegible] بیسواں خط [illegible] [illegible]
[illegible] ایک سحری [illegible]

چوبیسواں خط موسیقی [illegible] میں مطالب و معانی کا
[illegible] مولانا نے اس خط میں [illegible]
ابوالکلام کے [illegible] کے اثر [illegible]
کا انسان ہے جس نے اپنے [illegible] میں ستار بجائی
عمر رفتہ کو آواز دی پھر [illegible] کہ ابوالکلام
نے [illegible] کی آزردہ تنہائیوں کو
کیونکر دفن کرتا رہا۔ اس خط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی کی صحبتوں کا ابوالکلام اور سیاست کی محفلوں
کا ابوالکلام دو مختلف وجود تھے [illegible] ابوالکلام چوب خشک صحرا تھا لیکن اس خط کا ابوالکلام چناروں کی چھاؤں
میں جوانی [illegible] کی تصویر تھا۔

غبار خاطر کی [illegible] اس وقت ہوئی جب سیاست کا گرد و غبار ہر طرف چھا رہا تھا [illegible] مسلمانوں

میں لیگ کی وجہ سے مولانا کے خلاف ہنگامہ برپا تھا۔ غبار خاطر پر بعض تنقیدیں لیگ کے سیاسی ذہن سے کی گئیں حتیٰ کہ بعض دانشور واقف ہی نہ تھے کہ غبار خاطر میں کیا ہے، وہ اپنے مقالوں میں بیہودہ تنقیدیں کرتے رہے اب اس زمانہ میں کہ سیاست و ادب میں حزبی رشتہ ہو چکا ہے۔ کسی تنقیدی مقالے پر معاشرہ کے اجتماعی مطالعہ کا اعتماد قائم ہونا ممکن نہیں۔ یوں بھی تنقید ایک مطالعاتی جبر ہے جو قارئین کے ذہنوں پر روا رکھا جاتا وہ اس طرح مطالعہ کی آزاد راہیں مسدود کی جاتی ہیں۔

مولانا نے غالب کے خطوط [illegible] غالب سے [illegible] مولانا کا سفر اور اس کا عہد دوسرا تھا۔ انھوں نے اپنی بات سنانے کے لیے خط نہیں لکھے بلکہ قید کی تنہائیوں میں مخاطبت کی ایک صورت پیدا کی [illegible] خیالات [illegible] خطوط [illegible] قلموں [illegible] غبار خاطر [illegible] خطوط [illegible] غبار خاطر [illegible] مولانا [illegible] مولانا [illegible] ان خطوط میں [illegible]

کاروان خیال مولانا کے خطوط کا [illegible] مرتب [illegible] عبدالشاہد خاں شروانی [illegible] اس میں دس خط مولانا نے [illegible] حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے [illegible] مولانا کا ایک خط مرتب کے نام بھی ہے [illegible] خطوط [illegible] ہیں۔ تین خط ایسے ہیں جو غبار خاطر میں آ چکے ہیں۔ باقی [illegible] خطوط میں [illegible] ہیں۔ ان میں تین چار خط اہم ہیں ایک خط میں سفر [illegible] تفصیل [illegible] میں موسیقی سے ذوق کا تذکرہ [illegible] شعر و ادب کے متعلق [illegible] ایک خط عبارت کی تبدیلی سے غبار خاطر میں درج ہے۔ کاروان خیال اگرچہ غبار خاطر کے بعد طبع ہوئی لیکن اس کے بعض خطوط غبار خاطر سے پہلے لکھے گئے۔ فاضل مرتب کا مقدمہ افادہ کی چیز ہے۔ مرتب نے دونوں کے باہمی تعلقات اجاگر کیے اور بہت سی عمدہ باتیں بیان کی ہیں۔ جو شخص مولانا کے سوانح پر کام کرنا چاہے وہ کاروان خیال کے پانچ چھ خطوط سے بہت سی نئی باتیں فراہم کر سکتا اور ان گوشوں سے واقف ہو سکتا ہے جن سے مولانا کے عقیدت مندوں کا آشنا ہونا ضروری ہے۔ المختصر ان خطوط سے مولانا

کے سوانح و افکار کی ترتیب و تجزیہ میں کافی مدد ملتی ہے۔

مولانا کی دوسری تصنیفات کی طرح یہ کتاب بھی کئی کئی ناشروں نے چھاپی اور ہزاروں کی تعداد میں بکی ہے۔

مکاتیب ابوالکلام مولانا کے ادھر ادھر سے فراہم کردہ خطوط کا یہ پہلا مجموعہ تھا۔ جو اردو بستان لاہور نے شائع کیا۔ پھر دوسرے تیسرے ایڈیشن میں مزید خطوط شامل کئے گئے۔ ایک خط مولانا حالی اور دو خط مولانا شبلی کے نام ہیں۔ ۳۰ خط سید سلیمان ندوی کے نام ہیں اور ۳ خط عبدالقادر قصوری کے فرزند مولانا محی الدین احمد کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ پانچ خط مولانا مہر کے نام ہیں یہ وہ بعض جریدوں سے ماخوذ ہیں۔ مولانا مہر نے کل خطوط اپنے مجموعہ نقش آزاد میں شامل کئے ہیں۔ چند خطوط مختلف حضرات کے نام ہیں جن میں بعض مذہبی مباحث کا جواب دیا گیا ہے۔

ان خطوط سے بھی مولانا کے سوانح و افکار کی تدوین میں مدد ملتی ہے جس سے ان کے فکر و نظر کی وسعتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

میرا عقیدہ یہ کتابچہ پہلی مرتبہ بھارت سے مدنی کتاب گھر جامع مسجد دہلی سے فروری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ مولانا غلام رسول مہر نے توضیحی حواشی مرتب کئے ہیں۔ پیش لفظ حکیم سعید کا ہے۔ مولانا آزاد کے پانچ خطوں کا مجموعہ ہے جس میں مولانا نے ان کے استفسار پر اپنے عقیدے سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان کے ساتھ ایمان بالرسالت کا مقام و محل بیان فرمایا ہے۔

مکاتیب ابوالکلام آزاد مرتبہ ابو سلمان شاہجہانپوری، ناشر اردو اکیڈمی سندھ سن اشاعت فروری ۱۹۶۸ء۔ پہلی مرتبہ اس مجموعہ میں ۱۹۰۰ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک کے خطوط ہیں ان کی تعداد ۵۱۱ ہے۔ ۹۰ مولانا کے اپنے قلم سے ہیں اور ۱۳۲ ان کے حسب ہدایت سیکرٹریوں کے قلم سے۔ حصہ اول میں مولانا کے مختلف تحریرات خطوط پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں علامہ شبلی، علامہ علی، مفتی کفایت اللہ، سید سلیمان ندوی، پنڈت جواہر لال نہرو اور چودھری خلیق الزمان کے علاوہ کئی ایک احباب کے نام تقریباً ۵۹ خطوط ہیں۔ اس حصہ میں بعض وقتی تحریریں بھی ہیں۔ تیسرا حصہ ان لوگوں کے تعارف و تذکرہ کا ہے جن کے نام اس مجموعہ کے خطوط ہیں۔ یہ ایک قابل مطالعہ اور دلچسپ مجموعہ ہے۔ جس سے مولانا کی سیرت کے خطوط ابھرتے اور ان سے ایک سوانحی خاکہ تیار ہوتا ہے۔

نقشِ آزادؒ

مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، ناشر کتاب منزل لاہور۔ کتاب کے تین حصے ہیں۔ حصہ اول میں (صفحہ ایک سے ۲۵۰ تک) مہر صاحب کے نام مولانا کے خطوط ہیں۔ یہ کل ۱۸۱ خط ہیں جن میں سے ۱۲۲ مولانا کے لکھے ہوئے ہیں۔ [illegible] ان کی طرف سے [illegible] ہیں۔ [illegible] باقی ۵ خطوط ان کے پرائیویٹ سیکرٹری محمد اجمل خان اور ۴ خطوط پرسنل سیکرٹری مسٹر ایم این مسعود کے قلم سے ہیں۔

اس مجموعہ کا دوسرا حصہ ان نوٹوں پر مشتمل ہے جو مولانا [illegible] غالب کا مطالعہ کرتے وقت جزدان اور ق پر لکھے تھے۔ [illegible] حصہ [illegible] خطوط [illegible] پر مشتمل ہے۔ اس میں [illegible] خطوط خواجہ حسن نظامی، ایک خط مولانا حسرت، ایک خط [illegible] اور چار خط نیاز فتح پوری کے نام ہیں۔ مہر کے نام جو خطوط ہیں [illegible] فقر و قناعت کی تصویر نمایاں ہوتی ہے بلکہ وہ ذہنی گرد و غبار بھی بیٹھ جاتا ہے جو [illegible] جلد اول کی اشاعت کے [illegible] [illegible] جوڑیاں نہیں تھیں [illegible] قطع نظر نقشِ آزاد کے خطوط ہی سے ثابت ہوتا ہے [illegible] اجرت اور اشاعت [illegible] کھڑی تھیں اور مولانا فقر و استغنا کی کس منزل میں تھے۔

نقشِ آزاد کے بعض خطوط [illegible] حالات [illegible] معلوم ہوتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مکتوب الیہ مہر [illegible] تک مولانا سے منسلک رہا۔ ان مکاتیب میں بیشتر فقرے اس انداز [illegible] وقت [illegible] ان خطوط کو اب پڑھتا ہوں تو ہوک اٹھتی ہے۔ [illegible] سیاسی [illegible] خصوص [illegible] ہماری [illegible] مستقبل سے [illegible] ان چند کلمات میں مستقبل کا حقیقی تجزیہ اپنے واضح نتائج کے ساتھ موجود تھا۔"

تبرکاتِ آزادؒ

مرتبہ مولانا مہر، ناشر کتاب منزل لاہور
۹۸ مکاتیب اور مقالات کا مجموعہ۔ ابتدا [illegible] صفحات کا دیباچہ [illegible] مہر خطوط کا یہ مجموعہ

دینی و علمی اور تعلیمی و اخلاقی مسائل سے متعلق مجتہدانہ بصیرت و [illegible] کا نادیدہ موقع ہے۔ اس میں علاوہ

محی الدین حمد کے نام جو خطوط ہیں وہ بیش قیمت معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ عبد الماجد دریا آبادی اور سید سلیمان ندوی کے نام بعض کے خطوط بھی مولانا کی سیرت نگاری میں مدد دیتے اور بعض سوانحی پہلو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض متفرق خطوط ہیں اور سب کسی نہ کسی مسئلہ سے متعلق ہیں۔

مکاتیب کا پہلا حصہ ۷۰ خطوط پر مشتمل ہے۔ دوسرا اٹھارہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ تیسرا ۱۲۸ خطوں کا باب ہے۔ اور چوتھا پندرہ مکاتیب سے مملو ہے۔ مضامین میں ہجرت کا فتویٰ فتنۂ ارتداد اور مسلمان و مسئلۂ خلافت اور جمہوریہ ترکیہ ابن سعود اور حرمین کے تنازعات، مقابر و آثار پر عمارت وغیرہ بہت سے موضوع زیر بحث آئے ہیں۔ کیا آخری مسئلہ [illegible]؟ ان مضامین کے مطالعہ سے مولانا کی ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے فکر و عمل سے کتنے پہلے [illegible] اور نصف صدی [illegible] پیدا کیے [illegible] میں بیان کیے تھے۔

مندرجہ بالا مجموعے مولانا کے تمام خطوط کا مجموعہ نہیں البتہ ان کے بیشتر خطوط غیر مطبوعہ ہیں۔ چھ تقسیم کے وقت ان کی بہت بڑی تعداد ضائع ہو چکی تھی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے پاس کئی ایک خطوط تھے۔ شیخ حسام الدین کے پاس بھی چند محفوظ تھے لیکن تقسیم کے دوران ضائع ہو گئے۔ اس طرح جو لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جب پاکستان آئے ان میں سے تقریباً سب کا ذخیرہ ضائع ہو گیا۔ جو خطوط محفوظ ہیں ان میں غالب تعداد علمی، تاریخی، تہذیبی، ثقافتی اور ادبی و لسانی مسائل سے متعلق خطوط کی ہے۔ بعض خطوط نجی قسم کے واقعات ہیں یا پھر دین و مذہب کے بارے میں بعض سوالات کا جواب وغیرہ ہے۔ مولانا ایک سیاسی انسان اور ایک عظیم سیاسی رہنما تھے۔ لیکن ان تمام مجموعوں میں کوئی سیاسی خط نہیں۔ حالانکہ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر انصاری، حکیم محمد اجمل خان، سردار پٹیل، بابو راجندر پرشاد اور دوسرے بیسیوں رہنما تھے جن سے مولانا مکاتبت کرتے اور خط و کتابت فرماتے تھے۔ راقم کے پاس ذاتی خطوط کے علاوہ چند صفحے کا ایک خط ہے۔ مولانا نے یہ خط صوبائی کانگریس کمیٹی سرحد کے صدر خان علی گل خان کو خان غلام محمد خان لوند خوڑ کی اپیل منظور کرتے ہوئے لکھا اور خان عبد الغفار خاں کے فیصلہ کو مسترد کیا ہے۔ اس خط کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا فیصلہ ایک منصف کے دماغ سے کرتے اور لکھتے ادیب کے قلم سے تھے۔ نہ جانے اس طرح کے کس قدر خطوط گم ہو گئے اور کتنے کہاں پڑے

ہیں۔ ایسے ہی بعض خطوط کا ذکر مختلف اصحابِ قلم نے اپنے مقالوں میں کیا ہے۔ جواہر لال نہرو نے اپنی ایک کتاب "کچھ پرانے خطوط" میں مولانا کے چار پانچ خط نقل کئے ہیں۔ مہادیو ڈیسائی نے بھی اپنی کسی تصنیف میں ایک دو خط نقل کئے ہیں۔ پیارے لال نے مہاتما گاندھی کے آخری لمحات میں ایک آدھ خط دیا ہے۔ چوہدری خلیق الزماں نے اپنے سوانح حالات میں اپنے نام ایک خط کا عکس دیا ہے غرض مولانا کے بے شمار خطوط جن سے کئی مجموعے مرتب ہو سکتے ہیں اب تک اشاعت کی دسترس میں نہیں۔

مولانا نے [illegible] بیان کیا وہ ہندوستان اور پاکستان کے متنازعہ مسئلوں سے متعلق لیاقت علی خان کو [illegible] کئے۔ صفحات کا یہ [illegible] ہو چکے ہیں لیکن لیاقت نے جواب ایک طرف رہا رسید تک نہیں دی [illegible] توجہ کی [illegible] ہو جاتیں اور ہندوستان و پاکستان کے مابین جو [illegible] حدود ہو جاتا۔

مولانا نے [illegible] لیاقت علی نے [illegible] خطوط [illegible] تو ایک پُرامن مستقبل کی [illegible] طاقت [illegible] آزاد ملکوں کا ہے۔ [illegible] دوسری جیسی چیزیں بھی [illegible] سے مربوط ہیں میں چاہتا ہوں دونوں ملکوں [illegible] اور [illegible] ہو کر ایک دوسرے کے بارے میں کسی شک، شبہ اور خوف کے [illegible] ترقی [illegible] مسائل ہوں۔ [illegible] کبھی مجروح نہ ہو کہ دونوں [illegible] اپنے حدود میں [illegible] ہیں۔

خان [illegible] نے [illegible] تھا ان کے پاس مولانا کے بہت سے خطوط ہیں ڈاکٹر خان صاحب نے بھی کئی خطوط کا ذکر کیا تھا۔ معلوم ان خطوط پر کیا بیتی۔ [illegible] اختر راوی ہیں کہ علامہ اقبال کے پاس مولانا کے تقریباً ڈیڑھ درجن خطوط تھے۔ لیکن اب ان کو ڈھونڈا نہ پایا۔ بظاہر ایک احتمال ہے کچھ نہیں کہا جا سکتا ان خطوط کا کس قدر ذخیرہ تلف ہو چکا ہے۔

دیگر تصانیف

مولانا کی تصانیف میں دین و ادب کی معراج کے اعتبار سے درجہ اوّل ترجمان القرآن (ہر دو جلد) کو حاصل ہے۔ اُن کی بقاء اور شہرت کے لیے یہ نا تمام تفسیر و ترجمہ کافی ہے۔ دوسرے درجہ پر ادبی و علمی اعتبار سے غبار خاطر (مجموعہ مکاتیب) ہے۔ تیسرا درجہ تذکرہ کو دیا جا سکتا ہے جو مختلف شخصیتوں کے استقامت و ایثار کی ایک کہانی ہے اور اس زمانے کے طرزِ انشاء کا ایک جامع شاہکار [illegible]

عدالت میں ایک بیان ہے لیکن اس کی سیاسی و تاریخی عظمت کو ادب کے حسن نے تلوار بنا دیا ہے۔ قولِ فیصل کی مثال فردوسی کے شاہنامہ کی طرح رزمیہ ہے یا پھر داستان کے طرز پر حق و باطل کی معرکہ آرائی کا افسانہ ہے۔ جیسے نظم کا زبان نثر کی اسلوب عبارت کا۔

"مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب بظاہر پراونشل خلافت کانفرنس بنگال کا خطبہ صدارت ہے لیکن حقیقتاً" ۱۹۱۴ء کی جنگ میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ پر خلافت کے موضوع اور جزیرۃ العرب کے مضمون پر [illegible] دستاویز ہے [illegible] مسلمانوں [illegible] بالخصوص [illegible] اور دین کے جو ذائقہ قرآن سے ان کی سیاست، معاشرے، افراد، جماعت [illegible] موضوعے ہیں ان کا [illegible] تاریخ اور [illegible] اردو زبان میں [illegible] اس [illegible] موضوع [illegible] ہیں۔

مولانا [illegible] وغیرہ کے مختلف سالانہ اجتماعات میں [illegible] خطبات [illegible] رسالے رسالہ [illegible] دوست [illegible] کر دیے تھے۔ [illegible] ان دنوں اشاعتی [illegible] "خطبات الاسلام" [illegible] کی پہلی کتاب تھی [illegible] پنجاب رہا تھا۔ اور ان کی [illegible] خطبات کا سودا کرنا چاہا لیکن معاملہ [illegible] ۱۹۲۳ء [illegible] مولانا کے ایک عقیدت مند نے مظفر [illegible] مجموعہ شائع ہوا [illegible] نے چھوٹا نسخہ [illegible] ہی خود ایک مجموعہ مدون کیا [illegible] درخواست کی کہ وہ دیباچہ لکھ دیں۔ ملک صاحب نے دیباچہ لکھا اور وہ شائع ہو گیا۔ محمد طفیل اور لطیف فاروقی [illegible] الگ ہو گئے تو خطبات کا تیسرا ایڈیشن اشاعت [illegible] خطبات کے جامع [illegible] ملک نصر اللہ خان عزیز قرار دیے گئے۔ راقم کا نام حذف ہو گیا۔

ان خطبات کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ:

۱۔ مولانا کی ابتدائی زبان، اس کا لہجہ اور ان کا پیام کیا تھا۔

۲۔ مولانا کی ارتقائی زبان، اس کا لہجہ اور ان کا پیام کیا تھا۔

۳۔ ان خطبات سے مولانا کے دینی تفکر اور فکری جوش کے مختلف درجے معلوم ہوتے ہیں۔

۴۔ مولانا کے تدبر کی پختگی، نظر کی وسعت اور فکر کی صلابت کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ بعض جملے الہامی اور دوامی ہیں اس نصف صدی کے واقعات نے ان کی تصدیق کی ہے۔

۶۔ ایک خطیب میں جو خصائص و محاسن ہونے چاہئیں وہ سب ان میں موجود ہیں۔

۷۔ ان میں ایک جامع کمالات انسان کی گہرائی و گیرائی موجود ہے۔

۸۔ ان کے مطالعہ سے ہم نصف صدی سے برعظیم کی تاریخ مرتب کر سکتے اور ان سے مدد معلوم کر سکتے ہیں۔

۹۔ ان میں خطابت [illegible] کے بھی نمونے [illegible] کی علامت سے موجود ہیں۔

۱۰۔ فن تقریر کے طلباء اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

۱۱۔ ان خطبات میں [illegible] نظر آتی ہے۔

مولانا آزاد [illegible] تصنیفات ہیں۔ [illegible] پوسٹ ماسٹر [illegible] کراچی [illegible] کی تحریر کے مطابق مولانا نے ۱۹۱۰ء میں [illegible] دس برس کے تھے شاعری کا آغاز کیا۔ [illegible] ۱۹۰۰ء میں جب کہ مولانا کی عمر ۱۲ سال کی تھی، آپ نے جلال الدین سیوطی [illegible] خصائل جمعہ کا ترجمہ کیا۔ پھر جلال الدین سیوطی ہی [illegible] کا ترجمہ کیا۔ وہ ترجمہ خصائص محمدیہ کے نام سے شائع ہوا۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ کی ایک کتاب منہاج العابدین کا ترجمہ کیا۔ وہ بھی شائع ہوئی۔ نفحات الانس کا ترجمہ شروع کیا۔ لیکن چند جز کے بعد چھوڑ دیا۔ ۱۹۰۰ء میں طبیعت فارسی شاعری کی طرف مائل ہوئی۔ مولانا روم کے وزن پر ایک مثنوی لکھنا شروع کی لیکن ناتمام رہ گئی۔

مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب آب حیات کے حصہ اول کا دوسرے حصے تک فارسی میں ترجمہ کیا اور ترکی کے ایک فاضل سیاح طاہر بیگ کو دکھایا۔ تب مولانا ان سے فارسی شاعری اور فارسی نثر میں اصلاح لیتے تھے۔ کشش مادہ اور کشش عشق کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ ثابت کیا کہ عالم مادہ کی طرح عالم جذبات بھی ہے اور دونوں کے قوانین یکساں ہیں۔ فنون امام غزالی کا ایک رسالہ ہے اس کا ترجمہ کیا۔ اسی عمر اور اسی زمانہ میں بعض رسائل

کے لیے مضامین لکھنا شروع کیے۔ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں تیرہ چودہ سال کی عمر ہو گئی تو امام غزالی کی تہافۃ الفلاسفہ کا ترجمہ شروع کیا لیکن نصف کے بعد طبیعت اچاٹ ہو گئی اور ترجمہ نامکمل رہ گیا۔

۱۹۰۲ء میں فرہنگ جدید کے نام سے فارسی لغت مرتب کیا۔ یہ مرزا غالب کی قاطع برہان اور ہدایت قلی کی فرہنگ ناصری کے طرز پر تھا۔ اسی زمانہ میں دیوان غزلیات شائع کیا۔ جو اب تک مفقود و عنقا ہے۔ لیکن ابوسلمان شاہجہاں پوری نے بعض غزلیں ارمغان آزاد میں جمع کی ہیں۔ جو شاعری کی صنعت میں ابتدائی مشق کے بہترین نمونے ہیں۔ چہار مقالہ نظامی کے بعض مباحث سے متعلق [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] قیمت [illegible] کے [illegible] تحقیق کے ساتھ کی [illegible] خیرالدین کو مولوی [illegible] الدین [illegible] معتقد [illegible] تھے [illegible] مولانا کے والد [illegible] وجہ سے [illegible] مقبول تھے [illegible] تھے۔ [illegible] تھے۔ دوسرے علما [illegible] کی مقبولیت [illegible] وقت [illegible] انفرادیت کا ظہور نہیں ہوا تھا [illegible] کے اس رسالے سے [illegible] معلوم ہوتی ہے [illegible] جواب دیتے وقت [illegible] کسی شخص کے خلاف ذاتیات کی [illegible] ان کے قلم کی پہلی نگارش ہے [illegible] ان کے قلم میں [illegible]

"علوم جدیدہ و اسلام" [illegible] ایک تصنیف تھی [illegible] میں اس کا تذکرہ ہے کہ علوم جدیدہ کے مقابلہ میں اگر کوئی عمدہ [illegible] مذہب و اسلام کا دفاع کر سکتا ہے تو وہ سرسید کا علم کلام ہے۔ احسن المسالک صوفی ازم اور طریق ریاضت کے مختلف اسکولوں کی تشریح میں لکھی گئی۔ لیکن اس کی اشاعت و طباعت کا حال بھی معلوم نہیں۔ "المیت" اس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ جدید سائنس کے تمام اصول مسلمان حکماء دریافت کر چکے تھے۔ اسی زمانہ میں میو نیبل بلاوائین کے رسالہ سول سسٹم کا اردو ترجمہ کیا جو

ایک فارسی ترجمہ کا ترجمہ تھا۔

المعتزلہ: فرقہ معتزلہ کی تمام تاریخ جو مولانا کی دوسری زیر ذہن تصنیفات کی طرح ادھوری رہ گئی۔

حقیقت معجزات۔ آریوں و عیسائیوں کے جواب میں مناظرانہ مباحث جنہیں حکیم محمد حسن شاہجہانپوری نے رسالہ کی شکل میں چھاپ دیا۔ علامہ فرید وجدی مصری نے المراۃ المسلمہ (مسلمان عورت) لکھی تو مولانا نے الندوہ کیلئے ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک چھپا۔ بعد کو کتابی شکل میں شائع ہو گیا۔

معارف النغمات: فن موسیقی میں تھی۔ اس کی [illegible] احمد ہادی نے بھی معاونت کی تھی۔ سن تصنیف ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء ہے۔

اسلامی توحید [illegible] تمام [illegible] صاحب [illegible] کے نظریہ توحید [illegible] ہیں [illegible] سے متاثر ہوئے۔ حیثیت میں [illegible] الفت [illegible] وہ [illegible] میں بھی سلامی توحید [illegible] موسیقی بھی [illegible] کے نظریہ توحید کی خوشہ چینی سے متمتع ہوئے۔

حیات سرمد [illegible] ایک مقالہ ہے جو خواجہ حسن نظامی کی فرمائش پر لکھا گیا۔ پھر رباعیات سرمد کا دیباچہ بنا۔ اس کا [illegible] میں تلف ہو گیا [illegible] نظامی کو جواب دیا:

"اب نہ تو اتنی مہلت ہے کہ پھر لکھوں اور نہ اس میں اتنی اہمیت ہے کہ دوبارہ وقت ضائع کیا جائے۔

تاریخ کے سینکڑوں ابواب جنہوں نے [illegible] بے تعلقی ہیں۔ انہیں چھوڑ کر سرمد وغیرہ پر کون وقت ضائع کرے۔"

ابو سلمان شاہجہانپوری نے ان سے متعلق مولانا عبدالغنی کی ان کتابوں کا زمانہ تصنیف ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۰ء تک ہے۔ عبدالرزاق ملیح آبادی نے "ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی" میں ان کتابوں کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور مجوزہ اشارات اسی کتاب ہی سے مستعار ہیں۔ اب ان کتابوں میں مسلمان عورت کے سوا کوئی سی کتاب دستیاب نہیں ہوتی البتہ "حیات سرمد" کا دیباچہ مل جاتا ہے۔ جو پہلے مقالہ تھا۔ لیکن سرمد کی رباعیات کے مرتبین نے دیباچہ بنا لیا۔ تب سے دیباچہ کے طور پر مشہور ہے۔

۱۹۲۷ء میں البلاغ کا دورِ ثانی ختم ہوگیا تو ۱۹۲۹ء تک مولانا کے قلم سے ترجمان القرآن ہر دو جلد کے علاوہ کوئی تحریر نہ نکلی نہ کوئی کتاب چھپی، نہ کسی نے ادھر ادھر سے کوئی ذخیرہ مرتب کیا۔ ۱۹۳۹ء میں ادبستان لاہور نے انتخاب البلاغ شائع کیا پھر ۱۹۴۲ء کے دوران میں البلاغ ہی سے مرتب کی ہوئی دو ایک کتابیں نکلیں اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں بالخصوص اور ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۰ء کے اوائل تک بالعموم مولانا کے مضامین اور البلاغ کے مندرجات کئی اداروں نے مولانا کے نام سے چھاپے۔ ایک دو ناشر حیدرآباد دکن کے تھے، بعض کتابیں لکھنؤ سے اور کچھ دہلی سے شائع ہوئیں، [illegible] سے ہوا اور [illegible] سب میں [illegible] سے گیا۔

[illegible] جنگِ عظیم کے دوران میں [illegible] مضامین منسوب کر کے مولانا کے نام سے شائع ہونے لگے [illegible] مجموعوں میں کوئی حسن، نظم اور تحقیق [illegible] رکھی گئی [illegible] بعض [illegible] بھی مولانا [illegible] شائع ہوئے [illegible] تھے یا الہلال والبلاغ میں شائع ہوئے تھے۔ ان کے [illegible] سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی، عبداللہ عمادی، مرزا احمد [illegible] ندوی [illegible] نے اپنا [illegible] قسم کے مضامین [illegible] کر کے مولانا سے منسوب کر دیے۔ جہاں تک ترتیب و تقسیم کے ان مجموعوں کا تعلق ہے، مولانا ان سے بیزار تھے۔ [illegible] ان کے نام پر [illegible] کر دیا ہے اور جو کچھ [illegible] نہیں [illegible] کے [illegible] میں ہے بلکہ اکثر مجموعے مجروح [illegible] کیے گئے اور [illegible] کی غلطیوں سے پُر ہیں۔

ان کتابوں کے تین دور ہیں۔

اولاً: تحریکِ خلافت کے زمانہ میں منشی مشتاق احمد ناظم قومی دارالاشاعت میرٹھ نے مولانا کے نام سے الہلال والبلاغ کی تحریروں اور صدارتی خطبات کے اقتباسات سے بیس بائیس مجموعے شائع کیے۔ مثلاً مضامین الہلال، مقالات الہلال، انتخاب الہلال، تحریک آزادی، عیدین، ام الکتاب، امر بالمعروف، ولادت نبوی، ذکریٰ، افسانہ ہجر و وصل، اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان، حقیقت الصیام، حقیقت الحج، حقیقت الزکوٰۃ،

صدائے حق، جہاد اور اسلام حزب اللہ، تحریک ترک موالات کا مقصد، اتحاد اسلامی، مضامین آزاد، تحریک فی القرآن اور جسم امید وغیرہ۔ [illegible] بک ایجنسی لاہور سے بھی بعض کتابچے شائع کیے۔

ثانیاً ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دور جو [illegible] لاہور اور [illegible] دہلی، لکھنؤ اور حیدرآباد دکن کے ناشروں کی مساعی پر مشتمل ہے۔

ثالثاً آزادی کے بعد کا دور ہے۔ پاکستان اور ہندوستان سے [illegible] کی صحت سے بے نیاز ہوکر مولانا کے افکار و نگارشات پر مشتمل [illegible] سے ماخوذ مقالات کی [illegible] کتابیں شائع کی ہیں۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مولانا کی تحریروں سے [illegible] ایک [illegible] کے بعد ادبی [illegible] مولانا آزاد کی فروخت ہوتی ہیں۔ پاکستان [illegible] مولانا کے [illegible] ناشر مکتبہ عظمت [illegible] سے شائع کر دیا۔ خواجہ رضا حیدر نے ناشر کی اس سینہ زوری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ [illegible] مرتبہ ملیح آبادی ہیں واللہ اعلم، لیکن جہاں تک اس کے دیباچہ کا تعلق ہے اس کی تصنیف [illegible] ناشر کی ہے۔ راقم نے ناشر مذکور کو اس سینہ زوری سے باز رکھنے [illegible] کا جواب [illegible] پتہ چلا کہ ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں۔ یہاں روپیہ پیدا کرنے کے لیے اس قسم کا ڈاکہ ڈالنا پڑتا ہے۔ آپ مولانا کی بڑی عظمت [illegible] تجر

۵۔ احساس ذکر میں ہماری ویرانی کو ملحوظ رکھیں ہمارے لیے مولانا کا نام متروکہ جائیداد ہے اور ایک مہاجر کو متروکہ جائیداد سے مستفید ہونے کا حق پہنچتا ہے۔

برعظیم کی آزادی کے بعد مولانا کے قلم سے کوئی تصنیف نہ نکلی بعض تقریریں یا دو ایک رسالے چھپ چھپا گئے۔ البتہ حکومت ہند کے پبلیکیشنز ڈویژن نے شائع کئے ان کا ذکر طباعت کے تحت آچکا ہے۔

مولانا کی رحلت کے تھوڑے عرصہ بعد ان کے سوانح [illegible] کے نام سے شائع ہوئے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر جو حکومت ہند میں [illegible] مولانا [illegible] کی بعض ملاقاتوں میں مولانا کے [illegible] بیان کرتے [illegible] ان کی روایت کے مطابق مولانا کو پہلے [illegible] تھا تو ایک طویل جنگ آزادی کے بعد وہ سیاسی [illegible] کو یہاں رہ کر [illegible]

اس طرح سوانح حیات کے [illegible] صورت میں [illegible] کے [illegible] نقطہ [illegible] مرتب [illegible] صدر ذہن [illegible] گزارا اور وہ صورت [illegible] تجدید [illegible] تھے [illegible] ایک [illegible] کرتے تھے [illegible] مخصوص نوٹ لیتا تھا۔ [illegible] جب [illegible] میں [illegible] کرتا [illegible] مولانا [illegible] کے مطابق [illegible] رہتے تھے [illegible] تمام [illegible] کتاب کے ایک [illegible] کے لیے [illegible] مسودہ تیار کر کے [illegible] خدمت میں [illegible] جلد پیش کر دیتا۔ وہ ہر باب کو پہلے خود دیکھتے پھر ہم دونوں [illegible] بیٹھتے۔ اس منزل پر انہوں نے کبھی کچھ بڑھا اور کبھی کچھ بدل کر کبھی کچھ حذف کر کے مسودہ میں بہت سی ترمیمیں [illegible] اس طرح کام کرتے رہے یہاں تک کہ ستمبر ۱۹۵۷ء میں پوری کتاب کا پہلا مسودہ میں نے ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب پوری کتاب مولانا کے ہاتھ آگئی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کے قریب تیس صفحات جن میں ایسے مسائل اور ایسے تاثرات پر بحث کی گئی ہے جو بڑی حد تک ذاتی و شخصی تھے فی الحال شائع نہ کیے جائیں اور ان صفحات کے سربمہر مسودہ کو کلکتہ کی نیشنل لائبریری اور نئی دہلی کی نیشنل آرکائیوز میں رکھ دیا جائے۔ اور انہیں کتاب کی اشاعت کے تیس سال بعد شائع کیا جائے۔ مولانا کے حسب ہدایت کانٹ چھانٹ کے بعد نومبر ۱۹۵۷ء میں کتاب کا مسودہ

جب انہیں دوبارہ دکھا دیا گیا تو اس دفعہ بھی کچھ تبدیلیاں کیں اور فرمایا کہ کتاب اب اشاعت کے قابل ہو گئی ہے۔ نومبر ۱۹۵۸ء کو مولانا کی سترھویں سالگرہ تھی اور اس موقع پر کتاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن مولانا کا پیمانۂ عمر ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء ہی کو لبریز ہو گیا اور کتاب نومبر ۱۹۵۸ء کے بجائے جنوری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

اردو کی بدقسمتی تھی کہ اس کے عظیم المرتبت ادیب کے سوانح حالات انگریزی میں شائع ہوئے اور ان کا اردو ترجمہ مولانا کی زبان سے محروم رہا، تاہم جامعہ ملیہ دلی کے وائس چانسلر پروفیسر محمد مجیب نے سادہ و سہل زبان میں شستہ و رفتہ ترجمہ "ہماری آزادی" کے نام سے [illegible] اورینٹ لونگ مینس ہی سے شائع کیا۔ اس کی ذیلی سرخی ہے۔ "[illegible] آپ بیتی بھی ہے" [illegible] لفظ ہیں یہی کتاب کا جامع [illegible] ہے۔ مولانا مہر [illegible] سوانح حالات [illegible] لکھنے [illegible] اوپر [illegible] کر چکے تھے۔ [illegible] سے [illegible] شائع ہی میں [illegible] کر گئے۔ انہوں نے اس کتاب کے متعلق [illegible] مولانا کی تصنیف میں [illegible] مولانا کے حالات میں دو ایک ہی غلطیاں ہیں [illegible] کے حالات بیں [illegible] کی [illegible] کی [illegible] سے متعلق [illegible] بھی نہیں [illegible] تھیں اور [illegible] ہے دوسرے انگریزی میں [illegible] ہے کوئی [illegible] نہیں۔ تیسرے [illegible] باب جو مولانا کے [illegible] حالات پر مشتمل ہے وہ اصل مسودہ کا جز نہیں۔ بلکہ اس حاشیے کی [illegible] کا [illegible] ہے جو [illegible] مولانا نے دیکھا [illegible] لیا۔ یہ باب سوانح میں [illegible] شامل کیا [illegible] مولانا کی وفات کے بعد تحریر ہوا ہے۔

مولانا مہر کی اس تحریر [illegible] میں جناب لطیف عظمی نے قلم اٹھایا اور [illegible] کے اعتراض کا [illegible] الفاظ میں رد کیا۔ خود مولانا مہر کے اعتراض میں کوئی وزن نہ تھا۔ مولانا ابوالکلام اور ہمایوں کبیر حکومت ہند میں ساتھ تھے۔ مولانا ہی انہیں کلکتہ یونیورسٹی سے پروفیسری چھڑا کر لائے تھے۔ پروفیسر محمد اجمل جو مولانا کے سیکرٹری تھے، اس ساری روداد کے عینی شاہد تھے۔ ہمایوں کبیر نے مولانا مہر کی تشفی کر دی [illegible] کے بعض اہل قلم نے جو مولانا سے قریب رہتے تھے اس کی توثیق فرمادی کہ "ہماری آزادی" کی ترتیب و تحریر سے متعلق ہمایوں کبیر نے جو کچھ پیش لفظ میں لکھا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ اور مسودہ مولانا ہی کا املا کرایا ہوا ہے۔

مولانا مہر عمر کے آخری دنوں میں خود کوشش کرتے تھے کہ وہ اس بحث کو چھیڑ کر کچھ معلومات حاصل

کرنا چاہتے تھے۔ اس کتاب کے سیاسی واقعات مولانا ہی کی زبان سے ہیں۔ ان جن واقعات میں سے خود گزرے تھے انہیں کوئی دوسرا شخص من و عن بیان نہیں کر سکتا۔ ان میں کوئی غلطی ہوتی تو اس وقت جو ہمایوں زندہ تھے اور بعض دوسرے رفقا بھی وہ فوراً تصحیح کر دیتے اور فرما دیتے کہ فلاں واقعہ غلط ہے۔ سردار پٹیل سے متعلق جو کچھ لکھا گیا وہ اندرون خانہ کے ایک رازدان کی حیثیت سے صرف مولانا ہی لکھ سکتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا نے کلکتہ اور دہلی میں محفوظ کردہ مسودوں پر اپنے دستخط کیے ہیں اور یہ کتاب [illegible] مرتب ہے [illegible] اس کے مصنف مولانا ہیں۔ [illegible] قلت ہندوستان کی جدوجہد آزادی اور برطانوی تسلط [illegible] کے رہنما کی حیثیت سے خود اس میں شریک [illegible] اس وقت انڈین نیشنل کانگریس کا صدر [illegible] کی حیثیت سے برطانوی [illegible] ۱۹۳۹ [illegible] ۱۹۴۶ء تک یعنی دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے سے لے کر ہندوستان [illegible] کے رہنما [illegible] قائد اعظم [illegible] پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد [illegible] نہیں تھا یہ [illegible] مولانا آزاد [illegible] ہیں جو ہمیں یہ کہانی سنا گئے ہیں۔

ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی

[illegible] خود ان کی زبانی عبدالرزاق ملیح آبادی کے [illegible] ملیح آبادی [illegible] ہیں۔ یہ کتاب جیل کی لکھی ہوئی [illegible] میرے بھائی [illegible] میرے بھائی [illegible] کہا کرتے [illegible] یہ کتاب [illegible] شروع کر دی [illegible] مولانا نے یہ کتاب اس طرح لکھوا دی کہ سامنے نہ کوئی نوٹ بک تھی اور نہ کبھی مجھ سے پوچھا کل کیا لکھوایا تھا۔ دوسرے دن بیٹھتے نہیں کہ ٹوٹے کا رشتہ فوراً مل جاتا۔"

ملیح آبادی لکھتے ہیں کہ مولانا نے تذکرے میں جو اپنی دیرینہ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اردو ادب قیامت تک فخر کرے گا۔ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ تذکرے میں اس عنوان سے جو اجمال ہے اس کی شرح ہو

جاتے وہ بشکل راضی ہو گئے اور بہت کچھ لکھوا دیا۔ لیکن اگلے روز صبح ہی صبح مسودہ لوٹا لیا، فرمایا "نظر ثانی کروں گا"۔ عرض کیا آپ کی نظر ثانی کا حال معلوم ہے۔ یعنی مسودہ غائب۔ اور یہی ہوا۔

اس کتاب میں مولانا نے نہ صرف اپنے والد مرحوم کے حالات بلا کم و کاست بیان کیے ہیں بلکہ اوائل عمر کا سفرنامہ بھی لکھوا دیا ہے۔ بقول ملیح آبادی:

"ایک ننھا سا بچہ ہے، دل فریب چہرہ پر بوڑھوں کی سنجیدگی چھائی ہوئی ہے۔ "ابوالکلام" بنا چلا جا رہا ہے اور آپ ہیں کہ اس خارق عادت، ذہانت و فطانت پر حیرت میں ڈوبتے اور جھوم جھوم کہتے چلے جا رہے ہیں۔"

اس کتاب کو یہ امتیاز حاصل ہے [illegible] جیسے قلمبند ہوئی ہے۔ مولانا کے قلم کی گل کاریاں [illegible] مولانا کی صحبت [illegible] موجودہ نسل کے کانوں میں [illegible] رہے گی [illegible] ہو اس کتاب میں محفوظ ہو گئی ہے اور یہ بڑی بات ہے۔ جناب تقریروں کی زبان [illegible] ہوتی ہے وہ تحریر میں بھی [illegible] نہیں رہتی۔ اس کتاب میں بعینہ وہی کچھ ہے جو مولانا کی زبان سے نکلا تھا۔ [illegible] میں کسی قسم کا تصرف [illegible] کرنا خلاف دیانت سمجھا ہے۔

ملیح آبادی لکھتے ہیں:

> [illegible] کے بعد اس [illegible] مولانا [illegible] گئے مجھ [illegible] کتاب [illegible] نظر ثانی کے [illegible] نہیں [illegible] ہے [illegible] مسودوں [illegible] بھی ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتے۔

یہ کتاب اشاعت سے ۲۷ برس پیشتر ۱۹۲۱ء میں لکھی گئی۔ مولانا کو یہ [illegible] ملیح آبادی سے حاصل کر لیتے تو [illegible] مسودہ غائب ہوتا۔ ملیح آبادی جانتے تھے کہ اس زمانے میں مولانا بعض وہ خیالات پبلک میں لانا پسند نہ کرتے جو کتاب میں درج ہیں۔ راقم کا خیال بھی یہی ہے کہ مولانا شاید اس طرح اپنے سوانح پیش نہ کرتے۔ جب تک ان کے قلم سے کوئی سی کتاب طباعت کے لیے مشین پر نہ چلی جاتی، وہ اس میں کانٹ چھانٹ اور اصلاح و ترمیم کے خوگر تھے۔

"یہ کہانی اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں ابوالکلامؒ سے پہلے کا ابوالکلامؒ موجود ہے، ایک ایسا ابوالکلامؒ

جو بھی ابو سلام نہیں بنا تھا جس کے دل کا ہر یقین شک کے حصار میں تھا اور جس کی روح کا ہر عقیدہ تذبذب کے نرغہ میں تھا۔

مولانا نے ابوالکلام کے سن اجراء سے لے کر عمر کی آخری کروٹ تک سرسید کے افکار و نظریات سے اختلاف کیا بلکہ ان کے زبردست نقاد رہے۔ مولانا الطاف حسین حالی سے ایک گونہ ارادت کے باوجود سرسید کی سوانح عمری "حیات جاوید" پر زبردست تنقید کی۔ اپنی کتاب کے آخری اوراق میں مولانا نے [illegible] سوانح عمری [illegible] یقین و عمل کے نئے دروازے [illegible] تھا لیکن [illegible] کے سفر کا [illegible] سب سے زیادہ تاریک وقت کا نام [illegible] سے رہا ہو گئے اور [illegible] مولانا کی [illegible] مشکلات پر [illegible] اور [illegible] کا [illegible]

"قرآن حکیم مسلمانوں کا حقیقی امام ہے۔"

اور ترجمان القرآن جلد اول کے صفحہ ۷۷ پر رقمطراز ہیں:

"یہ یقین ہے کہ [illegible] حقیقت قرآن کا انجماد ہے۔"

مولانا نے اس تجدید [illegible] کی وہ ساری ذہنی کشمکش خود [illegible] سرسید کے افکار و عقائد سے متاثر ہو کر موروثی مذہب سے ان کی دل برداشتگی کا باعث ہوئی اور وہ خاندانی مذہب سے بغاوت کی راہ پر آگئے۔ اپنے والد کے مسلک پر ان کا رہنا محال تھا کہ والد کا راستہ عشق کے غلو کا راستہ تھا اور اس ساری کشمکش میں حقیقی اسلام ان کے سامنے آ چکا تھا وہ اس میں ڈوب گئے۔ ترجمان القرآن کی دونوں جلدیں اسی یقین و عقیدہ کی سرگرمی اور علم و صداقت کے دوسرے سے معمور ہیں کہ ہر چیز استدلال و ایقان کے ترازو میں تلی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس کتاب میں ایک چیز انتہائی عمدگی سے بیان ہوئی ہے کہ مولانا نے اپنے والد کے غلو فی مذہب ہی کو ہدف نہیں بنایا بلکہ علمائے امت کے خلاف ان کا طرز عمل بھی بیان کیا ہے اور ان مصائب کو شرح صدر سے لکھا ہے، جو ان کے ہاتھوں علمائے اہل حدیث پر ہندوستان اور حجاز میں ٹوٹے تھے۔

نوادر ابوالکلام

سرسید بک ڈپو علی گڑھ نے ۱۹۶۲ء میں شائع کی۔ مرتب عبدالغفار خان شکیل ایم اے پی ایچ ڈی۔ ابتدائی گیارہ صفحات میں مولانا کے فارسی اردو اشعار ہیں، وہ وہ کچھ زیادہ نہیں۔ دو چار غزلیں، ایک آدھ قصیدہ اور چھ سات رباعیاں۔ ان میں کوئی چیز نوادر میں سے نہیں۔ باب دوم میں مخزن [illegible] مضامین ہیں۔ باب سوم میں ۱۹۱۱ء اور ۱۹۲۷ء کے [illegible] کا انتخاب ہے [illegible]

[illegible]

ناشروں کے مجموعے

[illegible] منقول عنہ تقسیم کے تحت بہت سی کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ ایک نوجوان نے سادات سٹریٹ میکلوڈ روڈ لاہور میں ابوالکلام اکیڈمی قائم کی، اور کئی ایک مجموعے شائع کیے۔ انہی مجموعوں میں ایک مجموعہ دس ورق تھا۔ جس میں الہلال سے ماخوذ چار افسانے تھے۔ پہلا جنید بغدادی اور ابن ساباط کا واقعہ ہے۔ دوسرا امیر تیمور گورکانی سے ایک عورت کی فریاد ہے جس کے اکلوتے بچے کو قزاق اٹھا کر لے گئے تھے۔ تیسرا ڈاکٹر ہیوگو کے افسانہ قربانی کا ترجمہ ہے۔ چوتھا ترکی کے شاہزادہ جم کی روداد ہے کہ اس نے اپنے بھائی کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے باوجود سلطنت ترکی سے غداری کی، اور موت کے آغوش میں چلا گیا۔ ابن ساباط اور ڈاکٹر ہیوگو کے مضمون کا ڈھنگ تو مولانا کے قلم ہی کا ہے لیکن باقی دو مضامین کے متعلق یہ گمان بھی مشکل ہے۔ راقم کا

خیال ہے کہ مغرب زدہ تفسیر کے تحت ان سے منسوب ہو گئے ہیں۔ البتہ جامع الشواہد مولانا ہی کے قلم سے ہے اور کئی دفعہ کئی ناشروں نے مختلف شہروں میں چھاپی ہے۔ اس میں مساجد کے حقوق و آداب وغیرہ کے علاوہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی اجازت سے نامسلمان مساجد میں شرعاً داخل ہو سکتے اور ان کی مجالس میں بیٹھ سکتے ہیں۔

اصحاب کہف ترجمان القرآن سے الگ کر کے دبستان لاہور نے پہلی دفعہ ۱۹۴۹ء میں شائع کی۔ فلسفہ مکتبہ چٹان والوں نے شائع کی۔ مولانا نے ہندوستان کے [illegible] ہونے سے پہلے ۱۹۴۰ء میں ایک ایجوکیشن کانفرنس طلب کی [illegible] فلسفہ کی ایک [illegible] تاریخ لکھنے کے لیے تجویز [illegible] بورڈ کا صدر بنایا [illegible] انہوں نے مشرقی و مغربی فلسفہ کی [illegible] اس دیباچہ میں [illegible] قرآن جلد ۱ [illegible] شامل کر دیتے ہیں [illegible] سے متعلق تھے [illegible] ترتیب میں کتابی شکل [illegible] عبارتیں جوڑ کر یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔

خطبات [illegible] صدیقی [illegible] خطبات ہیں جنہیں فاضل مرتب نے [illegible] کلکتہ کی [illegible] میں ۱۹۳۶ء [illegible] ساعت [illegible] کلکتہ رہتے ہیں۔ مرتب کا بیان ہے [illegible] کوشش کی ہے۔ ان خطبات میں مولانا کی آواز ضرور موجود ہے۔

تحریک آزادی مرتبہ [illegible] ناشر مکتبہ [illegible] مولانا ہی کی تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں کوئی نئی چیز نہیں جو کچھ مولانا نے مختلف موقعوں پر لکھا یا کہا مرتب نے جمع کیا ہے۔ سات مضمون ہیں [illegible] میں مرزائیت وغیرہ سے متعلق مولانا کے دو تین خط ہیں۔ [illegible] کا طویل مضمون ایک تاریخی دستاویز ہے جس سے ہندوستان کے [illegible] فساد اور جمہوریت کے مزاج کی بعض جھلکیاں معلوم ہوتی ہیں۔

مضامین ابوالکلام مرتبہ محمود الحسن صدیقی ناشر آئینہ ادب چوک انارکلی لاہور دس مضامین کا مجموعہ ہے اور یہ سب مولانا ہی کے رشحات قلم کہے جا سکتے ہیں۔ ناشر نے شروع میں لکھا ہے کہ وقت کے سیاسی ہنگاموں نے اگرچہ مولانا ابوالکلام کو ہم سے الگ کر دیا لیکن ان کے قلم سے نکلے ہوئے جملے آج بھی ہمارے دلوں کو محبوب ہیں۔

ان کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف نے تیر و نشتر کا کام کیا اور قوم کے جسد و روح میں نئی زندگی پیدا کی ہے۔

عبداللہ بٹ مرحوم نے مولانا آزاد سے متعلق ملک کے نامور اہل قلم اور بعض سیاسی اکابر کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کیا، پھر الہلال سے مقالاتِ آزاد اور مضامینِ آزاد مرتب کیے، یہ سہ کتابیں قومی کتب خانہ لاہور نے ۱۹۴۴ء میں شائع کیں ان سے مولانا آزاد کے سحر قلم کا نئی پود اور ان لوگوں کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا، جو الہلال کے غروب ہونے کے بعد پیدا ہوئے یا جوان ہوئے تھے۔ مضامینِ آزاد میں الہلال کی سیاسی تحریک زیر عنوان مقالہ [illegible] مولانا کے سوانح و افکار پر کام کرنے والوں کے لیے خصوصاً [illegible] مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے متعلق [illegible] کے حقائق [illegible] بھی ہیں [illegible] مجموعہ [illegible] اور ہر مقالہ اپنی انفرادی خصوصیت کے علاوہ مستقل اہمیت رکھتا ہے۔

مضامین لسان الصدق

مرتب میں عبدالقوی دسنوی [illegible] ہے [illegible] ۱۹۶۶ء [illegible] مجموعہ میں [illegible] مرتب نے مولانا آزاد کی ان تحریروں کا انتخاب کیا ہے [illegible] قابل [illegible] ہے۔ لسان الصدق کے [illegible] سے متعلق مولانا کا مضمون [illegible] تمدنی [illegible] مغربی [illegible] انجمن حمایت اسلام سے متعلق مختصر سا مضمون خوب ہے۔ [illegible] لسان الصدق سے متعلق [illegible] چونکہ لسان الصدق نومبر ۱۹۰۳ء میں نکلنا شروع ہوا تھا اور مولانا کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی، اس لیے [illegible] سے مولانا کے مستقبل کی تصویر [illegible] شیخ عبدالقادر اور مولانا [illegible] علی خان کے علاوہ بعض رسائل کی آرا بھی نقل کی گئی ہیں ان سب نے ابوالکلام کے ذوق کی [illegible] کا اعتراف کیا ہے۔

باقیات ترجمان القرآن

مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر انقلاب نے عمر بھر مولانا آزاد کے سیاسی نظریات سے اختلاف کیا لیکن دین و ادب میں ہمیشہ ان کے معتقد رہے۔

مولانا آزاد کو مہر صاحب کے اس تعلق خاطر کا اعتراف تھا جب بھی مہر و سالک سیاسی افکار کی حریفانہ و معاندانہ مخالفت کے باوجود ملاقات کو حاضر ہوتے، مولانا نہ صرف خندہ پیشانی سے پیش آتے بلکہ کم آمیز ہونے کے باوجود ان کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا۔ مہر صاحب مولانا سے کچھ زیادہ ہی قریب تھے، اور مولانا

کبھی نہیں بڑی ہی سمجھتے تھے۔ مہر صاحب آزادی کے بعد مولانا کا ذکر اس محبت اور عقیدت سے کرتے کہ حیرت ہوتی۔ وہ گویا ان کے عشق میں ڈوب گئے تھے۔ اکثر اپنے وطن کی سیاسی جدوجہد پر فخر محسوس کرتے اور مولانا کے فکر و نظر کو خراج پیش کرتے فرماتے۔

"مولانا برِعظیم کے لیے قدرت کا عطیہ تھے۔ ہم نے ان کی فراست کو ٹھکرا کر اپنے مستقبل کو آگ لگا دی ہے۔"

راقم نے بارہا ملاقات میں سلسلہ گزارش کی کہ وہ مولانا کے سوانح و افکار پر کوئی مبسوط کتاب لکھیں۔ ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ [illegible] مولانا کے قریبی [illegible] رہ چکے تھے۔ وطنی سیاست [illegible] سے گزرے تھے۔ کئی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے [illegible] حیثیت سے سیاسی [illegible] کی گرہوں سے واقف تھے۔ [illegible] لکھنے کا شوق تھا [illegible] زندگی کے آخری دن تک روزنامچہ لکھتے رہے۔ مولانا کے سوانح [illegible] لیکن معیشت کی فکر میں فرماتے [illegible] ترتیب [illegible] تصنیف میں لگے رہتے [illegible] مولانا کے سوانح لکھ نہیں سکے۔ پھر [illegible] ہندوستان [illegible] مشکل ہے اور وہ معلومات حاصل کرنا بھی دشوار ہے جو مولانا کی سوانح [illegible] کے لیے [illegible] کی جاتی ہیں۔ یوں بھی ہندوستان میں [illegible] مشکل [illegible] موضوع لکھتے جائیے اور جمع کرتے رہیے۔ اس طرح ایک ذخیرہ ہو جائے گا۔ پھر انہیں ترتیب دے کر کتاب بنا لیجیے تب [illegible] آسانی ہوگی جو اس وقت کتاب سے [illegible] یا محسوس ہوں گے۔ مہر صاحب مان گئے۔ راقم [illegible] تیسرے روز [illegible] ہفتہ بار [illegible] دیا کرو، جو بات [illegible] اس طرح [illegible] کریں گے۔ لیکن مہر صاحب [illegible] جواب دینا مشکل تھا [illegible] حیثیت [illegible] اور کچھ [illegible] کے رسائل و جرائد میں تحریر کیا جس سے ایک اچھا خاصا مواد جمع ہو گیا لیکن کتاب کی شکل نہ بن سکی اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا آزاد کی وفات کے بعد جب ترجمان القرآن کی تیسری جلد کا مسئلہ اٹھا اور نتیجہ [illegible]

آرزو [illegible] کے بعد خونِ آرزو

کے سوا کچھ نہ تھا تو مہر صاحب نے تیسری جلد کے علاوہ کو باقیات قرآن کے نام سے پُر کرنا چاہا، چنانچہ ترجمان القرآن

کی دو جلدوں کے اٹھارہ پاروں کو چھوڑ کر باقی بارہ پاروں کی اُن آیات و سورہ کا ترجمہ مع تفسیر و تشریح الہلال و البلاغ سے جمع کیا، جو مختلف مضامین میں استعمال ہوئیں، یہ ۹۰ سورتوں کے ترجمہ و تفریح اور تشریح و تفسیر کا مجموعہ ہے۔ بعض ضروری وضاحتیں حاشیے میں لکھ دی ہیں۔ مہر صاحب لکھتے ہیں:

"میں نے جو چیزیں جمع کی ہیں ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ "ترجمان القرآن" جلد سوم کا بدل ہوگا، حاشا و کلا، مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ بھی مولانا کے قلم سے اس حصۂ قرآن کے متعلق نکلا جو جلد سوم کا موضوع تھا وہ خواستگاران کرام کے سامنے آ جائے۔ مجھے یہ کہنے کا بھی کوئی حق نہیں کہ اگر مولانا کی وقت فرمائی سے جلد سوم شائع ہوتی تو ان آیتوں کا ترجمہ یا تشریح وہی ہوتی جو میں نے مولانا کی تحریرات سے اکٹھی کی ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر وہ مطلب کچھ میسر نہیں آ سکتا جس کی توقع مولانا کی ذات گرامی سے تھی تو جو کچھ مل سکتا ہے اس سے بھی اصحاب ذوق نا آشنا نہ ہونا چاہیئے [illegible]"

مولانا کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف مضامین کے سلسلے میں قرآن مجید کی آیات پیش کرتے تھے تو ملحوظ خاطر صرف ترجمہ نہ ہوتا تھا۔ بعض مضامین میں بھی ایسی آیات ہیں جن کا ترجمہ تشریح سے ملا ہوا ہے۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق جن حصوں کو تشریحی حصوں سے الگ سمجھا انہیں خطوط وحدانی میں دے دیا ہے تاکہ ترجمہ اور تشریح الگ الگ ہو جائیں۔ مجھے اس کوشش میں ہر جگہ کامیابی نہیں ہوئی۔ بعض مقامات پر تنقیح و ترتیب سے رہ گیا، مثلاً ایک دو سورتوں کا بہت بڑا حصہ مکمل ہو گیا۔ صرف دو تین آیتیں ایسی تھیں جن کا ترجمہ مولانا سے نہ ہوا تھا تو میں نے ایسے مقامات کے لیے حضرت شیخ الہند کا ترجمہ لکھ دیا اور اس کے لیے خطوط وحدانی کو الگ رکھ دیا۔ تشریحات میں بھی میں نے مولانا ہی کی عبارتیں قائم رکھی ہیں۔ زیادہ تر عبارتیں زیر ترجمہ آیات کے آس پاس ہی تھیں۔ البتہ جہاں عبارتوں کا سلسلہ بہت طویل ہو گیا وہاں ان میں سے کچھ حصے حذف کر دیئے اور جہاں ربط مطالب کے لیے اپنی طرف سے چند الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا انہیں خطوط وحدانی میں دے دیا تاکہ مولانا کی عبارتوں سے الگ رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے ٹکڑے بہت کم ہیں۔ انتہائی احتیاط کے باوجود مجھے اعتراف میں تامل نہ ہونا چاہیئے کہ ممکن ہے میں نے کہیں علمی بے بضاعتی یا نافہمی کے باعث ٹھوکریں کھائی ہوں۔ اگر ایسا ہو تو ان ٹھوکروں کے لیے مجھے ملزم گردانا

جائے۔ مولانا کی ذات گرامی کو اس کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

من و دل گر فدا شدیم چہ باک
غرض اندر میاں سلامت اوست

مولانا کے ساتھ میرے تعلق کی مدت چالیس سال سے کم نہ تھی۔ اور ان میں سے پینتیس سال ایسے گزرے جن میں ان کی شفقتیں اور نوازشیں میرے لیے افتخار کا باعث بڑا سرمایہ رہیں۔ یہاں تک کہ بعض سیاسی مسائل میں اختلاف رہنے کے باوجود عقیدت و نیاز کی اس طویل مدت کے تقاضے [illegible] نہیں ہوا اور تھی۔ [illegible] عقیدت کا اصل تقاضا یہی ہے ورنہ وفا لوق خند [illegible] مرتب کر دینے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟

رسول رحمت یہ کتاب ترجمان القرآن سائز کے [illegible] صفحات پر مشتمل ہے۔ مرتب مولانا غلام رسول مہر ہیں اور ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ کتاب کیا ہے؟ مولانا آزاد کے سیرۃ نبوی سے متعلق مقالات کا مجموعہ ہے۔ جنہیں مہر صاحب نے بہ ترتیب و عنوانات مطالب مدون کیا ہے۔

مولانا نے الہلال والبلاغ میں سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر مختلف اوقات میں بہت سے مقالے شائع کیے۔ ربیع الاول کی تقریب میں وہ ایک دو یا اس سے زیادہ مقالے تحریر فرماتے تھے۔

بعض لوگ سیرۃ طیبہ سے متعلق استفسار کرتے تو مولانا مفصل جواب رقم کرتے۔

مولانا الہلال و البلاغ سے بھی پہلے اس خیال کے داعی تھے کہ سیرت رسول قرآن پاک سے مرتب کی جائے۔ علامہ شبلی نے سیرت النبی پر قلم اٹھایا تو انہیں بھی مشورہ دیتے رہے۔ الہلال میں اس انداز کا ایک خاکہ بھی شائع کیا۔ مولانا فرماتے تھے حیات و سیرت کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جس کے لیے قرآن میں ایک سے زیادہ آیات نہ ہوں حتیٰ کہ قرآن ہی ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا، کیسے زمانہ میں آیا، کس ملک میں پیدا ہوا، اس کے خویش و یگانہ کیسے تھے، قوم [illegible] کا کیا حال تھا، اس نے کس طرح زندگی بسر کی، اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا، اس کے دن کیسے کٹتے، راتیں کیونکر بسر ہوتیں، اس نے جب [illegible] تو دنیا کا کیا حال تھا، جب واپس [illegible] اور حیات نبوت [illegible] قرآن [illegible] سیرت [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] شمائل و خصائل [illegible] اور بعض تمہیدی باتیں تحریر کی ہیں۔

[illegible] مولانا نے رحمۃ للعالمین کے معانی و مطالب جس [illegible] بیان کیے ہیں [illegible]

مولانا [illegible] تو کہا جاتا ہے علم و فکر اور دین و سیرت کی آفاقی [illegible] جو سائنس کی اس دنیا میں مذہب سے متعلق فلسفے نے پیدا کیا ہے۔ مولانا [illegible] قدرت نے اس سلسلے میں ڈھالا تھا کہ وہ یورپ کی علمی قیادت کے چیلنج کا جواب دے سکتے تھے۔ لیکن سیاست کے خارستان میں وہ اس طرح [illegible] کہ علم و فن کے دماغ کی [illegible] ہی میں رہ گیا۔

انبیائے کرام

ترجمان القرآن سائز کے ۳۰۰ صفحات کی یہ کتاب بھی شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کی ہے۔ مولانا غلام رسول مہر مرتب ہیں اور مجموعہ ہے مولانا آزاد کے ان مقالات کا جو انبیائے کرام سے متعلق الہلال و البلاغ میں چھپتے رہے یا ترجمان القرآن میں داعی حق علیہ السلام کی سیرت سے متعلق تحریر کیے گئے۔

رسول رحمت کی طرح اس کتاب کا مقدمہ بھی مولانا ہی کے دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں سیر نبوی کی غرض وغایت واضح کی گئی ہے، دوسرے میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں مخصوص دعوتوں پر کیوں اکتفا کیا گیا؟ ان مقالات میں کتاب کا نصف حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان ترجمان القرآن سے ماخوذ ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر دو مقالے ہیں ان کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام پر بھی مقالات ہیں۔ [illegible] اس کتاب کے مطالعے سے [illegible] بعض و [illegible] ہوتے ہیں

رسائل وجرائد کی ادارت

مولانا فرماتے ہیں کہ:

[illegible]

[illegible] کے بعد اس سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

مولانا [illegible] رسائل کے [illegible] ایک عقیدت مند محمد موسیٰ نامی [illegible] جاری کرایا اور اس کے ایڈیٹر [illegible] اس میں پہلا مضمون سید القطب [illegible] رسالہ کی قدر میں [illegible] تین چار مہینے ہی میں بند ہو گیا [illegible] عبد الغفار مصطفائی پریس کے مالک تھے ان سے شراکت کی اور ہفتہ وار احسن الاخبار جاری کیا۔ مولوی احمد حسن عربی کے فاضل اور انگریزی میٹریکولیشن تک پڑھے ہوئے تھے وہ شریک مدیر تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:

"احسن الاخبار کے دفتر میں مصر، قسطنطنیہ، طرابلس، تیونس، الجزائر اور امریکہ کے تمام عربی اخبارات و رسائل مبادلہ میں آتے جس سے نہ صرف عالم اسلامی کے مسائل سے پوری

اور گہری واقفیت ہو گئی بلکہ عربی علم و ادب کا ذوق بھی ان میں پیدا ہو گیا۔

"حسن" اخبار تقریباً مولانا ہی مرتب کرتے تھے۔ "تحفۂ احمدیہ" "محمدیہ" کو مولانا محمد علی نے از سر نو دوبارہ نکالا اور اس کی ترتیب علمی و مذہبی کر دی۔ اس میں حافظ شیرازی اور عمر خیام پر مختلف اہل قلم نے ایک سلسلۂ مضمون لکھا جس میں اس نکتے پر بحث کی گئی کہ شعراء کے کلام سے ان کی سیرت منعکس ہوتی ہے یا نہیں جام و سبو کی صورتیں واقعی ہوتی ہیں یا محض شاعرانہ تصویریں ہیں۔ منشی تربیت علی لکھنؤ سے ماہنامہ "خدنگ نظر" نکالتے تھے۔ انہوں نے کوئی سال بعد نشر و اشاعت مولانا کے سپرد کر دیا۔

علامہ شبلی سے مولانا کے تعلقات کا آغاز اس رسالے میں شائع شدہ ایک مضمون "عکس" کے باعث ہوا۔ [illegible] بعض رسائل میں [illegible] "لسان الصدق" [illegible] مولانا [illegible] شاہجہان پور کے وقتی ایڈیٹر بھی رہے۔ [illegible] بیدار کے وقتی ایڈیٹری کا زمانہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں سے کسی وقت کا ہو سکتا ہے۔ [illegible] لگی۔ مولانا نے [illegible] اخبار "پبلک رول" [illegible] قائم کر لیا تھا۔ [illegible] کے مشورے سے [illegible] "لسان الصدق" [illegible] کا [illegible] الفاظ میں خیر مقدم کیا گیا۔

جناب عبید القوی دسنوی [illegible] ۱۹۶۷ء میں [illegible] "لسان الصدق" کے نام سے [illegible] مجموعہ شائع کیا۔ [illegible] ۹ دسمبر ۱۹۶۷ء کی تحریر میں لکھا ہے کہ

۱۔ "لسان الصدق" کے [illegible] مشہور کتب خانہ [illegible] میں موجود ہیں۔

۲۔ یہ پہلا ماہنامہ تھا جو مولانا آزاد [illegible] نومبر ۱۹۰۳ء میں کلکتے سے نکلنا شروع ہوا۔ آخری پرچہ مئی ۱۹۰۵ء کا تھا۔ رسالہ موقت نہیں تھا۔ بعض دفعہ دو دو تین تین ماہ کا شمارہ اکٹھا نکلتا اور کئی ناغے ہوتے تھے۔

اس رسالے کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

الف۔ سوشل ریفارم یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح کرنی۔

ب ۔ ترقی اردو، یعنی اردو زبان کے علمی لٹریچر کے دائرے کو وسیع کرنا۔

ج ۔ علمی مذاق کی اشاعت، بالخصوص بنگال میں۔

د ۔ تنقید، یعنی اردو تصانیف پر منصفانہ ریویو کرنا۔

مولانا نے جلد اول کے شمارہ اول ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء میں ان چاروں مقاصد پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی کی تحریک و اصرار پر اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک الندوہ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔ فرید وجدی کی کتاب [illegible] کا ترجمہ [illegible] مولانا نے الندوہ [illegible] (نومبر ۱۹۰۵ء)، اور جنوری (۱۹۰۶ء) میں شائع ہوا۔ وکیل امرتسر [illegible]

مولانا نے [illegible] ترجمہ [illegible] ترجمہ بھی ناشروں نے چھاپ ڈالا، مولانا کے علم میں آیا تو انہوں نے محمد یونس خالدی کو ایک خط میں لکھا:

یہ مضامین [illegible] لکھے گئے تھے [illegible] راستہ لگ گئی ہے [illegible] باتیں اب صحیح نہیں کہتا۔ فرید وجدی سے [illegible] علمی تحقیقات [illegible] مولانا شبلی کی [illegible] معلومات [illegible]

ممکن ہے مولانا الندوہ [illegible] کے خطوط [illegible] مولانا عبد الماجد دریابادی [illegible] علامہ شبلی [illegible] مولانا نے ان کے حسد کو فتنہ بننے سے پہلے ختم کر دیا۔ [illegible] علامہ شبلی [illegible] سے محفوظ کیا چنانچہ الندوہ کو مارچ ۱۹۰۶ء میں چھوڑ دیا اور اپریل ۱۹۰۶ء میں امرتسر [illegible] وکیل ہفتے میں دوبار کے ایڈیٹر ہو گئے اور ہفتے میں تین بار کر دیا لیکن ستمبر ۱۹۰۶ء میں آپ کے بڑے بھائی ابو النصر غلام یسین [illegible] سے واپسی پر انتقال ہو گیا تو نومبر میں والد کے اصرار پر وکیل چھوڑ کر کلکتے چلے گئے لیکن آپ کو نہ تو اپنے والد کے مسلک سے اتفاق تھا اور نہ ان کی پیری مریدی کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔ آپ کا میدان کتب و رسائل کا میدان تھا۔

مولوی عبد الہادی کلکتے سے "دار السلطنت" نکالتے تھے۔ وفات پا گئے تو پرچہ بند ہو گیا۔ ان کے فرزند مولوی عبد اللطیف تو جرچوم تھے۔ مولانا کے ایک دوست محمد یوسف ابجر نے انہیں "دار السلطنت" جاری

سکھنے پر آمادہ کیا، تو مولانا کو ایڈیٹر مقرر کیا۔ جنوری ۱۹۰۶ء سے چند ماہ تک مولانا اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ لیکن پھر مالک کی درشتی و سختی کے باعث الگ ہو گئے۔ نتیجتاً اخبار بند ہو گیا۔

دارالسلطنت سے علیحدگی کے بعد مولانا دوبارہ وکیل میں چلے گئے اور وکیل بائی ویکلی (B WEEKLY) ہو گیا کوئی نو دس ماہ وہاں رہے۔ لیکن جولائی ۱۹۰۸ء کے آخر میں قطع تعلق فرمایا۔ پھر ہی دنوں مصر و عراق وغیرہ کے سفر کو چلے گئے۔

[illegible] سے [illegible] میں مولانا نے بہت سے رسائل و جرائد کی ادارت کی۔

[illegible]

[illegible] بیرونی اشاعتی [illegible]

[illegible] کی صحافت [illegible]

[illegible] شوق و قدر [illegible] جس سے طلوع ہوئی [illegible] سیاست [illegible] وطن کی ابتدائی تذکرہ [illegible] کی حیثیت رکھتی [illegible] ہیں۔

بہرحال [illegible] کے چھٹے سال [illegible] اسلامی ہندوستان کی مشاہیر و مطالع ہو گیا وہ ہی ابتدائی عمر میں زبان و قلم کی دھن میں لگنے سے لکھنؤ، اعظم گڑھ، بمبئی حیدرآباد، [illegible] اور جانے کہاں کہاں گھومتا رہا اور یہ تمام شہر تب اس کے شوق کا سنگ میل تھے۔ بعد اس سے تعلق نہیں رہے کہ مولانا علامہ شبلی کے فیضان نظر کی بدولت صحافت کے سفر میں مشہور ہو گئے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ مولانا آزاد سے علامہ شبلی کے باقاعدہ خوشہ چیں اور بعض شہادتوں کے مطابق ان کے مقرب رہے تو گمان ہے کہ دارالمصنفین کی عنان سید سلیمان ندوی کے بجائے مولانا ابوالکلام کے ہاتھ میں ہوتی۔

الہلال کا اجراء

مولانا ابوالکلام اور الہلال لازم و ملزوم [illegible] گاندھی اور ینگ انڈیا [illegible] لازم و ملزوم تھے۔ الہلال جمع [illegible]

[illegible]

الہلال [illegible]

[illegible] مسلمانوں کی سیاسی صحافت، جس نے برطانوی استبداد

[illegible] مسلمانوں [illegible] میں [illegible] کے ہاتھ میں تھی۔ مولانا [illegible] مولانا

[illegible] صحافت [illegible] سیاست [illegible]

[illegible] شخصیت، انشاء [illegible] مولانا [illegible] پیچھے [illegible] رکھ دیے

تھے۔ مولانا [illegible] سیاسی [illegible] حیثیت میں [illegible] ہندوستان کی سیاسی شہرت کا نقیب

تھی۔ مولانا ابوالکلام [illegible] سیاست کے [illegible] زیادہ

[illegible] کی موافقت میں [illegible] دستاویز ہو گیا۔ پہلے وہ الہلال

کی وجہ سے مولانا ابوالکلام [illegible] ہوئے۔ پھر الہلال ان کی بدولت [illegible] ہو گیا۔ مہاتما گاندھی سے ینگ انڈیا کا

[illegible] سیاسی بدولت [illegible] تھی۔ گویا ینگ انڈیا مہاتما گاندھی کی بدولت تھا۔

وہ ینگ انڈیا کی بدولت نہ تھے۔

الہلال جب نکلا تو ابوالکلام [illegible] کی بدولت تھے۔ ابوالکلام [illegible] کے رہنما ہو گئے تو وہ ان کے ہندی

سوانح و افکار کی دستاویز [illegible] ہو گیا۔ المختصر الہلال مولانا کی صحافتی معراج تھا اور یہ حقیقت ہے کہ الہلال سے

بڑا ہفتہ وار آج [illegible] برس بعد بھی اردو صحافت پیش نہیں کر سکی۔ نہ اتنا بڑا مجلہ، نہ اتنا بڑا ایڈیٹر اور نہ اتنا بڑا ذہن۔

علمی، تاریخی، فکری، اور جذباتی صحیفہ۔ لوگ پڑھتے تو سر دھنتے اور دیکھتے تو مست ہوتے تھے۔ اس کی خوبیاں اس کے ساتھ ختم ہوگئیں۔ وہ پرچہ نہیں ایک عہد تھا۔ ایک تاریخ تھا، ایک دعوت تھی، ایک انجمن تھی، ایک تحریک اور ایک اکادمی تھا۔

پہلا پرچہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو نکلا، پھر نومبر ۱۹۱۴ء میں اس کی ضمانت ضبط ہوگئی تو بند ہوگیا۔ الہلال کی جگہ البلاغ نکالا گیا، یہ ہلال کا بدل تھا۔ پہلا شمارہ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو نکلا۔ اصلاً ہفتہ وار تھا لیکن اکثر سہ روزہ میں نکلتا رہا۔ آخری نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ [illegible] ۲۴ مارچ [illegible] اپریل ۱۹۱۶ء کا مشترکہ تھا۔ مارچ میں مولانا کو حکم ملا کہ وہ حدود بنگال ترک کردیں۔ [illegible] جنوری ۱۹۲۰ء تک [illegible] رہے۔ اس حادثے نے البلاغ کا خاتمہ کر دیا۔

الہلال کا دوسرا دور [illegible] ۱۹۲۷ء سے شروع ہوا [illegible] دسمبر ۱۹۲۷ء میں ختم ہوگیا۔

[illegible] البلاغ کی [illegible] میں [illegible] جاری کی۔ مولانا اس کے محرک تھے لیکن [illegible] ۲۳ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ہفتہ وار "پیغام" جاری کیا۔ [illegible] ملیح آبادی [illegible] گرفتار ہوگئے۔ [illegible] عبدالرزاق ملیح آبادی [illegible] عربی کا ایک مجلہ نکالا، نگران خود تھے اور مدیر [illegible] ملیح آبادی۔ پہلا پرچہ [illegible] اپریل ۱۹۲۳ء کو نکلا۔ آخری مارچ ۱۹۲۴ء [illegible] اس دوران میں کبھی کبھار دو دو تین تین شمارے یکجا شائع ہوتے رہے۔ ہلال سے ملتا جلتا سائز اور ۲۴ صفحے۔ اس مجلے کا نصب العین [illegible] اسلام [illegible] مشرق [illegible] تھا لیکن [illegible] سب سے زیادہ شریف [illegible] بنایا گیا۔ [illegible] اس مجلے [illegible] میں اس نے [illegible] حجاز [illegible] بند کر دیا۔ اس میں پہلی دفعہ محمد علی، شوکت علی اور ان کی والدہ محترمہ کا مشترکہ فوٹو شائع ہوا، مہاتما گاندھی کی تصویر دو دفعہ چھاپی گئی۔

الہلال کا سحر وتاثیر ہی ایسا تھا کہ مولانا کو ہمیشہ اس پر ناز رہا، اور یہ ناز بے جا نہیں تھا۔ اپنی بہت سی تقاریر وخطبات میں الہلال کا ذکر کیا اور فرمایا، ان چیزوں کو جو آج تحریک، موقف، نصب العین یا ذریعہ وسیلہ و مقصد

بن رہی ہیں وہ، تینتیس برس پہلے الہلال میں ملک و قوم کو ان کی ضرورت سے مطلع کر چکے ہیں۔ راقم گزشتہ صفحات میں الہلال کی اس دعوت اور اپنے فکر کی ہمیشگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ملک و قوم کو جو مسائل آج پیش آ رہے ہیں وہ ان کے امکان و ظہور کے متعلق برسوں پہلے نشاندہی کر چکے ہیں۔ الہلال انہی حقائق کا اعلان و اظہار تھا۔ ان کے نزدیک الہلال ہندوستان کی آزادی، مسلمانوں کی وحدت، خدا کی اطاعت، اسلام کی دعوت، مشرق کی بیداری، غلامی کی بیخ کنی، جہاد کے ولولے، یقین کی دولت، عمل کی طاقت، ایمان کی قوت، اتحاد کے جلال اور غیر ملکی استعمار کے خلاف ہندوستانی قوم کے اعلانِ مبارزت کا نتیجہ تھا۔

الہلال کے ذہنی اثرات و جذبات اور اس کی دعوت اور اس کی تحریک و اثرات کے لیے لازم ہے کہ ہم ان امور کا پتہ چلائیں۔

۱۔ مسلمانوں کی اس وقت سیاسی صورت حال کیا تھی؟ اس دور میں ان کے افکار و نظریات یا ملی و سیاسی آب و ہوا کا درجہ حرارت کیا تھا؟

۲۔ الہلال سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں میں سیاست کی تحریک، اس کی رفتار اور کس انداز کے واقعات ابھر رہے یا ڈھل رہے تھے۔

۳۔ ملی اور علمی آفاق میں مسلم جرنلزم کے لیے کیا مطالب رکھتے تھے۔

۴۔ ملکی سیاست بالخصوص مسلمانوں کی سیاست کے حالات و افکار میں کیسے تغیرات رونما ہو رہے تھے۔

۵۔ ہندوستانی مسلمان کس مقام پر تھے۔

۶۔ ہندوستان میں حالات کیا رخ پر تھے اور مسلمانوں میں کس قسم کے رجحان تھے

۷۔ مسلمانوں میں پڑھنے لکھنے والوں کا تناسب کیا تھا۔

۸۔ مسلمانوں سے مخاطبت کے لیے کونسی زبان موثر ہو سکتی تھی؟

۹۔ انہیں کی زبان، یہ تحریک کی زبان اور سرسید کی زبان یہ تعلیمی زبان تھی۔ مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلانے اور نیند سے جھنجوڑنے کے لیے الہلال کی زبان طوفان کی زبان تھی۔

۱۰۔ الہلال ہندوستانی مسلمانوں کے لیے کیا کچھ لایا، اور اس کی آمد سے کس قسم کا چمن کھلا۔

۱۱۔ الہلال کی بدولت ادب و صحافت میں کونسی نئی نئی راہیں کھلیں اور اردو زبان کن نئے مضمونوں اور موضوعوں سے آشنا ہوئی۔

۱۲۔ لیلال کے مدرسہ قدرت سے جو رتن نکلے یا اس کی آواز سے مسحور و متاثر ہوئے ان کی نجی یا وارثت سے ملک و قوم نے کیا حاصل کیا۔

۱۳۔ لیلاں سے پہلے [illegible] صحافت ایک پیشہ تھی۔ لیلاں نے تحریک بنایا [illegible] کی حیثیت کس طرح بدلی کہ ۱۹۰۲ء کے وسط [illegible] بعد جب کہ ملک آزاد ہے لیکن صحافت، تحریک [illegible] کے صنعت، تجارت یا پیشہ بن گئی ہے [illegible] اعتقاد ہے [illegible] ہے۔

ہندوستان میں صحافت کے ابتدائی نقوش [illegible] ملتے ہیں۔ [illegible] [illegible] کی حکومت کے [illegible] اردو [illegible] انیسویں صدی کا نصف اول قلمی اخباروں کا زمانہ تھا۔

[illegible] چھپائی سے [illegible] صنعتی [illegible] طباعت [illegible] کا سلسلہ ہوا۔ [illegible] طباعت کی [illegible] شروع ہیں [illegible] ہندوستان عظیم، میں طباعت [illegible] صدی کے وسط میں ایک پارسی [illegible] نے [illegible] میں چھاپہ خانہ قائم کیا۔ انگریزوں نے بمبئی میں [illegible] میں [illegible] نکلتے ہیں [illegible] پریس [illegible] ۱۷۸۴ء کو سامنے آیا۔ [illegible] کے [illegible] ٹائپ ایجاد ہو چکا تھا۔ اردو ٹائپ نستعلیق، کا نمونہ [illegible] کلکتہ [illegible] ۱۸۰۰ء میں کلکتے کے چار انگریزی چھاپہ خانوں میں اردو اور فارسی کتابیں چھپتی تھیں۔ ۱۸۰۳ء میں ہندوستانی پریس کے نام سے کلکتے میں فارسی رسم الخط کی چھپائی کے لیے چھاپہ خانہ قائم ہوا۔ ۱۸۳۶ء میں لیتھو کی چھپائی کا آغاز ہوا۔

۱۷۶۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم ولیم بولٹس نے راز ہائے درون پردہ کی چہرہ کشائی کیلئے ہندوستان سے پہلا اخبار شروع کرنا چاہا۔ لیکن کمپنی کے ارباب حل وعقد ناراض ہو گئے انہوں نے ولیم کو بنگال سے فوراً نکل جانے اور ستمبر کے مہینے میں یورپ چلے جانے کا حکم دیا۔ اس نے انگلستان پہنچ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی وحشیانہ لوٹ مار اور ظالمانہ استحصال پر پانسو صفحے کی کتاب لکھی۔ اس واقعہ کے بارہ سال بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرنٹر جیمز آگسٹس ہکی نے جس سے رہا ہو کر چھاپہ خانہ قائم کیا اور اس کے تحت پہلا مطبوعہ اخبار بنگال گزٹ نکالا۔ ... ہکی کو ... سے ... کے ذریعے ... کی مراعات ... جس کی ... وارن ہیسٹنگز ... کو اپنے نقد و نظر کی آماجگاہ بنایا ... ۱۷۸۱ء اس کو چار ماہ قید اور پانسو روپے جرمانہ ... ہوئی ... گورنر جنرل اور چیف جسٹس کے خلاف ... چیف جسٹس ... سے ... دستبردار ... ہوئی ... کی ... سے جرمانہ ... اور اپنے ... دشمنی ... بند ہو گیا۔

جس سال ہکی کا گزٹ ... اسی سال نومبر میں ڈی میسنک DE MESSINK اور پیٹر ریڈ PETER REED نام کے دو تاجروں نے کلکتہ سے انڈیا گزٹ جاری کیا۔ اس میں ہکی کے خلاف لکھا جاتا اور دربار مغل کی خبریں دی جاتیں۔ سلطان ٹیپو کے والد حیدر علی سے جنگ کی تفصیلات بھی اس میں چھپتی رہیں۔ ۴ مارچ ۱۷۸۴ء کو حکومت کی زیر سرپرستی کلکتہ گزٹ جاری کیا گیا۔ اس کا ایڈیٹر فرانسس گلیڈون تھا جس نے فارسی کی بے شمار کتابیں انگریزی میں منتقل کیں اور فارسی انگریزی لغت بھی لکھی تھی۔

اس اخبار کا ایک عجیب پہلو یہ تھا کہ اس میں کلکتے کی انگریز دوشیزاؤں کے نام عاشقانہ ابیات کھلے بندوں شائع کیے جاتے۔ اس اخبار کے ... سال بعد کلکتہ کرانیکل نکلا اور کئی مختلف الاوقات مجلے شائع ہونے لگے۔ ولیم ڈوان

ہکی کے بعد دوسرا شخص تھا جس نے "بنگال جرنل" کے ایڈیٹر کی حیثیت سے انگریزی حکام کو آڑے ہاتھوں لیا۔ "بنگال جرنل" سے الگ ہونے کے بعد اس نے انڈین ورلڈ کے نام سے ایک نیا اخبار جاری کیا اس کی بے باکی کے باعث اسے گرفتار کر کے انگلستان جانے والے ایک جہاز میں بٹھا دیا گیا اور تقریباً بیس ہزار روپے کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ وہ انگلستان سے امریکہ پہنچا اور صحافت میں بڑا نام پیدا کیا۔ غرض ۱۷۹۱ء سے ۱۷۹۸ء کے درمیانی عرصے میں حکومت نے کلکتے کے کئی اخباروں کے خلاف کارروائی کی اور وجہ صرف یہ تھی کہ حکومت فوجی خبروں کی اشاعت ایک خاص ڈھنگ سے چاہتی تھی مگر اخبارات اس پر راضی نہ ہوتے تھے۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر چارلس مینی کو ۱۷۹۸ء میں جلاوطن ہونا پڑا۔ اسی زمانے میں مدراس سے بھی ایک اخبار جاری ہوا جس میں آر ولیم کے "مدراس گزٹ" کو کمپنی سے [illegible] شخص ہمفریز نے ۱۷۹۵ء میں حکومت سے اجازت لے کر "انڈیا [illegible]" [illegible] کر لیا اور جہاز میں بٹھا کر انگلستان [illegible] [illegible] ایک دوسری روایت ہے [illegible] بمبئی کا پہلا پرچہ "بمبئی [illegible]" تھا [illegible] انگریز تھے [illegible] صحافت [illegible] ہندوستانی [illegible] کی خاطر [illegible] وہاں مشغلت [illegible] قانون [illegible] حکومت کو [illegible] اخبار [illegible] کر دیتی ہوئی [illegible] حکومت [illegible] تھا تاآنکہ سٹر شیپ خانہ کری ایڈیٹر [illegible] جلاوطن کر دیتی [illegible] کوئی خدشہ تھا تو یہ تھا [illegible] سے متاثر ہوتی اور کمپنی انگلستان میں بدنام ہوتی [illegible] ہندوستانی [illegible] اشاعت سو یا دو سو سے زیادہ نہ تھی اور یہی [illegible] ان کا طول و عرض تھا۔

اس تحقیقی بحث سے قطع نظر کہ اردو کا پہلا اخبار کون سا تھا اور کب جاری ہوا، عام طور پر "جام جہاں نما" کلکتہ (۱۸۲۲ء) کو فارسی کا پہلا اخبار قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی اشاعت کے اگلے سال اردو ضمیمہ جاری کیا اور وہ پانچ سال جاری رہا۔ اس کے برعکس دہلی کا "اردو اخبار" اردو کا پہلا مکمل اخبار تھا جس کے ایڈیٹر مولانا

محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر تھے۔ یہ اخبار ۱۸۳۶ء میں دہلی سے جاری ہوا۔ جام جہاں نما کے متعلق تازہ تحقیق کے مطابق کہا جاتا ہے کہ ابتدا اردو ہی میں نکلا تھا لیکن قارئین اردو کے حق میں نہ تھے۔ نتیجہ جلد ہی فارسی میں منتقل ہو گیا۔ اس وقت مسلمان حکمرانوں کی بدولت عدالتی زبان فارسی تھی۔ کمپنی فارسی کو ختم کر کے اردو یا ہندوستانی لانا چاہتی تھی۔ عوام چونکہ فارسی سے مانوس تھے اسی لیے جام جہاں نما کو اردو چھوڑ کر فارسی اختیار کرنا پڑی۔ کچھ مدت بعد اردو ضمیمہ شائع کیا مگر ترک کر دیا اور جام جہاں نما کی اشاعت کے تین ہفتے بعد ہندوستان کے بہت بڑے مصلح راجہ رام موہن رائے نے جو فارسی سے واقف تھے [illegible] ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے مرآۃ الاخبار جاری کیا۔ یہ اخبار ۲۰ اپریل ۱۸۲۲ء کو [illegible] اور بلا کسی حادثے کے بند ہو گیا۔ [illegible] کے علاوہ بعض علاقائی زبانوں [illegible] پنجابی میں بھی کئی ایک اخبار نکالے گئے۔ [illegible] کا شکار ہو گئے کبھی عوام کی بے توجہی سے [illegible]

برطانیہ میں [illegible] ۱۷۹۹ء میں جو [illegible] قانون بنایا تھا جس سے [illegible] مخالف [illegible] لارڈ ویلزلی نے ۱۷۹۹ء میں [illegible] پر پابندی عائد کی۔

۱۔ [illegible] کے آخر میں پرنٹر کا نام درج کیا جائے۔

۲۔ ہر اخبار کا مالک اور ایڈیٹر [illegible] سیکرٹری [illegible] حکومت کو مطلع کرے۔

۳۔ اتوار کے دن نہ شائع کیا جائے۔

۴۔ جب تک حکومت کے سیکرٹری [illegible] اخبار کا معائنہ نہ کیا جائے شائع نہ کیا جائے۔

۵۔ جو شخص کسی قاعدے کی خلاف ورزی کرے گا اسے فوری طور پر [illegible] بھیج دیا جائے گا۔

[illegible] اس وقت کلکتہ سے سات اخبار نکلتے تھے۔ [illegible] شرائط کو بلا تامل قبول کر لیا لیکن ۱۸۱۳ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا تو بعض قابل اعتراض پہلوؤں کی اشاعت پر پابندی اور نگرانی و احتساب کے لیے نئے قواعد کا اعلان کیا۔

۱۸۱۸ء میں سنسر شپ منسوخ ہو گئی لیکن اخبارات کو ہدایات دی گئیں کہ وہ کمپنی کے ڈائریکٹروں، انگلستان کے پبلک اداروں، مقامی نظم و نسق، سیاسی معاہدات، کونسل کے ممبروں، سپریم کورٹ کے ججوں اور کلکتے کے لارڈ بشپ

کے متعلق اشارۃً یا کنایۃً بھی کوئی سی نکتہ چینی نہ کریں۔ اس کے علاوہ ان تمام چیزوں کی اشاعت سے پرہیز کیا جائے، جن سے یہ معلوم ہو کہ ہندوستانی عوام کے مذہبی عقائد و عبادات میں مداخلت کی گئی ہے۔ نجی سکینڈل اور ذاتی حملوں سے احتراز کیا جائے اور انگلستان سمیت ممالک غیر کے اخبارات سے ایسے اقتباسات ہرگز نقل نہ کیے جائیں جن سے ہندوستان میں برطانیہ کی شہرت و اقتدار [illegible] ہو۔

لارڈ ہیسٹنگز کے بعد جان ایڈم گورنر جنرل بنا تو اس نے [illegible] ۱۸۲۳ء کو پریس آرڈیننس جاری کیا کہ [illegible] لائسنس کسی وقت بھی واپس لیا جا سکتا ہے۔ نیز ہر وہ چھاپہ خانہ ضبط کر لیا جائے [illegible] لائسنس کے بغیر [illegible] اخبار چھاپے [illegible] اس کے علاوہ [illegible] خلاف [illegible] ہوگی۔ اس سے [illegible] اخبارات [illegible] میں اس آرڈیننس [illegible] کے تحت ہی ایک اخبارات [illegible] بعض [illegible]

[illegible] ہوئے تو انہوں نے اخبارات [illegible] کی خدمت میں [illegible] اور تین ہندوستانی [illegible] لارڈ ہیسٹنگز [illegible] انہوں نے پریس کے ضوابط منسوخ کر دیے۔ ان کی ہدایت [illegible] کے مطابق

۱۔ اخبار جاری کرنے سے پہلے [illegible] ضروری قرار دی گئی۔

۲۔ پرنٹر اور پبلشر کو [illegible] مطبوعہ مواد کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔

۳۔ ہر شمارے میں پرنٹر، پبلشر اور پریس کے علاوہ [illegible] کا نام چھاپنا ضروری قرار دیا گیا۔

۴۔ قواعد کی خلاف ورزی پر دو سال تک قید اور پانچ ہزار روپے تک جرمانے کی سزا تجویز کی گئی۔

سر چارلس کے اس اقدام پر بطور شکر گزاری کلکتہ میں مٹکاف ہال بنایا گیا، ایک لائبریری قائم کی گئی۔ لیکن انگلستان کی برسرِ اقتدار وِگ پارٹی ناراض ہو گئی۔ اس نے سر چارلس کو گورنر جنرل کے عہدے سے ہٹا دیا۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں پڑھے لکھے طبقے کی زبان فارسی تھی اور یہ مسلمانوں ہی کی زبان تھ

تھی بلکہ سندھ [illegible] بھی فارسی [illegible] تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اپنی کتاب "صحافت" میں لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے فارسی زبان میں کل ۱۹ اخبار جاری ہوئے ان میں سے ایک "مفرح القلوب" ۱۸۵۵ء میں کراچی سے نکلا دوسرا "مطلع خورشید" سورت، تیسرا "رتعضانی" پشاور، ان کے علاوہ مدراس میں بھی فارسی کا ایک اخبار جاری تھا۔ لیکن فارسی صحافت کا سب سے بڑا مرکز کلکتہ تھا۔ جہاں سے فارسی کے نو اخبار نکلتے تھے، دوسرا مرکز دھلی تھا جہاں فارسی کے دو اخبار تھے ان ۱۹ میں سے صرف [illegible] اخبار سرکار کے وفادار تھے۔ تب عوام کے لیے اخبار خریدنا قریب قریب ناممکن تھا صرف روساء اور [illegible] اخبار خریدتے اور پڑھتے تھے۔ جہاں تک اشاعت کا تعلق ہے جام جہاں نما [illegible] اشاعت صرف ۲۰ رہتی تھی [illegible] اخبار کی [illegible] [illegible] اخبار کی تعداد اشاعت [illegible] [illegible] فارسی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۱۸۵۷ء [illegible] [illegible] [illegible] دھلی [illegible] [illegible] [illegible] دھلی [illegible] اخبار [illegible] [illegible] [illegible] اخبار کو [illegible] ۱۸۵۰ء میں [illegible] [illegible] [illegible] دھلی [illegible] اخبار جاری [illegible] [illegible] مولوی [illegible] دھلی کالج میں [illegible] [illegible] کی حیثیت سے [illegible] [illegible] [illegible] جاری [illegible] دھلی سے اور کئی اخبار جاری [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۱۸۵۰ء [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] باقاعدہ صحافتی [illegible] [illegible] [illegible] اخباروں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وغیرہ۔ کوہ نور کے بانی منشی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کوہ نور حکومت کی [illegible] میں [illegible] ہوا، وہ نامہ تھا لیکن منشی [illegible] [illegible] حیثیت [illegible] [illegible] میں ۳ سال قید ہو گئے۔

کوہ نور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اردو کا پہلا آزاد اخبار تھا۔ فقیر سراج الدین اس کے سرپرست تھے ۱۸۵۵ء میں ایک ہفتہ وار "لاہور گزٹ" نکلا۔ مگر سال کے اندر اندر بند ہو گیا، پھر دوسرا اخبار "پنجاب جرنل" نکلا۔ منشی سید محمد عظیم نے ۱۸۵۶ء میں "پنجابی اخبار" جاری کیا، ایک غیر سرکاری اخبار "مفید عہد" ڈپٹی کمشنر لاہور کی سرپرستی میں جاری ہوا۔ لاہور کے بعد پنجاب کا دوسرا اخباری مرکز سیالکوٹ تھا، اس کا پہلا اخبار "ریاض الاخبار" تھا، اس کے علاوہ "چشمہ فیض" اور "خورشید عالم" بھی دو مقامی ہفتہ وار تھے۔ ایک [illegible] پندرہ روزہ اور دو تین ماہنامے نکلتے رہے۔

۱۸۵۲ء میں ملتان سے "ریاض نور" جاری ہوا۔ ڈیڑھ سال بعد "شعاع الشمس" جاری کیا گیا۔ دونوں چشمک تیز ہوئی تو "شعاع الشمس" بند ہوگیا۔ ان کے علاوہ گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، شملہ، لدھیانہ، بٹالہ، امرتسر وغیرہ سے کئی ایک ہفتہ وار نکالے گئے۔ ۱۸۴۶ء میں آگرہ کالج کے زیر اہتمام "صدر الاخبار" نکلا پھر اس کا نام بدل کر "اخبار الحقائق" کر دیا گیا۔ میرٹھ سے "جام جمشید" کا اجرا ہوا۔ آگرہ سے ایک صاحب محی الدین نے "اسعد الاخبار" جاری کیا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے اخبار بھی آگرہ سے نکلتے رہے جن میں منشی نول کشور کا "سفیر آگرہ" نمایاں تھا۔ ادھر لکھنؤ میں چھاپہ خانے [illegible] مدت سے قائم تھے۔ [illegible] ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا، پھر "طلسم لکھنؤ" [illegible] شمالی ہند کے بعض دوسرے شہروں [illegible] بھی اخبار نکل رہے تھے [illegible] ۱۸۵۶ء میں [illegible] ۱۸۵۷ء میں [illegible] خاص [illegible] ۱۸۵۷ء [illegible] مطبوعہ صحافت [illegible] قومی اخبار باہر بھیجے جاسکتے تھے [illegible] ۱۸۵۷ء [illegible] قومی اخبارات [illegible] تمام تر قومی [illegible] کا نتیجہ تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ [illegible] انگریزی اخبارات سے تو زیادہ مطالبہ کیا [illegible] دیسی اخباروں کو بند کیا جاتا۔ حالانکہ [illegible] ہندوستانی اخبار حکومت کے [illegible] تھے۔ یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے جرم میں سب سے زیادہ سزا کے مستحق ہندوستانی اخبار سمجھے گئے اور انہیں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ "دہلی اردو اخبار" کے ایڈیٹر مولانا محمد باقر کو اس الزام میں گولی سے اڑا دیا گیا کہ وہ دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر ٹیلر کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔ ان کے فرزند مولانا محمد حسین آزاد "دہلی اردو اخبار" کے پرنٹر اور پبلشر تھے۔ ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تو پاپیادہ لکھنؤ بھاگ کر جان بچائی۔ "صادق الاخبار"

کے ایڈیٹر جمیل الدین تین سال قید کیے گئے۔

۱۸۵۷ء تک کی فارسی اور اردو صحافت کا خلاصہ یہ ہے کہ اخباروں کی اشاعت محدود تھی لیکن ان کے قارئین بلا شبہ بااثر طبقے کے لوگ تھے۔ انقلاب سے کوئی دو تین مہینے پہلے بعض اخباروں نے جرأت دکھائی وہ [illegible] کے خلاف خبریں دیتے اور ان پر تبصرہ کرنے میں دلیر ہوگئے۔ لیکن دوسری دیسی زبانوں میں سے کوئی اخبار زیر عتاب نہ آیا، تو پوری کارروائی فارسی اور اردو اخباروں کے خلاف کی گئی البتہ لارڈ کیننگ یا ان کے رفقا کے خلاف جن انگریزی اخباروں [illegible] زیر عتاب [illegible]۔ ۱۸۵۸ء کے بعد [illegible] میں دہلی کے اخبار مقدمہ [illegible] پیش تھے۔ انقلاب کے خاتمے پر [illegible] مسلمانوں سے [illegible] سلب کر لی گئی۔ ۱۸۵۳ء میں [illegible] ۱۸۵۸ء میں [illegible] میں صرف ایک اخبار کی ادارت [illegible] مسلمان کے ہاتھ میں تھی۔

۱۸۵۷ء کی [illegible] کے بعد انگریزوں کے [illegible] مسلمانوں [illegible] جمعیت الجمعیۃ ایک خوددار جماعت ہو گئے۔ چنانچہ مسلمانوں [illegible] ۱۸۵۸ء میں منشی نول کشور نے لکھنؤ سے اودھ اخبار جاری کیا جو چند سال بعد روزنامہ ہو گیا [illegible] سال [illegible] اودھ اخبار ایک [illegible] اخبار تھا اور اس کا لسانی سرمایہ اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ منشی [illegible] ۱۸۹۵ء میں انتقال کر گئے۔

۲ مارچ ۱۸۶۶ء کو علی گڑھ سے اخبار سائنٹفک سوسائٹی یا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جاری ہوا، پہلے ہفت روزہ تھا پھر سہ روزہ ہو گیا۔ اس کا ایک کالم انگریزی اور ایک اردو میں ہوتا۔ سرسید احمد خاں اس میں سیاسی مسائل پر مقالات و تبصرات لکھتے۔ اخبار کا مقصد انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ رکھنا تھا۔ سرسید احمد انگریزوں سے جن موافقات کے حامی تھے یہ اس کا آئینہ تھا۔

سرسید نے برعظیم کے مسلمانوں کی اصلاح و بیداری کے لیے جو تعلیمی، معاشرتی اور مذہبی تحریک شروع کی اس کی تکمیل کے لیے انگلستان سے لوٹ کر ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو "تہذیب الاخلاق" جاری کیا جو مہینے میں تین بار نکلتا۔ اس کے دو نام تھے ایک تہذیب الاخلاق دوسرا محمڈن سوشل ریفارمر۔ اس رسالے کی بدولت اردو ادب نے ایک انقلابی کروٹ لی، اردو شاعری کا رخ بدلا، مذہبی ادب میں تنوع پیدا ہوا، سادہ اور سہل زبان کی بنا پڑی، محمڈن کالج قائم ہوا۔ مسلمانوں میں انگریزی زبان پڑھنے کا شوق بڑھا۔ لیکن تہذیب الاخلاق میں

سرسید نے مذہب کا جو طرزِ فکر پیش کرنا چاہا اس سے مذہب میں مداخلت و اختراع کا غلط پہلو ہو گیا، نتیجۃً سرسید نے تہذیب الاخلاق کا مذہبی حصہ موقوف کر دیا۔

لکھنؤ سے اودھ پنچ نکلا، یہ طنز و مزاح کا پرچہ تھا، جس سے ملک کے بعض معروف اہلِ قلم وابستہ ہو گئے۔ لیکن طنز و مزاح کا یہ پہلا پرچہ نہیں تھا اس سے پہلے جنوری ۱۸۵۵ء میں رامپور سے "مذاق" نکلتا رہا۔ دوسرا پرچہ مدراس پنچ تھا، جو ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا۔ جنوری ۱۸۷۷ء میں میرٹھ سے "ظرافت الاحباب" نکالا گیا۔ اسی سال [illegible] آباد سے [illegible] پنچ نکلا۔ [illegible] اس کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین تھے [illegible] ۱۸۷۷ء میں نکلا اور [illegible] رتن ناتھ سرشار کے علاوہ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، نواب سید محمد آزاد، اکبر الہ آبادی، تربھون ناتھ ہجر، [illegible] احمد علی شوق اور احمد علی کسمنڈوی بھی اودھ پنچ میں [illegible] تھے۔

اودھ پنچ [illegible] مغربی تہذیب کا مخالف اور مشرقی تہذیب کا حلیف تھا۔

[illegible] تیس سال [illegible] ۱۸۸۰ء [illegible] ایک اخبار اور رسالے ملک کے مختلف حصوں سے نکلے [illegible] منشی [illegible] کا مقصد [illegible] تعلیمی و تہذیبی سرگرمیوں کو بڑھانا تھا۔

حمایت [illegible] ۱۹۰۲ء میں انجمن حمایت اسلام کے اسکول اور کالج سرکاری تحویل میں چلے گئے تو بند ہو گیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے یکم اگست ۱۸۸۰ء کو ہفتہ وار مہذب نکالا۔ اس کا مقصد [illegible] مسلمانوں کو [illegible] سے بچانا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں لکھنؤ سے "ہندوستانی" نکلا، جو پہلے ہفتہ وار پھر ہفتے میں دو دفعہ اور آخر میں تین دفعہ ہو گیا۔

منشی سراج الدین احمد نے جنوری ۱۸۷۷ء میں الہ آباد سے ہفتہ وار "رفیقِ ہند" اخبار نکالا۔ اس میں ہلکے پھلکے طنزیہ تبصرے ہوتے اور سیاسی مسائل کو پیش کیا جاتا۔ الہ آباد سے ایک دوسرا اخبار "احسن الاخبار" ۶ جنوری ۱۸۷۷ء کو حاجی محمد کبیر الحق نے جاری کیا۔ یہ ایک ماڈریٹ اخبار تھا اور اس میں اسلامی خبریں نمایاں ہوتی تھیں۔

حکیم محمد محمود خان نے منشی بہاری لال مشتاق کی ادارت میں دہلی سے اکمل الاخبار جاری کیا، علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی کی رائے کے مطابق یہ اپنے وقت کے ثقہ اخباروں میں سے تھا۔

مولوی محرم علی چشتی نے ۵ جنوری ۱۸۸۷ء کو لاہور ہی سے "رفیق ہند" جاری کیا۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دیوان بوٹا سنگھ نے مولوی نبی بخش کی ادارت میں "آفتاب عالمتاب" جاری کیا۔ اسی طرح بمبئی، مدراس، بنگلور، حیدرآباد دکن سے کئی اخبار شروع ہوئے، اور عرصے تک نکلتے رہے۔ لیکن یہ اخبار بس اخبار ہی تھے۔ ان کے سامنے کسی علمی اور قومی ضرورت کی دعوت یا استعماری استبداد پر نکتہ چینی نہ تھی۔

۱۸۵۰ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیان چار اردو روزنامے نکلے۔ ان میں "اردو گائیڈ" کلکتہ ۱۸۵۸ء، "اودھ اخبار" لکھنؤ (۱۸۷۵ء) اور "روزنامہ پنجاب" [illegible] قابل ذکر ہیں۔ [illegible] میں لاہور سے دو روزنامے "شام وصال" اور "سیم صبح" ضمیمے کی شکل میں نکلتے رہتے [illegible] بعض لوگ [illegible] کو پہلا روزنامہ قرار دیتے ہیں۔ ۱۵ دسمبر کو کلکتہ سے "[illegible]" [illegible] جاری ہوا۔ ۲۴ اپریل ۱۸۹۵ء کو کلکتہ سے "پیسہ اخبار" نکلا اور [illegible] ۱۸۸۵ء [illegible] اودھ پنچ، لکھنؤ سے اودھ اخبار کے علاوہ ۱۸۹۲ء میں روزنامہ لکھنؤ جاری ہوا۔ [illegible] ۱۸۹۵ء [illegible] میں ہی ایک روزنامہ [illegible] حیدرآباد سے [illegible] ۱۸۹۷ء کو قیصر اخبار کا روزانہ ایڈیشن شروع کیا گیا۔ ان میں سے بھی کسی ایک [illegible] جاری ہوئے۔ زیادہ تر مشیر دکن [illegible] جو [illegible] مدراس [illegible] رنگون سے "حدیقہ رنگون" ۱۸۹۶ء، بمبئی سے "خادم ہند" ۱۸۹۶ء [illegible] جاری ہوئے۔

یہ روزنامے موجود تھے لیکن ان میں وہ ایسی چیز نہ تھی جو ان کے رسمی ست قوم کو ماتی ذہنی یا سیاسی تحریک کا حرف آغاز ہوتی۔ ان کی سرگزشت بس اتنی ہے کہ ایک زمانے میں اس نام کے اخبار جاری ہوئے تھے۔

انیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں سے لے کر بیسویں صدی کی پہلی ڈیڑھ دہائی میں، لاہور سے اخبار عام اور پیسہ اخبار نکلے، امرتسر سے وکیل نکلا، موخر الذکر کے ادارۂ تحریر میں مولانا عبداللہ العمادی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ آخری دور میں مولانا عبداللہ سہاس ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۰۵ء کا آغاز عجیب ہلچل کا زمانہ تھا۔ کانگرس کی بنیاد اگرچہ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز مسٹر اے۔ او ہیوم نے رکھی، لیکن ایک قومی تنظیم کی حیثیت سے انیسویں صدی کی ڈیڑھ دہائی تک ممتاز نہ ہو سکی۔ ۱۹۰۵ء میں بنارس کے سالانہ اجلاس میں ۷۵۶ مندوبین شامل ہوئے جن میں صرف سترہ مسلمان تھے۔ اسی سال لارڈ کرزن نے ڈھاکہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کے خلاف زبردست ہنگامہ

شروع ہوگیا۔ ہر کہیں انارکی پھیل گئی۔ جگہ جگہ بم پھٹنے لگے۔ کانگریس نے بھی تقسیم کی مخالفت کی۔ ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کے ایک وفد نے سر آغا خان کی راہنمائی میں لارڈ منٹو، وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ ورنیابتی اداروں میں مسلمانوں کے لیے تحفظات کا مطالبہ کیا جس کے علاوہ مرکزی، صوبائی اور بلدیاتی اداروں میں جداگانہ انتخاب رائج کرنے پر زور دیا۔ لارڈ منٹو کے بالواسطہ ایما پر یہ وفد ان سے ملا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء میں اصلاحات نافذ ہوئیں تو جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔ اس کی روداد پہلے آ چکی ہے کہ نواب وقار الملک اور نواب سلیم اللہ خان ڈھاکہ نے ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلمان رہنماؤں سے مشورہ کر کے مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔

اس وقت کانگریس کی راہنمائی گوپال کرشن گوکھلے، بپن چندر پال، بال گنگا دھر تلک اور لالہ لاجپت رائے کے ہاتھ میں تھی اور یہ تمام ... تلک کے رویے سے ... قومی ہیرو تھا۔ ۱۹۰۷ء میں حکومت نے لالہ لاجپت رائے کو جلاوطن کر دیا۔ اسی سال روس اور برطانیہ نے ایران پر قبضہ کر کے اسے اپنے حلقہ اثر میں بانٹ لیا۔ اس بغاوت کے خلاف ... اور یکے بعد دیگرے ... کے اندر اندر خاندان قاچار ... اگلے سال ترکی میں انقلاب آگیا۔ انجمن اتحاد و ترقی نے سلطان عبد الحمید کو تخت سے اتار دیا ... حکومت کے ... خلافت و سلطنت کے ادارے قائم رکھے۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر کے طرابلس چھین لیا۔ روس نے ... کی طاقتوں کے اشارے پر بلقانی ریاستوں نے ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء میں ترکی کے خلاف جنگ ... ترکی کے یورپی مقبوضات اس سے چھین گئے۔ ۱۹۱۱ء میں کلکتے سے ... دہلی کو ہندوستان کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

گاندھی جی ۱۹۱۵ء میں ... افریقہ سے ... کانگریس ... مسٹر ہیوم کے ... مقصد پر تھا۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۹ء تک کانگریس کے ۲۵ اجلاس ہوئے۔ جن کی صدارت پارسیوں نے کی۔ ۱۲ کی ہندوؤں نے، ایک کی ہندوستانی عیسائی نے، ... انگریزوں نے اور چار کی مسلمانوں نے۔ لیکن علی گڑھ کے بعض انگریز پرنسپلوں، اور بالخصوص ثانیاً ماریسن کی بدولت، سرسید اور دوسرے اکابر مسلمانوں کو کانگریس سے الگ رکھنے کی تحریک اٹھا چکے تھے اور اس کے برگ و بار انتہائی سرسبز تھے۔ ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو سے ہندی کو بڑھانے کا فرض بہت حد تک علی گڑھ کالج کے پرنسپل مسٹر مارسن نے انجام دیا۔ ادھر ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ہزیمت نے انہیں ہندوستان کے طول و عرض میں ایک زندہ لاش کر دیا تھا۔ اس کے بعد علما کی ایک جماعت نے انہیں انگریزوں کی غلامی پر راضی رکھنا چاہا، کئی علما نے برطانوی عملداری کے حق میں فتوے جاری کیے۔ حتیٰ کہ مکہ معظمہ کے بعض

علماء سے بھی ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے فتوے حاصل کئے گئے۔ جنگ امبیلہ سرحد ۱۸۶۳ء کے بعد انگریزوں نے مجاہدین اور ان کے معاونین کو گرفتار کرنے کی ٹھانی۔ انبالہ (۱۸۶۴ء)، پٹنہ (۱۸۶۵ء)، راجمحل (۱۸۷۰ء)، مالوہ (۱۸۷۰ء) اور پٹنہ (۱۸۷۱ء) میں مقدمہ ہائے سازش قائم کر کے سید احمد شہید کی تحریک کے باقیات کو خوفناک سزاؤں کے حوالے کیا۔ موت کی سزا دی، عمر قید کیا اور جائیدادیں ضبط کیں۔ پھر قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ میں مداخلت و مداخلت شروع ہوئی۔ ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزوں کو اولوالامر قرار دیا۔

سرولیم میور یوپی کا گورنر تھا۔ اس نے علی گڑھ کی دینی جماعت کا سنگ بنیاد رکھا۔ وہ ہندوستان میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضور سرور کائنات اور دین اسلام کے خلاف سب سے بدتر کتاب لکھی۔ اس میں لکھا کہ "انسانیت کے دوست سے بڑے دشمن محمد (ﷺ) اور محمد کا قرآن ہیں"۔ اسی سرولیم میور ہی نے ڈپٹی نذیر احمد کو ان کی عمر بھر کی خدمات کے صلہ میں خطاب دلوایا اور ایڈنبرا یونیورسٹی سے ایل ایل ڈی کی ڈگری دلوائی۔ پنجاب میں مرزا غلام احمد پیدا ہو گیا۔ جو ان میں مسلمانوں میں نئی قوت کا منتظر اور اندرونی تیر اور خندق کی طرح سامنے رہتے اور مسلمانوں کی دینی وحدت میں خلل ڈال رہے تھے۔

المختصر وہ ہر جانب سے محاصرہ میں تھے، ہندوستان کے مسلمان ایک ایسے بھنور میں پھنسے ہوئے تھے کہ ان میں افراتفری، دہشت زدگی اور جذباتی اختلال پیدا ہو چکا تھا۔ سرسید سے متعلق کچھ عرض کر دیا گیا ہے۔ وہ انگریزوں کے دوست تھے اور علی گڑھ کے میدان میں پیش قدمی کرتے رہے، لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر میں وارث کا تصور دیتے۔ پھر اس سلسلے میں ان کی مساعی پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اسپین کے مسلمانوں کی طرح معدوم ہو جانے سے بچا لیا۔ وہ مسلمانوں کے جسمانی محافظ تھے۔ اور وہ مجاہدین جو اول دستے کی سالاری پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے لوگ تھے، مسلمانوں کے دینی محافظ تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ان بے پناہ کوششوں کے باوجود بھی کامیاب تھا۔ لیکن جہاں تک مذہب اور دینداری کا تعلق ہے پہلے ہندوستانی مسلمان ذہنًا پابہ زنجیر تھے۔ ان کے گرد و پیش خوف کا حصار تھا۔ اور وہ اپنی تاریخ کے سرمایہ سے بہر وجوہ خالی الذہن تھے۔ اگر کہیں کوئی چنگاری تھی تو خاکستر میں دبی ہوئی۔ اور اس کی مثال بیوہ کے آنسو کی طرح تھی۔ جو عموماً تخلیہ میں بہہ کر مٹی میں تحلیل ہو جاتا یا رخساروں کی خشکی چاٹ لیتی یا پھر دامن میں رہ جاتا ہے۔

الہلال کے دینی اثرات کا جائزہ لینے کے سلسلے میں جو سوالات اُبھرتے ہیں ان میں سے کئی ایک سوالات

کا جواب پہلے اوراق میں آچکا ہے۔ اجمالاً یہ کہ:

۱۔ الہلال نکلا تو اُردو صحافت میں دعوتِ دین کا رستخیزی ورود مفقود تھا۔ اخبار سیاست و مذہب کو زندگی کے دو مختلف وظائف سمجھتے تھے۔ مذہب ان کے نزدیک ذاتی عقائد کی چیز تھا۔ آپس میں شرعی تو تکار و فقہی تحکا فضیحتی کا شمار رہتے تھے۔ کوئی بین الاقوامی احساس یا ملکی سیاست کا فعال تاثر ان کے فکر و نظر میں نہیں تھا۔ اخباروں کا اجتماعی مزاج مجلسی تھا۔ ملک سیاسی طور پر ذہنی جدوجہد کی فضا میں انگڑائی لے رہا تھا۔ لیکن یہ ان کے لیے [illegible] تھے۔

۲۔ الہلال نے اس وقت رستخیز کا نعرہ لگایا جب مسلمان داخلی عقائد سے بیزار ہو چکے، اور خارجی حیثیت سے نادار و محض تھے۔ اور وہ زمانہ تھا جب عیسائی سلطنتیں عالمی طاقت کی حیثیت سے مسلمانوں کی بیخ کنی کا فیصلہ کر چکی تھیں۔

۳۔ ہندوستان کے سیاسی [illegible] سے مرعوب اور [illegible] تھے۔

۴۔ مسلمانوں کا سیاسی سرمایہ لُٹ رہا تھا۔ خلافت عثمانیہ کے یورپی مقبوضات اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اور وہ عملاً مردِ بیمار تھا

۵۔ ہندوستانی مسلمان سلطنت کھو دینے کے بعد دینی وحدت کھو چکے، اور اب انگریزی پیشواؤں کی استعماری چراگاہوں کا غلہ تھے۔

۶۔ ہندوستان میں قومی آزادی کا تصور پیدا ہو رہا تھا لیکن مسلمان اس تصور سے خالی الذہن ہو چکے تھے۔

۷۔ اس وقت کے پڑھے لکھے مسلمانوں کا تناسب معلوم کرنا مشکل ہے۔ لیکن عام روایتوں کے مطابق یہ دو چار فیصد سے زیادہ نہ تھا۔ اور ان میں حروف شناس لوگ بھی شامل تھے۔

۸۔ اس زمانے میں مذہب و سلطنت کی زبان ہی مسلمانوں کو متاثر کر سکتی تھی۔ مذہب کی زبان عربی، سلطنت کی زبان فارسی تھی۔ ان زبانوں سے محروم ہوئے انہیں کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ لیکن ان کا مزاج ان زبانوں ہی کے مطابق تھا۔ اور وہ لسانی اعتبار سے ان کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ ان زبانوں کی گونج اور گرج ان کے خمیر میں رچی ہوئی تھی۔

۹۔ الہلال مبارزت کی دعوت تھا۔ اس دعوت کے لیے وہی زبان تر بہدف تھی جو الہلال نے استعمال

کی اور مسلمان صدیوں سے جس کے وارث تھے۔

۱۰۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے الفاظ میں الہلال نے انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ سید سلیمان ندوی کی یہ رائے پہلے نقل ہو چکی ہے کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق پیدا کیا، ان کے لیے ایمان و یقین کے نئے نئے دروازے کھول دیئے۔ اور ان کے دلوں میں قرآن پاک کے مطالب و معانی کی بلندی و وسعت کو پوری طرح نمایاں کر دیا۔ اور مولانا آزاد نے اس فتنہ فرنگ کے عہد میں اس طرز و روش کی پیروی کی جس کو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے فتنہ تاتار میں پیدا کیا تھا۔

سچی دینی بصیرت کے ان الفاظ پر ایک دفعہ پھر غور کیجئے کہ یہی الہلال کا امتیاز تھا۔

الہلال نے ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں [illegible] جس طرح [illegible] ہوتے [illegible] کے [illegible] اعتقاد [illegible] نہ ہو چکا ہوتا تو مولانا ابوالکلام [illegible] اس کے لئے [illegible]

الہلال نے خلافت کے رہنماؤں [illegible] پیدا کی [illegible] اس زمانے کی خلافت کو [illegible] دیں۔ اس ضمن میں الہلال کا ایک خطرہ [illegible] حسرت [illegible] صحافی پیدا کئے۔ [illegible] مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور رفیق احمد [illegible] وغیرہ جو مولانا سے غایت درجہ متاثر تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ عبداللہ العمادی، مولانا حامد علی صدیقی، عبدالواحد لاہوری اور مولانا عبدالسلام ندوی کے [illegible] الہلال ہی سے ہوا۔ برعظیم کی آزادی کی [illegible] اور مسلمانوں میں [illegible] کی لیڈرشپ الہلال کی مخلوق یا الہلال سے متاثر تھی۔ ایک دور میں مسلمانوں کی [illegible] لیڈرشپ [illegible] کا تعین کئے بغیر ابھی الہلال ہی کی خوشہ چین رہی [illegible] سیاست سے [illegible] افراد نے اعتراف [illegible] کیا کہ انہیں اس وادی میں الہلال [illegible] مولانا کے رشحات قلم سے [illegible]۔ جمعیت علمائے ہند، مجلس احرار اسلام اور خدائی خدمت گار تحریک کے قائدین [illegible] مولانا آزاد اور الہلال کی دعوت پر جنگ آزادی میں شریک ہوئے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر محمد مجیب وغیرہ بھی اپنے قومی درد اور ادبی عشق کو الہلال سے منسوب کرتے تھے۔

۱۱۔ الہلال اردو زبان کا پہلا باتصویر جریدہ تھا اس سے پہلے جتنے ہفتہ وار تھے وہ چند صفحے آگے نہ تھے،

لیکن الہلال پہلا ہفتہ وار تھا جس کی اشاعت فی ہفتہ دس ہزار ہوگئی۔ آج کے لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ۱۹۲۷ء میں ٹائپ اور نستعلیق کو ملایا گیا۔ اس کا پہلا دور تمام تر ٹائپ میں تھا۔ الہلال ہی کی بدولت صحافت میں موضوعات کا تنوع پیدا ہوا۔ الہلال مذہب، سیاست، معاشیات، نفسیات، جغرافیہ، تاریخ، عمرانیات، سوانح، ادب، ثقافت اور شعر و نشاعرہ [illegible] قع تھا۔ اس عہد کے نامور اہل قلم، شبلیؒ، اقبالؒ اور حسرتؒ کے رشحات فکر الہلال میں چھپتے تھے۔ اور یہ اس کی عظمت کا اعتراف تھا کہ علامہ اقبال نے بھی اس کے لیے خریدار بہم پہنچائے۔ [illegible] زمی [illegible] و ردو [illegible] میں تفت گونج رہا تھا۔

۱۲۔ حقیقت یہ ہے کہ الہلال ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حرف اوّل تھا۔

۱۳۔ الہلال [illegible] ہندوستان میں کبھی [illegible] سے اتنے [illegible] میں بہت [illegible] متاثر ہوا۔ انگریزی [illegible] کے خلاف جنگ [illegible] میدان میں آخری [illegible] تھا۔

۱۴۔ الہلال سے پہلے ہندوستان کے مسلمان [illegible] مسلمان [illegible] الہلال نے یہ خصوصیت پیدا کی۔ [illegible] کا اظہار تحریک خلافت کے زمانے میں ہوا۔ [illegible] پاکستان کے قیام اور ہندوستان کی آزادی تک برعظیم کے مسلمانوں کے خون میں گردش کرتی رہی۔

پاکستان کی تحریک حقیقتاً مسلمانوں کا سیاسی مطالبہ تھا۔ [illegible] ہندوؤں کی طرح تنگ نظری اور [illegible] سے [illegible] مطالبے کو پروان چڑھایا۔ وہ قوت تھی کہ انگریزوں اور ہندوؤں کے لیے [illegible] تسلیم کرنا [illegible]۔ وہ مذہب کی طاقت تھی۔ [illegible] کی پشت پناہی اسلام کر رہا تھا۔ وہی اسلام جس نے [illegible] دیوبند کے مدرسے میں پناہ لی جو الہلال کے افق سے طلوع ہوا۔ [illegible] مسلمانوں کے خون کی گردش بن گیا۔ پھر اسلامی ہندوستان کی نشو و نما ہوئی جس کو اقبالؒ کی فکر نے مجلّٰی کیا اور ابوالاعلیٰ مودودی نے پاکستان میں اسلامی تحریک بنا دیا۔

الہلال نکلا تو کانگریس اور لیگ کا ابتدائی دور تھا۔ مسلم لیگ کی تیو سرکاری مسلمانوں نے اٹھائی اور وہ مسلمانوں کو کانگریس سے الگ رکھنے کی دوڑ میں سرگرم تھے۔ کانگریس کی لیڈرشپ لیگ کی لیڈرشپ کے مقابلے میں حریت فکر کی مالک تھی۔ اس کا ظاہری چلن ستھرے نمائندگی کا تھا لیکن ہندو کا معاشی و سماجی ذہن اس پر غالب تھا۔ اس کے

سالانہ اجلاس خالی خولی قراردادوں کا مجموعہ تھے اور بس۔ مولانا ان دنوں لیگ سے مجتنب تھے تو کانگریس سے بھی متنفر تھے۔ الہلال کے مقاصد اور پولیٹیکل تعلیم کے تحت ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء کو لکھا:

- ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو قرآن ہی ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔
- ہم نے تو اپنے پولیٹیکل خیالات مذہب ہی سے سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں مذہب سے کیونکر علیحدہ کر دیں۔ ہمارے عقیدے میں ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی اور تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو [illegible] ہے [illegible] پالیٹیکس بھی [illegible] میں داخل ہے۔
- قرآن سامنے ہوتا تو نہ گورنمنٹ کے در دولت [illegible] ترقی [illegible] جس کی بدولت تمام دنیا کو سب کچھ سکھایا ہے۔
- [illegible]
- الہلال کا مقصد اصلی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ [illegible] کی دعوت دیتا ہے۔ خواہ علمی مسائل ہوں خواہ تمدنی و سیاسی ہوں، خواہ [illegible] مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔
- [illegible] کلام کے آگے [illegible] قائدِ اعظم [illegible] کا [illegible] نہیں۔
- اسلام [illegible] پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لیے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز موت نہیں ہو سکتی [illegible] کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر [illegible] جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں۔ اور صدیوں تک چلا چکے ہیں۔ ہم کسی کے ساتھ نہیں صرف خدا کے ساتھ ہیں۔
- الہلال کی پالیٹیکس میں یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا اعتماد رکھئے نہ ہندوؤں کے حلقہ درس میں شریک ہوجئے صرف اس راہ پر چلئے جو اسلام نے بتلائی ہوئی صراط المستقیم ہے۔

اس اداریے میں مولانا نے ہندو ایجی ٹیشنوں کے طرز تشدد سے اجتناب برتتے ہوئے ہندوستان میں برٹش

گورنمنٹ کے قدم کردہ امن کا اعتراف کیا۔ لیکن نہایت خوبصورتی سے زور اس پر دیا کہ ہم اپنے مذہبی اصول کے مطابق ملک کی ترقی و آزادی کے لیے سعی کریں گے۔

۱۹۱۲ء کے ہندوستان میں برطانوی استعمار کے قہر و غضب کا جو عالم تھا۔ ہلال اس کا اندازہ شناس تھا۔ اس نے ہر قدم حکمت عملی سے اٹھایا۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء کے اداریہ "صبح امید" میں لکھا کہ۔

"بے شک فی الحقیقت پالیٹکس میں نہ تو قوم کی کوئی پالیسی تھی اور نہ کوئی رائے، صرف چند ارباب رسوخ و اقتدار تھے۔ جو اپنے محلوں میں بیٹھ کر تجویزیں کر لیا کرتے تھے۔ پھر تمام قوم کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے ہاتھوں میں ان کی چھڑی پکڑا دیتے۔ اور وہ کولہو کے بیل کی طرح ان کے پیچھے ہو لیتی [illegible] اصل قوت عامہ قوم کی ہے اور اصلی پالیسی وہی ہے جو خود قوم کے دماغوں میں پیدا ہوئی۔"

مسلمانوں کی [illegible] مقاصد [illegible] ۲۳ [illegible] اور ۲ نومبر ۱۹۱۲ء کے شماروں میں جو اقتباسات لکھے ان میں بتایا:

۱۔ اس وقت ہے، ورنہ فقدان زندگی ہی کو موت ہے۔

۲۔ [illegible] عقیدے میں [illegible] مسلمانوں کے لیے عبرت اور تنبیہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں [illegible] تھی کہ آج تک ان سے عبرت حاصل نہیں کی گئی لیکن [illegible] سے بڑھ کر [illegible] موت نہیں ہو سکتی کہ انسان زندگی کے ایک ضروری شعبے میں [illegible] مجبور و لاچار ہو گیا ہو، اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر نہیں بلکہ دوسری قوم کے دسترخوان کی چچوڑی ہوئی ہڈیوں پر بسا پانا پڑے۔

۳۔ اسلام تو اعتقاد و عمل کی ہر صداقت اور کائنات کے ہر حسن و جمال کا نام ہے۔ جہاں کہیں صداقت اور جمال موجود ہے یقین کرنا چاہیے کہ وہ اسلام ہے۔ مسلمانوں کو نہ پولیٹیکل پالیسی کی تلاش و جستجو میں وقت ضائع کرنا چاہیے نہ اعلیٰ تعلیم کے اضافہ لاحاصل میں پڑنا چاہیے، نہ لیگ کے غلامانہ اور مرگ آور پالیٹکس پر توجہ کرنی چاہیے اور نہ کانگرس کی رپورٹوں میں اپنے لیے نسخہ فلاح ڈھونڈنا چاہیے۔ ان کو صرف ایک ہی کام کرنا چاہیے یعنی بلا سوچے ہوئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اپنا ہاتھ دست الٰہی میں دے دینا چاہیے۔

۳- آج دنیا قوم اور وطن کے نام میں اپنے لیے جو تاثیر رکھتی ہے وہ اثر مسلمانوں کے لیے صرف اسلام یا خدا کے لفظ میں ہے، مسلمانوں کے لیے ہر شے ان کے مذہب میں ہے۔

الہلال بابت ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء کے الہلال میں "الجہاد فی سبیل الحریت" کے زیر عنوان واشگاف الفاظ میں لکھا:

"یقیناً ایک دن آئے گا جب کہ ہندوستان کا آخری سیاسی انقلاب ہو چکا ہوگا۔ غلامی کی وہ بیڑیاں جو اس نے خود اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں بیسویں صدی کی ہوائے حریت کی تیغ سے کٹ کر گر چکی ہوں گی اور وہ سب کچھ ہو چکے گا جس کا ہونا لازم ہے۔ اس وقت ہندوستان کی ملکی ترقی کی ایک تاریخ لکھی جائے گی جو آج مفقود ہے، اس میں ہندوستان کے حادثات و انقلابات کی نسبت کیا لکھا جائے گا، اس میں لکھا جائے گا کہ ایک بدبخت و زبوں حال قوم جو ہمیشہ ملکی ترقی کے لیے ایک روک، ملک کی فلاح کے لیے ایک بدقسمتی، راہ آزادی میں سنگ گراں، دشمنان قوم کا مضبوط دست و بازو، میں اور بالعموم ہندوستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم اور گورنمنٹ کے ہاتھ میں ملک کی امنگوں کو پامال کرنے کے لیے ایک بہترین آلہ رہی؛ اس میں لکھا جائے گا کہ ایک قابل رحم گروہ مسلمانوں کا تھا جس نے بزدلی کو کسی زبردست حامی سے اپنے مذہب سے جائز بنا دیا تھا جو اپنے تئیں دوسرے آقا کے ہاتھ میں اپنی گردن کی رسی دے چکی تھی اور خوش ہوتی تھی، جس میں کوئی انسانی ارادہ، کوئی انسانی جرأت اور کوئی انسانی زندگی کا ثبوت نہ تھا جو نہ اپنے دماغ سے سوچ سکتی تھی نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی، نہ اپنے پاؤں سے چل سکتی تھی اور نہ اپنے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ سمجھ کر اٹھا سکتی تھی۔ ایک معمول جو مسمرائزر کے ارادے پر زندہ ہو، ایک وجود شل جو صرف زمین کے لیے بار ہو، ایک درخت جو حرکت کے لیے ہوا کا منتظر ہو، ایک پتھر جو بغیر کسی ذی روح کے حرکت دیے ہل نہ سکتا ہو اور سب سے آخر یہ کہ ایک بدبختی کا داغ جو انسانیت کی پیشانی پر ہو۔

پھر اس میں لکھا جائے گا، یہ حالت اس قوم کی تھی جو آہ تم ہو کر مسلم تھی۔

اگر تم کہو کہ تاریخ ہند میں ہمارے لیے شرف و عظمت کا بھی ایک باب ہوگا تو تم خاموش رہو اور مجھ سے کہو کہ میں اسے پڑھ دوں، بے شک ایک باب ہوگا مگر جانتے ہو اس میں کیا ہوگا؟ اس

میں لکھا ہوگا کہ ہندوستان ملکی ترقی اور قومی آزادی کی راہ میں بڑھا، ہندوؤں نے اس کے لیے اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھا، مگر مسلمان غاروں کے اندر چھپ گئے۔ ملک نے پکارا مگر انہوں نے اپنے منہ اور زبان پر قفل چڑھا دیئے، ملک غیر منصفانہ قوانین کا شاکی تھا، ہندوؤں نے اس کے لیے جہاد شروع کیا، پر اس قوم مجاہد نے یہی نہیں کیا کہ صرف چپ رہی بلکہ مجنونانہ چیخ اٹھی کہ تمام کام کرنے والے باغی ہیں، اسے کیا خبر کہ بیسویں صدی میں کوئی ملک غلام نہیں رہ سکتا، شاید ہی دنیا میں کسی قوم نے پالیٹکس کی ایسی بے رحمانہ تذلیل و توہین کی ہوگی جیسی بیس سال سے کی ہے، اسے چاندی اور سونے کے بدلے فروخت کیا ہے، جو ذلیل پالیٹکس کی تحقیر اور تھوڑے اعمال اس کی عزت پیشانی پر کلنک کا ایک ٹیکا ہیں:

"ہندو مسلمانوں کا سوال بھی یہی ہے، ... سب ... ہیں، فوج میں پھوٹ پڑ گئی ہے ... مطمئن ہے ... تعلیم میں ترقی نہیں کی اس سے ... پالیٹکس یہی ہے ... پہلے ہندوؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق لیں ... عمرو ... کی چال ... قیامت کی چال تھی"

"اگر مسلمانوں کی آنکھوں ... کے عمل نے بند کر دیا ہے تو وہ اس منظر کو دیکھتے اور خون کے آنسو روتے، وہ دیکھتے ... ممکن ہے کہ ملک کی ترقی و آزادی کا سہرا ہی ... ہندو مسلمانوں ... لیا ہے اور مسلمانوں کو ... خود ... نہیں رہا:"

الہلال مسلم لیگ کے بارے میں ... علی گڑھ کی سیاست کا مخالف تھا، اور یونیورسٹی کی تاسیس میں حکومت کے عمل دخل کو شک سے دیکھنے کا متمنی تھا، چونکہ مولانا آزاد کا علامہ شبلی سے تعلق خاص تھا، اس لیے ان کی دلچسپی کا مرکز ندوہ تھا، الہلال کا تقریباً ایک تہائی حصہ ندوہ کے مسائل و مباحث پر مشتمل ہوتا۔ ۱۹۱۲ء کے ہر شمارے میں ندوہ کا ذکر رہا۔

الہلال والبلاغ کا ابتدائی دور عثمانی سلطنت سے بلقانی ریاستوں کی آویزش، طرابلس پر اٹلی کے تصرف، خلافت عثمانیہ کے مشکوں اور مسلمانوں پر اسی طرح کے روزمرہ کے استعماری حوادث کی داستان مسلسل تھا۔ فی الجملہ الہلال کا یہ دور خالص اسلامی دور تھا۔ اس دور میں مولانا نے الہلال والبلاغ کے صفحات میں قرآن و اسلام کو پیش کیا اور حزب اللہ کی بنیاد اٹھائی۔ ان محولہ موضوعات کے علاوہ مسجد کانپور، مسجد شکرپور

اُردوئے معلی، مسلم گزٹ اور زمیندار وغیرہ کے اخبارات میں اپنے خاص انداز میں خامہ فرسائی کی۔ عربی زبان کے حوالے سے اُردو زبان کی علمی اصطلاحات پر نہایت قیمتی مضمون شائع کئے اور اس طرح علمی مباحث کا ایک نیا دروازہ کھولا۔

۱۹۲۷ء کا الہلال ۱۹۱۲ء کے الہلال کی دعوت سے مختلف تھا۔ اس میں مولانا ایڈیٹر ہونے کے باوجود کم ہی شریک ہوئے لیکن ان کا ذوق و ایقان اور شگفتہ زبان بدرجۂ اتم موجود تھے۔ الہلال کا دورِ اوّل تحریک کا دور تھا۔ لیکن دورِ ثانی اس سے مختلف تھا [illegible] مدیر کی بجائے مدیر کا جریدہ [illegible] تک اس پر دین و سیاست اور فلسفہ و علم کے گنج [illegible] کا گمان ہوتا ہے۔

الہلال کی نثر

الہلال کی [illegible] ایک خاص اسلوب ایک منفرد پیرایہ [illegible] مولانا اور [illegible] کے خاص تھے۔ جن فصلاء نے اردو تحریر میں [illegible] کے رشحات قلم [illegible] الہلال سے الگ ہوئے تو ان کا اسلوب [illegible] صاحب طرز ہو گئے۔

مولانا عبدالسلام ندوی [illegible] کے انداز تحریر میں رہے۔ وہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں سید سلیمان ندوی کے [illegible] ۱۹۲۰ء کے معارف میں [illegible] سے متعلق ان کا ایک خطبہ صدارت درج ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

> مولانا ابو الکلام آزاد کا طرز تحریر اُردو زبان کا ایک تجربہ ہے جس کی تقلید ناممکن ہے۔ جن لوگوں نے اس کی تقلید کی ان کا وہی حشر ہوا جو [illegible] کا ہوا۔

مولانا حامد حسن قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ نے "داستان تاریخ اردو" میں سرسید کے دور کو نثر کا پانچواں دور ۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۰ء قرار دیا ہے اور چھٹے دور کی حدود مولانا محمد حسین آزاد (متوفی ۱۹۱۰ء) سے رکھی ہے اور اس دور میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی (متوفی [illegible])، مولوی نذیر احمد دہلوی (متوفی ۱۹۱۲ء)، خواجہ الطاف حسین حالی (متوفی ۱۹۱۴ء) مولوی سید علی بلگرامی (متوفی ۱۹۱۱ء) کو شریک کیا ہے۔ ان کے علاوہ میر ناصر علی (پیدائش ۱۸۴۰ء) اور خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی (پیدائش ۱۸۶۵ء) کو بھی اسی دور میں شامل کیا ہے۔ لیکن فاضل مولف نے پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبدالحلیم شرر، مرزا محمد ہادی رسوا، اور منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ کو اس دور میں شامل نہیں کیا اور صرف یہ بیان کیا ہے کہ ان کی پہلی اور بڑی حیثیت ناول نگاری کی

ہے۔ دوسرے ان کے فن کا ارتقاء بیسویں صدی میں ہوا اور یہ چاروں ظرافت کے پیش رو تھے۔"

اس تقسیم و تجزیہ کے مطابق محمد حسین آزاد اگر نثر کے چھٹے دور کے راہنما تھے تو ساتواں دور ابوالکلام آزاد اور ظفر علی خاںؒ وغیرہ کا تھا۔ یا پھر ان کے ہمراہیوں اور جانشینوں کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوالکلام کی معجز اثر نثر کے سوا عوام کو شعر نے نثر سے کہیں زیادہ متاثر کیا۔ ادب نے عوام کے ذہنوں کو اتنا نہیں جھنجھوڑا جتنا صحافت نے اور صحافت سے کہیں زیادہ اردو خطابت نے عوام کو جگایا۔ [illegible] کیا تھا کہ "ہندوستان میں قومی آزادی کی تحریک کو جینے اور پنپنے میں اردو کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انگریزی ہندوستان میں تحریک آزادی کے دوران اردو اخبار مختلف اوقات میں حکومت کے زیر عتاب رہے اور امتحان و ابتلا کے شدائد سے گزرے۔ جتنی [illegible] اردو میں [illegible] ہونے والے [illegible] تھے۔ [illegible] واقعات کی [illegible] اشاعت سے بھی رہ جوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے اور ہندوستان کے سماج کو اتنا کتابوں نے پیدا نہیں کیا جتنا اخباروں نے جگایا اور [illegible] نہیں خود تاریخ تھے اور یہ خصوصیت کسی دوسرے [illegible] کو حاصل نہیں ہوئی [illegible] اتنے مختلف رنگ و بار پیدا کئے۔

مولانا غلام رسول مہر برصغیر کے جلیل القدر صحافی تھے وہ اپنے ایک مضمون "نادرہ روزگار شخصیت" میں لکھتے ہیں۔

"ابوالکلام کے دوران ہی میں دنیا نے تسلیم کر لیا تھا کہ اس شخص میں جیسا آدمی صدیوں سے پیدا نہیں ہوا۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ نے "ایام عشق و جنوں" کے عنوان سے لکھا۔

"ابوالکلام کی شخصیت اقلیم معنی تھی۔"

ایک دوسرے مضمون میں تحریر کیا۔

"ابوالکلام ایک بے پناہ قلم لے کر پیدا ہوئے تھے۔ لیکن انہیں سقراط کی طرح اپنی ہی قوم کے

ہاتھوں زہر کا پیالہ پینا پڑتا۔"

پنجاب کے مشہور ریڈیائی ڈرامہ نگار رفیع انور نے لکھا،

"ان کے رشحاتِ قلم پر سینکڑوں اسپنسر اور ہزاروں میکالے بے دریغ نچھاور کیے جاسکتے ہیں۔"

عبدالماجد دریاآبادی اپنا قلمی بغض مولانا محمد علی سے ارادت کی آڑ میں نکالتے رہے لیکن مولانا محمد علی کا مولانا آزاد کے متعلق قول تھا کہ:

"میں نے سیاست ابوالکلام کی نثر اور اقبال کی شاعری سے سیکھی ہے۔"

حسرت موہانی نے الہلال ہی سے متاثر ہو کر لکھا تھا ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں بھی مزا نہ رہا

سجاد انصاری مرحوم کے یہ دو قول "معارف" اعظم گڑھ کے مدیر سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنے مضمون "الہلال کا مطالعہ" میں نقل کیے ہیں۔

"میرا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن نازل نہ ہوتا تو ابوالکلام کی نثر اس کے لیے منتخب کی جاتی یا اقبال کی نظم۔ میرے نزدیک ابوالکلام اور اقبال حقیقی معنوں میں ذوالبلاغہ ہیں۔"

سید صباح الدین رقمطراز ہیں کہ،

"مولانا کی قلمی بازی گری سے میں نے اپنے دماغ کو سحر میں گردش ہوتے پایا۔ الہلال کے اوراق اُلٹتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے سحر سامری سے کوئی مسحور کر رہا ہے۔ اردو میں الہلال کی جھنکار اور للکار ایک بالکل نئی چیز تھی وہ ایک صدائے ربانی معلوم ہوتی تھی در الہلال ان کے قلم سے سحر حلال بن گیا تھا۔"

نواب بہادر یار جنگ جو مسلم لیگ کے سب سے بڑے خطیب تھے فرماتے "وہ الہلال پڑھ کر مقرر ہوئے تھے"۔ سید سلیمان ندوی فرماتے: "مولانا شبلی کا ارشاد تھا کہ میں ایجاز کا بادشاہ ہوں ابوالکلام اطناب کا بادشاہ ہے۔"

سرسید کی عبارت کی ناہمواری اور پھیکے پن کو حالی نے اپنی سادگی اور پرکاری سے دور کیا۔ محمد حسین آزاد نے اس کو رنگینی اور دلکشی عطا کی۔ ڈپٹی نذیر احمد نے برجستگی اور صاف گوئی دی۔ شبلی

نے متانت، ثقاہت اور لطافت بخشی لیکن اُردو کے اسلوب بیان میں شوکت وحشمت اور عظمت وجلال کی جو کمی تھی اس کو مولانا آزاد نے الہلال کے ذریعے پورا کیا۔ الہلال ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی دینی اور سیاسی زندگی کا ایک اہم موڑ تھا۔ مولانا نے الہلال کی معرفت مسلمانوں کی دینی محبت ملی غیرت اور قومی بصیرت کا منار تیار کیا پھر اس کی چوٹی پر چڑھ کے ملکی سیاست اور وطن آزادی کا صور پھونکا جس نے انگریزوں کے تعمیر کردہ طلائی قصر کی بنیاد ہلا دی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تصنیف "ڈسکوری آف انڈیا" [illegible] میں الہلال کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] صاحب الہلال [illegible] مسلمانوں کے سامنے [illegible] اس سے پہلے وہ اس کی توانائی وزیبائی سے ناواقف تھے۔

جمہوریہ ہند کے پہلے صدر راجندر پرشاد اُردو و فارسی میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کا اُردو رسم الخط نہایت خوبصورت [illegible] حروف [illegible] کے اعتبار سے اس طرح [illegible] ہوتا تھا۔ راقم الحروف [illegible] کے بارے میں [illegible] سے علاوہ دوران گفتگو الہلال کا ذکر کیا، کہنے لگے:

"مسلمانوں نے صاحب الہلال سے دینی حرکت پائی جو امویوں سے [illegible] آپ رسول ﷺ [illegible] حقیقت یہ ہے کہ [illegible] الہلال کا ذہنی [illegible] چاہیے تو عمر بھر اتار نہیں سکتا ہے۔"

مفتی عتیق الرحمٰن [illegible] ابو حنیفہ کہلاتے تھے۔ راقم الحروف مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس زمانے کے اخبارات کی روش پر بات چیت شروع ہوگئی مولانا حبیب الرحمٰن کہہ رہے تھے کہ آج کے اخبار بہت ہیں، ان میں تلوار کی کاٹ نہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا: "اخبار ہر دور میں قومی ضرورتوں کے مظہر ہوتے ہیں، الہلال اس زمانے کے مسلمانوں کی دینی خواہشوں اور سیاسی آرزوؤں کا آئینہ تھا۔ ابوالکلامؒ کے قلم نے اس کو صور اسرافیل بنا دیا۔ اخبار تو اب بھی ہیں، لیکن ایڈیٹروں میں کوئی ابوالکلامؒ نہیں، بادل ہیں رعد نہیں۔"

مولانا ظفر علی خانؒ شہید گنج کے بعد کانگریس کی [illegible] سے کٹ کے مسلم لیگ کے ہو گئے لیکن ہجو نگاری کا ولولہ خاص رکھنے کے باوجود "سقائے دشمن" مسلمانوں کے اوصاف کا اعتراف کرتے اور انہیں مسلمانوں کی روح

قرار دیتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد کا ذکر آیا تو فرمایا۔

"اردو ادب الہلال کی اداؤں سے بالا بلند ہوگیا، دینِ قیم کے چہرے پر اس کی صداؤں سے رونق آگئی اور سیاست کا بازار اس کے ولولوں سے معمور ہوگیا، الہلال قرنِ اول کی آواز تھا لیکن کامریڈ میں صحابہ کا اضطراب تھا اور زمیندار بلال کی اذان تھا۔"

سید عطاء اللہ شاہ بخاری خطابت کے بادشاہ تھے، جس طرح الہلال کی صحافت میں قرآن کی آیتیں اور شاعری کے ترو تازہ [illegible] پیرایہ [illegible] کے موقع پر ہوتے۔ اسی طرح شاہ جی کی خطابت میں شاعری کا جمال اور رونق کا حلول ہوتا۔ سامعین ان کے سحر کا شکار ہوتے، شاہ جی ان کے ذہنی شاگرد تھے۔

الہلال کا یہ دور [illegible] اسی کا ہوگیا۔ اس سے [illegible] اور [illegible] ایسی ایک جماعت پیدا کی جس نے [illegible] ہندوستان [illegible] احرار اسلامی، خلافت تحریک، مجلس احرار اور تبلیغی جماعت کے ذہنی پس منظر میں [illegible] کی حد تک الہلال ہی کے دورِ اول کا ولولہ ہے۔

سفرنامہ اشاعت الہلال کے دو ادوار [illegible] کے ایام اشاعت کا مجموعی زمانہ سوا تین سال تھی۔ الہلال کا پہلا دور [illegible] کا تھا۔ البلاغ ایک سال کے وقفے سے ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو نکلا اور ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء تک چلا۔ یعنی پانچ ماہ۔ الہلال کا دورِ ثانی (۱۹۲۷ء) چھ ماہ ہے۔ ترتیب یہ ہے۔

الہلال دورِ اول

۱۔ ۱۳ جولائی تا ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء۔

۲۔ ۸ جنوری ۱۹۱۳ء تا ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء۔

۳۔ ۷ جنوری ۱۹۱۴ء تا ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء

البلاغ

۱۔ ۱۰ جون ۱۹۲۷ء ——— تا

۹ دسمبر ۱۹۲۷ء۔

الہلال دورِ ثانی

۱۔ ۱۰ جون ۱۹۲۷ء تا ۹ دسمبر ۱۹۲۷ء

صرف ۱۹۱۳ء پورا سال ہے جب الہلال سال بھر نکلا۔

ایک چھچتی ہوئی نگاہ میں ان تمام پرچوں کی شکل یہ ہے کہ ۱۹۱۲ء کے تمام پرچوں کا سرورق سرخی مائل

کاپی، اور ہر شمارہ ٹائیٹل سمیت بیس صفحات کا ہے۔ تمام پرچہ مکینیکل نیوز پرنٹ پر ہے قیمت ۲ آنے، سرورق پر کسی شخصیت یا واقعہ کی تصویر مع فہرست مضامین کے ہے۔

مندرجات کا جائزہ

شمارہ اوّل ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء پہلے صفحے پر شاہ جہاں امیر افغانی کی تصویر ہے، والد مرحوم شیخ محمد عبدہ مصری، سید محمد رشید رضا مصری، انور پاشا، جاوید بک، شیخ [illegible] و جماعت مجاہدین کی تصویریں ہیں۔ [illegible] ان کے افکار و احوال کارروائی تذکرہ ہے۔

افتتاحیہ سے معلوم ہوتا ہے [illegible] ۱۹۰۹ء میں ہوا تھا، سید رشید رضا مصری کے بارے میں [illegible] کا مضمون ہے۔ سب سے بڑا مضمون ناموران غزوہ طرابلس پر ہے، کارنامہ کے عنوان سے تصویر سمیت [illegible] کی صورت حال کا بیان ہے۔ میدان جنگ کے تار ہیں۔ اس کے علاوہ قسطنطنیہ کی ڈاک ہے۔ شیخ سنوسی سے [illegible] کی خبر ہے، [illegible] اسلامی کے احوال کا خلاصہ ہے۔ آئندہ شمارہ کی تصاویر اور مضامین کا اعلان ہے۔

۲۰ جولائی صفحہ اوّل پر [illegible] شیخ [illegible] کی تصویر ہے۔ مضامین میں ہلال کے طباعتی سفر کی مشکلات کا ذکر ہے۔ [illegible] اسلام کے زیر عنوان [illegible] اسلام کے مقالہ کی ابتدا ہے۔ سید رشید رضا پر دوسری قسط ہے۔ ناموران غزوہ طرابلس کے [illegible] کے تصویری مقالات ہیں۔ شیخ احمد سنوسی کے علم جہاد کی تصویر ہے۔ اسلامی ممالک کی خبریں ہیں اور اس ہفتہ کے ضروری وقائع کا ذکر ہے۔

۲۷ جولائی قیمت فی پرچہ [illegible] آنے کر دی گئی۔ صفحہ اوّل پر [illegible] کیمپ میں عثمانی [illegible] کی تصویر ہے، توفیق پاشا، کامل پاشا، فتحی بک اور ایرانی مجاہدین کی تصویریں ہیں، قسطنطنیہ کے احوال کا تذکرہ ہے، مسلم یونیورسٹی اور مسلم لیگ پر سرکاری [illegible] کی شکایت ہے۔ رشید رضا مصری کے متعلق تیسری قسط ہے، ناموران غزوہ طرابلس اور کشتگان کارزار طرابلس کی داستان ہے۔ اسلامی ممالک اور اقصائے مغرب کی خبریں ہیں۔

۴ اگست صفحہ اوّل کی تصویر میں محمود شوکت پاشا میدانِ قواعد میں فوج کے جوانوں سے مخاطب ہیں۔ افتتاحیہ مسلم یونیورسٹی کے مسئلے پر ہے اور خاصا طویل ہے۔ قسطنطنیہ میں ہجوم مشکلات کے عنوان سے ایک مضمون ہے باقی وہی نامورانِ غزوۂ طرابلس کی خبریں ہیں۔ کارزارِ طرابلس اور بیروت پر گولہ باری کے تصویری مرقعے ہیں۔ اس کے علاوہ مکتوبِ اقصیٰ اور عالمِ اسلامی کی خبریں ہیں۔

۱۱ اگست صفحہ اوّل پر محمد حسن بک ترکستانی جس نے [illegible] طرابلس کو [illegible] کا عطیہ بھیجا کی تصویر ہے۔ شذرات کے علاوہ [illegible] معروف "وفتحی عن الفتاۃ" پر ۲ صفحے کا اداریہ [illegible] شذرات کے دو صفحے نامورانِ غزوۂ طرابلس [illegible] طرابلس کے حوالے [illegible] لشکر کے ہاتھوں قتلِ عام کی تصویر، عالمِ اسلامی کے تحت مسلمانانِ چین [illegible] خبروں کا خلاصہ۔

۱۸ اگست [illegible] مسلم یونیورسٹی [illegible] قسط نمبر ۲۔ مسلم یونیورسٹی [illegible] مسلمانانِ [illegible] کا خلاصہ۔

۲۵ اگست صفحہ اوّل پر [illegible] تصویر [illegible] دانشنام [illegible] مسلم یونیورسٹی کے [illegible] معروف [illegible] مسئلہ کی تیسری قسط، نامورانِ غزوۂ طرابلس [illegible] اسلامی کی خبروں کا خلاصہ۔

یکم ستمبر [illegible] طرابلس [illegible] مسلم یونیورسٹی کمیٹی [illegible] مسلم یونیورسٹی [illegible] مکتوبِ اقصیٰ کے زیرِ عنوان [illegible] نامورانِ غزوۂ طرابلس، کارزارِ طرابلس اور عالمِ اسلامی مع تصاویر۔

۸ ستمبر صفحہ اوّل پر ادہم پاشا کی تصویر، مختلف الموضوع شذرات۔ مکتوبِ اقصیٰ کا خبرنامہ، مسلمانوں کے مقاصد اور سیاسی تعلیم پر ایک خط اور اس کا جواب۔ مسلم یونیورسٹی کمیٹی کے متعلق مولانا محمد علی کا نامہ گرامی۔ مولانا کا عرضِ حال کے زیرِ عنوان جواب۔ نامورانِ غزوۂ طرابلس اور کارزارِ طرابلس مع تصاویر، یورپین ترکی اور ریاستہائے بلقان کا نقشہ۔

۱۵ ستمبر ابراہیم تریا بے کی تصویر صفحہ اول، یونیورسٹی کمیٹی کا انعقاد، حمید مظہر کے زیر عنوان افتتاحیہ، مدن خطرے میں، عبدالماجد دریا آبادی کا مقالہ، مسلم یونیورسٹی کے سلسلے میں مولانا محمد علی ایڈیٹر کامریڈ کا دوسرا خط، نامور ان غزوہ طرابلس، کارزار طرابلس مونتصاویر۔

۲۲ ستمبر صفحہ اول پر غدر و برس کے عثمانی مجاہد احمد حلیمی بے کی تصویر، اندر پورے صفحے کے ایک پٹین آرٹ پلیٹ پر شاہ جارج پنجم کی تصویر، لکھنؤ سے ایک گمنام مضمون نگار [illegible] شائستہ قلمی [illegible] مسلم یونیورسٹی [illegible] نامور ان غزوہ طرابلس [illegible] بعض دوسرے مراسلات [illegible] قسط نمبر ۲

۲۹ ستمبر [illegible] کی گولہ باری کا شکار ہوا تو اس جہاز کے ایک افسر [illegible] کی تفصیلات۔

۶ اکتوبر [illegible] پھانسی [illegible] کی تصویر [illegible] اہل کی ترتیب [illegible] زیر عنوان [illegible] افتتاحیہ عنوان عثمانیہ [illegible] نامور ان غزوہ طرابلس [illegible] دعوت [illegible] دخلوط [illegible] صفحہ آخر پر ماہنامہ البیان کا اعلان۔

۱۳ اکتوبر [illegible] کی تصویر [illegible] تحت [illegible] کا سپاہی [illegible] ہمن عون انصاری الی اللہ، مقالہ، مسلمانوں کی آئندہ شاہراہ مقصود نمبر ۲ وطویل ادا [illegible] آزادی [illegible] ہندوستان میں بین اسلام ازم پر وفیسر براؤن کے خیالات، تذکرہ علیہ، نامور ان غزوہ طرابلس، کارزار طرابلس مونتصاویر، جنگ ترکی و یورپ، عثمانی فوج کے جانباز افسروں کی پورے صفحے پر تصویر۔

۲۳ر اکتوبر — صفحہ اول پر عبدالرحمٰن بک کی تصویر۔ شذرات، تین صفحے، مسلمانوں کی شاہراہ مقصود، نادرہ، ناموران عزوہ وطرابلس، مضمون عثمانیہ با تصویر، مولانا شبلی کی کشالت کے نام سے "یونیورسٹی اور سحاق" پر تطابق نظم۔ مولانا آزاد کی علمی مجلس عقد میں تقریر۔ چند صفحے، عثمانی طبیب درویش ملت پر حق کے ظاہر ... بی ڈک، کوالف ندوہ اسلامی ، اشاعت اسلام، علامہ شبلی، دعوت اصلاح مسلمین و اتحاد اسلامی اور مسٹر محسن قدوائی بیرسٹر۔

۱۳ر نومبر — شذرات کے زیر عنوان [illegible] کے واسطے [illegible] ... عنوان [illegible] اور [illegible] جرمن جرنیل کے [illegible] ناموران [illegible] یونیورسٹی کے زیر عنوان [illegible] نظامی نظم [illegible] تصویر [illegible] ہیں کے [illegible] نظم کی [illegible] ناموران [illegible] علمی مجلس میں تقریر کا خلاصہ [illegible] عثمانیہ۔

۲۰ نومبر — اس شمارے کے پہلے صفحے پر کوئی تصویر نہیں۔ قرون ماضی کی باتیں درج ہیں۔ شذرات کا مضمون [illegible] ایک صفحہ [illegible] ہیں [illegible] ان میں [illegible] کے تحت [illegible] عید الاضحیٰ پر ہے۔ [illegible] دوسری سلطنت، ۱۲ [illegible] تمبر [illegible] عید کے [illegible] بچوں [illegible] سے مدارہ ہوتا ہے۔ غالب علامہ شبلی کی ہے۔ اسی شمارے میں میدان جنگ کے [illegible] فتوحات کا سلسلہ شروع ہے۔

۲۷ر نومبر — شذرات [illegible] سے کام [illegible] مقدمات میں الاسلام والاسلام، ترکی تیس [illegible] قسطنطنیہ حقیقت۔ صفحہ اول کی تصویر ایک یونانی جہاز پر ترکوں کا قبضہ۔ مضمون عثمانیہ کے تحت جنگ بلقان پر ایک صفحہ کا مضمون۔ اس کے علاوہ محاذ جنگ کی بہت سی خبریں واقعات اور ان کی تصویریں، مسئلہ سحاق پر افکار و حوادث کے زیر عنوان وصاف کی نظم اور مراسلات بسلسلہ تحریک اسلامی۔

۴ر دسمبر — صفحہ اول پر ناظم پاشا کی تصویر ہے۔ شذرات اور افکار و حوادث کے علاوہ عید الاضحیٰ پر مقالہ نمبر ۳۔ مولانا شبلی کے قلم سے فارسی میں ایک طویل ترکیب بند، مضمون عثمانیہ اور بعض جنگی خبروں کی تفصیلات۔ جنگ بلقان اور دول یورپ، یورپین ترکی اور ریاست ہائے بلقان کا نقشہ۔

۱۱ر دسمبر — صفحہ اول پر ناظم سواد الور پاشا کی تصویر، اندر آرٹ پیپر پر اس تصویر کا پورا صفحہ۔ شذرات اس صفحے،

عید کا صفحہ پر چوتھا مقالہ۔ ایک عربی نظم کلاہات کے زیر عنوان ہے رائٹ آنریبل سید امیر علی سے وصداقت کا ایک مجرید نظم میں خطاب [illegible] وصداقت انگلستان اور اسلام، مقالہ شئون عثمانیہ۔ اس کے علاوہ خبروں کے تین صفحے۔

۱۸ دسمبر شذرات میں ملکی سیاست پر لطیف طنزیں ہیں۔ صفحہ اول کی تصویر ایک عثمانی مشین گن کی ہے۔ جس نے حملہ آور بلغاریوں کی صفیں اڑا دیں۔ اس کے افسر علی محمود حصاری کو تمغہ سعدی دیا گیا۔ صفحہ ۲ پر ہندوستان کے اس میڈیکل مشن کی تصویر ہے جو ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی زیر قیادت بلقان کے مجروحوں کی مرہم پٹی کے لیے ترکی گیا۔ اس وفد سے [illegible] مولانا محمد علی ایڈیٹر کامریڈ تھے۔ مولانا نے تصویر پر لکھا ہے:

"[illegible] وہ لوگو! کہ زخمیوں کے ملک میں جا رہے ہو۔ جب [illegible] دھونا تو [illegible] دو [illegible] ان زخموں کے [illegible] کی ایک تصویر ہے "صوفیہ" کے شاہی محلے میں قسیس [illegible] مقالہ [illegible] میں غرق کیے جا چکے ہیں۔ صفحہ ۲ پر [illegible] ایک دلچسپ نظم ہے اس شمارے کے [illegible] کا [illegible] ہے۔ اس کے علاوہ [illegible] کی تقریر صفحہ ۱۲، ۱۱ پر۔ شئون عثمانیہ، ورشمالی ڈاک۔

۲۵ دسمبر [illegible] کی تصویر ہے۔ [illegible] پر [illegible] چھپار [illegible] لگنے سے زخمی ہوئے تھے۔ دوسری تصویر ان [illegible] بلغاری [illegible] کی ہے جنھوں نے [illegible] کے محلے میں [illegible] خاندوں سے خروج [illegible] [illegible] الہلال کی پہلی ششماہی کے اختتام پر ہے۔ [illegible] اور دوسری خبریں [illegible] دی گئی ہیں۔ دعوت الہلال کی نسبت [illegible] درج ہیں۔ [illegible] کے نام سے حکیم سیف شاہجہان پوری کی ایک نظم ہے اور یہ علامہ شبلی کے بعد پہلے شاعر ہیں جنہیں الہلال میں جگہ دی گئی۔ صفحہ ۹ پر نیاز فتحپوری کا الہلال کے طرز بیان کی ستائش میں خط ہے۔ شئون عثمانیہ [illegible] مراسلات کے صفحات ہیں۔

۱۹۱۳ء

۸ جنوری صفحہ اول پر لندن میں صلح کانفرنس کی تصویر ہے یہی تصویر پورے صفحے پر اندر بھی دی

گئی ہے۔ شذرات کے عنوان سے صلح کانفرنس اور جنگ کے بارے میں متفرق خبریں ہیں۔ اداریے کا عنوان ہے ”فاتحہ جلد جدید“۔ صفحہ ۸ پر ”میدان غزوۂ بلقان“ کی روداد کا آغاز ہے۔ صفحہ ۱۰ کا مقالہ ”تاریخ کی بازگشت“ کے عنوان سے بیسویں صدی کی عیسائی سلطنتوں کے صلیبی معرکوں پر تبصرہ ہے۔ اس کے علاوہ متفرق تحریریں اور بعض دوسری خبریں ہیں۔ مراسلات کا صفحہ اور تقابلات کے زیر عنوان مسلم لیگ پر وقت کی نظر ہے۔

۱۵ جنوری صفحہ اول پر انور پاشا کی تصویر ہے۔ [illegible] کے مخصوص [illegible] پالیسی قومی جلوس کے عنوان سے ہے۔ [illegible] جلد جدید نمبر ۲ ہے۔ دوسرا مقالہ تاریخ [illegible] ہے۔ [illegible] مولانا شبلی کی [illegible] ادبی نام سے نظم ہے۔ متفرق [illegible] کی تلخیصات ہیں۔

۲۲ جنوری [illegible] جامع مسجد [illegible] کانپور کی تصویر [illegible] جلد جدید [illegible] شبلی نعمانی [illegible] مقالہ ہے۔ [illegible] کی روداد ہے۔

۲۹ جنوری صفحہ اول پر [illegible] عثمانیہ کے صدر [illegible] شوکت پاشا کی تصویر ہے۔ قسطنطنیہ سے [illegible] شوکت پاشا کا [illegible] یہ مضمون ساڑھے چار صفحے کا طویل اداریہ ہے۔ [illegible] نظم [illegible] کے علاوہ [illegible] غزوۂ بلقان کے [illegible] کی تصاویر ہیں۔ [illegible] زیر عنوان عثمانی [illegible] سرگزشت [illegible] مولانا شبلی کے مقالہ سیرۃ نبوی کی دوسری قسط ہے۔ متفرق عثمانیہ میں حسرت موہانی، نیاز فتح پوری کا کلام ہے۔ نقاد کے ادبی نام سے مسلم لیگ کے خلاف علامہ شبلی کی [illegible] نظم ہے۔ سر میاں محمد شفیع کو لیگ کا صدر بنانے پر احتجاجی مراسلہ ہے۔

۵ فروری صفحہ اول پر جامع مسجد [illegible] کے صحن کی تصویر ہے۔ شذرات کے زیر عنوان [illegible] ایک ”عظیم الشان دن ۲ فروری“ دو صفحے کا مضمون ہے۔ [illegible] جنگ بلقان سے متعلق ایک

جلسہ عام کی روداد ہے جنگ بعد از صلح کے عنوان سے ترکی اور بلقان کی آویزش کا تذکرہ ہے۔ اداریے کا عنوان ہے "حدیث الغاشیہ"۔ ایک دوسرا مقالہ ترکی کے اسباب شکست پر اخبار پائنیر کے نامہ نگار کی تحریر کا ترجمہ ہے۔ سید حسن بلگرامی کی تصویر ہے۔ سیرۃ نبوی پر مولانا شبلی کا تیسرا مقالہ ہے۔ نیاز فتحپوری اور عقاد کی نظمیں ہیں۔ مقالہ بلغاریہ کی تفصیلات اور جنگ بلقان کی داستان ہے۔ شئون عثمانیہ کی روداد ہے۔

۱۲ فروری صفحہ اول پر انقلاب عثمانی کے نامور رکن پرنس یوسف عزالدین کی تصویر ہے۔ قسطنطنیہ سے [illegible] کا مرتب ہے۔ جنگ کی روداد ہے۔ محمد حسین خاں بی اے کا مبنی بر [illegible] پر ایک مختصر مضمون ہے۔ مولانا [illegible] چھپتے رہے ہیں [illegible] مرگ شدت [illegible] ہے [illegible] لکھتے ہیں۔ مولانا شبلی کا [illegible] جو مقالہ ہے [illegible] خواجہ [illegible] کے [illegible] متعلق [illegible] کا ڈیڑھ صفحہ ہے اور شئون [illegible]

۱۹ فروری [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] بھی گئی ہے۔ [illegible] انگلستان اور اسلام [illegible] علامہ شبلی نعمانی [illegible] ہے۔ انور پاشا کی تصویر ہے۔

۲۶ فروری صفحہ اول پر [illegible] کی تصویر ہے۔ [illegible] مسٹر مظہر الحق بیرسٹر کی تصویر ہے۔ چندہ ہلال احمر کے زیر عنوان تین صفحے کا مضمون ہے۔ یونیورسٹی فاونڈیشن کمیٹی سے متعلق "حدیث الغاشیہ" ہے۔ مقالہ مسلم یونیورسٹی کے نصاب تعلیم پر نظر ہے۔ "معجزہ اور خوارق" پر مقالہ ہے۔ جواب شکوہ اقبال کے زیر عنوان ریاست رامپور کے ہوم سیکرٹری کی دو صفحے میں ایک نظم ہے۔ مذاکرہ علمیہ میں ریڈیم کا تذکرہ ہے۔ اس پر اعلان کا طویل نوٹ ہے۔ ایک تصویر چوتھی صدی ہجری کی تحریر کا ایک ٹکڑا ہے۔ شئون عثمانیہ

ہیں مضامین غزوہ بلقان اور مراسلات کا صفحہ ہے۔

۵ مارچ صفحہ اول پر انور کے ایک خیمے کی تصویر ہے جس میں غازی انور بے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ فروکش ہیں۔ سرورق کے اندرونی صفحے پر انقلاب عثمانی ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء کی ایک معرکہ آرا تصویر ہے۔ غازی انور بے باب عالی میں داخل ہو رہے ہیں۔ ناظم پاشا کا ایڈی کانگ ان پر گولی چلاتا ہے لیکن جوابی فائر سے ناظم پاشا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ خصوصی تاروں کے علاوہ شذرات، افکار و حوادث، حدیث [illegible] مستقبل [illegible] مستقل [illegible] ہیں [illegible] افکار و حوادث میں ناصح مشفق کے تحت گورنر یو پی [illegible] ایک [illegible] کی دو نظمیں [illegible] لیگ پر ہے۔

۱۲ مارچ [illegible] تصویر ہے [illegible] متعلق [illegible] بھی ہے [illegible] تصویر ہے جو انجمن اتحاد و ترقی کا وفد [illegible] ہے۔ باقی شئون عثمانیہ کے علاوہ مراسلات اور مضامین بلقان کے صفحات ہیں۔

۱۹ مارچ [illegible] کے لیڈروں کی تصویر ہے [illegible] حضرت امام [illegible] انقلاب عثمانی کے [illegible] سے متعلق [illegible] ہیں۔ دوسرے صفحے پر حضرت عیسیٰ کے عنوان سے [illegible] کی تصویر ہے۔ تیسرے صفحے پر قطب جنوبی کے دریافت کنندگان کی تصویریں ہیں۔ چوتھا صفحہ بھی انہی تصویروں سے پُر ہے۔ یونیورسٹی [illegible] طویل نظم ہے۔ قطب جنوبی پر ادارہ علمیہ کے زیر عنوان کیپٹن رابرٹ اسکاٹ کے سفر کی تفصیلات ہیں۔ شذرات، افکار و حوادث ہیں۔ مطبوعات اردو پر انتقاد کے زیر عنوان تبصرہ شذرہ ہے۔ شئون عثمانیہ کا صفحہ باقی قائم ہے۔

۲۶ مارچ صفحہ اول پر میڈیکل جہاز کی تصویر ہے۔ اندرونی صفحے میں ڈاکٹر انصاری کی زیر قیادت آل انڈیا میڈیکل مشن کی دو تصویریں ہیں۔ ایک تصویر ترک زخمیوں کے ساتھ ہے، دوسری لیفٹیننٹ ڈاکٹر

انوسیے کے ساتھ اداریہ "عرب" کے زیر عنوان ہے۔ شذرات جنگ پر ہیں۔ مذاکرہ علمیہ قطب جنوبی پر ہے۔
ایک تصویر بیسویں صدی کے ترقی یافتہ یورپ پر ہے۔ بیت پر نقادی اور ترکوں پر شقاوت کی نظمیں ہیں۔ باقی وہی نامہ لن
غزوہ بلقان، شئون عثمانیہ اور جنگ کی تفصیلات ہیں۔

۲ اپریل صفحہ اول پر اودھ کے رہنما غازی شکری پاشا کی تصویر ہے۔ گذشتہ شمارے میں شائع شدہ شفاف کی نظم کے بے معنی ہونے پر اظہار تاسف۔ اس کے علاوہ پچھلے شمارے کے نکاہات پر اظہار افسوس ہے۔ شذرات تیز اور مشر پر دو صفحے کے ہیں۔ اور [illegible] مدیث "فقاشیحا را لحق وزھق الباطل" درج ہے۔ انگلستان دراصل [illegible] کے عنوان سے [illegible] مذاکرہ علمیہ [illegible] علامہ شبلی نعمانی کی خدمت [illegible] [illegible]
بیت پر [illegible] باقی وہی [illegible]

۹ اپریل [illegible] تحت شاہ یونان یا مجاہد [illegible] سقوط اور [illegible] [illegible] موضوع پر [illegible] [illegible]

۲۳ اپریل [illegible] صفحے پر جامع [illegible] کی تصویر [illegible] سے [illegible] تاریخ [illegible] میں سے [illegible] صفحہ پر [illegible] فضت محصورین [illegible] [illegible] محمود [illegible]
اہلال کی دو صفحے پر تصریحات۔

۳۰ اپریل جنیا کا میدان [illegible]۔ علامہ شبلی نعمانی اور مسئلہ الندوہ طویل مقالہ، اداریہ فضت محصورین محاصرۂ قرین جنہ قسط ۲۔ مذاکرہ علمیہ قطب جنوبی ڈکٹرلی [illegible] اور موجودہ ہندوستان مختلف علمی مراسلات۔ نیاز فتحپوری [illegible] مسلمان لیڈروں کی خدمت میں کھلی چٹھی۔ عالم اسلامی

کی خبریں۔

۷ مئی صفحۂ اول پر مسجد قرطاجنہ کی تصویر مولانا شبلی نعمانی اور مسلم الندوہ۔ جنگ کے احوال پر شذرات۔ "آہ کاش مجھے وہ صور قیامت ملتا" کا معرکہ آرا مقالہ۔ اداریہ [illegible] واقعات و نتائج گزشتہ شمارے کے مستقل عنوانوں کے باقیات، شئون عثمانیہ، رضاعی دشت کے علاوہ ٹیگ پر گمنام شاعر کے چار شعر، علمی مراسلات۔ علامہ شبلی پر بے جا الزامات کا رد۔

۱۴ مئی صفحۂ اول پر جامع سلانیک کے منبر کی تصویر۔ مولانا شبلی اور الندوہ کی تیسری قسط انصار اللہ کا قرطاس رکنیت۔ اداریہ بعنوان [illegible] شئون عثمانیہ [illegible] اصحاب اسلامی استغراق، اخبار و کوائف، تصاویر۔

۲۱ مئی [illegible] کی تصویر [illegible] کے مہاجروں [illegible] کی حالت، [illegible] حیات بعد الموت [illegible] مراسلات، [illegible] شئون عثمانیہ دفاع و سقوط [illegible] علمی مراسلات۔

۲۸ مئی [illegible] کی تصویر [illegible] کی [illegible] مولانا [illegible] سے جریدہ [illegible] حکومت سے خارجے کا نوحہ۔ جنگ بلقان کے نتائج پر اداریہ [illegible] باب عالی کے [illegible] انگریز افسروں کے [illegible] دولت عثمانیہ کے بارے میں الہلال کی طرز روش سے متعلق [illegible] معروضات۔ علاوہ [illegible] حزب اللہ [illegible] سلسلے کے بعض علمی [illegible] اہم مباحث پر خطوط۔

۴ جون صفحۂ اول پر شفاخانہ ہلال احمر کی تصویر۔ مسلمانان ہند اور انگریزی حکومت کی حکمت عملی پر اداریہ۔ بنو امیہ اور ابدال پر مقالہ خاص۔ [illegible] ملتان [illegible] خانماں مہاجرین کا تذکرہ۔ شذرات بعنوان من انصاری الی اللہ، اعانۂ مہاجرین عثمانیہ وغیرہ۔ مراسلات کے تحت کیا یورپ سے اسلام کی حکومت

ست جایگی (دو صفحے کا مقالہ)

۱۱ جون صفو ق شاید کی یہودی اور اس کے معروض کی تصویر۔ اس مقصد میں ایک خاص مقالہ خواجہ غلام الثقلین کے قلم سے سند صدیر ہے۔ شذرات کے عنوان سے کانپور کی مسجد کے ہندم پر طویل مقالہ ہے۔ حلق و آداب میں مولوی اشرف ذاکر و علمہ کا مقالہ ہے۔ مذہب و سیاست کے زیر عنوان علامہ شبلی نعمانی کی طویل نظم ہے۔ مراکش کے ایک تاراج سدہ بازار کی تصویر مع مضمون اور عہد فرانس کی مدد ہے۔ کارزار طرابلس، نتائج وغیرہ اور دوسرے احوال و وقائع۔

۸ جون شذرات کے تحت [illegible] شہید [illegible] اور محمود توسیت پرستان [illegible] کے ست [illegible] مسجد [illegible] مشہور مضمون [illegible] مختلف مراسلات۔

۲۵ جون دو [illegible] میں پیش آمدہ حالات پر تبصرہ حزب اللہ کے اغراض و مقاصد کا اعلان [illegible] کی دوسری قسط۔ احرار اسد [illegible] کے زیر عنوان [illegible] میدان جنگ کا خبرنامہ [illegible] مختلف [illegible]

۲ جولائی افتتاحیہ عربی میں عنوان [illegible] حزب اللہ کے [illegible] و مقاصد [illegible] زیر عنوان نظام حکومت اسلامیہ پر [illegible] تین صفحے کا مقالہ، شئون عثمانیہ وقائع دکرالفت۔

۹ جولائی عثمانی فوج کی جنگی تصویریں۔ مولانا [illegible] کے سوری جانے کی اطلاع۔ مسجد کانپور کے المیے پر ادارتیہ، مسجد کانپور کے سانحہ پر تبصرہ [illegible] حزب اللہ کے [illegible] و مقاصد کی تیسری قسط [illegible] کی تیسری [illegible] واقعات پر [illegible] شئون عثمانیہ [illegible] بلقان نظام حکومت اسلامیہ (۲)، مغرب اقصیٰ اور دوسرے مضامین۔

۱۶ جولائی ڈاکٹر انصاری کی ترکی سے واپسی۔ مولانا محمد علی کے روزنامہ ہمدرد کا خیر مقدم۔ بنیائے کرام کے اسوۂ حسنہ کے زیر عنوان اسوہ نوحی وادریسی، علم الانسان پر مقالہ۔ مدنیت فرنگ کی داستان استبداد الجزائر سے ایک مظلوم کا خط۔ نظام حکومت اسلامیہ کی تیسری قسط۔ علامہ شبلی کی نظم، شئون عثمانیہ، مسئلہ شرقیہ

انگلستان، ترکی اور ہندوستان۔ مراسلہ لبنان۔ حلقۂ کرب یا شذرات از عبدالماجد دریابادی۔ عراق کی تقدیر۔

۲۳ر جولائی صفحۂ اوّل کی تصویر میں یک ترک کے سر پر ایک بلغاری صلیب بنا رہا ہے۔ تیجز اور نہ پر شذرات کے تحت طویل معلوماتی مقالہ۔ مقالات کے تحت مصر، یونان اور ترکی کی رفتار سیاست وقائق و حقائق کے تحت تفسیری سلسلہ۔ مذاکرۂ علمیہ میں فلسفۂ تشکیک۔ مراسلات میں حادثۂ مسجد کانپور کی مسئولیت از محمود احمد عباسی۔ تہ میں مہاجرین عثمانیہ کے زر اعانہ کی تحقیقی فہرست اور مطائبات۔

۳۰ر جولائی صفحۂ اوّل پر رئیس سید حمید پاشا کی تصویر۔ شذرات کے تحت دو یورپ کی کامرانی۔ حزب اللہ کے اغراض و مقاصد۔ چوتھی قسط فلسفۂ حیات و موت۔ [illegible] آدمی [illegible] وقائع [illegible]

۶ر اگست [illegible] اس نے اصرار مراکش سے طنجہ میں کیا سلوک کیا۔ [illegible] [illegible] مصر اور قبرص سے [illegible] [illegible] قطع و برید [illegible] کی خبریں [illegible] [illegible] جامع مسجد [illegible]

۲۰ر اگست صفحۂ اوّل [illegible] مسلمان [illegible] علی احمد [illegible] زیارت سے تعزیت [illegible] حلقۂ کرب یا شذرات [illegible] اور سی موضوع پر بعض دوسرے [illegible] مسجد کانپور کے متعلق [illegible] بعض مخصوص علمی مباحث بعنوان مذاکرۂ علمیہ، شذرات کے تحت یورپ کیوں خاموش ہے۔ [illegible]

[illegible]

۲۷ر اگست [illegible] کی مسوری سے واپسی۔ مسٹر [illegible] لکھنؤ کے ملک سے صفحۂ اوّل پر مستقل [illegible] وہ مطبوعہ ہیں۔ انھوں نے سیم پانی پتی کو ڈپٹی کمشنر لکھنؤ کی ہدایت پر ایڈیٹری سے الگ کیا ہے۔ پورے صفحے پر سازش کنندگان انقلاب عثمانی کی شخصی تصویریں۔ مسجد کانپور کے حادثے پر [illegible]۔ عربی زبان اور علمی اصطلاحات پر سید سلیمان ندوی کا مضمون۔ لبھی یک علمی و سیاسی مراسلات۔ مرید فرنگ۔

۳، ۱۰ر ستمبر صفحۂ اول پر شوکت پاشا کے جنازے کی تصویر۔ مسجد کانپور کے حادثے پر مشہد اکبر خیرآبادی

کے عنوان سے اداریہ۔ شہدائے مسجد کانپور کے سلسلہ میں لکھنؤ کے جلسے کی روداد۔ سرکاری عمّال کو مولانا ابوالکلام آزاد کا اس قدر خوف تھا کہ انہوں نے صوبائی گورنر سے احکام لے کر جلسے کا انعقاد روک دیا۔ عربی زبان و علمی اصطلاحات و مذاکرہ علمیہ، بعض اہم مسائل کا خلاصہ، خبر نامے، مقالات، شذرات، تاریخ اسلام کا ایک غیر معروف صفحہ۔ حبش میں ایک اسلامی حکومت، اداریہ نمبر ۲، قرآن کریم اور اصطلاح لفظ کفار، فکاہات کے زیر عنوان ۳ نظمیں

۱۷ ستمبر مسجد کانپور کی مجلس دفاع کے عہدے داروں کا اعلان۔ صدر۔ مولانا [illegible] سید [illegible] موہانی [illegible] فضل حق [illegible] پریذیڈنٹ [illegible] خزانچی مسٹر [illegible] رسول بیرسٹر۔ شذرات [illegible] بعنوان [illegible] مسجد کانپور [illegible] اسلامی حکومت [illegible] خاتون [illegible] مکاتیب [illegible] الہلال [illegible] کا [illegible] مراسلات [illegible] مختصر مضامین۔

۲۴ ستمبر صفحہ اول پر مسجد مقدس کانپور کی تصویر، پہلا مضمون الہلال پریس سے دوبارہ [illegible] [illegible] سیاست [illegible] اداریہ پہلی قسط مسجد کانپور کے حادثے پر دو تصویریں [illegible] ایک تصویر [illegible] ہے جس میں مسجد کے حجرہ میں تیرہ ستمبر کو گرفتار کیا گیا۔ دوسری صفحہ اول کی تصویر ہے۔ اخبار [illegible] کے تحت [illegible] حکومت [illegible] کی بحث۔ وقائع و حقائق کے تحت [illegible] کا آغاز۔ مولانا شبلی [illegible] حسرت موہانی کے قلم سے حزب اللہ پر ایک طویل مراسلہ۔ خطوط و مکاتیب۔

یکم اکتوبر صفحہ اول پر [illegible] کا اندرونی منظر۔ اسی سلسلہ کی تصویروں کے دو صفحے، ایک تصویر مسجد کانپور کے صحن پر خون کے دھبوں کی ہے۔ دوسری مسجد کے سلسلے میں قید ہونے والوں کے اس بارے میں مراسلات و مقالات۔ شذرات کے تحت مسٹر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ کی روداد۔ مسجد کانپور کے سلسلے میں بعض واقعات کی تصدیق و توضیح۔ الہلال کی ضمانت پر ساڑھے تین صفحے کا اداریہ۔ علامہ شبلی نعمانی کی نظم اور خط و کتابت پر دو صفحے کی بحث۔ رفتار سیاست۔ الہلال پریس کی ضمانت کا اداریہ۔

۸ اکتوبر صفحہ اول پر بیس بچوں کی تصویر جنہیں مسجد کانپور کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا۔ اس کے علاوہ دو صفحوں پر چار تصویریں۔ ایک تصویر مسجد کے محراب کی ہے۔ جس پر خون کے چھینٹے نظر

آرہے ہیں دوسری منہدم کی ہوئی دیوار کی ہے۔ شذرات میں سرکاری مسلمانوں کی وفادارسیرت کا اجمالی تجزیہ۔ مجلس وفاع مطابع وجرائد کی روداد کے علاوہ افکار وحوادث، مسلم گزٹ لکھنؤ کی داستان اور اسلام میں مسجد کی دینی اہمیت (اداریہ)۔ احرار قوم کے عنوان سے مولانا شبلی نعمانی کی نظم ہے۔ دعوت الہلال پر بیعت سے مراسلات گزشتہ سلسلہ وابستہ مضامین کے باقیات۔

۱۵ اکتوبر گزشتہ مباحث ومسائل کے علاوہ قصص القرآن کی دوسری قسط، دیگر گزشتہ سے پیوستہ۔ مذکرہ علمیہ کے تحت عربی زبان اور علمی اصطلاحات۔ فتنہ عثمان پر ایک طویل اداریہ، صفحہ اول پر ایک آٹھ سالہ بچی کی تصویر جو مسجد کانپور کے سانحہ میں زخمی ہوگئی۔ حادثہ مسجد کانپور، کلکتہ کے جلسہ منعقدہ ۲ ستمبر کی روداد۔ علامہ شبلی کی نظم ہماری گردنوں پر ہے، کے عنوان سے نظم، سانحہ مسجد کانپور۔

۲۲ اکتوبر حادثہ مسجد کانپور کے سلسلے میں پروفیسر شبلی پر کئی ہیروز کی تصویر، شذرات کے تحت یہ عنوان مسجد کانپور کے سلسلے میں عنوان گزشتہ ہی کی واپسی وحشت کا مضمون۔ ۲ جولائی ۱۹۱۳ء سے ۱۴ اکتوبر تک کی سرگزشت۔ لارڈ ہارڈنگ وائسرائے ہند کے اعلان کا خیر مقدم۔ اس کے علاوہ اخبار سیاست، افکار وحوادث، تذکرہ علمیہ، اسلام میں مساجد کی حیثیت دینی۔ شئون مصریہ عالم اسلامی، بریدِ فرنگ، فن مکالمت، عبدالماجد دریا بادی کا سلسلہ خط وکتابت خط در جواب الہلال کا جواب۔

۲۹ اکتوبر پورے صفحے پر لارڈ ہارڈنگ کی تصویر۔ کانپور کے سلسلے میں ۱۶ اکتوبر کے جلسے کی روداد۔ مولانا آزاد کی تقریر کے دو حصے، شذرات کے تحت گرفتار شدہ امن کی واپسی بسلسلہ مسجد کانپور، رفتار سیاست اور افکار وحوادث وغیرہ کے مستقل عنوان، اسلام میں مساجد کی حیثیت (اداریہ)، آئرلینڈ ہوم رول کی دوسری قسط۔ فن مکالمت کے مضمون کا دوسرا حصہ۔ نظام دکن کی جانب سے علامہ شبلی نعمانی کے ماہانہ وظیفے میں دو سو روپے کا اضافہ۔ مجلس دفاع مطابع وجرائد سے متعلق بشیر قدوائی بیرسٹر کا مراسلہ۔ شبلی نعمانی اور ظفر علی خاں کی نظمیں۔ الہلال اور پریس ایکٹ سے متعلق خطوط۔

۵ نومبر صفحہ اول پر مجلس دفاع ملی قسطنطنیہ کے اجلاس کی تصویر۔ شروع میں مسجد کانپور سے متعلق ۱۶ اکتوبر کے جلسے کی روداد کا دوسرا حصہ۔ سید سلیمان ندوی کی تقریر۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب کی تقریریں۔ علامہ شبلی نعمانی، نیاز فتحپوری اور وحشت کی نظمیں، افکار وحوادث، گزشتہ سے پیوستہ مضامین، اداریہ برید فرنگ، مسئلہ عثمان، مسجد کانپور کی مصالحت کے خطوط، مطبوعات جدیدہ پر تبصرہ، حکومت بلغاریہ اور دولت

عثمانیہ میں شروط صلح۔

۱۲ نومبر یوم الیچ اور حزب اللہ کے عنوان سے ایک طویل مقالہ، سنی کی تصویر کے نیچے معرکہ آرا طویل تحریری خطبہ، سیرتِ نبوی پر ایک نہایت مفید مقالہ، قتل نفس سے متعلق قرآن پاک کے احکام، داخلی امور اور خارجی واقعات کی تخمیصات۔ صفحہ اول پر سلطان تیمور دانی عثمان کی تصویر، مسجد کانپور کے بارے میں نقد و نظر پر مشتمل بعض خطوط، اخبار و حوادث، شئون عثمانیہ، برید فرنگ، متفرقات تصاویر۔

۲۶ نومبر جنوبی افریقہ پر معلوماتی مقالہ اور [illegible] تاریخِ اسلام کی تجربات، قتل سود بعد از جنگ، جنگ مقدس [illegible] تعلق [illegible] کے زیرعنوان مقالات، برید فرنگ، شئون عثمانیہ۔

۳ دسمبر [illegible] کی تصویر [illegible] جو جنوبی افریقہ کے [illegible] کی [illegible] برس سے قیادت کر رہے ہیں۔ پورے شمارے میں جنوبی افریقہ کا خیر مقدم [illegible] میں اندرونی [illegible] چھپے ہوئے ہیں۔ شذرات کے تحت بعنوان [illegible] کی طباعت پر [illegible] خیال۔ ایک دوسرا مضمون [illegible] کے عنوان سے جو دھیانی مسلمانوں کی اس روش پر لکھا گیا ہے۔ انہوں نے اس مجلس میں [illegible] چھوڑ دی کہ [illegible] نے قربانی کی نسبت لکھ دیا تھا [illegible] قربانی سنت ہے۔ یہ مضمون غایت درجہ دلچسپ ہے۔ ایک دوسری تصویر [illegible] اس زمانے میں انہیں ایک لاکھ بیس ہزار کا نوبل پرائز دیا گیا تھا۔ حزب اللہ پر تبصرے کی آخری قسط ہے۔ اس کے علاوہ باقی مضامین مسلسل مندرجات کی اقساط ہیں۔

۱۰ دسمبر ابتدا جنوبی افریقہ کے احوال و کوائف کا صفحہ، عشرہ محرم الحرام پر طویل مقالہ، انڈین نیشنل کانگرس کراچی کے اجلاس پر تنقیدی تبصرہ، محمڈن ایجوکیشنل کانگرس آگرہ کے اجلاس پر [illegible] تبصرہ۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرس علی گڑھ کے خبرنامے کا جائزہ۔ مسلم لیگ کے زیرعنوان ایک صفحے کا مضمون، آخری فقرہ ہے کب تک بد بخت مسلمانوں کا پالیٹکس سر آغاخان یا سید امیر علی کے دست بدست کا نام ہوگا: مسئلہ شرقیہ، شئون عثمانیہ اور برید فرنگ کے علاوہ جنگ عظیم کے عنوان سے مولانا شبلی کی نظم ہے۔ تنازع البقا پر ایک پر مغز مقالہ، مذاکرہ علمیہ کے تحت مذہب شوہر رضاعی [illegible] ایک دلچسپ صفحات کا مضمون

پہلا مضمون جنوبی افریقہ پر۔ آخر میں ہفتہ کے عنوان سے شذرات کے تحت روداد الہلال

۱۷ دسمبر بعض دوسرے وقتی مسائل پر قلم کی نوک جھونک۔ اداریہ کے تحت یونان اور ترکی کے صلح نامے کا متن اور اس پر تبصرہ۔ مذکرات علمیہ میں مذہب نشو و ارتقا پر ڈاکٹر رسل ویلس کے مضمون کا ترجمہ (قسط دوم) ایک صفحہ اصطلاحات علمیہ کا۔ آخر میں البصائر کے تحت اورہ سیرت نبوی پر حکیم غلام غوث سکنہ بہاولپور کا مضمون۔ علمی اصطلاحات آئرلینڈ ہوم رول بل۔

البلاغ

۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء

۱۲ نومبر [illegible] قرآن پاک کے ترجمے کا اعلان [illegible] زیر مضمون [illegible] مہینے میں دو بار اشاعت کا اعلان ضخامت دوگنی قیمت [illegible]۔ [illegible] پانچ صفحے۔ [illegible] صفحے [illegible] کے تحت جنگ کا اثر اخلاق پر [illegible] آثار عتیقہ بیجاپور [illegible] اسلامی عمارت [illegible] کے علاوہ البیان فی مقاصد القرآن کی اشاعت کا اعلان۔

۲۶ نومبر [illegible] کا تذکرہ [illegible] البلاغ [illegible] صفحے، شہادت حسین علیہ السلام پر [illegible] تقریر، حادثہ محرم کربلا [illegible] اسلام اور فلسفہ احتساب، سلسلہ تفسیر کے علاوہ مولانا حسرت موہانی کی غزل سے

سب ہو گئے چپ بس ایک حسرت
گویا ہیں ابو الکلام آزاد

تاریخ کے تحت مسلسل تذکرہ طوفان نوح، آثار عتیقہ بیجاپور، غزوات اسلامیہ اور تجارت۔ بصائر و حکم کے تحت جنگ کا اثر اخلاق پر (دوسری قسط)

۱۰ دسمبر عہد انتظار کے تحت سرگزشت اجلال احرار اسلام کے تحت تفسیر سورہ فاتحہ کا صفحہ بصائر و حکم

کے تحت "جنگ و صلح" تاریخ امّت مسلمہ (تیسری قسط)، اسیرانِ جنگ (مقالہ)۔

۱۷ دسمبر | عہد اقتدار و انتشار کی دوسری قسط۔ اسیرانِ جنگ کی دوسری قسط۔ مولانا شبلی کی حیاتِ علمی و ادبی پر ایک سرسری نظر۔ مولانا کی ایک تقریر فلسفۂ اجتماع و جنگ۔ تاریخ امّت مسلمہ (چوتھی قسط) الحریت فی الاسلام۔ تاریخ معتزلہ کا ایک صفحہ۔ فلسفۂ اجتماع اور جنگ (خط اوّل)، مراسلات۔

۱۴ جنوری | اسلامک کے ماہانہ شائع ہونے کا اعلان۔ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ ربیع [illegible] اور مطالعہ علم النفس۔ [illegible] سود محمدی۔ حکومت شوریٰ [illegible] تاریخ [illegible] کا ایک ورق [illegible] کا فرض۔ مولانا کا [illegible] آفتاب [illegible] کے نام خط اور اس کا جواب۔ الحرب فی الاسلام۔

۲۸ جنوری و ۴ فروری | [illegible] القرآن۔ [illegible] ہارون الرشید کے دربار [illegible] متعلق قرآن۔ [illegible] عسکریہ [illegible] قرآن حکیم۔ الحرب فی الاسلام۔ [illegible] بیت یافتگان عہد نبوت کا اسوۂ حسنہ۔

۱۱ فروری | اسلام اور سوشلزم۔ سید سلیمان ندوی کا طویل مقالہ (دعوۃ الی القرآن)، مسدس متعلق قرآن سے متعلق [illegible] کی [illegible] احتساب در اسلام۔ اسلام اور تربیت عسکری۔ باب التفسیر، یہ بیدِ فرنگ۔

۱۸ فروری | [illegible] و حوادث۔ مجوزہ شیعہ کالج [illegible] اللہ علیہ [illegible] فرنگ [illegible] متعلق قرآن [illegible] باب تفسیر [illegible] معاشرت اور اسلام [illegible] سید سلیمان ندوی، افکار و حوادث۔

۲۵ فروری | مجوزہ شیعہ کالج۔ اختلاف اور وجوہِ اختلاف (چار شخصوں کا مضمون)، شئون اسلامیہ کے تحت عراق و ریاست مشرق۔ تفسیر سورۂ والتین، باب تفسیر سلمان فارسی کا اسوۂ حسنہ (از عبد السلام ندوی)، مطبوعات جدیدہ۔

۱۰ مارچ | مجوزہ شیعہ کالج سے متعلق آخری قسط۔ افسانۂ ہجر و وصال، باب التفسیر (الحق والباطل)، مذاکرہ علمیہ اختلاف صور و نوع۔ خاطر فی الاسلام۔ شئون اسلامیہ مجامع ازہر (از سید سلیمان ندوی)، گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۱۷، ۲۴ مارچ گورنمنٹ بنگال کے حکم جلا وطنی پر اظہار خیال۔ افکار و حوادث۔ مذاکرہ علمیہ۔ مدارس اسلامیہ افسانۂ ذلت یا مسلم یونیورسٹی۔ مرزا غالب کا غیر مطبوعہ قصیدہ در تہنیت والی رام پور۔ باب التفسیر گزشتہ سے پیوستہ مضامین (البلاغ کے تمام شماروں کے صفحہ اوّل پر ترجمان القرآن کا اشتہار برابر التزام چھپتا رہا)

الہلال سنہ ۱۹۱۴ء

۷، ۱۴ جنوری صفحہ اوّل پر بیگم صاحبہ بھوپال کی تصویر۔ جو تھی ششماہی کا پہلا اردو افتتاحیہ۔ آگرہ کی مختصر تاریخ مع تصاویر۔ بیگم بھوپال پر مقالہ۔ افکار و حوادث۔ انتخاب اساتذہ۔ مذاکرہ علمیہ، اتحاد شیعہ و اہل سنت۔ زیر وظیفہ مدارس میں طلبہ کی حالت۔ گلستان میں تبلیغ اسلام اور مکتوب آستانہ علیہ۔ بستر مرگ پر ایک شعر و داعی۔ ابراہیم رحمت اللہ کا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں صدارتی خطبہ۔

۲۱ جنوری صفحہ اوّل پر شاہجہاں کی تصویر۔ آثار ہند کے عنوان سے صفحہ اوّل کی تصویر کے علاوہ ممتاز محل اور تاج محل کی تصویر۔ جنوبی افریقہ کے احوال ہند کی انتظامی حکومت پر تین صفحہ کا اداریہ اور ... کی خدمات کا اعتراف۔ شمارہ اوّل کے اداریہ کی دوسری قسط۔ ندوۃ العلماء (قسط اوّل)۔ مسقط سے مراسلات۔ تذکرہ ... شئون عثمانیہ۔ ... ابراہیم رحمت اللہ کی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں صدارتی تقریر کا دوسرا حصہ۔

۲۸ جنوری جنوبی افریقہ کے حوادث و کوائف۔ حادثہ زمیندار پریس (ضبطی) ۳۱ صفحہ۔ ندوۃ العلماء (قسط نمبر ۲)۔ مسقط (قسط نمبر ۲) مراسلات۔ آخری حیات عثمانیہ۔ جغرافیائی معلومات۔ شیخ الاسلام نیپال کی تصویر۔ مذاکرہ علمیہ (آثار عرب)۔ بہ مید فرنگ مراسلات۔ سید جمال الدین افغانی اور حضرت مفتی محمد عبدہٗ کی تصاویر۔

۴ فروری صفحہ اوّل پر سر ابراہیم رحمت اللہ کی تصویر۔ تذکرہ، اسلامی خبروں کا خلاصہ۔ افکار و حوادث۔ دعوت الی الحق و داعی الی الحق (اداریہ)۔ ندوۃ العلماء (قسط نمبر ۳)۔ ۱۹۱۵ء کی مؤتمر اسلام۔ شئون عثمانیہ۔ مذاکرہ علمیہ (آثار عرب)۔ آثار عتیقہ۔ بابل سے متعلق مقالہ مع تصاویر۔ ابراہیم رحمت اللہ

کی صدارتی تقریر (تیسری قسط)

۱۱ فروری اہم عالمی خبروں کا خلاصہ۔ زمیندار پریس کی ضبطی پر برٹش پارلیمنٹ کے بعض ارکان کی ہمدردی، مولانا ظفر علی خاں لندن میں۔ ۱۹۱۰ء کی موتمر سنن ندوۃ العلماء (قسط ۴)، علوم القرآن از سید سلیمان ندوی، مذاکرۂ علمیہ (آثار عرب)، رمض مقدس۔ اتحاد شیعہ و سنی۔ معارف ترکیہ۔ شئون عثمانیہ۔ جرمنی جنگی شپ۔ کارزار طرابلس متعلقہ اور دختر جنگ کے اسباب۔ اخوان الصفا دار المصنفین کی اسکیم کے متعلق مولانا شبلی کے خیالات، عالمی خبروں کا [illegible]

۱۸ فروری نگار و حوادث، زمیندار پریس کی ضبطی پر، مذاکرۂ علمیہ، آثار عرب کا [illegible] شئون عثمانیہ [illegible] کی تصویر، علوم القرآن [illegible]

۲۵ فروری [illegible] خبروں کا خلاصہ [illegible] مذاکرۂ علمیہ [illegible] علوم القرآن۔ [illegible] شئون عثمانیہ۔ [illegible] آثار عتیقہ ندوہ [illegible] مراسلات [illegible] سلطنت [illegible] ہوگا،

۴، ۱۱ مارچ ندوہ کے طلبہ کی اسٹرائک۔ مسجد [illegible] کا حادثہ [illegible] (قسط نمبر ۵) شہنشاہ [illegible] ہوگئی، آثار عتیقہ [illegible] مذاکرۂ علمیہ، ایام کی حقیقت [illegible] اسلامی حقیقت الصلوۃ [illegible] فیاض کے نتیجے اسلام کا مراسلہ۔

۱۸ مارچ ندوہ کے طلبہ کی اسٹرائک [illegible] تحریک کی ابتدائی تخریب، مسئلہ قیام البلاد [illegible] ندوۃ العلماء (قسط ۶)، حقیقۃ الصلوۃ۔ آثار عتیقہ گزشتہ سے پیوستہ، عالم اسلامی، مراسلات مکتوب لندن۔

۲۵ مارچ کلکتے کی ایک مسجد کی تصویر اور اس پر ایک نوٹ کہ اس مسجد کو دیگر مساجد و مقابر کے ساتھ پولیس کمشنر کلکتہ نے خرید لیا اور خطرہ میں ہے۔ دارالعلوم ندوہ کی سٹرائک کا مسئلہ۔ قیام البلدن کا آخری فیصلہ (دو ہزار خریداروں کے حصول کی خواہش)، ندوۃ العلماء (قسط نمبر ۷)، حقیقۃ الصلوۃ۔ کارزار طرابلس۔ شئون عثمانیہ، مراسلات مذاکرہ علمیہ، ندوۃ العلماء کے متعلق خطوط (تین صفحے) گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔ تبصرہ کتب۔

یکم اپریل | دہلی ڈیپوٹیشن رمقالہ، لشکر پور کی مسجد کا مسئلہ۔ ندوۃ العلماء شئون عثمانیہ۔ کانفرنس طرابلس، شیخ سنوسی و طریقۂ سنوسیہ۔ ہوائی جنگ۔ آثار عتیقہ مصر، مراسلات۔

۸ اپریل | چین کے دار الحکومت پیکن میں مکتب رشیدیہ کی تاسیس و تصویر۔ مسئلہ بقا و اصلاح ندوہ، نظامت ندوۃ العلماء۔ مذاکرۂ علمیہ۔ ابتدائی تعلیم المشرق الاقصٰی اور دعوت اسلام۔ شیخ سنوسی اور طریقۂ سنوسیہ۔ اشتمالی افریقہ کا سر مخفی المشرق الاقصٰی و دعوت اسلام۔ مراسلات۔

۱۵ اپریل | ندوۃ العلماء کے متعلق [illegible] کے [illegible] پرچہ میں ندوہ کے متعلق مختلف مضامین۔ نفس انسانی [illegible] اور حیات اسلامی [illegible] [illegible] سنوسی [illegible] تصویر [illegible]۔

۲۹ اپریل | ندوہ سے متعلق [illegible] سے مختلف مضمون۔ عالم اسلامی کے تحت [illegible] [illegible] تعلیم سے متعلق [illegible] مراسلات۔

۶ مئی | ندوہ [illegible] متعلق [illegible] تصاویر [illegible] سنوسی [illegible] سنوسیہ [illegible] علمیہ [illegible] الحریت فی الاسلام۔

۱۳، ۲۰ مئی | مسئلہ قیام الہلال [illegible] کو منتقل ہوا۔ اس پر متعدد مکتوب [illegible] مساجد [illegible] واقعہ ابلاد، انکار حدیث و متعلمین متفرقین مکتوب آستانہ عالیہ الحریت فی الاسلام۔ مسئلہ [illegible] بقا ندوہ۔ [illegible] کے جلسے کی روداد [illegible] بلقان کے بعد مسئلہ [illegible] آثار عتیقہ مصر، فلسطین و عراق کے [illegible] مسئلہ قیام الہلال [illegible] مراسلات۔ مختلف کوائف و وقائع۔

۲۷ مئی | مسئلہ قیام الہلال۔ اسد پاشا کی البانیہ میں گرفتاری اور جلاوطنی۔ البانیہ میں مسلمانوں پر مظالم۔ مسئلہ مساجد و قبور شکرپور مع تصاویر۔ مذاکرہ علمیہ حدیث، تفسیر اور سیرت کی ایک مشترک بحث۔ مسئلہ بقا و اصلاح ندوہ، تاریخ الکیمیا۔ برید فرنگ۔ سٹرکا معرکہ۔

۳ جون | مسلمانان ہند اور دولت عثمانیہ کی جنگی اعانت کے زیر عنوان "ہندو پیٹریٹ" کے جواب میں

ادارید۔ مسئلہ مساجد وقبور لشکر پور، حدیث، تفسیر اور سیرت گزشتہ سے پیوستہ۔ فلسفہ ابدیات کا ایک سرسری مطالعہ، ترکی در تعلیم وحریت نسواں، ایک ایڈیٹر اور وزیر فرانس کی نزاع (روزنامہ فگارو پیرس کے ایڈیٹر کو فرانس کے وزیر مال کی بیوی نے اس کے دفتر میں جاکر ریوالور سے ہلاک کردیا تھا) برید فرنگ کے تحت اس سانحے کی باتصویر روداد۔ علمی خبریں۔

۱۰ جون الاسبوع کے عنوان سے عالمی خبروں کی تلخیصات۔ لشکر پور کی مساجد ومعابد کے سلسلے میں ٹاؤن ہال کا مجوزہ جلسہ۔ ایک یورپین لیڈی اور جنوبی عرب کی سیاست، مذاکرۂ علمیہ۔ [illegible] شئون عثمانیہ۔ مسقط، عمان، یمن، حضرموت کے حالات [illegible]، عالم اسلامی، [illegible] [illegible] کا [illegible] [illegible] علمی خبریں۔

۱۷ جون [illegible] گزشتہ [illegible] [illegible] [illegible] سے متعلق بعض [illegible] ایک غیر مطبوعہ [illegible] ۵۰ صفحے، گزشتہ سے پیوستہ [illegible] عیسائی مذہب، تصویری مقالہ، شئون عثمانیہ، برید فرنگ، علمی خبریں۔

۲۴ جون [illegible] زیر عنوان طویل اداریہ، باب التفسیر کے تحت اختلاف [illegible] [illegible] کے ایک امریکن ایڈیشن پر پونے تین صفحے کا تبصرہ، [illegible] باتصویر [illegible] جہانگیری [illegible] شئون عثمانیہ، برید فرنگ، ۱۰ امئی کا جلسہ دہلی راز حکیم اجمل خان۔

یکم جولائی [illegible] باتصویر [illegible] پرنس سعید حلیم پاشا، [illegible] دولت عثمانیہ کی تصویریں پانچ صفحے کا ادارید، مرزا غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل جو

ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں

نیاز فتح پوری کی نظم التجائے پروانہ، ان الحکم الا للہ خطاءاول۔ زمیندار کی ضمانت اور ضبطی پر چیف کورٹ لاہور کی نامنظوری۔ اختلاف الوان تفسیر، علم نباتات اور حیوانات، رباعیات عمر خیام کے امریکن ایڈیشن پر تبصرہ۔ کنیڈا میں ہندوستانیوں کی حالت زار۔ (باتصویر)، ۱۰ مئی کا جلسہ دہلی بابت ندوہ راز حکیم اجمل خان۔

۸ جولائی کراچی میں عظیم نامی فلم پر مسلمانوں کا اضطراب۔ بابو گنگا پرشاد ایڈیٹر ہندوستان کی رحلت۔ اعلان جماعت حزب اللہ، الہلال کی پانچویں ششماہی، اداریہ، الفاظ القرآن (سید سلیمان ندوی)، عالم نباتات وحیوانات، برید فرنگ (انگلستان کے حقوق طلبوں کی داستان)، اسوۂ حسنہ پورے صفحے کی نظم (شاعر کا نام درج نہیں)، ہوائی ریل۔ مراسلات۔

۱۵ جولائی الاسبوع (مختلف خبریں)، مسئلہ قیام الہلال، دہلی منزل (سواد و صفحے)، مشہد اکبر (مسجد کانپور کی تعمیر جدید) اولیاء اللہ واولیاء الشیطان [illegible] اداریہ تفسیر [illegible] کا ایک باب [illegible] ریڈیم کا [illegible] حادثہ ریڈیم اور اس کے اثرات [illegible] حیوانات [illegible] باب التفسیر

۲۲ جولائی [illegible] مسئلہ قیام [illegible] ندوہ [illegible] مسجد کانپور اولیاء اللہ واولیاء الشیطان [illegible] اسلامیہ [illegible] مکتوبات [illegible] جوش اور [illegible] طبع [illegible] کلام ہے

فقیر غالب مسکیں کا ہے کہیں تکیہ

آزاد [illegible] عثمانیہ کا مستقبل۔ تصویر [illegible] مسجد کانپور [illegible] اسلامیہ ندوہ رمضان مبارک

۲۹ جولائی پر تین صفحے کا مقالہ۔ بخارا میں دعوت [illegible] حزب اللہ مقاصد، لسانیات و اختراع و ترمیم [illegible] الارض [illegible] روح اور اس کا مسکن۔ احتساب اور اسلام حوادث و سوانح۔ الاحتساب فی الاسلام (عبدالسلام ندوی)، وقائع وکوائف۔

۵ اگست جنگ چھڑنے کا [illegible] قرآن۔ احتساب اور اسلام (دوسری قسط)، روح نباتات اور حساس [illegible] (معہ تصاویر) قطب جنوبی کی مہم (معہ تصاویر) ندوہ کا جدید دستور العمل الاحتساب فی الاسلام (قسط ۲) گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۱۲ اگست جنگ کے پیش نظر الہلال کے روزانہ ضمیمہ کی اشاعت۔ ہفتہ جنگ (دو صفحے)، ماہ مقدس۔ لیلۃ القدر، باب التفسیر جبار و حکم۔ گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۱۹-۲۶ اگست جنگ پر الطاقۃ الکبریٰ کے تحت اداریہ۔ تربیت اطفال۔ یورپ کی تاریخ تعصب

پر ایک نظر۔ روح دوراں کا مسکن۔ مذاکرہ علمیہ۔ جرمنی کے بحری قوی کا ایک منظر عمومی۔ باتصویر شریک جنگ ممالک کے سربراہوں کی تصاویر۔ انگلستان کے قوی بحریہ۔ گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۲ ستمبر جرمنی کے ہاتھوں سقوط بلجیم کی تفصیلات، معاصرہ پیرس کے قریب، شذرہ، الحرب فی الاسلام (اداریہ)، بحر شمالی، برطانیہ، جرمنی، فرانس، دولت عثمانیہ، امریکہ، جاپان، اٹلی، آسٹریا کے جنگی جہازوں کا جائزہ اور موازنہ۔ موجودہ فن صحافت اور مقالوں جنگ کی مسابقت، شراب کا اثر حیوانات پر، جرمنی دیوان، ایڈیٹر الہلال مصر کی رحلت، دومار جنگ یورپ مع تصاویر۔

۹ ستمبر سطح [illegible] جنگ کا نقشہ [illegible] تحت [illegible] نقشہ، [illegible] جنگ [illegible] تصاویر پر مشتمل ہے۔

۱۶ ستمبر [illegible] تخمینات مع تصاویر، اداریہ، اعزازات [illegible] مقالات۔

۲۳ ستمبر [illegible] مقالہ، ہفتہ جنگ، [illegible] جنگ کے متعلق [illegible] کی [illegible] متعلق تفصیلات [illegible] حالات آغاز جنگ کا شعلہ اول،

۳۰ ستمبر [illegible] تصاویر [illegible] ہفتہ جنگ [illegible] ہندوستان [illegible] یورپ کا نیا نقشہ جو تیار ہو رہا ہے (مقالہ)، ہیڈ نمبر، مراسلات و مذاکرات

۷ اکتوبر جرمنی [illegible] جرمنی اور برطانیہ کے عسکری سواروں کا تقابل [illegible] تصویریں، چار صفحے، ہفتہ جنگ، ۵ صفحے، ماٹر (خبر رساں ایجنسی) کی تاریخ تاسیس و اشاعت جنگ کی مزید تصویریں، چار صفحے، بحری سرنگیں اور دوسرے جنگی حقائق۔

۱۴ اکتوبر برطانیہ کی جنگی مدد کے ہندوستانی مددگاروں کی تصاویر، چار صفحے، بیگم بھوپال، نواب رامپور، نظام حیدرآباد، مہاراجہ میسور، مہاراجہ بڑودہ، مہاراجہ بیکانیر، مہاراجہ جودھپور، ٹھاکر صاحب

گنڈل، مہاراجہ جے پور، مہاراجہ کوٹہ، مہاراجہ جموں و کشمیر، نواب ٹونک، مہاراجہ دتیا، مہاراجہ پرکوٹی
ں کے علاوہ جرمنی قیدیوں کی کلکتے میں آمد اور دوسری تصویریں۔ سقوط بلجیم۔ کاماگاٹا مارو کے مفروروں کی
گرفتاری کے مقام بج بج کی تصویر۔ شاہ رومانیہ کی وفات۔ ورود مقدس دیوم الحج، پابندی عہد اور اسلام
جنگ کی قوت محرکہ فلسفہ کے تحت "الحرب" تاریخ و جنگ کے متعلق موضوعی خبریں۔ پیشانی کے نیچے
غازی انور پاشا کی تصویر۔ تاریخ و مذاکرہ علمیہ، جرمنی کی ترقی کا راز، علمی مراسلات۔

۲۸ اکتوبر | الہلال کے روایتی سرورق کی تبدیلی آرٹ پیپر، شذرات، جنگ (مقالہ)، مولانا ظفر علی خان کی مراجعت [illegible] کے عنوان سے [illegible] تصویر کے چھ صفحے [illegible] امداد دینے والے [illegible]
دروازوں کی تصاویر، جنگ کے میدان سے مختلف [illegible]
فاتح دہ پیغمبر کا امتیاز (مقالہ) [illegible] علم ادب
جرمنی خاتون کا خط [illegible]

۱۱ نومبر | [illegible] اوراق کا خدمت مقدس میں معاملہ [illegible] ہندوستان اور یورپ
[illegible] کے [illegible] اور جنگ کے اشخاص و وقائع کی تصاویر دیا صفحے شئون اسلامیہ۔

۱۸ نومبر | فاتح افواج کا داخلہ ممالک مفتوحہ [illegible] باب التفسیر [illegible] عنوان [illegible] بجھ بات اسلامیہ [illegible] بنگال در
پانچ صفحے، تصاویر جنگ۔ [illegible] کے عنوان [illegible] شبلی نعمانی کے انتقال کی خبر اور سیاہ حاشیہ
[illegible] تصویر [illegible] شئون اسلامیہ [illegible] خبریں [illegible] الہلال پریس کی ضبطی ضمانت چونکہ
۱۶ نومبر کو دو ہزار کی پہلی ضمانت ضبط کی گئی، اس کے [illegible] کے شمارے بھی ضبط
کیے گئے۔

الہلال سنہ ۱۹۲۷ء

۱۰ جون | ۱۹۲۷ء کا الہلال نصف ٹائپ (نسخ) اور نصف لیتھو (نستعلیق) میں شائع ہونے لگا۔

سرورق کی تصویر ختم کر دی گئی، صرف لفظ 'ہلال' طبع ہوتے لگا۔

اداریہ آغاز، فتوح الشام کی سریانی تاریخ، ذرہ آب کی سرگزشت، تاج کے لیے دو جرمن عورتوں کی مخفی جنگ "حسن وعشق اور تاج وتخت"، اُردونیہ کا تخت شاہی ایک فتنہ گر حسن کے رحم پر، آثار عتیقہ اندلس میں اسلامی تمدن کا آخری نقش قدم، شام کی حرکت استقلالی، دلچسپ اور پُر کیف ہوئے احرار کی تصویریں، ورلڈ شیئرم مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟ مومن اور منکر، ایک دلچسپ مکالمہ، اچھی مجلسیں، بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے، مکتوب انگورہ، مکتوب مصر، فلسطین کی تیغی، خیابی زندگی وغیرہ۔

۲۴ جون اداریہ ہلال کا تیسرا دور، ادبیات کے تحت وحودہ ترکی کا [illegible] مطبوعات جدیدہ کے تحت [illegible] موجود ہے [illegible] تحت [illegible] مجلس [illegible] ۱۳۴۵ھ شام کی حرکت [illegible] سائنسی [illegible] مصر میں [illegible] مکتوب فلسطین [illegible] مکتوب چین، مکتوب فرانس، مکتوب جاپان [illegible] مطبوعات [illegible]۔

یکم، ۸ جولائی [illegible] کے متعلق پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلے پر مولانا کا مفصل بیان [illegible] تحقیق وظہور [illegible] قدیم [illegible] کا [illegible] میزان، فرانس کی اور معرفی کی [illegible] ایک نظر [illegible]، مکتوب قسطنطنیہ، مکتوب عرب [illegible] مکتوب شام، مکتوب مصر، [illegible] مکتوب فرانس [illegible]۔

۱۵ جولائی اردو [illegible] طباعت پر [illegible] ایک انگریزی [illegible] میں [illegible] ہوگئی، وکٹر ہیوگو کے [illegible] محبت اور قربانی کا [illegible] تذکرہ علمیہ [illegible] انسانی عمر کی درازی [illegible] شباب انسانیت موت کے دروازے پر [illegible] مکتوب چین، مکتوب قسطنطنیہ [illegible] کی داستان۔

۲۲ جولائی ازمنہ وسطیٰ میں عربی طباعت، انسانی عمر کی درازی پر ڈاکٹر نوف اور مسٹر چرچل کا مکالمہ، مکتوب لندن، مکتوب فرانس، مکتوب مصر، مکتوب شام، علم آثار مصر، بیرونی الارض کے تحت تیونس اور دوونیہ سے متعلق تاثرات، گزشتہ سے پیوستہ مضامین: انسانیت موت کے دروازے پر، امام حسین، محبت اور قربانی، وکٹر ہیوگو۔

۲۹ جولائی — علم الآثار مصر، انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ، والٹیر، کیا نپولین مسلمان ہوگیا تھا؟ (ایک تاریخی بحث)، پان یورپین تحریک اور امن عالم، تین ہزار سال پہلے کی شاعری، مکتوب امریکہ، مکتوب انگورہ، گزشتہ سے پیوستہ مضامین، انسانیت موت کے دروازے پر، امام حسین، ہجری سنہ کا آغاز (قسط ۲)

۵ اگست — مذاکرۂ علمیہ کے تحت نظریہ ارتقا، گمشدہ حلقہ، ریڈیم، جان ڈارک، روسو، مکتوب شام، انسانیت موت کے دروازے پر، عمرو بن العاص [illegible] کے نسخے، صوبہ کمالی [illegible] کی عجیب و غریب تقریر، مکتوب قسطنطنیہ، میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک صفحہ، ایک فرنسیسی صحافی، تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ، محمد شدہ مذہب [illegible] ، متعلق علمی خبروں کا خلاصہ۔

۱۲ اگست — [illegible] یونانی [illegible] مذاکرۂ علمیہ کے تحت [illegible] کائنات [illegible] انسانیت موت کے دروازے پر [illegible] کے تحت مغرب کے علما اور [illegible] کے بعض [illegible] خطوط [illegible] نوجوان ترکی پر ایک نظر، مکتوب قسطنطنیہ، حجاج بن یوسف، (موت کے دروازے پر)

۱۹ اگست — [illegible] مطبوعات جدیدہ [illegible] اردو ادب [illegible] سات عجائبات عالم، شامی [illegible] الف لیلہ کے دو ترجمے، لیلیٰ و مجنوں، متعلق [illegible] تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ (۲)، مختارات (حاصل مطالعہ)

۲۶ اگست — لیلیٰ و مجنوں (قسط ۲)، [illegible] آبادی، ہندوستان اور حکیم البیرونی، یونانی ادب کے تراجم، گزشتہ سے پیوستہ مضامین، ریاستہائے متحدہ امریکہ، انسانیت موت کے دروازے پر، [illegible] مکتوب [illegible] [illegible] کے عجیب بیانات [illegible] ایک کروڑ پتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟ نپولین پر قاتلانہ حملے، سات عجائبات عالم (۳)، مشتری کا مجسمہ، عالمی احوال و وقائع۔

۲ ستمبر — سات عجائبات عالم (روڈس کا عظیم بت، بابل کے معلق باغ، باب، اہرام مصر)، تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ، مذاکرۂ علمیہ کے تحت [illegible] کا راز، مقرر یا سیاسی مقالہ، سعد زغلول پاشا،

(سوانح و افکار)، تاریخ و عبر (عہد عباسیہ کا ایک صفحہ، الامین اور المامون)، دل کی محبت (گورکی کے ایک افسانے کا ترجمہ (دختر شیرانی کے قلم سے)، پراپیگنڈا (تشریحی مقالہ)، دنیا کا جدید ترین شہر آسٹریلیا کا نیا دارالحکومت غدر ۱۸۵۷ء تصویر کا دوسرا رخ، سعد پاشا زغلول کے اقوال۔

۹ ستمبر مذاکرۂ علمیہ کے تحت قانون توارث جسمانی و معنوی، جمہوریت (انقلاب اور شخصی استبداد)، دنیا کی موجودہ سیاست پر ایک سرسری نظر، علم اور دین، کیا قانون پر نکتہ چینی قانون کی توہین ہے؟ وکٹر ہیوگو کی تقریر، ہندوستان کی تحت پرستی، مشرق و مغرب کا تصادم، [illegible] سے متعلق [illegible] کے اقوال، ایک مصری مفتی کا نتیجہ [illegible] غدر ۱۸۵۷ء تصویر کا دوسرا رخ [illegible] مذہبی تحریریں [illegible] سزائے قتل [illegible] مکتوب [illegible] مقالہ [illegible]۔

۱۶ ستمبر [illegible] مکتوب [illegible] صحیح [illegible] تاسیس، مکتوب [illegible] گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۳۰ ستمبر مذاکرۂ علمیہ کے تحت [illegible] بشر [illegible] اصل [illegible] میں یا عورت میں؟ علم الاجتماع [illegible] مکتوب [illegible] گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۷ اکتوبر علم الاجتماع [illegible] حقیقت [illegible] فرانسیسی سفارت [illegible] مکتوب قسطنطنیہ [illegible] عیسیٰ کا افسانہ، کاہنہ تاریخ اسلام کے مختصر وفیات [illegible] موت کے [illegible] اسلام اور سزائے قتل [illegible] مذہبی تحریریں۔

۱۴ اکتوبر باب تفسیر کے تحت حضرت [illegible] علیہ السلام اور ایک بادشاہ کا مکالمہ، مذاکرۂ علمیہ کے تحت عالم سماوی، تاریخ و عبر کے تحت مسیحیت اور بت پرستی، ترکی حکومت کے اجتماعی و سیاسی تغیرات، مکتوب آستانہ، کاہنہ اسلام کی مختصر وفیات، گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۲۱ اکتوبر علم اور کلیسا کا معرکہ، دنیا کی مشترک اور عام فہم زبان اسپرنٹو، حکومت ترکیہ کے اجتماعی و سیاسی تغیرات (یہ مقالہ باتصویر ہے اس میں ایک تصویر عجیب و غریب ہے کہ سلطان عبدالحمید کے سامنے

وزرا سے حکومت سجدہ کر رہے ہیں، آثار عتیقہ کے تحت شہر قدیم کے احوال، روحانیات کی مجلس، افسانہ، مکتوب حجاز، مدحت پاشا، رسوم و تاریخ و افکار، مکتوب جرمنی، اکابر تاریخ اسلامی کی مختصر وفیات۔

۲۸ اکتوبر حکومت ترکی کے اجتماعی و سیاسی تغیرات، شہر قدیمہ کا انکشاف ۲، بہ مید فرنگ، سفیروں کا استقبال، مذاکرۂ علمیہ کے تحت علوم مادیہ کی ترقی، امیر محمد بن عبد الکریم کی تصویر بعنوان ایک فراموش شدہ عظمت، روح کے موضوع پر ساسائٹی اطبائے مصر کے مباحث۔ مدحت پاشا ۲۱، مکتوب حجاز، نپولین بر دوسر حمد، افسانہ، ادب عہد اموی کی ادبی حیثیت۔

۴ نومبر [illegible] سے مقاصد [illegible] سے [illegible] کا [illegible] ابن بطوطہ کی سیاحت، سوانی مقدماتک [illegible] مدحت پاشا کے [illegible] خطوط [illegible] سے پہلے اور بعد، مذاکرۂ علمیہ کے تحت [illegible] کی موجودہ منزل، گزشتہ سے پیوستہ مضامین۔

۱۱ نومبر [illegible] کے [illegible] جغرافیائی، اقتصادی اور عمرانی لحاظ سے ہندوستان کا [illegible] مستشرقین [illegible] کے مقاصد ۲، یورپ میں ظاہر ہے ایک مشرقی درویش، باب التفسیر، [illegible] مدحت [illegible] مکتوب [illegible] فرانس کا [illegible] ڈرامہ، ابن [illegible] [illegible]

۱۸ نومبر باب [illegible] تفسیر قرآن و قرآنی [illegible] سے مقاصد ۴ مصر اور ترکی کی [illegible] [illegible] عازی مصطفے کمال کا تاریخی خطبہ [illegible] تاریخ کا سب سے بڑا [illegible] مجلس اقوام۔

۲۵ نومبر نپولین [illegible] باب التفسیر [illegible] آثار عتیقہ کے زیر عنوان [illegible] کے تحت [illegible] کا بیان، اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت، مکتوب قسطنطنیہ، ماسپوٹین کی کہانی، پرنس یوسف کی زبانی، برطانوی شہنشاہیت کا تنزل، ماحصل مطالعہ۔

۲ دسمبر نپولین [illegible] کی خانگی زندگی، انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی، باب التفسیر، حجت براہیمی، جدید مذہب [illegible] آثار عتیقہ، فرانس کی نئی اثری دریافت، بریدِ فرنگ، عرب خلفاء

وسلاطین کے مختصر جوابات۔ خواصتوا کے فریقی قبائل، غدر ۱۸۵۷ء (تصویر کا دوسرا رُخ)، مکتوب حجاز، سائنسی خبروں کی تلخیصات۔

۹ دسمبر | جدید مذہب روحی، آخری مملوک سلطان مصر، قدما کی مفقود صنعتیں، مذاکرہ علمیہ، روسی انقلاب کی جوبلی، ترکی کی نسوانی تحریکات، جلیانوالہ باغ کا قتل عام، مکتوب آستانہ، مکتوب مصر، مصر کی سیاسی بیداری، انحاس پاشا کی زبانی، (اسوہ اور سزائے قتل (مولانا ابوالکلام آزاد)

۱۹۲۷ء کا الہلال دور اول کے الہلال و البلاغ کی بہ نسبت زبان کے اعتبار سے سادہ و سلیس تھا۔ اس میں عربی کی بھرمار [illegible] نہیں تھا۔ دور [illegible] کی [illegible] سے لیے جاتے اور ایک عنوان سے [illegible] ۱۹۲۷ء کے [illegible] ہو گیا۔ اس دور کے الہلال میں کئی چیزیں مفقود ہیں۔ مثلاً صفحہ اول [illegible] تصویر [illegible] نیچے ٹائپ [illegible] کے سوال پر حصول آرا کی بحث ۱۵ جولائی سے ۹ دسمبر کے آخری پرچے تک موجود رہی۔

عربی حروف کے حق میں ۲۵، [illegible] کے حق میں ۲۰۲، [illegible] کے حق میں ۱۰ رائیں آئیں۔ پہلے دور میں اداریے [illegible] تھے [illegible] ملک کے وقتی مسائل پر جس سے [illegible] کی [illegible] سیاحت [illegible] کا علم ہو کوئی تحریر نہیں۔ غرض اس دور کے الہلال کی ترتیب و تدوین میں مولانا موجود تو ہیں لیکن ان کے قلم سے کچھ زیادہ مقالے نہیں، البتہ جو مقالات چھپے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ اور قلم ان میں شریک ہیں۔[1]

---

[1] الہلال و البلاغ کے مندرجات کا جائزہ میری ہدایت کے مطابق میری بیٹی صوفیہ سہا نے مرتب کیا ہے۔ جو کچھ الہلال و البلاغ میں چھپتا رہا، جائزہ میں ان مطبوعہ مقالات کے اشارات ہیں۔ مولانا الہلال و البلاغ کے ابتدائی دور میں ایک مقالہ کے لیے کئی سرخیاں قائم کرتے تھے۔ اس جائزہ میں ہر مضمون کی صرف ایک سرخی لی گئی ہے۔ الہلال و البلاغ (دور اول) کے ہر مقالہ میں کئی کئی تصویریں ہوتی تھیں۔ جائزہ میں ان

سب کا حوالہ نہیں اور نہ سب مضامین ہی کا ذکر ہے۔ ممکن ہے بعض مضامین کا حوالہ سہواً رہ گیا ہو۔ اس کے علاوہ وہی مراسلات و مکاتیب الہلال و البلاغ میں راہ پاتے تھے جو کسی علمی، فکری، سیاسی، ادبی، تہذیبی اور تفسیری مسئلے سے متعلق ہوتے یا اُن میں ملی رعایت سے کوئی خبر ہوتی۔ اس جائزے سے صرف عنوانوں کا علم ہوتا ہے۔ مولانا کے قلم کی معجز نگاری اور علم کی بے پایانی کا اندازہ الہلال و البلاغ کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

دعوتِ الہلال کے نتائج

بیسویں صدی کے آغاز [illegible] ہندوستانی [illegible] سرگزشت کا ایک نیا باب تھا۔ اب تک

صورت حال کا نقشہ یہ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں [illegible] ایسٹ انڈیا کمپنی [illegible] مغلوں کی حکومت

۱۸۵۷ء سے مسلمانوں کے [illegible] خونریز [illegible]

[illegible] قیامت کی [illegible] ہندوستانی مسلمانوں [illegible] ۱۸۵۷ء میں بیت گئی اور کئی سال تک مختلف

خطوں میں جاری رہی۔ [illegible] ہو گیا تو علما کے خلاف [illegible] شروع ہوئی [illegible] سرسری کارروائی

کے بعد تختہ دار [illegible] جلا وطن [illegible] کل پانچ

مقدمات چلائے گئے۔ پہلا مقدمہ [illegible] میں [illegible] دوسرا مقدمہ پٹنہ ۱۸۶۵ء

میں [illegible] مولانا [illegible] تھے۔ تیسرا مقدمہ [illegible] کے ملزم مولانا امیر الدین

تھے۔ چوتھا مقدمہ راج محل [illegible] پر مشتمل [illegible] کے ملزم ابراہیم

منڈل تھے۔ پانچواں مقدمہ پٹنہ میں [illegible] کل سات ملزم تھے۔ [illegible] سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے باقیات،

جماعت مجاہدین کے نام سے سرحد کے قبائلی علاقے میں تھے۔ انگریزوں نے بنگال سے بہار تک محض

شبہ کی بنا پر [illegible] کے حقیقی و فرضی [illegible] کو چن چن کے اپنے بہیمانہ تشدد کی بھینٹ چڑھا دیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء میں جنگ امیلہ انگریزی استبداد کی خون آشامیوں کا نقطہ عروج تھا جس

میں جماعت مجاہدین کا قلع قمع کیا گیا۔

ادھر ہندوستان سے افغانستان کے خلاف برطانوی استبداد کی مہمیں بھی مسلمانوں کو مغلوب کرنے

ہی کا حصہ تھیں۔ ۱۸۷۸–۷۹ء کی جنگ میں امیر محمد یعقوب تاج و تخت سے محروم ہوئے اور ہندوستان

میں نظر بند کئے گئے۔ ان کی باقی عمر ڈیرہ دون میں گزری۔ ان کا بھائی سردار محمد ایوب ابتداً لاہور میں رہا پھر راولپنڈی میں۔ وفات پاگیا تو پشاور میں دفن ہوا۔

ان کی جلاوطنی پر حکومت امیر عبدالرحمٰن کو ملی۔ برطانوی استعمار نے ۱۸۷۹ء میں افغانستان سے ایک ایسی جنگ لڑی جو بقول جنرل خارسٹ ہندوستانی بغاوت کے بعد دوسرا ابتلا تھا۔

غرض ۱۸۷۹ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک صرف سرحدی علاقے میں اکیاون جنگیں لڑی گئیں۔ اور یہ سب ہندوستان کے مسلمانوں کو مجبور رکھنے کے لیے ہمیشہ کے لیے [illegible] برطانوی حکومتوں کا تشددی عمل اور اس کی استعماری شکلیں تھیں۔

۱۸۵۷ء تک برطانوی تشدد کے پیش نظر [illegible] ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات تھے۔ اور بنگال و بہار کے مسلمان تشدد کے نشانہ بنتے رہتے تھے۔ [illegible] ہندوستان کے مسلمان ۱۸۵۷ء کا عرصہ گزار کر ایک مزید صورت [illegible] رہتے تھے اور پنجاب [illegible] موجودگی کے باعث برطانوی استبداد کی زد میں تھے۔ [illegible] خصوصی رابطہ پنجاب سے تھا پیرزادہ غلام [illegible] جہادی [illegible] کی سند پر [illegible] گئے۔

[illegible] برطانوی استعمار [illegible] تقسیم پنجاب کی اور ۱۹۰۱ء میں پشاور [illegible] ڈیرہ اسماعیل خاں [illegible] کاٹ کر شمال مغربی صوبہ سرحد کی بنیاد رکھی [illegible] ان علاقوں کو [illegible] جرگہ [illegible] کی رو سے کسی بھی شخص کو صرف شک [illegible] کی بنیاد پر [illegible] رکھا جاسکتا ہے اور اس پر حکام [illegible] پھانسی کی حیثیت یہ تھی کہ عدالت جس طرح چاہے مجرم کو لٹکا سکتی اور جس طرح چاہے سزائے موت دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ عدالت کو یہ بھی حق تھا کہ وہ اس کی نعش کو آگ یا چرنے میں جلوا دے۔ یہ سب ہندوستان کے مسلمانوں کو ختم کر دینے کی تشددی مہم تھی۔ غرض مسلمانوں کی ویرانی کو مختلف شکلیں دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۱۲ء میں بہار و اڑیسہ کو بنگال سے کاٹ کر علیحدہ صوبہ بنایا گیا۔

ہندوستانی مسلمان ممکن تھا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ حریت کی پاداش میں تمام تر ختم کئے جاتے لیکن ایک تو اتنی بڑی تعداد کو ہندوستان سے ختم کرنا مشکل تھا۔ دوسرے اس قسم کا فیصلہ یا ارادہ انگریزی مدار

ناموافق تھا۔ تیسرے ہندوستان ابھی ہندو مسلم کی تقسیمی تفریق تک نہیں پہنچا تھا۔ چوتھے مسلمانوں کی مدافعتی قوت کی بعض ایسی صورتیں نکل آئی تھیں کہ وہ خود برطانوی عملداری کے حسب حال تھیں۔

پنجاب میں برطانوی عملداری کو ٹوانوں، تمنوں، کھرلوں اور جالوں وغیرہ ایسے قبائل ہاتھ آگئے جو اس کے لیے فوجی اعتبار سے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے، دوسرے میرزا غلام احمد نے مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کے لیے دستارِ نبوت باندھ لی اور ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے لیے الہامی سندیں حرف آخر تھیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں تقلیدی [illegible] سامنے ہوگئے۔ جن لوگوں نے جہاد کو مسلمانوں کے لیے فرض قرار دیا اور اسلامی زندگی کا [illegible] انہیں [illegible] کے خلاف نفرت و [illegible] کے ذریعے تحریک تمام پھیلا دی گئی۔ نتیجۃً [illegible] ختم ہو گیا۔ ادھر سرسید کی تحریک نے مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کیا [illegible] ۱۸۵۷ء کا مسلمان کسی [illegible] ختم [illegible] سرسید کی [illegible] حد تک بھی مخلص ہی تھی، سرسید [illegible] ۱۸۵۷ء [illegible] انہوں نے جس رخ سے انگریزی پالیسی سے ہندوستانی مسلمانوں کے جسم کا تحفظ کیا۔ ادھر ان بزرگوں نے دیوبند کی بنیاد ڈالی انہوں نے مسلمانوں کی روح کا تحفظ کیا۔ سرسید [illegible] علیگڑھ [illegible] درج پر تھا، اور [illegible] دارالعلوم [illegible] مقصد [illegible] تفتیش تھا، بالفاظ دیگر ہندوستانی مسلمان [illegible] دشمنوں سے ختم کئے جا رہے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو برطانوی حکومت کے خونخوار [illegible] سے بچانے کا پہلا مرحلہ سرسید کی تحریک کا [illegible] سرسید [illegible] میں [illegible] ہوئے وہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ حریت کی شاہراہ حقیقت سے سرسید [illegible] دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے ۱۸۵۹ء میں رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھا۔ پھر وفادار مسلمانان ہند کا ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جو ان کی جرأت اور مسلمانوں کی مدافعت کا ایک دردمندانہ سلسلہ تھا۔ آج رسالہ "اسباب بغاوت ہند" کے متعلق منفی رائے قائم کرنا آسان ہے لیکن جن دنوں سرسید نے قلم اٹھایا تھا [illegible] میں [illegible] سازی کا زمانہ تھا۔ ان دنوں حکومت ہند کے فارن سیکرٹری مسٹر سیسل بیڈن نے اس رسالے کے متعلق سرکاری یادداشتوں میں لکھا تھا کہ ایک باغیانہ تحریر ہے لیکن وائسرائے نے اتفاق نہ کیا اور اس طرح رسالہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔

مشنریوں نے ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی مہم تیز کی اور اسلام پر کھلم کھلا حملے شروع کئے۔ اس نزاع کو ختم کرنے کے لیے سرسید نے ابتداً "تبیین الکلام" لکھی۔ جس کا مقصود انگریز [illegible]

اور مسلمانوں کے مابین عقائد کا اختلاف ختم کرنا تھا۔ لیکن وہ ایک تالیف تھی اور تالیف ہی رہی۔ دوسری کتاب احکام طعام اہل کتاب ۱۸۶۸ء میں تالیف کی جس میں آیات قرآنی اور احادیث رسالت سے یہ ثابت کیا جایا کہ انگریزوں کے یہاں کا کھانا اور ان کا ذبیحہ جائز ہے بشرطیکہ حرام چیزوں سے پاک ہو۔ لیکن سرسید اس طرح بھی مسلمانوں سے انگریزوں کی نفرت دور نہ کر سکے۔ سر ولیم میور یو پی کا لیفٹننٹ گورنر تھا اسی نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی کو ایڈنبرا یونیورسٹی سے ایل ایل ڈی کی ڈگری دلوائی۔ لیکن اس کے خبث باطن کا یہ حال تھا کہ وہ ہندوستان میں ایسی تحریر تھا جس نے حضرت محمد حضور کی بابت [illegible] سرسید اس کتاب کو پڑھ کر بے چین ہو گئے۔ انہوں نے خطبات احمدیہ کے نام سے جواب لکھا [illegible] جب وہ [illegible] کے عالم میں [illegible] اب بات پر لیکچر [illegible] میں فارسی کو [illegible] ہندوستانی [illegible] سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جو ۱۸۶۴ء میں [illegible] علی گڑھ منتقل ہو گئی [illegible] سے دو ہزار روپے [illegible] ساتھ لندن گئے۔ وہاں ملکہ وکٹوریہ پرنس آف ویلز [illegible] ۱۸۷۰ء واپس ہندوستان آئے اور ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو تہذیب الاخلاق [illegible] ہندوستانی [illegible] ذہن کی بنیاد رکھ سکے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب مسلمانان ہند [illegible] بغاوت کا [illegible] قرار دیا۔ اس کتاب کی اشاعت پر سرسید [illegible] انگریزی اردو میں چودہ مضامین کا جوابی سلسلہ لکھا اور اعلان کیا میں خود وہابی ہوں۔ نیز جو ملکہ وکٹوریہ کی سالگرہ کا دن تھا ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڑھ اسکول کا آغاز کیا۔ یکم جون ۱۸۷۵ء کو چھاؤنی کے پرانے بنگلوں میں تعلیم شروع کی [illegible] کالج بنا۔ سرسید کی وفات کے بعد یونیورسٹی کی تحریک [illegible] تھا۔ فی الجملہ علی گڑھ کی تحریک تمام تر سرسید ہی کی تحریک تھی اور ایک ہی تصور و عمل کے دو نام تھے۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو سرسید رحلت کر گئے لیکن ان کی تحریک کے ذہنی اثرات اتنے پھیل چکے تھے کہ اس دور کو بجا طور پر سرسید کی تحریک کا دور کہا جا سکتا ہے۔

علی گڑھ کالج کے پہلے پرنسپل مسٹر سڈنس تھے ان کے علاوہ کئی ایک انگریز اساتذہ کا تقرر ہوتا رہا۔ لیکن

انڈین نیشنل کانگرس سے پہلے صورت حال یہ تھی کہ انگریز اساتذہ تعلیمی اوقات کے سوا طلبہ سے الگ تھلگ رہتے۔ مسٹر تھیوڈور بیک نومبر ۱۸۸۳ء میں پرنسپل ہوکر آئے تو ان کا طرز عمل مختلف تھا۔ وہ طلبہ سے ملتے ملاتے اور ان کی بہبود کا خیال رکھتے۔ ان کے ساتھ انگریز اساتذہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے، طلبہ کی بعض انجمنیں بنائی گئیں جو ان کے لیے بہر خصائص بالکل نئی چیزیں تھیں۔

مولوی سمیع اللہ خاں علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھنے میں سرسید کا دایاں بازو تھے، انہی کی وجہ سے علی گڑھ میں مدرسہ کھولا گیا۔ [illegible] علی گڑھ کے [illegible] کے مددگار تھے۔ مولوی صاحب اور ان کے دوستوں [illegible] انگریز اساتذہ کی [illegible] اس کے برعکس [illegible] مسلمانوں [illegible] کے لیے [illegible] مولوی سمیع اللہ خاں [illegible] اسی کا نتیجہ تھا [illegible] مولوی [illegible] کی حیثیت سے [illegible] پرنسپل [illegible] سرسید کی جانشینی کے لیے سید محمود [illegible] سیکرٹری [illegible] یہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب [illegible] کا نتیجہ مولوی سمیع اللہ خاں اور ان کے رفقا جو کالج کے بنیادی [illegible] اس معنی سے [illegible] ہو گئے اور یہ سکریٹری کی سیاست کالج کی کا ایک ایسا موڑ تھا کہ اس کے نتائج سے [illegible] کا غلبہ [illegible] سیاست کا [illegible] ہاتھوں میں آگیا۔

سرسید کی ۲۲ سالہ سیکرٹری شپ [illegible] جن میں [illegible] مسلمان اور تین نا مسلمان تھے۔ سرسید رحلت کر گئے تو ان کے [illegible] سید محمود کالج کے آنریری سیکرٹری مقرر ہوئے لیکن وہ دس ماہ بعد ۳۱ جنوری ۱۸۹۹ء کو [illegible] صحت کی بنا پر مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ نواب محسن الملک منتخب ہوئے۔ نواب صاحب کی مساعی مشکورہ سے [illegible] پانچ لاکھ روپے کالج فنڈ میں جمع ہو گئے۔ [illegible] عمارتیں [illegible] مکمل ہو گئیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کی تعداد بھی دوگنی ہو گئی۔ پرنسپل بیک بیمار ہو کر سرسید کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد ستمبر ۱۸۹۹ء میں وفات پا گئے۔ مسٹر تھیوڈور ماریسن ان کے جانشین ہوئے۔ ان کی [illegible] تعلیم کا معیار الہ آباد یونیورسٹی سے بھی اونچا ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی سے طلبہ کو جو شغف پیدا ہوا وہ بیک، ماریسن اور آرنلڈ کے فیضان تعلیم

کا نتیجہ تھا۔ ان طلبہ کی ہیں صوبائی برادری جو ہندوستانی مسلمانوں کی عبقریت کا ظہور تھا، تمام تر انگریز اساتذہ کی مرہون تھی۔ ان اساتذہ کا سلسلہ ۱۸۸۳ء سے شروع ہو کر ۱۹۰۵ء میں مسٹر ماریسن کی مراجعت انگلستان پر ختم ہو گیا۔ لیکن ان سے پہلے یا ان کے بعد جو اکا دکا انگریز مستقل طور پر کالج سے منسلک ہوئے ان کا دائرہ عمل محض درسی تعلیم تک محدود رہا۔ نواب محسن الملک ۱۹۰۷ء میں رحلت کر گئے تو نواب وقار الملک مقرر ہوئے۔ لیکن ان کی انگریز اساتذہ سے نہ بن سکی۔ ان اساتذہ نے صوبہ کے گورنر سے شکایت کی۔ گورنر نے نواب وقار الملک کو حسب دستور انگریز اساتذہ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ [illegible] فیصلے پر دستخط کر دیں انہوں نے فوراً دستخط کرنے سے انکار کیا لیکن اگلے روز مقامی ترغیبوں کے اثر پر دستخط کر دیے۔ علی گڑھ واپس پہنچے تو صاحبزادہ آفتاب احمد خان [illegible] مسلمانوں نے احتجاجی جلسے شروع کر دیے اور ان کی [illegible] خاں کی ذات سے فریقین میں مصالحت [illegible]

انڈین نیشنل کانگرس [illegible] ۱۸۸۵ء میں اس خیال سے [illegible] کی [illegible] ہندوستانی [illegible] جو مشترکہ [illegible] تھا کہ ۱۸۵۷ء کا [illegible] دہشت [illegible] انگریزی پڑھے لکھے ہندوستانی برطانوی [illegible] کانگرس [illegible] لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی جو انگریزوں کے سیاسی مقاصد پر [illegible] سے متعدد خطرے تھے۔

پرنسپل بیک نے کانگرس کے خطرے کا [illegible] اور محسوس کیا کہ برطانوی عملداری کیلئے اس کا وجود خطرناک ہے اور اس کے دماغ میں ہندو مسلم [illegible] نقشہ ہے وہ انگریزی حکومت کے مصالح و مقاصد کے خلاف ہے، چنانچہ اس نے کانگرس کے خلاف اینگلو انڈین اخبارات مثلاً "پائنیر" وغیرہ میں مضامین کا سلسلہ چھیڑ کر سرسید کو ہم خیال بنا لیا۔ سرسید نے کانگرس سے مسلمانوں کی علیحدگی کا بیڑہ اٹھایا اور انگریز دوستی میں اس قدر آگے بڑھے کہ سید جمال الدین افغانی جو ان دنوں ملک بدر ہو کر ہندوستان میں مقیم تھے، ان کے خلاف عربی رسالوں میں زوردار تنقید کرتے رہے۔ لیکن سرسید اپنی دوڑ میں کامیاب رہے۔ جن دو مسلمانوں نے اب تک کانگرس کے مختلف اجلاسوں کی صدارت کی تھی ان میں ایک مسٹر بدرالدین طیب جی

(۱۸۸۷ء) مدراس کانگرس کے صدر تھے دوسرے مسٹر رحمت اللہ سیانی (۱۸۹۶ء) کلکتہ کانگرس کے صدر ہوئے تھے۔ سرسید کا شمالی ہند میں جہاں مسلمانوں کے فعال مرکز تھے بہت زیادہ اثر تھا اور وہ بہمہ وجوہ ان کے ساتھ تھے۔ کانگرس کے مسلمان صدر صرف اس لیے میسر ہو گئے کہ دونوں بمبئی کے تھے اور شمالی ہند کے مسلمانوں سے انہیں کوئی رابطہ نہ تھا۔ مسٹر بیک نے کانگرس سے مسلمانوں کے اجتناب کو پختہ کرنے کے لیے انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی اور دس سال تک اس پر قابض رہے۔ پھر جب اس ایسوسی ایشن پر شبہ ہوا کہ وہ کانگرس کا چربہ بن رہی ہے تو اس کو توڑ کر ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔ اس کی افتتاحی تقریر میں مسٹر بیک نے کہا کہ:

"چند سال سے ملک میں دو [illegible] تحریکیں [illegible] تنظیم [illegible] [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] جمہوری سلطنت کے [illegible] ہیں [illegible] کے حسب حال نہیں ہے۔ ہمارا باہمی عمل [illegible] سلطنت سے [illegible] ہمارا [illegible] اصل [illegible] ہے۔"

گویا باہمی عمل [illegible] وقت [illegible] برطانوی [illegible] مالدار جیسے راجے اور سردار اجیت سنگھ [illegible] حکومت کے خلاف [illegible] قید و بند کی نذر ہو گئے یا جلاوطن کیے گئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب بنگال میں تلک نے زبردست ہڑتالیں کیں، پونا میں تعزیری پولیس بٹھائی گئی، نظربندی کے لیے سرد قانون بنائے گئے، بنگال، بمبئی، مدراس اور بہار میں دہشت پسندی کے واقعات رونما ہونے اور سارے ملک کے افق پر ایجی ٹیشن کے بادل چھا گئے۔

سلطان ٹیپو کی شہادت (۱۷۹۹ء) سے لے کر بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری (۱۸۵۷ء) تک انگریزوں کا واحد نصب العین ہندوستان سے مسلمانوں کا خاتمہ تھا۔ پھر بیسویں صدی کے سال اول تک ان کے خاتمے کی منظم کوششیں جاری رہیں۔ عجب نہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان ہسپانیہ کے مسلمانوں کی طرح مٹ جاتے لیکن قدرت کو منظور نہ تھا اس کے وجوہ پچھلے صفحات میں شرح و بیان کیے جا چکے ہیں۔ پرنسپل بیک نے جو کچھ کہا وہ بداہتہً ہندوستان

میں انگریزوں کی نئی ذہنی کروٹ کا آغاز تھا اور ملک میں انگریزی عملداری کو طول دینے کی سیاسی مینا کاری کا ایک حصہ۔

نواب سلیم اللہ خان (نواب ڈھاکہ) کی دعوت پر دسمبر ۱۹۰۶ء میں قیام مسلم لیگ کا ڈول ڈالا گیا۔ تو مسلم لیگ کی ابتدائی قیادت صدارتی اعتبار سے نواب وقار الملک، آدم جی پیر بھائی، سر علی امام، سر آغا خان، نواب ڈھاکہ، سر شفیع، سر ابراہیم رحمت اللہ وغیرہ کے ہاتھ میں رہی۔ جن لوگوں کو جماعتی اغراض و مقاصد مرتب کرنے کی نامزد کمیٹی میں رکھا گیا، ان میں نواب سید علی بلگرامی اور جسٹس شاہ دین [illegible] بھی تھے، نواب محسن الملک جوائنٹ سیکرٹری رہے۔ لیگ کی وفاداری میں تھوڑی سی دراڑ سید نبی [illegible] کی صدارت کے زمانے ۱۹۱۰ء میں [illegible] ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم [illegible] ۱۹۱۹ء [illegible] مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان اور [illegible] مولانا محمود الحسن [illegible] مولانا حسین احمد مدنی اور [illegible] حکومت نے شریف مکہ کے ذریعے [illegible] گرفتار [illegible] مغرب سے پہلے مولانا محمود الحسن حاضر ہوئے تو ان سے دونوں گرفتار شدہ [illegible] حضرت حسین [illegible] دیا جائے۔ اس پر حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ [illegible] گرفتار ہوگئے پھر [illegible] رہائی [illegible] مارچ ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔

مسلم لیگ [illegible] کا آغاز [illegible] کے سالانہ اجلاس میں ہوا اور دسمبر ۱۹۰۶ء کے اجلاس میں بصدارت محمد علی جناح لیگ، جمعیت ہند [illegible] آزاد خیالی کے مرحلہ میں داخل ہوئی [illegible] بقول علامہ شبلی [illegible] ایک سیاسی [illegible] بن گئی، کانگرس اور لیگ کے درمیان باہمی حقوق پر [illegible] ہوگیا۔ کانگرس کے ساتھ مسلم لیگ کا آخری اجلاس ۱۹۲۰ء میں بصدارت مولانا حسرت موہانی منعقد ہوا۔ لیکن ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء کے دو سال کسی سرگرمی سے بغیر نکل گئے، پھر ۱۹۲۴ء میں مسلم لیگ خانہ زاد جمعیت ہند کی طرف منتقل ہوگئی اور تیرہ سال تک اس کا نام قریب قریب یہی رہا۔ محمد علی جناح ۱۹۳۷ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے، ۱۹۴۰ء میں پاکستان کا مطالبہ اس کا موقف ہوگیا پھر پاکستان بن جانے تک قائداعظم ہی صدر رہے بالفاظ دیگر مسلم لیگ کا روشن چہرہ قائداعظم تھے اور پاکستان کا مطالبہ اس کی تحریک کا پہلا اور آخری جاندار موقف تھا۔ ورنہ مسلم لیگ ان دنوں بھی جب ہندوستان کامل آزادی کے لیے جدوجہد

کر رہا تھا، مسلمانوں کے رجعتی عناصر کا دارالفرقان تھا۔ اور اس کی سیاست، کثر و بیشتر ان لوگوں کے ہاتھ میں رہی جو انگریزوں کی نادھنی کا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔

لارڈ کرزن نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ تو مسلمانوں کی رجعتی قیادت نے خوشنودی کا اظہار کیا، لیکن ہندوؤں نے اس کے خلاف تحریکی ہنگامہ برپا کر دیا۔ نتیجۃً دسمبر ۱۹۱۱ء میں شاہ جارج پنجم نے دہلی دربار میں اس تقسیم کو منسوخ کر دیا [illegible] دارالحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل ہو گیا، جس سے مسلم لیگ کی رجعتی قیادت کو گہری چوٹ لگی [illegible] حکومت کے توسط سے اس کے لیڈر تھے [illegible] معطل عضو ہو گئے۔ تاہم جنگ عظیم کے زمانے [illegible] میں بھی رجعتی قیادت کے [illegible] تھے۔ [illegible] [illegible]

بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں صحافت [illegible] اردو اخبارات [illegible] بے جان تھے، کسی اخبار میں [illegible] [illegible] [illegible] انگریزی [illegible] [illegible] حکومت [illegible] [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible] کے ہو گئے ہو تے۔

[illegible] [illegible]

لیکن مولانا ظفر علی خاں نے [illegible] کی وفات کے بعد [illegible] میں [illegible] درست سنبھالی تو [illegible] اپنے معاصروں [illegible] مرعوب [illegible] [illegible] محمد علی جوہر [illegible] انگریزی تحریروں کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] میں [illegible] زیادہ [illegible] تھا، لیکن [illegible] قومی احساس اور مسلمانوں [illegible] کا [illegible] ایک سے قافلے کے حدی خوان تھے جس نے اپنا سفر شروع کر دیا لیکن قافلہ بجائے خود بھی مرتب ہو رہا تھا، دوسرے پورے ملک [illegible] کا ہم قدم نہ سہی ہم آواز ہو چکا تھا۔

مولانا محمد علی جوہر [illegible] [illegible] اور برق تپاں تھے، انھوں نے ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء کو

محمد علی کا نام، جو ایک تنفیذ کا ضمیر یا جذبہ تھا، لیکن اس دور میں ان کی عظمت کا باعث کامریڈ تھا جس کے لیے خود دوسرے مضطرب رہتے۔ وہ ہر ہفتہ باقاعدہ پڑھتا تھا۔ برنارڈ شا نے مولانا محمد علی کی موت پر کہا تھا کہ ان کا قلم میکالے کا، ان کی زبان برک کی اور ان کا دل نپولین کا تھا۔ کامریڈ نے ہندوستان کے انگریزی پڑھے لکھے مسلمانوں کو کس حد تک متاثر کیا، اس کا اندازہ یوں کیجیے کہ ان انگریزی خواں مسلمانوں سے ہو سکتا ہے جو تحریک خلافت میں شامل ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو لبیک کہا۔ بہرحال کامریڈ انگریزی خواں مسلمانوں کی نمائندگی کرتا تھا، لیکن مسلمان عوام کی بیداری، محمد علی کی شخصیت کے [illegible] مولانا محمد علی کامریڈ کی بدولت مسلمانوں کے لیڈر نہیں بنے، وہ مسلمانوں کی قیادت [illegible] مولانا محمد علی کی عظمت کا راز ان کی پرشکوہ سیاست [illegible] مشقت میں تک [illegible]

[illegible] زمیندار ملک کے دیہات میں [illegible] کیا جائے اور انہیں اس سے بچایا جا سکے۔ اس کی جرأت [illegible] سے حکومت کی [illegible] سیاسی ہندوستان میں پہلا اخبار تھا [illegible] ضبطی کا آغاز ہوا۔ جس کے مطابع ضبط کیے گئے۔ جس کے کئی ایڈیٹر قید ہوتے رہے اور جسے کئی دفعہ تعطل و تنسیخ کی منزلیں گزارنا پڑیں۔ زمیندار کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے ملک کے لیے نامور ایڈیٹر پیدا کیے۔ اس لحاظ سے وہ صحافت کا سب سے بڑا دبستان تھا۔ زمیندار نے کئی تحریکیں اٹھائیں، کئی جماعتیں پیدا کیں اور مسلمانوں کو صرف جری [illegible] کی جماعت دی بلکہ بے شمار سیاسی کارکن پیدا کیے جو برعظیم کی آزادی کے آخری مرحلے تک

کانگرس، مسلم لیگ، مجلس احرار، جمعیۃ العلمائے ہند کی روح رواں ہے۔ "الہلال" "کامریڈ" کے مقابلے میں "زمیندار" نے بڑی عمر پائی، اس کی موت قومی آزادی کے بعد خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی لیکن وہ پاکستان کے حصار آزادی کا معمر قلعہ دار تھا۔

"الہلال" ہندوستانی مسلمانوں کے جگر دار خواص کی آواز تھا۔ اس کی بدولت ان علماء و اکابر کو سہارا ملا جو سید احمد شہید، جماعت مجاہدین، علمائے صادق پور اور اکابر دیوبند کی فکر کے وارث تھے۔ جنہیں بریلوی مکتب فکر سے موروثی اختلاف تھا اور [illegible] سے متنفر تھے۔

الہلال نے علماء کے ولولہ جہاد کو عوامی تحریک [illegible] کا ذوق جہاد کھلے میدانوں کی [illegible] [illegible] [illegible] میں رزم کا دورہ تھا۔ مولانا آزاد [illegible] میں الہلال ہی کی معرفت آئے اور [illegible] تحریروں [illegible] داعی کا اب تک [illegible] عوام کا [illegible] الہلال خواص کا [illegible] اس طرح ہم کلام ہوا [illegible] ظفر علی خان [illegible] الہلال ہی کی دعوت کا [illegible]

مولانا آزاد سے مولانا ظفر علی خان [illegible] ایک علمی مرتبہ۔ لیکن جب دونوں ایک ہی تحریک کے دست و بازو [illegible] تو مولانا ظفر علی [illegible] مولانا آزاد کی [illegible] اور [illegible] کا اعتراف و اعلان کرتے بلکہ ان کے دماغ کو عربی [illegible] لاہور کے ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"ابو الکلام نے ہندوستان میں گمشدہ اسلام کو دریافت کیا ہے وہ ایک یگانۂ عصر انسان ہیں"

مولانا شوکت علی لاہور میں شہید گنج کانفرنس کی صدارت کے لیے آئے تو خلیفہ شجاع الدین کے ہاں کسی طرح مولانا آزاد کا ذکر چھڑ گیا فرمایا:

"وہ قرنِ اول کے مسلمانوں کی ذہنی فراست کا نمونہ ہیں ان میں ایک ہی نقص ہے کہ عوام سے پرہیز کرتے ہیں ورنہ فقہی میدانوں میں جن راست باز زبانوں کے سوانح و افکار پڑھ کر دل کو ایک گونہ مسرت اور دماغ کو حیرت ہوتی ہے کہ اس پائے کے عظیم لوگ بھی ہم میں تھے۔ مولانا آزاد ان زمانوں کی تصویر ہیں۔"

حسرت موہانی کا ایک شعر ہے ؎

جس زمانے میں سب تھے مہر بلب
ایک گویا تھے ابوالکلام آزاد

مولانا ظفر علی خاں نے مولانا آزاد کی مدح میں کئی نظمیں کہی ہیں، جن میں ایک شعر:

جہاں اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہو
ہے تجھ کو اس کی جستجو تو دیکھ ابوالکلام کو

خان عبدالغفار خاں نے اپنی سرگذشت میں مولانا سے ملنے کی روداد بیان کرتے ہوئے بتایا ہے:

"وہ الہلال اور البلاغ کے مطالعے سے اس پرچار دلی میں آئے تھے۔ مولانا آزاد کے ساتھ کانگریس ورکنگ کمیٹی میں مولانا سے ملے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مجلس عاملہ کا دماغ تھے اور یہی ان کا حسن و محاسن کی بدولت وہ اختلافی مباحث میں بھی فریقین کا احترام نہیں کھوتے تھے۔"

مولانا حسین احمد مدنی نے مولانا کے متعلق ایک دفعہ کہا کہ "وہ آیت من آیات اللہ ہیں۔ ابوالکلام نہ ہوتے تو ہندوستان میں مسلمانوں کا انقلابی سفر دیر تک معطل رہتا۔ وہ ایک جامع الصفات انسان ہیں کہ اس قسم کے انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔"

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ناظم جمعیۃ علمائے ہند فرماتے تھے۔

"مجھے سیاست کا چسکا الہلال نے ڈالا اور ابوالکلام آزاد نے میدانِ رستخیز میں لا کھڑا کیا۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا آزاد سے مختلف راستے پر تھے لیکن لاہور (پاکستان) میں ایک ملاقات کے دوران میں فرمایا:

"مولانا آزاد نے سیاسی آواز کو دینی لہجہ دے کر اس زمانے کے علماء کو خطابت کا ایک

نیا اسلوب دیا اور اس یگانہ اسلوب کے سحر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ میں نے ابتدا اُنہیں کی خوشہ چینی کی ہے۔"

مسٹر آصف علی نے لکھا تھا:

"مولانا آزادؔ روز روز پیدا نہیں ہوتے، ہم سب اِن کے افکار کی پیداوار ہیں، وہ نہ ہوتے تو شاید ہمارا قافلہ مرتب نہ ہوتا۔"

علامہ انور شاہ کاشمیری سے متعلق مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے بتایا کہ مولانا آزادؔ دیوبند میں حضرت قاسم نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کی قبروں کے پاس ٹہل رہے تھے۔ علامہ انور شاہ نے دور سے دیکھا تو فرمایا:

"وہ دیکھو علم ٹہل رہا ہے۔"

فرمایا ابوالکلام سے [illegible] سب [illegible]

حضرت مولانا [illegible] پر ملک کی سیاسی [illegible] سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت کے ایک جلسے میں مولانا ظفر علی خاں سے دونوں کے پاؤں پر عقیدت کے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا:

ظفر علی خاں تیرے [illegible] نے [illegible] میں آگ لگا دی تھی

لیکن مولانا [illegible] شاہ جی کی رائے یہ تھی کہ [illegible] فرماتے:

"اُنہوں نے مجھے خطابت سکھائی، سیاست پڑھائی اور [illegible] دنیا کی خدمت سکھائی ہے، ابوالکلام نہ ہوتے تو نہ جانے کب تک ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں [illegible] رہتا"

چودھری افضل حق احرار کا دماغ تھے، شاہ جی انہیں جماعت احرار کا دماغ کہتے تھے۔ چودھری صاحب ابتدا میں سب انسپکٹر پولیس بھرتی ہوئے تھے، مولانا آزاد کی صحبت میں جب علم ہوا تو چودھری صاحب نے سرعام وردی اُتار کر استعفیٰ دے دیا اور تحریک عدم تعاون میں شریک ہو گئے۔ چودھری صاحب مولانا کو ملک علم کا شہنشاہ اور تدبر کے اعتبار سے بے پناہ کہتے تھے۔ فرماتے: ابوالکلام نے مجھے اس راہ پر ڈالا اور شاہ جی نے [illegible] کی وردی اُتروادی۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مولانا کو ہمیشہ اپنا مرشد کہا، فرماتے:

"ابوالکلام میں ابوذرؓ کا فقر، علیؓ کا استغنا، صدیقؓ کا عشق، فاروقؓ کا دبدبہ، عثمانؓ کی حیا، احمد بن حنبلؒ

کی سقاہت رچی ہوئی ہے، وہ ان خصائص کا مجموعہ ہیں۔

شیخ حسام الدین مولانا کا بازو تھے۔ مولانا سے ان کے عشق کا یہ عالم تھا کہ ان کے خلاف اختلافی بات تک نہ سنتے۔ کسی زبان پر ایسا کلمہ ہوتا تو اس سے الجھ پڑتے۔ فرماتے "ہم لوگ فانی وجود ہیں ابوالکلام کی تحریریں ہیں"

سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی کی آرا پہلے نقل ہو چکی ہیں۔ مولانا [illegible] [illegible] گزرتے ہوئے [illegible] ابوالکلام [illegible] کا تجزیہ ہے:

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی دعوت قرآن میں [illegible] کی رنگینیاں موجود ہیں۔ قاضی عبدالغفار کا طرز تحریر [illegible] ابوالکلام [illegible] تحقیقات کی [illegible] [illegible] [illegible] گیا۔ [illegible] کے مطالعے سے [illegible] ابوالکلام کا دماغ قدرت کا معجزہ تھا۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی قوت کا ایک مظہر ہے۔ پروفیسر [illegible] نے مولانا ابوالکلام کی معراج پر [illegible] عظمت میں پہلے قلم [illegible] ہے۔ پروفیسر [illegible] کے نزدیک وہ قبلہ [illegible] تھے۔ [illegible] نے خود [illegible] ابوالکلام [illegible] قدرت نے وہ [illegible] جس میں [illegible] ڈھالا تھا۔

سید سلیمان ندوی [illegible] مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک [illegible] کی تو [illegible] مصنفین کے [illegible] مولانا سعید احمد [illegible] نے راقم کو [illegible] والا نامے میں لکھا کہ

"ابوالکلام سے حسد کی [illegible] کی جائے [illegible] جواب دینے کے عادی نہ تھے ورنہ [illegible] کے بغیر [illegible] معذور۔ ابوالکلام [illegible] کے [illegible] مسلمانوں کی سب سے بڑی ذہانت کا نام تھا"

ملیح آبادی نے ذکر آزاد میں لکھا ہے "میں اخبار نویس ہی نہ ہوتا اگر مولانا کی رفاقت میسر نہ آتی۔ میرے قلم کی رونق کا سرچشمہ انہی کی ذات تھی" غلام رسول مہر پنجاب کے بہت بڑے صحافی اور بلند پایہ انشا پرداز تھے۔ انہیں تحقیق و تنقید کے سیاسی میدانوں میں کمال حاصل تھا وہ انگریزی، عربی، فارسی اور اردو میں

یکتا تھے۔ مولانا سے ان کی عقیدت ان مختلف کتابوں سے معلوم ہو جاتی ہے جو مولانا کے مقالات و مکاتیب کا مجموعہ ہیں اور ان کی مرتب کی ہوئی ہیں۔ راقم کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے:

"ہم نے مولانا کے معاملے میں کفران نعمت کیا ان کی فراست سے فرار ہماری عقلوں کا الحاد تھا مولانا ہندوستان میں عرب و عجم کی نفاستوں کا پیکر تھے۔ میں نے خود زندگی کا آغاز البلاغ کے مطالعہ سے کیا۔ میرے تحریر کا ذوق مولانا کے اسی فیضان نگاہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن ہم نے مولانا کے علم و عمل کو تنگنائے شوربختی [illegible] کی ہے۔ مولانا باوجود اس [illegible] کے [illegible] کا عطیہ تھا۔ ہم لوگ ہی [illegible] ہیں۔"

پنڈت [illegible] ایک [illegible] میں [illegible]

"ابوالکلام ایک عظیم انسان [illegible] ہیں [illegible] ایک ادارہ ہیں۔ ان سے ہمکلام ہو کر [illegible] یقین آتا ہے [illegible] قدر ذکر [illegible] کا نتیجہ ہے [illegible] ایک عظیم ذہنی بحران کا شکار ہیں۔ ابوالکلام اور اقبال کے سوا برعظیم کے مسلمان صحرائی مخروق ہیں۔"

خواجہ حسن نظامی مرحوم کہا کرتے تھے ہندوستان میں مسلمانوں کی ذہانت کے محور تین ہیں۔

(۱) ابوالفضل (۲) مرزا غالب (۳) مولانا آزاد۔

علامہ سیماب اکبر آبادی آگرہ کے مشہور شاعر و یگانہ استاد تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی آگئے وہیں انتقال کیا۔ انہیں تاج محل سے عقیدت درجہ عشق تھا۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام میں تاج محل پر بہت سی نظمیں ہیں۔ مولانا آزاد کا ذکر آیا تو کہتے تھے

"اس تقدیر نے انہیں ہم سے چھین لیا ہے وہ ہندوستان کا تاج محل ہیں"

جوش ملیح آبادی اپنی ذات سے باہر نہیں جب کہ خود کو مہا کوی سمجھتے ہیں۔ مولانا آزاد کے تذکرے میں فرمایا:

"مولانا شاعر ہوتے تو ہم غزلہ ہو جاتے کیونکہ صدیوں تک ان کا نقش پیدا ہونا مشکل تھا۔ وہ نفائس روزگار میں سے تھے، کبھی دفعہ اشتباہ ہوتا ہے کہ ہم ان کی صدائے بازگشت ہیں۔"

گاندھی جی اپنے ساتھیوں میں مولانا کو تاریخ کا سب سے بڑا عالم اور اپنا استاد کہتے تھے۔ مولانا کی شخصیت

سے متعلق ان کا جو نقطۂ نگاہ تھا اس کی ایک بڑی تصویر مہادیو ڈیسائی کی کتاب "ابوالکلام آزاد" ہے۔ گاندھی جی نے اس کتاب کا مختصر دیباچہ لکھا ہے وہ مولانا کو علم میں ڈھلا ہوا انسان سمجھتے۔ ان کے نزدیک وہ ایک ایسے سیاست دان تھے جو قوت کے بجائے نظریات پر زندگی گزارنا اور یقین و ایمان کی پیشانی پہ بے نیاز رہتا ہے۔ جواہر لال نہرو نے ان کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ اور وہ ان کی ہمہ گیر شخصیت کے معترف تھے ان کے خیال میں مولانا جدید و قدیم ہندوستان کی تعمیر و تہذیب کا فکری مجسمہ تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو مولانا کے ذاتی دوست تھے۔ مولانا کے متعلق ان کا خیال تھا کہ [illegible] آگ، پانی، مٹی اور ہوا نہیں بلکہ علم فہم [illegible] ہیں۔ پنڈت جی کے یہ [illegible] سید شاہ بخاری نے راقم سے بیان کئے تھے۔ [illegible] مولانا کے قریبی دوست تھے [illegible] بیسیوں مقالے [illegible] مولانا سے متعلق [illegible] کی ذات ہندوستان کے [illegible] نظر آتی ہے۔"

نواب [illegible] مولانا کے [illegible] اور [illegible] کا پہاڑ تھے۔ علامہ شبلی [illegible] شباب کی سرحدوں سے قریب ہونے کے [illegible] طبیعت [illegible] علامہ شبلی کو [illegible] تھا کہ [illegible] نو عمر وجود میں [illegible] ابوالکلام ابھی نوجوانی کے حدود میں داخل نہ ہوئے تھے۔ [illegible] ان کی ذہانت پر تعجب ہوتا تھا کہ اس نو عمری میں قدرت نے ایک یونانی دماغ کو [illegible] شباب پر رکھ دیا ہے [illegible] تو ہندوستان کی ذہانت ختم ہوسکتی ہے۔"

اس ہندوستان میں جو ۱۹۲۰ء [illegible] مہاتما گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد دو شخصیتیں ایسی تھیں جن سے ہندوستان کی جدید لیڈر شپ پیدا ہوئی۔ لیکن مہاتما گاندھی کا واسطہ انسانوں کی اس جماعت سے تھا جو بت کدے سے اٹھی اور اس کی روایتوں کو اپنے مذہب کی اساس سمجھتی تھی۔ اس کے ایسے افراد ہی پوجا کے [illegible] تھے۔ گاندھی جی نے اپنے دور کی لیڈر شپ کو جنم دیا، پروان چڑھایا اور جواہر لال بنا دیا لیکن مولانا آزاد اس قوم کے فرد تھے جس کی تلواریں اپنے ہی اکابر کے لہو سے گلنار رہی ہیں۔ ابوالکلام کے دشمن

ہلال سے جو لوگ تیار ہوئے وہ سیاست و سیادت کی وادیاں ضرور قطع کرتے رہے۔ لیکن جس قوم کے اعضاء و ارکان تھے، اس کے خارستان میں تلوے سہلاتے رہے۔ ابوالکلام سب کچھ تھے لیکن ان سب کچھ کے باوجود آخر دم تک تنہا رہے۔ اس کی تربیت گاہ میں کوئی جواہر لال نہ تھا اُن کے آخری شب درونِ جنگل میں سرما کی چاندنی تھے یا پھر ہجر کے آنسو کہ شب کا سناٹا اور صبح کا اُجالا دونوں تماشائی ہوتے ہیں۔

معاصرین کی آراء

نوٹ — بعض عظیم شخصیتوں نے مولانا کے متعلق اپنی معلومات و تجربات سے دریغ نہ کیا۔ وہ جو کچھ لکھتے رہے انہیں یہی یادداشتوں میں یکجا کر دیا۔ گو تمام آراء پڑھنے سے چھپ بیس برس گزر چکے ہیں۔ حقیقتاً یہ مولانا کی شخصیت و عبقریت کی تصویر ہے جن شخصیتوں کی مولانا سے متعلق [illegible] کی جا رہی ہیں، وہ مولانا کے ہم عصر و ہم سفر تھے۔ [illegible] ایک ساتھ رہے [illegible] عرصہ تک [illegible] تجربہ کیا۔ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، بابو راجندر پرشاد [illegible] ولبھ بھائی پٹیل کی [illegible] شخصی حیثیت کے تجربات کئے ہیں [illegible] ہے کہ [illegible] وہ ہے جس کا دوسروں کو بھی اعتراف ہو۔ ڈاکٹر [illegible] نے اپنی [illegible] سے مولانا کی خوبیوں کا اقرار کیا ہے۔ ان کے علاوہ خان عبد الغفار خان [illegible] ملاقات کے مباحثت میں گاندھی جی کے ہمراہ ہوتے اور مولانا سے [illegible] کرتے۔ ان کے [illegible] خیال میں مولانا کی تصویر اپنی رعنائی و زیبائی کے ساتھ آویزاں ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے معاصرت کی روایتی چشمک سے بے نیاز ہو کر اقرار محاسن کیا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری [illegible] کے سب سے بڑے خطیب اور زبان و بیان کے ساحر تھے۔ ہمیشہ فرماتے کہ جس نے [illegible] کا ذہنی سانچہ تیار کیا تھا۔ غرض ان مختصر آراء میں مولانا کے سوانح و افکار کی بے شمار جھلکیاں ہیں۔ مطالعہ فرمائیے:

مہاتما گاندھی

[illegible] کا [illegible] تھا مہاتما گاندھی جو [illegible] کا [illegible] میں معمول کے مطابق کٹیا بنا کے رہ رہے تھے۔ راقم نے بعض دوستوں کی معیت میں ان سے دو بار ملاقات کی۔ ایک دفعہ خود [illegible] اور ملاقات ہو گئی، دوسری دفعہ سید عطاء اللہ شاہ کی ہمراہی میں۔ پہلی ملاقات میں روزنامہ [illegible] کا شمارہ ان کے سامنے تھا، سرخ پنسل سے کسی مقالے پر نشان لگے تھے، مہاتما جی نے فرمایا:

”ڈان نے مولانا آزادؒ کی مسلمانوں سے غداری کا مفروضہ قائم کیا اور اس پر طعن و تضحیک کی زبان استعمال کی ہے۔ ہماری سیاست اسی لیے صاف نہیں کہ ہم اختلاف کرنے والوں کی ذات کو رگیدنے کے شوق میں جھوٹ بولنے اور بہتان باندھنے سے ہچکچاتے نہیں۔ مجھ سے خود کرپس اور پیتھک لارنس نے کہا ہے کہ مولانا آزاد سے ہم ملے، بے تکلف بات، آٹھ دفعہ ملاقات کی ہے۔ انہوں نے مسٹر جناح کا نام ہمیشہ عزت سے لیا اور ان کا تذکرہ نقطۂ نگاہ کے معلوم اختلاف یا ٹکراؤ کے باوجود [illegible] کہ جس طرح شرفاء آپس میں تبادلۂ افکار کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کی دیانت و صداقت پر کوئی چھینٹے نہیں اڑاتے۔ اس کے برعکس مسٹر جناح سے کئی دفعہ مولانا کے متعلق حقارت سے [illegible] جیسا کہ ڈان نے لکھا وہ مسٹر جناح کے بیانات [illegible] جب کرپس [illegible] مولانا نے ہم سے درخواست [illegible] سے شاید کسی کو [illegible] مولانا [illegible] کرپس نے [illegible] پیتھک لارنس سے تائید کی مولانا [illegible] پیدا ہوا ہے۔ وہ سیاست کو تاریخ کی میزان میں تولتے [illegible] حقائق سے قیمت لگاتے ہیں۔ مولانا کوئی ذاتی بات نہیں [illegible] سنجیدگی اور قوتِ برداشت [illegible] کے بجائے ایک عالمی انسان کے [illegible] ہندوستان کے مسئلے کو حل کرنے کے فی الحال ذہن میں جو نقشہ [illegible] ہیں ان [illegible] یہ وہ نہیں تو [illegible] مولانا سے خطوط پر مرتب کی ہیں“

راقم نے گاندھی جی سے سوال کیا کہ ہندوستان میں آپ کی پوری سیاسی عمر مولانا کے ساتھ گزری ہے اس طویل تجربے میں آپ نے ان کے متعلق کیا رائے قائم کی ہے؟ گاندھی جی نے فرمایا:

”آپ کا سوال پیچیدہ ہے اور پیچیدہ ہونے کے علاوہ طویل بھی ہے۔ رفقاء کے متعلق رائے دینا آسان نہیں، ہر تصویر کے بہت سے رخ ہوتے ہیں۔ مولانا علم کے شہنشاہ ہیں۔ میں انہیں افلاطون، ارسطو، فیثاغورث کی طرح کا ویسا ہی انسان سمجھتا ہوں۔ وہ تاریخ کے بہت بڑے عالم ہیں۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی میں جہاں تک تاریخ کے شعور کا تعلق ہے،

کوئی بھی ان کا ہم پایہ نہیں، سب ان سے پیچھے ہیں، اردو زبان ان کی لونڈی ہے،
وہ عربی اور فارسی کے جید عالم ہیں۔ خطابت کے فن میں ڈیماستھینز اور برک کے
ہم رتبہ ہیں لیکن ان کے متعلق ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے، مولانا کو ہم نے دیکھا اور
سنا ہے، وہ ایک سانس میں ان کے انداز میں بات چیت کرتے اور صاحت کی بوقلمونی کو چند
فقروں ہی میں نتیجے پر لے آتے ہیں جو ہر حال ان کے خیالات کی انگریزی کرتے ہیں۔ آل انڈیا
کانگریس کمیٹی میں پیچیدہ، بیہودہ اور دقیق قراردادیں مولانا ہی پیش کرتے اور [illegible]
کو چیت کرتے ہیں [illegible] کلام میں تاثیر [illegible] کا حق [illegible] اس وقت
ہندوستان بھر میں کوئی شخص ان کی نظیر نہیں [illegible] سب [illegible] یہ ہے کہ وہ
عوام سے [illegible] جیسے ہی خیالوں [illegible]
[illegible] وقت [illegible] لیکن [illegible] رہتے ہیں جو ان سے
گویا [illegible] کا [illegible] سب کا [illegible] مسلمانوں نے
ان [illegible] میں مسلمانوں کو حق [illegible] لیکن ایک ایسا
شخص جو [illegible] الفاظ [illegible] نہیں تک جو کسی [illegible] نہیں [illegible]
جہاں [illegible] کے دعوا [illegible] جاتا ہے، اس کے خلاف
کالی [illegible] ہوتا، مولانا کی ذہانت،
ہندوستان کے لیے عطیہ [illegible] کانگریس [illegible] سے پہلی [illegible] میں
[illegible] ہوگیا کہ وہ ایک [illegible] اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں خلاف
کا یہ طوفان نہیں تھا بلکہ تحریک خلافت اور [illegible] کے [illegible] بھی اتحاد کی ایک
بے نظیر فضا پیدا کر دی تھی۔ ملک کے [illegible] کی صفوں میں تھے۔ مسلمانوں میں
سے حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری ذہانت و قابلیت کے
انسان تھے۔ حکیم صاحب کی سوجھ بوجھ اور فہمیدہ شخصیت کا ہر گوشہ میں احترام تھا۔ وہ
محض طبابت کی وجہ ہی سے مسیح الملک نہ تھے ان کا ہاتھ ملک کی سیاسی نبض پر بھی تھا،
وہ حالات و واقعات کی صحیح صحیح تشخیص کرتے تھے، مولانا محمد علی شجاعت کا پیکر تھے۔

وہ عوام کو اپنے زورِ بیان سے موہ لیتے اور عوام ان کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ بلاشبہ ہندوستان کی نئی بیداری میں ان کا وجود برق و رعد کی بجلی صد تھا۔ لیکن وہ جذبات کے انسان تھے۔ ڈاکٹر انصاری ہاتھ کے سخی، دل کے غنی اور دماغ کے دھنی تھے۔ سمندر کی تہوں سے موتی نکال لاتے۔ ان سے غربا کے لیے سخاوت کا ایک چشمہ ابلتا۔ مسلمانوں نے ان سے بھی غیر خداق سلوک کیا۔ مولانا آزاد مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن اس وقت بھی کانگرس میں صفِ اول کے رہنما تھے۔ ان کا شمول پہلے ہی دن سے ہمارے لیے فخر و مسرت کا باعث رہا۔ ہم ان سے مشوروں پر مشورے مانگتے رہتے اور وہ ہمیں امن و جنگ دونوں حالتوں میں اپنی مفید رایوں سے مستفید ہونے کا موقع دیتے رہے۔ [illegible] تھا کہ ۱۹۲۲ میں جب [illegible] کانگرس کے سب سے کم عمر صدر ہوئے [illegible] وہ جو [illegible] صدر ہوئے

راقم نے سوال کیا۔

"مہاتما جی، مولانا اور آپ کے درمیان سیاسی امور میں اختلاف رائے ہو تو اس صورت میں کیا ہوتا ہے؟"

مہاتما جی نے مسکراتے ہوئے کہا

"مولانا میں پہلے تو کوئی بھی بات [illegible] وہ جب سے معاملات ایک منطقی اور قانونی سیاسی حیثیت سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں ہر چیز منطقی اور قانونی طور پر حل نہیں ہوتی۔ یہ دنیا واقعات و حادثات کی بوقلمونیوں کا مجموعہ ہے۔ یہاں عقل اور بے جوڑ چیزیں چلتی ہیں۔ جن کی عقل تصدیق نہیں کرتی لیکن وجدان توثیق کرتا ہے۔ وہ ہر چیز کو عقل، منطق اور قانون سے دیکھتے ہیں۔ میں اندر کی آواز پر عمل کرتا ہوں۔ ان کی تدبیریں قرینِ حقیقت ہوتی ہیں۔ بسا اوقات مجھے ان کی رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ مولانا کی سب سے بڑی خوبی اختلاف آراء کی نفسی آویزش میں یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی خیالی نظریے اور نتیجے کو ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں بناتے، اور ہر چیز کو نرم روی سے حل کرتے ہیں۔"

کانگرس میں ایک ہائی کمانڈ ہے۔ مولانا اس ہائی کمانڈ کے رکن ہیں۔ ان کا اپنے ساتھیوں میں احترام ہے اور وہ سب ان کی آراء کے وزن کو محسوس کرتے ہیں۔ کانگرس کی دوسری طاقت ملک کے عوام ہیں۔ بے شک ملک کے عوام کی بہت بڑی اکثریت کانگرس کے ساتھ ہے لیکن مسلمانوں کی اکثریت کچھ اس طرح متحدہ ہے کہ متحدہ قومیت کی داعی ہونے کے باوجود کانگرس اکثریتی مسلمانوں کی نمائندہ نہیں۔ اس اعتبار سے مسلمانوں نے مولانا کی پوزیشن کو کانگرس میں ضعیف کیا ہے اور شاید مولانا ذہنی طور پر محسوس کرتے ہیں

راقم نے عرض کیا۔

کیا یہ صحیح نہیں کہ مولانا نے خود مسلمانوں [illegible] سے [illegible] اس طرح کنارہ کیا کہ مسلمان ان سے ناراض رہے۔

مہاتما جی نے کہا:

"کسی حد تک یہ بات ٹھیک ہے مگر [illegible] اس وقت تک پسند نہیں کرتے جب تک وہ [illegible] یا وہی بات نہ کرے جو ان کے شعور و ضمیر میں [illegible] مختلف [illegible] پنجاب کے ان [illegible] قومی [illegible] زندگی فقر و درویشی کی زندگی ہے۔ وہ [illegible] شاہی ہے اور عوام کی طبیعت اس سے مختلف واقع ہوئی ہے۔"

مہاتما جی نے مسکراتے ہوئے کہا، بہرحال یہ ان کی خلقت [illegible] ہے۔ مسلمانوں کا فرض اس کے ساتھ ہے۔ بہرحال یہ ایک تجربہ ہو چکا ہے۔ جہاں تک مولانا کا تعلق ہے ہم نے انہیں ایک سچا مسلمان پایا ہے۔ میں انہیں ہندوستان کی عظمت سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کو انہیں ایک عبقری شخصیت کے علاوہ امام ازدی سمجھنا چاہیے تھا لیکن یہ ایک دردناک المیہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی زبان و بیان کی تمام غلطیاں ان پر صرف کر دی ہیں۔ مولانا اسلام کے ترجمان اور مسلمان ثقافت کا نمائندہ نہ ہوتے، صرف سیاست کے کھلاڑی یا مغربی ثقافت کا مجسمہ ہوتے تو ممکن تھا مسلمان ان کے گرویدہ ہوتے اور اغلب تھا نہیں

اس مقام پر متمکن ہو جاتے جو اسلام کے نزدیک جائز نہیں، لیکن ہماری اصطلاح میں ہیرو ورشپ کا مقام ہے۔"

پنڈت جواہر لال نہرو

محمد اشرف بٹ پنجاب کے نیشنلسٹ طلبہ میں ایک محرک نوجوان اور پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے "ابوالکلام آزاد" کے نام سے ملک کے بعض چیدہ اہل قلم اور سربرآوردہ سیاست دانوں کے مضامین کا مجموعہ مدون کیا۔ (اردو) لاہور کے مشہور پبلشر قومی کتب خانہ سے شائع ہوا۔ اس کے [illegible] جون ۱۹۴۲ء کی تاریخ ہے۔ ایک مقالہ بعنوان "ایک غیر معمولی سیاست دان" پنڈت جواہر لال نہرو کے قلم سے ہے [illegible] پنڈت جی نے یہ مقالہ [illegible] قلمبند [illegible] دیتے ہیں [illegible] مولانا کی [illegible] کتاب میں [illegible] درج کر دیا ہے [illegible] کا مضمون حسب ذیل ہے:

"[illegible] کے متعلق [illegible] خیال کر [illegible] ہے [illegible] مشکل ہو جاتی ہے جب [illegible] سامنے [illegible] سکتی ہیں [illegible] تقریباً ۲۲ سال ہوئے جب پہلے پہل میری ملاقات مولانا سے ہوئی [illegible] قومی کاموں [illegible] جنگ عظیم کے دوران [illegible] اس سے پہلے بھی بہت کچھ سن چکا تھا اور ان سے ملنے کے لیے بے تاب تھا [illegible] عنفوان شباب تھا لیکن ان کے چہرے پر پختہ کاری اور بالغ نظری کے گہرے نقوش تھے [illegible] کانگرس کے درمیان ناگزیر تھی۔ چونکہ مجھے خود بھی اس وقت کانگرس کے اندرونی حلقوں سے اتنا گہرا ربط و ضبط نہیں تھا۔ اس وقت دور ہی سے مطالعہ کرنے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن اس کے بعد کانگرس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگوں میں بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا اور بالخصوص پچھلے دس بارہ برس سے تو مجھے ان سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ اگر ہمارے ایام قید و بند اور میری ہندوستان سے غیر حاضری کے زمانے کو اس میں سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو کانگرس کے روزانہ مشاغل

اور اس کی عظیم الشان تجویزوں اور اہم فیصلوں میں مجھے ان کی مسلسل رفاقت کی عزت حاصل رہی ہے کانگریس کی تاریخ میں اور بنا بریں ہندوستان کی تاریخ میں بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ کانگرس کی تجاویز وعزائم کی تراش خراش اور وضع قطع میں ان کا زبردست ہاتھ کس طرح مصروف رہا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ پریذیڈنٹ ہوں یا ورکنگ کمیٹی کے ایک عام ممبر ان کی رائیں اور مشورے غیر معمولی طور پر وقیع سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان راؤں اور مشوروں کے پس پردہ دانش و تدبر اور فہم و فراست کی غیر معمولی پختگی اور کھراوٹ روز بروز نمایاں تر ہوتی جارہی تھی۔

مولانا [illegible] طبیعت کے بالکل [illegible] اور [illegible] سیاست دان ہیں۔ آپ ایک کامیاب سیاست دان کے طبعی [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] آپ کی افتادِ طبیعت [illegible] ہے آپ [illegible] اور خلوت پسند میں [illegible] آپ کے میں ایک [illegible] ہے باوجود ایک [illegible] ہوسکے [illegible] ہنگامہ خیزیوں سے بہت [illegible] کو [illegible] کے لیے آمادہ کرنا کوئی آسان کام نہیں [illegible] یہ ہے کہ ان کی [illegible] خصوصیت علم و فضل تھی [illegible] نے [illegible] حرکت و گردش کی زندگی پر مجبور کر دیا ہے۔

مولانا [illegible] مجھے [illegible] جو [illegible] وہاں موجود تھے [illegible] قوم [illegible] وبصیرت [illegible] ان کے دماغ میں عجیب ضبط و ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ [illegible] ہوا ہے [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے منطق و فلسفہ [illegible] ہے ان کا [illegible] معقولیت پسند ہے [illegible] ان کے پس منظر میں ایک [illegible] ہے جو علم کے [illegible] کبھی کبھی بلند [illegible] خشک ظرافت پیش کرتا ہے۔

اگر اس قدر خلوت پسندی اور شرمیلاپن ان کی طبیعت کا خاصہ نہ ہوتا تو وہ ملکی اور قومی کاموں میں اس سے بھی بڑھ کر حصہ لیتے کیونکہ ان کے قلم میں ایک سحر اور ان کے بولوں میں ایک اعجاز ہے جو ہزاروں بے حس دلوں کو حرکت و عمل کی طرف راغب کر سکتا ہے ہم نے یہ اعجاز پرور آواز اب پبلک میں شاذ و نادر ہی سنی ہے اور بدقسمتی سے انہوں نے اپنے جادو نگار قلم سے بھی پہلے کی طرح دلآویزیاں اور رنگینیاں پیدا کرنی چھوڑ

دی ہیں۔

مجھے ہمیشہ تصنیفی زندگی سے ان کی بے تعلقی پر افسوس ہوا ہے کیونکہ جو زبان وہ لکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ پر معنی الفاظ سے مملو ہوتی ہے وہ جو مضمون شائع کرتے ہیں انہوں نے اس وقت ہندوستان بلکہ مغربی ایشیا، عربی ممالک اور مصر سے خراج تحسین وصول کر لیا تھا محض ان کے قلم کی بدولت تھا اور یہ حالت ہے کہ اگر ان عربی بولنے والے ممالک میں کوئی سیاح ہندوستان سے جاتا ہے تو اس سے ابو الکلام کے متعلق ضرور دریافت کیا جاتا ہے۔ [illegible] ہماری قوم کو صداقت اور سلجھے ہوئے [illegible] صحیح رد عمل کے تعین میں کس قدر [illegible] نصیب ہوتی ہے۔

یہ محض [illegible] کے لیے مجبور ہو گئے [illegible] جنھیں ان کو بہت زیادہ [illegible] نظر [illegible] کھو بیٹھتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ہندستان [illegible] ہم یہ ہمیشہ محسوس کرتے رہے ہیں ان کی رائے بہت زیادہ وقیع ہوتی ہے اور [illegible] اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے [illegible] صاحب دماغ کی [illegible] ہوتی ہے [illegible] گیا ہے اور [illegible] ہوتی ہیں۔

[illegible] ہندوستانی [illegible] بہت کچھ [illegible] وہ ایک ہی وقت میں زبردست عالم دین اور ہندوستانی اتحاد کے [illegible] ہیں۔ [illegible] دونوں چیزوں کے اتحاد میں انہوں نے مطلق دقت محسوس نہیں کی [illegible] ہندوستانی زندگی کے اختلافات میں یک باہمی آویزش نظر آتی ہے۔ لیکن مولانا اس عام سطح سے بہت بلند واقع ہوئے ہیں [illegible] انہوں نے صرف اس تنوع کے پس پردہ حقیقی اتحاد و یک جہتی کو دیکھ لیا ہے بلکہ یہ بھی معلوم کر لیا کہ ہندوستان اور اس کی مختلف روحوں کی نجات بس ایک یک جہتی اور اتحاد ہی سے وابستہ ہے۔[1]

[1] پنڈت جی کے مضمون کا اردو ترجمہ عبد اللہ بٹ کی مرتبہ کتاب سے نقل کیا ہے اس وقت انگریزی متن سامنے نہ تھا ورنہ بعض فقرے مزید اختصار کے ساتھ شگفتہ ہو سکتے تھے۔

مولانا وفات پا گئے تو راقم ان کے جنازے میں شمول کے لیے دہلی گیا۔ پنڈت جی اس وقت حزن و یاس کی تصویر تھے۔ انہیں دفنانے کے بعد پنڈت جی مولانا کی کوٹھی میں آئے تو ہم چند لوگ وہاں تھے۔ سب احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن پنڈت جی کی پریشانی کا یہ حال تھا کہ تسلیمات لیے بغیر یہ کہتے ہوئے مولانا کے کمرے کی طرف بڑھ گئے "مولانا سے مل کے ابھی آتا ہوں" پھر تھوڑی دیر دس منٹ میں واپس آ گئے۔ ان کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے معاً باہر باغ میں چلے گئے جہاں مولانا صبح و شام ٹہلا کرتے تھے۔ پنڈت جی کو بے حال دیکھ کر پربودھ چندر ان کے پیچھے ہو گئے۔ پنڈت جی شاخوں سے پوچھ رہے تھے۔

"مولانا تو چلے گئے [illegible]

[illegible]

اب یہ بکھر گئے۔ پھر اور دوستوں سے کہہ رہے تھے [illegible]

پنڈت جی واپس آئے تو راقم سے کہا:

"خدا جانے [illegible] میں فرصت کی [illegible] مولانا سے ملاقات ہوتی تھی اب تو کبھی ملاقات نہ ہوگی"

وہیں [illegible] ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہندوستان جلسے کے صدر تھے۔ پنڈت جی نے اپنی تقریر کے اختتام میں کہا:

مولانا کی موت نے ہندوستان کو اس کی ایک بڑی عظمت سے محروم کر دیا ہے۔ وہ ہماری ان شخصیتوں میں سے تھے جو تاریخ کے عروج ہے۔ بے شک ہندوستان نے [illegible] ان کے جنازے میں لوگوں کا ازدحام مہاتما جی کی ارتھی سے بھی زیادہ تھا۔ میں سوچتا رہا ایک شخص جو عوام سے ہمیشہ دور رہا اور جس کی سب سے بڑی پریشانی کا نام عوام تھے، اس کے جنازے میں بیکراں ہجوم کہاں سے آیا گویا سارا ہندوستان امڈ آیا تھا۔ میرے دل نے جواب دیا کہ وہ ہندوستان کی عظمت ہونے کے باوجود فی زمانہ ہندوستان کے سب سے بڑے مظلوم انسان تھے، لوگوں نے ان کی مظلومیت کا احساس و اعتراف کیا ہے۔ ہندوستان

ہیں بڑے بڑے لوگ ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ قدرت کا نظام یہی ہے کہ وہ انسانوں کی آبادیوں کو خلا کا شکار نہیں ہونے دیتی، ہر دور میں بڑے آدمی پیدا کرتی ہے۔ مولانا کی موت سے وہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ ہندوستان آئندہ بھی بڑے آدمی پیدا کرتا رہے گا لیکن ہم ان کی رحلت سے ایک زبردست خلا کا شکار ہو گئے ہیں کہ آزادی سے پہلے غلام ہندوستان کی جدوجہد میں اور آزادی کے بعد آزاد ہندوستان کی تگ و دو میں جب بعض مسائل کی پیچیدگیاں ہمارے لیے مہلک بن جاتی تھیں تو ہم سوچتے تھے کہ آئیے مولانا سے حل دریافت کریں۔ حیرت ہوتی کہ وہ دم بھر میں ہر [illegible] دور کر دیتے ہر گتھی سلجھا دیتے [illegible]

[illegible]

پنڈت جی نے کہا۔

"مولانا کی طبیعت ایک سانچے میں ڈھلی تھی اس کو توڑنا یا موڑنا مشکل ہے۔ ان کے علم کی سب چاہتے تھے ان میں ایک شان عظمت پیدا ہو گئی ہے اور وہ اس سے کسی حال میں بھی دستبردار نہیں ہوتے۔ اپنی زبان پر کسی کی شکایت نہیں لاتے اور بڑے سے بڑے حادثوں پر گزار لیتے ہیں۔ مسلمان قوم نے اپنے سیاسی خواص کی پیروی میں ان کے متعلق جو زبان درازی کی ہے اور جس بدگوئی کے انبار لگائے ہیں وہ سب کچھ انتہائی شرمناک ہے۔ ایک انسان جو مستقل معنوں میں سیاست دان نہ ہو، علم کی نزاکت کے سانچے

میں ڈھلا ہو، اور ادب کی نفاست پر اس کے مزاج کی اساس ہو اس کے احساس کی پژمردگی کا اندازہ عوام نہیں کر سکتے۔ عوام اگر جوش و غضب کی حالت میں تو مسلمانوں کی بھی زبان میں کا انعام بھی ہیں۔ وہ تیر سے شذہبی واسطہ رکھتے ہیں ان کی عمومی عادت تخریبی ہوتی ہے۔

میں ایک حد تک تاریخ اسلام کا طالب علم ہوں، اور اس کے مطالعے نے مجھے اس خیال کے ماننے میں مدد دی ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ہیروں کی عظمت سے [illegible] کی زندگی میں شرمناک برتاؤ کیا ہے پھر ایک زمانہ گزر جانے کے بعد تاریخ نے [illegible] کی عظمت کا اعتراف کیا اور ان کے علم سے استفادہ حاصل کیا ہے۔

بہرحال مولانا [illegible] تو شاید وہ ابوالکلام نہ ہوتے۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل

ڈاکٹر راجندر پرشاد اور سردار [illegible] مولوی [illegible] لدھیانوی (نصف ار تیہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی) سے

ان سے وقت [illegible] ملاقات ہو گئی [illegible] کوشش کی کہ سردار صاحب بولیں لیکن وہ گھنٹہ بھر ہماری باتیں سنتے رہے خود ایک حرف [illegible] پتھر میں جونک لگا رہے ہیں، کوئی ہفتہ بعد مسٹری پرشاد چند ریگر کی معیت میں ان سے ملاقات ہوئی تو مولانا آزاد کے متعلق میرے سوالات کی نوعیت نے انہیں جواب دینے پر آمادہ کیا۔

میں نے کہا:

سردار صاحب [illegible] یہاں تک تمام حقیقت ہے کہ وزارتی مشن کے مذاکرات میں مولانا کا مسلمان ہونا سیاستہً درست نہیں۔ مسلم لیگ ان کی پوزیشن خراب کرتی اور مسلمانوں کی وہ عدم نمائندگی کے زعم میں ان کی شخصیت کو رد کرتی ہے۔ ادھر وزارتی مشن بالعموم طور پر کانگرس کے ہندو رہنماؤں سے بات کرنا چاہتا ہے تاکہ ہندو مسلم قضیے کے متعلق اپنے ذہن کے خطوط مہیا کر سکے۔ کانگرس بہرحال ہندوؤں ہی کا مجموعہ ہے۔ مثلاً آپ کے متعلق خود کانگرس کے بعض ذمہ دار صوبائی نمائندوں کی طرف سے تردید چاہا رہا ہے کہ آپ اشتعال انگیز بیانات یا حکومتی مذاکرات کے اس مرحلے میں مولانا کی ترجمانی کو بہ وجوہ خرابی اور الجھن کا موجب خیال کرتے ہیں؟

سردار صاحب مسکرائے، کہنے لگے۔

"ہر شخص اپنے خیالات کا مجاز ہے، یہ مرحلہ ہی ایسا ہے کہ طرح طرح کے خیالات آوارہ ہو کر اڑ رہے ہیں، مجھ میں اور مولانا میں بہت زیادہ ذہنی فاصلہ ہے لیکن وہ بعض قومی امور سے متعلق نظریاتی چیز ہے ورنہ مولانا کے متعلق جہاں تک ہمارے اعتقاد کا تعلق ہے ہم ان کی صداقت فکر و رسوخ حب وطنی پر شبہ نہیں کر سکتے۔ اس ملک کے مختلف مکاتیب فکر کی لیڈر شپ ان اقدام کے وہ مخرج ہوتے تو ہم بہت پہلے آزاد ہو چکے ہوتے [illegible] مولانا کے متعلق کوئی شکایت ہے تو یہ وہ [illegible] آج تک مسٹر جناح کے متعلق ایک [illegible] دنیا کی [illegible] بڑھ چڑھ کے [illegible] ایسے شخص کو زیب نہیں دیتا جو اپنے [illegible] مولانا سے مسٹر جناح کی [illegible] دینے کے لیے اصرار کیا اُن کا جواب تھا۔

مسٹر جناح نے اس طرح سے اپنی عزت میں کوئی اضافہ نہیں کیا [illegible] ان کی طبیعت [illegible] کے طور پر [illegible] استعمال کی اجازت دی ہے جو [illegible] مسٹر جناح کو بھی [illegible] کے لیے ان چیزوں کے استعمال کا حق پہنچتا ہے۔ دوسری چیز اس ضمن میں مولانا نے یہ کہی کہ ہم ذاتیات کی [illegible] چھیڑ کر صحت یاب نہیں ہو سکتے۔ [illegible] قومی مسائل اس طرح حل ہو سکتے ہیں۔

بدمزگی کا علاج بدمزگی نہیں اس طرح مسائل کا راست ہونا مشکل ہے۔ قربانی جان و مال کے ایثار ہی کا نام نہیں، حق و صداقت کے لئے عزت و شہرت کا تیاگ دینا بھی قربانی ہے۔

مسٹر جناح کی درشتی نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سیادت کا طرزِ عمل معتقدین کے لیے لازمۂ تقلید ہو جاتا ہے۔ پاکستان بن گیا تو اس ساری لیڈر شپ کو

جو مسٹر جناح کے اس کلمہ تحقیر سے خوش ہوتی ہے۔ خود مستقبل سے گزرنا ہوگا۔ وہ محسوس کریں گے کہ ہم الف ننگا مخلوق کے بازار سے گزر رہے ہیں۔ رہا وزارتی مشن سے متعلق یہ خیال کہ وہ مولانا سے بات چیت کرتے ہوئے کوئی روک محسوس کرتا ہے تو یہ غلط ہے۔ وزارتی مشن جانتا ہے کہ مولانا کو کانگریس کا پورا پورا اعتماد حاصل ہے اور مولانا جو کچھ ان سے کہتے، اجتماعی اعتماد سے کہتے ہیں۔ مولانا سے کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو ہو بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وزارتی مشن کے [illegible] نہیں۔ مولانا ہندوستان کی ترجمانی کر رہے ہیں اور [illegible] وزارتی مشن پر ہندوستان [illegible] کا نقش جما دیا ہے۔

راقم نے سوال کیا

[illegible] سردار صاحب کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ پھیل گئی، کہنے لگے۔

"وہ مسلمان ہیں اور [illegible] ہندو ہوں، کیا یہ ذہنی فاصلہ نہیں؟" پھر کھل کے ہنستے ہوئے بولے "لیکن ہندوستان کی آزادی کے حصول کا جذبہ ہمیں [illegible] یکجا کیے ہوئے ہے۔ جو لوگ ہمارے ذہنی فاصلے [illegible] کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے درمیان [illegible] اختلاف [illegible] سمجھتے ہیں میں [illegible] نہیں رکھتے۔ [illegible] جدوجہد نے یک جان دو قالب کر رکھا ہے۔ اس میدان میں [illegible] مولانا سے میرے [illegible] میرے بعض [illegible] کے اختلاف کی وجہ [illegible] ہم گاندھی جی کے پیروکار ہیں وہ انہیں پرانے ہندوستان کے رشیوں کی طرح مانتے ہیں۔ مولانا گاندھی ازم کے پیرو نہیں وہ قومی جدوجہد میں گاندھی جی کے ساتھی ہیں ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور اتفاق بھی۔ بعض اہم مسائل میں انہیں بنیادی اختلاف ہوتا ہے مثلاً عدم تشدد، گاندھی جی کا دھرم ہے، مولانا اس کو جدوجہد آزادی میں بے بس ہندوستان کا ہتھیار کہتے ہیں۔

سردار پٹیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ گاندھی جی کا مجوزہ لباس پہنتے ہیں اور ہم میں سے نمائندے فی الحال قومی نشان کے طور پر گاندھی ٹوپی رکھتے ہیں۔ لیکن مولانا اس باب میں بھی مغلیہ تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کی سی اچکن اور مسلمانوں

ڈی سی ٹوپی پہنتے ہیں۔ خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر سید محمود کانگریس کی مجلس عاملہ کے مستقل ممبر ہیں، انہوں نے اپنے تئیں گاندھی جی کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ ڈاکٹر سید محمود ہمیشہ گاندھی ٹوپی پہنتے ہیں، لیکن مولانا کے ذہن میں اس کا تصور ہی نہیں۔ بات معمولی ہے لیکن مولانا اس طرح اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور اپنے مخصوص کلچر سے الگ نہیں ہوتے۔ ان کی نشست و برخاست عام تر مشرقی تہذیب کی اسلامی وضع قطع رکھتی ہے۔

بہرحال مولانا میں ہندوستان کی رواداری اور تحمل کے [illegible] ہیں جو مغلوں کے عہد کی امتیازی خصوصیت تھی:

"مولانا کے بارے میں آپ کی حتمی رائے کیا ہے؟" میں نے سردار صاحب سے آخری سوال کیا۔

سردار صاحب نے کہا:

"مولانا کی [illegible] اپنی [illegible] کی [illegible] ڈیکل کھڑے انسان کے رد و قبول کی محتاج نہیں۔ وہ دمشق، بغداد اور دہلی کی مسلمان سلطنتوں کے عہد [illegible] کی بصیرت کا آخری وجود ہیں۔ انہیں قدرت نے ہندوستان کے زمانہ ابتلا میں پیدا کیا ہے۔ وہ ہندوؤں میں ہوتے تو مہاتما [illegible] گاندھی ہوتے، ہندو عوام انہیں [illegible] لیکن مسلمانوں نے ان سے وہ سلوک کیا جو [illegible] نے نئی دنیا کے رہنماؤں سے کیا تھا۔"

راقم نے عرض کیا:

"جان گنتھر نے انڈیا [illegible] میں آپ کو، راجن بابو کو اور مولانا کو کانگریس کے ارباب ثلاثہ قرار دیا اور لکھا ہے کہ آپ اس جمہوریت [illegible] مولانا اس کا دماغ اور [illegible] اس کا دل ہیں۔"

سردار صاحب مسکرائے۔ راجن بابو نے کہا۔

"مولانا کی شخصیت بلاشبہ کانگریس کے وجود میں دماغ کی ہے۔"

میں نے یوسف مہر علی کے حوالے سے عرض کیا کہ انہوں نے مولانا کے سوانحی خاکے میں لکھا ہے۔

"آپ کی شخصیت بالکل ان قاموسیوں کی طرح ہے جنہوں نے انقلاب فرانس کو اپنی تحریروں

میں ڈھالا تھا۔

- آپ گاندھی جی کے فلسفۂ عدم تشدد کے عقیدۃً حامی نہیں بلکہ ہندوستان کی آزادی کے لیے بے بس قوم کا اسلحہ سمجھتے ہیں۔
- ہندوستان کے معمر سیاست دانوں میں سب سے زیادہ انتہا پسند ہیں۔ کانگرس میں دائیں اور بائیں بازو کے لیے نقطۂ اتحاد ہیں۔
- آپ جیسے انسانوں کا ہر ملک میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً فقدان ہے۔

سردار پٹیل نے کہا:

"یوسف مہر علی نے غلط نہیں لکھا"

راجن بابو بولے

"ان کا حرف حرف درست ہے۔"

ڈاکٹر راجندر پرشاد

ڈاکٹر راجندر پرشاد کا اندازِ گفتگو اور اسلوبِ تحریر نہایت عمدہ تھا۔ اسی طرح بات چیت میں ان کا لب و لہجہ شفیق تھا۔ راقم نے مولانا کے متعلق عرض کیا کہ وہ بعض سیاست مندوں سے خوبصورت الفاظ میں آ جاتے ہیں۔ راجن بابو بولے

"وہ ابوالکلام ہیں۔"

راقم نے مولانا کے متعلق راجن بابو سے دریافت کیا کہ اس طویل رفاقت میں آپ نے ان کے متعلق کیا رائے قائم کی ہے۔

جواباً کہا:

"ہم لوگ گاندھی وادی ہیں۔ مہادیو ڈیسائی مہاتما جی کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے مولانا کے متعلق کتاب لکھی ہے اس کے علاوہ دو چار مضمون بھی ملک کے بڑے بڑے روزناموں میں سپردِ قلم کیے۔ فی الجملہ ان کے تاثرات ہم سب کے تاثرات ہیں۔ ہم گاندھی وادی مولانا کے متعلق وہی محسوس کرتے اور رائے رکھتے ہیں جو مہادیو ڈیسائی نے بیان کیا ہے کہ:

۱۔ ان کی شخصیت میں تاجذب اور کشش ہے کہ ان کی ہر جگہ تعظیم کی جاتی ہے۔

۲۔ وہ کانگرس میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ ان کے اعجازِ بیان سے انسان مسحور ہو جاتا ہے۔

۳۔ ان سے بڑھ کر کانگریس میں دوسرا کوئی معاملہ فہم سیاست دان اور سیاسی جوڑ توڑ کرنے والی شخصیت نہیں ہے۔

۴۔ مہاتما جی سیاسی زندگی کے انتہائی خطرناک مراحل میں ہمیشہ ان سے رجوع کرتے ہیں۔

۵۔ موتی لال نہرو، ورسی آر داس ان سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

۶۔ نمائش و دکھاوے سے ہمیشہ محترز رہتے ہیں۔

۷۔ علم اللسان میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

۸۔ گاندھی جی ان کی زبان کو ہندوستان کی لینگوا فرینکا بتاتے ہیں۔

۹۔ ان کی ہمہ گیری [illegible] تاریخ، فلسفہ، مذہب، سائنس، سیاست، ادب [illegible] ناول [illegible] جدید و قدیم [illegible] کتابیں ان کے مطالعے میں رہ چکی اور رہتی ہیں [illegible] کے پاس [illegible] کتاب [illegible] ہیں۔

۱۱۔ سو خط بہت سے [illegible] لیکن [illegible] ملاقاتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

۱۔ [illegible] کی تنہائی کو خلوت [illegible] رہتے ہیں۔

۱۲۔ [illegible]

۱۳۔ وہ کسی حالت میں بھی اپنی [illegible] ترک نہیں کرتے۔

راجن بابو نے مہادیو ڈیسائی کی ان تحریروں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ

"ہم لوگ گاندھی وادی یعنی بہ تدریج کے پیرو ہیں، لیکن مولانا مہاتما جی کے ساتھی اور ان کے رفیق جہد ہیں، اپنی بے پایاں انا کے باعث وہ بڑے سے بڑے شخصی حریف کی خرافات کا جواب نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک ذاتیات کی جنگ ناقابل اعتنا ہے۔ اس کو بدروئیں روڑے پھینکنے کے مصداق سمجھتے ہیں، جس کے چھینٹے اڑ کر اپنے ہی بدن پر آتے ہیں۔"

مولانا کے متعلق رجن بابو کا ایک مضمون "الجمعیۃ دہلی" کے ابوالکلام نمبر میں شائع ہوا تھا اس میں لکھا تھا کہ:

۱۔ وہ ستمبر ۱۹۲۰ء میں پہلے پہل مولانا سے متعارف ہوئے، جب انہوں نے تحریک خلافت کے شروع میں مہاتما جی اور مولانا محمد علی کے ساتھ بہار کا دورہ کیا۔ تب انہیں ایک سحر طراز خطیب کی حیثیت سے دیکھا۔ ان کی آواز دلوں کی گہرائی میں اتر کر عوام کے خوابیدہ جذبات کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کر دیتی۔ غرض ان کی تقاریر سے بہار میں آزادی کا طوفان اٹھ آیا تھا۔

۲۔ مہاتما جی ۱۹۲۲ء کے شروع میں قید کیے گئے تو بعد میں کانگریس کے ممتاز رہنماؤں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ کانگریس کو کونسلوں کے انتخابات میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں۔ پہلے کلکتہ کے ... اجلاس میں حصہ لینے کا فیصلہ ... اور ... کے اجلاس میں اس کی توثیق کی گئی۔ گیا کانگریس میں ... نے ... کی مخالفت کی لیکن مقابلے کے ... خطرہ تھا ... کے اختلاف سے کانگریس کو زبردست دھچکا لگنے کا امکان تھا۔ مولانا آزاد اس قضیے کو نمٹانے کے لیے کانگریس کے سپیشل اجلاس منعقدہ دہلی ۱۹۲۳ء کے صدر منتخب ہو گئے۔ وہ دو تین سال ہی میں کانگریس کے صدر ہو گئے اس کی وجہ ان کا زور خطابت ... اور معاملہ فہمی ... کرنے کی قوت اور مختلف خیال جماعتوں میں ... کی حیثیت تھی۔ ان کی انہی خوبیوں سے ان کے رفقا کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

۳۔ ہمیں تحریک آزادی کی طویل مدت میں ان کی حب الوطنی، ایثار، قربانی اور مضبوط قوت فیصلہ کا بار بار اعتراف کرنا پڑا اور یہ انہی کا کمال تھا کہ ۱۹۲۳ء میں ... اور ... کے خیالات کا مساوی طور پر احترام کیا گیا اور جانبین میں مفاہمت کا راستہ پیدا ہو گیا۔

۴۔ وہ اپنے عقائد پر غیر متزلزل چٹان کی طرح جمے رہتے اور کسی طرح ان سے ہٹتے نہیں تھے۔

راقم نے استفسار کیا کہ آپ نے مہاتما جی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے تیرتھ یاترا کرنا، تو کیا مولانا کے متعلق آپ نے ایسی کوئی رائے قائم کی ہے؟

بابوجی نے کہا — مہاتما جی کا تذکرہ بالکل دوسری بات ہے۔ وہ پراچین ہندوستان کے

رفیقوں کا بدل ہیں ان کے متعلق ہمارے تاثرات عقیدت کی انتہا پر ہیں۔ مولانا ہماری جدوجہد کے پر استقامت قافلے کی آبرو ہیں، انہیں مل کر ہمیں تہذیب و شائستگی اور علم و فکر کی معراج سے ہمکلامی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اپنے علمی تبحر کی دھونس نہیں جماتے اور نہ کسی کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ کسی عنوان یا شخصیت سے مرعوب بھی نہیں ہوتے۔ وہ عمر بھر کے ساتھیوں سے ان کی آرا میں اختلاف بھی کرتے ہیں، لیکن کبھی تصادم کی نوبت نہیں آنے دیتے، وہ دوسروں کو اپنے طرز استدلال کے تسلسل سے قائل کرتے اور اپنے افکار کی عمارت اٹھاتے ہیں۔ کئی معاملوں میں بالخصوص جب وہ تاریخ کے نقطۂ نگاہ سے اختلاف کرتے ہیں تو ہمیں قدرتی طور پر سخت اختلاف ہوتا ہے لیکن ان کے اختلاف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوسرے بزرگوں میں نہ تھا، وہ نظریاتی پیمانے سے ہندوؤں کو موہوم ... سے شدید اختلاف میں اپنے خیالوں کی وسعتی قسم پیدا کر لیتے ہیں ... خیالات کو نکھار سکتے ہیں۔ کانگرس کی عوامی قیادت کی سیاست میں ذہنی ہو اور وہ تخیل عوام میں مقبول ہو سکیں تو ان کے خیالات سے اختلاف کرنا مشکل ہو ... لیکن وہ عوام کی طاقت سے زیادہ اپنی ذہانت اور اپنے تجربہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ انہیں عوام کی جذباتی اور ... سے زیادہ اپنے عقل کی ... دیگری پر اعتماد ہے۔ وہ جمہوریت کے ... خلوت کے ... ہیں، اور عوام کے جذبات میں بہنے کی بجائے ... پیدا کرتے ہیں۔ ان کے خیالوں کو عوام تک پہنچانا ... کا فرض ہے، وہ یہی محسوس کرتے اور یہی خواہش رکھتے ہیں:

راقم نے ایک اور سوال کیا۔

جب سبھاش چندر بوس کانگرس کی صدارت سے مستعفی ہوئے اور آپ نے صدارت کا چارج لیا تو سبھاش بابو کا غصہ مولانا کے خلاف زیادہ تھا، وہ اپنے بیانوں میں انہیں مغل اعظم کہتے اور اس طرح بیان دیتے گویا ان سے جو سلوک ہوا اس کے مسئول مولانا ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر کانگرس سے الگ ہوئے تو ان کا غصہ بھی مولانا کے خلاف تھا۔ قائد اعظم بھی مولانا ہی کو معتوب کرتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

بابوجی بولے۔

"اس کی وجہ مولانا کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کا سطر ہے۔ مولانا ہینگ جواب کبھی نہیں دیتے اور نہ تو تکرار جانتے ہیں، وہ اپنے منفرد مقام سے قومی، سیاسی اور جماعتی نوعیت کے مسئلوں کو صاف کرتے ہیں تو ان کی وجہ سے ٹکراؤ دوسرے سے ہوتا اور ان کے بیچ غصّے کا موجب بنتا ہے۔ سبھاش بابو خصوصیت رکھتے تھے، مولانا کی دیانت نے ان کے وار کو روک کر کند کر دیا ہے وہ ان کے خلاف ہو گئے۔ مولانا محمد علی کا ٹکراؤ مولانا آزاد کی شخصیت سے نہیں [illegible] مسٹر جناح [illegible] تھے [illegible] بہت دور ہیں وہ جب تک گاندھی سے مد مقابل ہو کر [illegible] ہیں۔ مولانا ان کے ہم مذہب ہیں اور انہیں اصل [illegible] ہیں [illegible] سیاسی [illegible] مسلمان [illegible] شخصیت [illegible] ہے اور پہلی [illegible] صاحب [illegible]"

راجن بابو نے یا کا ذکر کیا:

"مولانا [illegible] ہندوستان کی تاریخ [illegible] کی وابستگی اور ارتقا کا بھی [illegible] ہیں [illegible] ہندوستان کی [illegible] ہے۔ اور [illegible] میں [illegible] آپ کے اس [illegible] سے متعلق [illegible] کے ہم [illegible] ان کی [illegible] ہندوستان کے [illegible] میں [illegible] ہیں [illegible] پہلی بار ہو چکی تھی۔"

مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں پنجاب کے صحافتی دیرہے میں کلمۂ حق کی پہلی صدا تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمیندار نے جو [illegible] سے [illegible] کی رحلت کے بعد ان کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا، ایک نیا پنجاب پیدا کیا اور مسلمانوں کو ایک ولولہ دیا جس سے پنجاب ہی نہیں بلکہ سرحد و سندھ کے علاقے بھی محروم نہ تھے۔ مولانا نے زمیندار کے مینارہ سے جو سب سے بڑی بے خوفی کی روشنی پھیلائی وہ قلم کے دھنی اور زبان کے غنی تھے۔ ان کے قلم اور زبان میں عوام کے لیے جادو تھا، وہ آناً فاناً ایک تحریک پیدا کر دیتے۔ ان کے مزاج میں ٹھہراؤ اور طبیعت میں جماؤ ہوتا تو قلم و زبان کے اعتبار سے پنجاب کے ابوالکلام ہوتے لیکن ان کے دل و دماغ پر شاعری نے ایسا قبضہ کیا تھا کہ وہ

سیاست داں سے کہیں زیادہ شاعر تھے۔ تقریر میں ان کا اسلوب عوامی تھا وہ جذبات سے کھیلتے اور جذبات کے لیے جیتے تھے۔ نظم میں صحافتی شاعری کے موجد اور انشا میں اخباری زبان کے مجتہد تھے۔ تحریک خلافت کے آغاز میں ہندوستان کے مسلمانوں کو جو حق لیڈرشپ حاصل ہوئی ان کی تین شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ مولانا آزاد، مولانا محمد علیؒ اور مولانا ظفر علیؒ تینوں قلم و زبان کے شہسوار تھے، لیکن تینوں کی معرکہ آرا شخصیتوں میں بعد المشرقین تھا۔ تینوں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علیؒ نے تو مولانا آزاد پر [illegible] مولانا آزاد نے چپ [illegible] ہی [illegible] مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی آپس میں بھڑ گئے۔ تو بلا کا رن پڑا [illegible] تینوں کے قلم و زبان میں [illegible] تینوں کی سرجنگی [illegible] مولانا محمد علی کی طبیعت میں جذبات کا [illegible] مہاتما گاندھی، سردار پٹیل اور پنڈت [illegible] غالب تھا ہندوستانی مسلمانوں کی [illegible] محدود رہا [illegible] سیاست کی عمومی بدحواسی کے باعث [illegible] مختلف گروہوں سے [illegible] کی رحلت کے وقت [illegible] لیکن مولانا ظفر علی [illegible] تذکرہ کیا بغیر سے [illegible] ہندوستان کی سیاست [illegible] مختلف شخصیتوں کے بارے میں جب کبھی ان سے بات چیت ہوتی [illegible] قلم و زبان [illegible] سے پرہیز کرتے۔ ان کے تبصرے بہت تیکھے اور [illegible] ہوتے [illegible] ان کے متعلق نہایت وقیع رائے ظاہر کی [illegible] ایک دفعہ [illegible] طویل نظم [illegible] ارشاد فرمائی۔ مطلع تھا ۔

مجھے بھی انتساب ہے ادب کے اس مقام سے
ملی ہے جس کی صد قدم گزر نظام سے

دسواں یا گیارھواں شعر تھا ۔

جہاں اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہوئی
ہے تجھ کو اس کی جستجو تو پوچھ ابوالکلام سے

راقم ہمراہ تھا۔ استفسار کیا:

"مولانا ابوالکلام کے متعلق آپ نے جو شعر کہا ہے وہ محض قافیہ کی بندش ہے یا فی الواقع آپ بھی سمجھتے ہیں؟"

فرمایا:

"جو کچھ میں نے کہا، وہ لفظاً ہی نہیں معناً بھی درست ہے"

عرض کیا:

"کیا مولانا ابوالکلام [illegible] اسلاف سے [illegible] ہیں؟"

فرمایا:

"بالکل [illegible] قرآن [illegible] کے باب میں [illegible] نہیں [illegible] مولانا ابوالکلام [illegible] سمجھتے اور قرآن کو [illegible] معاً [illegible] وہ قرآن کی ابدی دعوت پر نظام کائنات کی اساس رکھتے ہیں، ان پر [illegible] اس طرح کھلے ہیں کہ ان کے لیے کوئی سی راہ مسدود و منقطع نہیں [illegible] کی [illegible] ہے۔

راقم: "[illegible] تفسیر [illegible] دوسرے تراجم و تفاسیر کے مقابلہ میں منفرد ہے۔

مولانا:

"ان کے ترجمہ و تفسیر کی بڑی خوبی [illegible] ہے کہ وہ [illegible] میں خطاب کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کے الفاظ الوہیت اور نبوت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں اور یہ عین اللہ کی دین ہے۔ دوسرے ترجمے جو اب تک ہندوستان میں ہوئے ہیں، وہ قرآن کے الفاظ میں لغوی و لفظی ترجمے ہیں، ان میں قرآن کے شکوہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، عربی الفاظ کا ترجمہ اردو الفاظ میں کیا گیا ہے، مطالب [illegible] ہو گئی ہے۔ آزاد کی تفسیر

محض مقامی یا محض اسلامی نہیں، بین الاقوامی و بین الملّی ہے، وہ الہیاتی زبان میں کائنات کو خطاب کرتے ہیں۔"

راقم: "ادب میں ان کا مقام کیا ہے؟"

مولانا:

"فی الواقع وہ ایک سوطا ز ادیب ہیں، ان کا قلم طرار ہے، وہ قرن اوّل کے غزوات کی چہرہ کشائی کرتے، اور عصر حاضر [illegible] مسلمانوں کی [illegible] ڈھونڈتے ہیں۔ ان کا اسلوب بیان [illegible] آدمی [illegible] مطالب میں ڈوب [illegible] ہے۔ حقیقت یہ ہے [illegible] ہندوستان میں [illegible] نظیر نہیں رکھتے۔ قوتِ زانت [illegible] ہے۔"

راقم: [illegible]

مولانا:

"[illegible] مسئلہ ہے کہ [illegible] کس حد تک [illegible] [illegible] نابلد ہیں [illegible] ہیں [illegible] [illegible] وارث ہیں۔"

راقم: "ان سے [illegible] کی وجہ کیا ہے؟"

مولانا:

"ہر طبیعت کا ایک اسلوب ہوتا ہے [illegible]"

راقم: "مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ان کی سیاست سے متفق نہیں، وجہ کیا ہے؟"

(۱۹۳۰ء کی ایک مکالمت ہے)

مولانا:

"مسلمانوں کی عمومی تاریخ ہی یہ ہے کہ جن کی محراب عظمت میں ان کی موت کے بعد جبین اعتراف جھکاتے ہیں، وہ اپنی زندگی میں ان کے اعراض و انکار کی زد میں رہتے

اور ان کے استبداد کی بھٹی میں پکتے ہیں پھر جب وہ اللہ کو پیارے ہو جاتے تو ایک زمانہ گزرنے پر مسلمان ان کی عظمت کا احساس کرتے اور ان کی مرحوم شخصیت کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ قرن اول سے یہی ہوا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ائمہ کی رسوائی اپنے سلطانوں سے کرائی اور خود تماشائی بنے رہے۔ اب غلامی کے زمانے میں وہ دولت کو پوجتے اور طاقت کو مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک قربانی و استقامت کسی انسان کی [illegible] اور عزم و دیانت محض خوبی ہیں۔ مسلمان من حیث القوم ہمیشہ مزار پرست قوم رہے۔ وہ مزار گر رہ جانے کے بعد ٹھنڈی پڑ جاتی اور [illegible] وہ دلکش ہوتی ہے جو [illegible] وہ زمانے میں [illegible] [illegible] [illegible] دردناک [illegible]

راقم: [illegible] صحافت کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

مولانا:

"جب وہ صحافت میں [illegible] جو [illegible] اس نے ہندوستانی مسلمانوں کے دینی قبرستان میں اذان دی اللہ کہا اور اس صدا نے انہیں جگا دیا تھا [illegible] نہیں [illegible] کہ ہندوستانی صحافت میں اس کا جواب نہ تھا۔"

راقم: مولانا کے ساتھ آپ کے [illegible] کیونکر رہے۔

مولانا:

میرے ساتھ انہیں ہمیشہ تعلق خاطر رہا۔ سر [illegible] زمیندار کو اپنے غضب کا نشانہ بنایا تو بعد میں انہوں نے کئی مقالے تحریر کیے اور حکومت کی روش پر نکتہ چینی کرتے ہوئے زمیندار کی آواز کو زندہ رکھنے کے لیے عامۃ المسلمین کو آمادہ کیا۔

راقم: "آپ مولانا سے ملتے تو گفتگو عموماً کس موضوع پر ہوتی؟"

مولانا:

"ہر موضوع پر جو اس وقت ہندوستان میں قومی آزادی اور مسلمانوں کے استقلال کا موضوع

مولانا:

راقم: "آپ نے ادب پر کبھی بات چیت کی؟"

مولانا:

کئی دفعہ۔ آزاد اردو ادب کی رفتار سے [illegible] تھے اور اس کو "علامہ اقبال" کی ڈگر پر لانے کے متمنی تھے۔

راقم: "وہ مرزا غالب کس ڈگر کے انسان تھے؟"

مولانا:

جب [illegible] ہمیں مغلی تہذیب کا [illegible] کہتے ہیں۔ لیکن وہ مغلی تہذیب سے نہیں [illegible] نہیں بغداد مرحوم کے [illegible] بات [illegible] ہوتے اس [illegible] کی جوش [illegible] جاتی ہیں۔

راقم: ان حالات میں مسلمان [illegible] چونکہ [illegible] ہیں

مولانا:

[illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] خیال ہے کہ وہ اس عہد اور محل کے انسان ہیں لیکن اس عہد اور محل میں پیدا ہو کر آفاقی زندگی [illegible] ہیں وہ سیاست [illegible] کیونکہ سیاست [illegible] ہمیشہ مستقبل پر سوچتے ہیں وہ مدبر ہیں اور مدبر انسان کے مستقبل پر سوچتا ہے۔ ہندوستان جن قوم کا مجموعہ ہے ان میں کوئی سی قوم اپنی بوقلمونیوں کے باعث آزاد سے متفق نہیں، وہ اپنے تئیں اس طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح لالۂ خودرو بیابان میں ہو۔"

خان عبدالغفار خان | پاکستان میں اپنی طویل قید سے بادشاہ خان اچانک رہا کر دیے گئے تو ابتداً

سرحد میں اس کا داخلہ ممنوع تھا، وہ راولپنڈی سے رہا ہو کر وہیں پہنچے اور [illegible] کے ہاں مقیم ہوئے۔ [illegible] انہیں ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی چلتی پھرتی تاریخ سمجھا اور سرحد جو کبھی سرزمین بے آئین تھا، اس کا نجات دہندہ خیال کرتا تھا۔ ان سے تاریخ کے متعلق استفسار شروع کیا تو وہ ہر موضوع پر مفصل روشنی ڈالتے، واقعات بتاتے، ان کے مؤثر پہلو فرماتے، اور شخصیات کے بارے میں تفصیلی تذکرہ کرتے تھے۔

چونکہ [illegible] کی تاریخ پاکستان کی تاریخ سے [illegible] میں [illegible] [illegible] جن سے [illegible] [illegible] ہوتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی۔ [illegible] کے بارے میں [illegible] [illegible] ان کا تذکرہ و سوانح موقوف کر دیں جو برعظیم کی [illegible] [illegible] طویل جدوجہد کے [illegible] [illegible] خان [illegible] عبدالغفار خان [illegible] مطلع روشن [illegible]۔

[illegible] سے فرد فرد ہر شخص کے مختلف خصائص بیان [illegible]۔

> انسان ہر جگہ انسان ہوتا ہے، بڑے آدمی [illegible] سے مختلف نہیں ہوتے، وہ انسان ہی ہوتے ہیں، لیکن قدرت جس خاص [illegible] دے کر انہیں بڑا بنا دیتی ہے، بڑائی اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند معلوم و معروف سچائیاں ہیں جنہیں اختیار کرنے سے آدمی بڑا ہو جاتا ہے۔ ان بڑائیوں میں سرِفہرست شخصی کیریکٹر ہے جس شخص کی سیرت مستقیم ہوگی اور وہ سچائی کے پیرہن میں ایثارِ ذات کا جوہر رکھتا ہو گا وہ بلاشبہ عظیم آدمی ہے اور اس کے عظیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

کانگرس میں گاندھی جی عظیم انسان تھے تو اس کی وجہ ان کا شخصی کردار تھا۔ انھوں نے اپنی ذات کی نفی کی تو ایک کھرا اور سچا انسان ہو گئے۔ اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنے شب و روز بھی قوم کی بھینٹ کر دیئے۔ بابائے ہندوستان ہی کے لیے نذرانہ جل ہوگئے وہ ایک ایسا چراغ تھے جس سے کئی چراغ روشن ہوئے اور ایک اندھیری رات بقعۂ نور ہو گئی۔ وہ تقریباً ظاہر ماورائی باتیں کرتے، اور ان سے اپنی روح کا رشتہ جوڑتے تھے۔ دراصل یہ ان کی آدرش روحانی ہے۔ غرض ان کی شخصی وجود نے صدیوں کے غلام ہندوستان کو جھنجھوڑ دیا اور ایک ایسی قوم میں ولولۂ آزادی پیدا کیا، جس کی نس نس میں خون تک منجمد ہو چکا تھا۔ وہ خود ایک عظیم راہنما تھے، لیکن انھوں نے کئی عظیم راہنما پیدا کیے۔ ہندوستان کی آزادی کانگرس کی مرہون منت ہے اور کانگرس ان ہی [illegible] کانگرس کے عظیم دور کے رہنما تھے۔ انہوں نے کانگرس [illegible] آزادی کی جدوجہد میں [illegible] ہو چکا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے متعلق ایک دوسری ملاقات میں [illegible] خان نے کہا۔

"وہ جدید ہندوستان کے علامتی حامل تھے۔ گاندھی جی کے جانشین تھے اور [illegible] سے خود [illegible] کا اعلان کیا تھا [illegible] جدید ہندوستان کے صدر [illegible] اور جدید ہندوستان کے سیاست کا نمونہ تھے [illegible] نوجوان ہندوستان کے رہنما تھے [illegible] ہندوستان کے سیاست دان [illegible] کانگرس کے عوام [illegible] بے پناہ عقیدت رکھتے۔ ہندوستان کی سیاست کا تاج ان کے سر پر تھا۔ وہ اپنے ملک کی مختلف تہذیبوں اور مختلف دھاروں کا مرقع تھے۔ ان کے مطالعے کی وسعت نے انہیں بین الاقوامی شخصیت کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں ان کی تحریریں نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں۔ وہ امریکہ و یورپ میں ایک سیاست دان کے علاوہ ایک مصنف کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے تھے۔ ان کی شخصیت قومی جدوجہد نے اتنی بلند کی تھی کہ ہندوستان کی وزارت عظمیٰ ان کے لیے باعث فخر نہیں بلکہ وزارت عظمیٰ کیلئے

وہ باعث فخر تھے۔ ہندوستان کی عوامی ہیرو کا نام جواہر لال تھا۔

راقم نے پوچھا۔ سردار پٹیل؟

بادشاہ خان نے کہا:

"وہ ایک فولادی انسان تھے۔ اپنے اعصاب پر انہیں اس قدر قابو حاصل تھا کہ اپنے خیالات کے خلاف نہیں کبھی تذبذب نہ ہوتا اور نہ ان سے دستبردار ہوتے۔ وہ گاندھی وادی تھے لیکن ہٹیلے، ایک دفعہ جس بات پر اڑ جاتے پھر اس سے ہٹتے نہیں تھے، ان میں طبیعت کی سنگینی کے باوجود [illegible] تھا [illegible] کے قائل تھے [illegible] کے تحت نہیں [illegible] کے مطابق [illegible] تھے، وہ جلد باز ایک منکر [illegible] وہ کانگریس میں ڈوبے ہوئے [illegible] گاندھی [illegible]"

"اور مولانا آزاد؟" راقم نے دریافت کیا۔

بادشاہ خان نے کہا:

"[illegible] مولانا ظفر علی خان کے [illegible] ہو گئی۔"

کوئی سولہ سترہ برس مولانا آزاد کے ساتھ کانگریس [illegible] کمیٹی میں رہا۔ [illegible] ساتھ اس وقت چھوٹا جب [illegible] ہو گیا۔ [illegible] سے استفادہ کرنے کی حسرت تھی، پھر سالہا سال ان کی رفاقت میں بسر کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کانگریس میں شروع [illegible] شخصیت تھے، وہ ہماری طرح منکسر المزاج اور درویش خراسان نہیں تھے۔ لیکن ان کی گفتگو میں نقرہ [illegible] پڑے تھے۔ وہ علم کے [illegible] کے شہنشاہ تھے کسی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے کے نتیجے پر پہنچنا ان کے لیے مشکل نہ تھا [illegible] عام [illegible] تک پہنچ

جاتے اور جہاں تک کسی مسئلے یا موضوع کے بیان کرنے کا تعلق تھا وہ ایک بہتے ہوئے مقدس دریا کی طرح تھے۔ انسان ان کے کلام کی طاقت سے مغلوب ہوتا اور ان کی شیوہ بیانی سے مفتوح ہو جاتا۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی عبقریوں کا مجموعہ تھی لیکن مولانا آزاد سب پر چھائے رہتے۔ کوئی شخص ان کے دماغ و زبان کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ اب او وقت کی تجویزیں گاندھی جی کی تالیف ہوتیں۔ لیکن آل انڈیا کانگرس کمیٹی سے منوانے کے لیے مولانا ہی کی طاقت لسانی کام آتی اور مجوزہ [illegible] ثابت ہوتا۔

میں نے پوچھا

مولانا کے متعلق آپ کی [illegible] رائے ہے؟

بادشاہ خان نے کہا۔

"مولانا ایک [illegible] تھے [illegible] موضوع [illegible] معیت [illegible] ہوتے [illegible] حیرت ہوتی کہ اس شخص کی ذہنی لیاقت [illegible] ہو جاتے [illegible] کا [illegible] سے مختلف ہی [illegible] کانگرس کی بہت سی قراردادیں ان کے قلم سے نکلیں [illegible] میں ترجمہ کرتے [illegible] ہوتی [illegible] الفاظ بدلوا دیا لیتے۔ اور ان کے متبادل الفاظ تجویز کرتے۔ ان کا دماغ قدرت کے عجائبات کا خزینہ تھا۔ وہ برعظیم کے مسلمانوں کی علمی وجاہتوں کی آخری دولت تھے۔ مسلمانوں نے ان سے جو سلوک کیا وہ میں یقین کرتا ہوں [illegible] تاریخ [illegible] امام احمد بن حنبلؒ یا امام ابن تیمیہؒ بھی تو اپنے ناموافق زمانوں سے گزرے تھے۔ مسلمانوں کی تاریخ قتل عثمانؓ سے شروع ہو کر اس زمانے تک کچھ ایسی ہی چلی آ رہی ہے کہ ان کے ہاں کسی عظمت کا اعتراف اس کی رحلت ہی سے شروع ہوتا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

شاہ جی ہندوستانی مسلمانوں کے دیرینہ آبادیں قدرت کا عطیہ تھے وہ خود ایک عہد، ایک تاریخ، ایک ادارہ، ایک تحریک

اور ایک جماعت تھے۔ ان سے بڑا عربی خطیب اردو زبان نے پیدا نہیں کیا اور نہ مستقبل قریب میں اس کے آثار ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام و بیان کی تاثیر و سحر کا یہ حال تھا کہ دلوں کی انگیٹھی موم کی طرح پگھلتی اور دماغوں کا تخت رواں رواں ہو جاتا۔ نہیں ہوا کے جھونکے اور سمندر کی موجیں بھی گوش بر آواز ہو کر سنتی تھیں۔ ان کا بیان تھا کہ وہ مسجد ہی کے حجرے میں اپنی زندگی گزار دینا چاہتے تھے اور اسی نہج پر ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی لیکن "ہلال و زمیندار" انہیں جد و جہد کے میدان میں لے آئے اور ستارہ صبح نے ان کے جگر میں آگ لگا دی۔ ہلال کے بارے میں فرمایا:

ہلال نے اپنی تحریروں میں جو رنگ اختیار کیا اور وہ جب تحریک [illegible] کی طرف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] کرتا ہے۔ ہندوستان کے دورِ تعمیر کی حیثیت سے مختلف تصویروں پر ان کے تشریحی حاشیے لاجواب ہیں۔ ان میں سے ایک تقریب میں مصوری سے متعلق ان کی ایک تقریر سنی ہے [illegible] کی معلومات پر سر دھن رہے تھے۔ سنگ تراشی کے بارے میں ایک دن تاج محل کا ذکر کیا تو دنیا بھر میں گھما کے لے آئے۔ سنگ تراشی و معماری کے ارتقا، تہذیب کی تاریخ اس طرح بیان کی کہ مخصوص اصطلاحوں کے ساتھ خوبصورت الفاظ کی ہرنیاں اچھل اچھل کر رہی تھیں۔ ایک دن مختلف قوموں کے فواکہات و مشروبات کی طلسم ہوشربا بیان کی تو گفتگو کئی گھنٹوں تک پھیل گئی۔ [illegible]

مجھے کہ جاپان اور میکسیکو کے قہوہ جات و مشروبات کی جزئیات تک سے بھی آشنا ہیں۔ ایک دفعہ کبوتروں کا ذکر چھڑ گیا تو ان کی نسلوں اور خوبیوں کا مرقع سنا ڈالا، پھر چرند و پرند کی عادتوں پر روشنی ڈالی تو ایک تہائی دن اس کی نذر ہو گیا۔ کسی نے غالب کا ذکر چھیڑا تو سبحان اللہ گویا خود غالب ہیں، دیوان کے ساتھ عمر گزاری ہے۔ وہ ولی دکنی سے لے کر عصر حاضر کے ہر شاعر کو جانتے اور ان کے بعض چیدہ چیدہ اشعار بھی حفظ تھے۔ ادب کے ہر شعبہ میں ان کی نگاہ تھی۔ ایک دن [illegible] وہیں تھے، جب [illegible] کی تاریخ [illegible] کی ترجمانی [illegible] کے ساتھ [illegible] رہے ہیں۔ [illegible] گئے [illegible] موضوع [illegible] [illegible] تک [illegible] کیا مجھ کیا [illegible] الالٰہین ابوالکلام ہیں کہ صحیفہ کائنات۔

ایک دن مختلف حلقوں کی [illegible] سے [illegible] کیا عباسی [illegible] ان داستان گو عبقریوں کی یاد تازہ ہو گئی [illegible] تھے۔ مولانا کے طرز کلام کا منظر ہو یہ تھا کہ ان کی زبان پر کبھی مبتذل الفاظ نہ آتے، وہ ان الفاظ ہی سے نا آشنا تھے۔ [illegible] مغرب [illegible] قوموں کا [illegible] ہو سکتے ہیں۔

[illegible] کے زمانے میں شاہ جی کے ہمراہ دہلی میں تھا ایک دن وقت لے کر مولانا کے ہاں پہنچے تو اس جلسے کا ذکر آیا جو گئی رات دہلی میں جامع مسجد کے سامنے ہوا تھا اور کوئی ڈیڑھ لاکھ آدمی شریک تھے، پنڈت جواہر لال نہرو بھی اس جلسے میں آئے تھے۔ اور کہیں سے بھی تھوڑی سی دیر جلسے کے بے پناہ ہجوم پر نگاہ کی تھی۔

مولانا نے شاہ جی کی شیوہ بیانی کو سراہتے ہوئے استفسار کیا۔

”شاہ صاحب، سنا ہے آپ تقریر میں گالی بھی لڑھکا دیتے ہیں“

”حضرت آپ سے کس نے کہا؟“

"کوئی بیان کر رہا تھا۔"

"کون؟"

"ہر کسی کا نام نہ تو حافظے کی چیز ہے اور نہ ہر نام کا پوچھنا ضروری ہوتا ہے۔"

"تو حضرت آپ نے اس روایت پر اعتماد کر لیا۔"

سوال روایت کا نہیں اعتماد کا ہے، آپ سے جو تعلق خاطر ہے، اس کے باعث معاودہ چیز یاد آگئی۔

"جی نہیں، راوی نے غلط بیانی کی ہے بلکہ جھوٹ بولا ہے۔"

"مجھے شاہ جی! دو چار شعر اس لیے دماغ میں رہ گئے کہ آج سے چوبیس یا پچیس سال پہلے آپ نے پیر وارث شاہ کے بعض مصرعے سنائے تھے، جن میں [illegible] سے [illegible] تھے، ہیر سے خیال یا جس شخص کو وہ قیم کے عشق [illegible] [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ہو۔

شاہ جی مسکرائے اور کہا۔

حضرت! یہ تو عجیب سی بات ہے کہ وہ صحبت آپ کو اب تک یاد ہے۔

فرمایا:

میرے اپنے احوال کسی صحبت کی یادداشت نہیں، جب مطالعہ کرتا ہوں تو سرا [illegible] پگڈنڈیوں سے گزرتا ہے، بعض چیزیں حافظے کے خانوں میں بھول چوک ہو کر رہ جاتی ہیں۔ وارث شاہ کا کلام تھا آپ کی وجہ سے حافظے میں ایک تاثر رہ گیا۔ اب جو آپ سامنے آئے تو وہ تاثر بھی تازہ ہو گیا۔"

راقم نے شاہ جی سے کہا:

شاہ جی آپ نے زندگی میں کتنی دفعہ مولانا سے ملاقاتیں کی ہیں؟

فرمایا:

"یاد تو نہیں لیکن بیسیوں دفعہ ان سے فیض حاصل کیا، ہم نشین رہا، ہم سفر رہا اور بارہا ملاقاتیں کی ہیں۔"

"ان ملاقاتوں کو خود لکھئے نہیں تو کسی سے لکھوا دیجیے، اس طرح ایک عمدہ کتاب ہو جائے گی۔"

"بھائی میں قلم کا آدمی نہیں۔"

"میں حاضر ہوں آپ بولتے جائیں میں لکھتا جاؤں گا۔"

"خامہ فرسائی بھی تو ایک روگ ہے، پھر یہ چیزیں سکون دل سے ہوتی ہیں۔ فرصت میں قلمبند کی جاسکتی یا کرائی جاسکتی ہیں۔ آج کل نہ وہ سکون ہے نہ فرصت دونوں عنقا ہیں۔"

"اس طرح ان گفتگوؤں کے غارت ہو جانے کا احتمال ہے۔ ایسا شخص جو آپ کے نزدیک اسلامی معاشرے کے اس قحط الرجال میں سب سے بڑا عبقری ہے اس کی گفتگو قلمبند کرنا آئندہ نسلوں کی امانت نہیں ہوتا ہے؟"

"ہاں بھائی ٹھیک ہے، لیکن [illegible]

شاہ جی [illegible] ہوتیں۔

مولانا کے عظیم فقرے شاہ جی کے ورد زبان تھے۔

شاہ جی نے فرمایا:

"[illegible] کلکتہ میں [illegible]

[illegible]"

مولانا مسلمانوں سے اس قدر مایوس کیوں ہیں۔ راقم نے شاہ جی سے پوچھا۔

"وہ تو نہیں لیکن مسلمانوں سے مایوس ہیں۔ مولانا [illegible] سمجھتے ہیں [illegible] کے ہاتھوں کی [illegible] میں مسلمانوں کی [illegible] ہیں، وہ لیڈرشپ سے اپنی خواہشوں کا اتباع چاہتے اور خود اپنا مجوزہ عمل تجویز کرکے اسے تختہ دار پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان میں [illegible] اقتدار کی مضبوطی کے بعد مسلمانوں کی لیڈرشپ سرکاری امراء کی تحویل میں چلی گئی، اور وہ [illegible] طور پر بڑے بڑے جاگیرداروں، زمینداروں، تعلقہ داروں اور منصبداروں کی ملکیت ہو گئے۔ مسلمان زندہ ہوتے تو مولانا مایوس نہ ہوتے، اور مولانا تعلقہ دار

ہوتے تو مسلمان ان سے بددل نہ ہوتے۔"

"مولانا کی عبقریت کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟"

"مولانا چونکہ مسلمان ہیں اس لیے ہر جہتی اعتراف مفقود ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ابوالکلام کانگرس کی سب سے بڑی فہرست کا نام ہے وہ کانگرس کو طوفانوں سے نکالتے اور مخالفین کے دلوں میں اتار سکتے ہیں۔"

شاہ جی سے [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] مسلمانوں سے [illegible] میں [illegible] ہے [illegible] کے لیے مسلمانوں کی [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] مسلمان ہوتے اور [illegible] تاریخ کا طالب ہو تو [illegible] کی عقیدت [illegible] چیز ہے [illegible] مسلمانوں سے چھپتی تھی [illegible] عبدالحق اردو کو اپنی متروکہ [illegible] اردو پر سیاسی [illegible] ہے مسلمانوں کی اس [illegible] اردو [illegible] ہندوستان میں [illegible] ایک عظیم ابتلاء کا شکار ہو گی۔ لیکن مولانا دنیا کی سب سے بڑی [illegible] کے مانند [illegible] دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے۔ اردو میں [illegible] ہیں [illegible] اردو اس پر فخر کرے اور مسلمانوں کو اس سے خوشی ہوتی ہے [illegible] بات ہی بھی لیکن ایک جذباتی قوم جب سیاسی طور پر [illegible] ہے [illegible] مسلمانوں کی سرگزشت انہی حادثوں سے بنی ہوئی ہے۔

شاہ جی نے کہا ابوالکلامؒ،

۱۔ اس زمانے میں ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے عبقری ہیں [illegible] ابوالکلامؒ ہیں۔

۲۔ ان کا وجود قدرت کا عطیہ اور ان کا دماغ معجزہ ہی ہے۔

۳۔ وہ مسلمانوں کی اس لیڈرشپ کے میر قافلہ ہیں۔ جو تحریک خلافت کے زمانے میں ابھری اور قربانی و استقامت کی مظہر ہو گئی اور اب بھی مسلمانوں کی ناقدری کے باوجود ہندوستان میں

سرگرم جہد ہے۔

۴. وہ قرآن و دل کے حجازی کو نہیں جو صدیوں کی مسافت کے بعد ہندوستان پہنچ کر خود مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو گئی۔

۵. ان کے ذہنی کمالات صرف اس وجہ سے عوام میں نہیں تھے کہ مسلمان ہیں، مسلمان نہیں مانتے نہیں ورنہ ہندوؤں کے لیے ایک مسلمان کی [illegible] کیونکر ممکن ہے۔

۶. وہ ہندوستان میں [illegible] تھے، لیکن [illegible] میں مسلمانوں کو ان کے حقوق کی [illegible] کے [illegible] کی [illegible] ہی کا اتباع کرتے ہیں۔

۷. مولانا نے [illegible] ہیں [illegible] ہے۔ شاہ جی نے [illegible] مسلمانوں کی [illegible] بہرحال [illegible] سے جو سلوک کیا وہ ان کے درمیان زندیقوں کے مصداق ہے۔

کردار کشی

مولانا کے خلاف [illegible] تھے، جب قومی [illegible]
[illegible] شدہ ہی
ہوتو خود خشمگیں [illegible] مسلمان [illegible]
نیچا ہوتے ہیں [illegible] غضب [illegible] تو
[illegible] کیے تھے لیکن پھر خواص بھی اپنی نگاہ سا
[illegible] کہیں [illegible] سے جوانا [illegible] کے نشان
تھے، مولانا کے خلاف بھی [illegible] کیے اور [illegible] مولانا ان نسانی حادثوں
سے چپ چاپ گزر [illegible] جیسے ایک [illegible] چہرہ
سے گزرتا ہے وہ اس [illegible] صبر و [illegible] کی تصویر تھے [illegible] عقیدت مند مسلمانوں میں بہ
شبے نہیں [illegible] آزمائی سے
رہ گئے [illegible] کچھ نہیں [illegible] جانا اور دکھ کی لے میں
ترجمانی کرتا ہے [illegible] احساس [illegible] کے تعلق ناشناس جیسے تھے، مسلمان
روٹھتے ہیں یا بیٹھ جاتے ہیں۔ انہوں نے کبھی [illegible] نہیں کہ ہم متفق ہوں۔
حالت افسوس کی ہے کہ جذبات [illegible] ہوگیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے جذبات [illegible] ہیں اور
بیماری کا علاج بے دردی نہیں ہمدردی ہے۔ اس سلسلہ میں جو چیز اندوہناک تھی وہ بعض علماء و مشائخ کا
طرزِ عمل تھا کہ اپنے تقویٰ و علم کے باوجود وہ یہ سب کچھ گوارا کر رہے تھے اور اس سے بے نیاز تھے۔ یہی
چیزیں اخلاق کے انحطاط کا باعث ہو کر قومی سیرت کے زوال کا باعث ہوتی ہیں۔ کچھ تو مسلمانوں کی تاریخ

یہی سبب ہے کہ بیشتر علما نے ہمیشہ اپنے عہد کی متبحر شخصیتوں کی اہانت پر صدیوں کی چپائی پر چپ رہے یا خوش ہوئے۔ اس تاریخی المیہ کی سرگزشت یہی ہے کہ علما نے دولت کی ہم رزمی میں اپنی صف کی عبقری شخصیتوں کو ہمیشہ آزمائش و ابتلا میں جھونکا ہے۔ مولانا معاصرت کی اس آگ سے کندن بن کر نکلے اور تاریخ کے صفحات پر گہرے نقوش چھوڑ گئے۔ لیکن آزادی کے بعد سیاسی معاندت کا شعلہ بھڑکا۔ اور ہندوستان کا مسلمان تجربوں کی ایک نئی شاہراہ پر چلنے لگا۔ پاکستان قائم ہوا تو مولانا اس کی تصویر میں نہ تھے۔ سید سلیمان ندوی ۱۴ جون ۱۹۵۰ء کو پاکستان وارد ہوئے۔ سوال یہ ہے [illegible] مختصر [illegible] تحریک پر خان لیاقت علی خان سے منسوب [illegible] گئے۔ پاکستان میں [illegible] جانے کے سبب [illegible] تمام علمی حلقوں میں [illegible] یہ بات محسوس کی گئی [illegible] افسوس [illegible] سید صاحب [illegible] نومبر ۱۹۵۳ء میں [illegible] ۱۹۵۸ء [illegible] سید صاحب کی مولانا سے [illegible] تھا [illegible] مولانا عبد الماجد دریا آبادی [illegible] جونہی ان کی آنکھیں بند ہوئیں عبد الماجد نے قلم کے نشتر چلانے شروع کئے۔ اور [illegible] کی جگہ [illegible] ہو گئے۔ [illegible] سید صاحب کے بعض [illegible] عقیدت مندوں [illegible] مولانا [illegible] سے [illegible] شوشے چھوڑنا شروع کئے۔ سید صاحب کی رحلت کے سات سال بعد ۱۹۶۰ء میں آپ کے [illegible] سے کتابچہ "تذکرہ سلیمان" شائع ہوا اس میں مولانا آزاد پر [illegible] اس طرح یہ چیز نمایاں ہو گئی کہ سید صاحب علیہ الرحمۃ مولانا قدس سرہ سے ناخوش تھے۔

عبد الماجد دریا آبادی نے مولانا کی وفات پر بھی تعریف کا اظہار کیا [illegible] کے بغیر چارہ نہ تھا۔ لیکن جو کچھ لکھا اس کے ہر سطر سے محسوس ہوتا تھا کہ ان کا ذہن صاف نہیں۔ اور ان کا دل پہلے دن کی طرح میلا ہے۔ حکومت ہند کی وزارت اطلاعات کے ماہنامہ "آجکل" نے مولانا کی رحلت کے پانچ ماہ بعد ابو الکلام نمبر نکالا تو اس نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے عبد الماجد نے چٹکی لی کہ اس نمبر میں مذہبی لوگ بھی شامل ہیں مثلاً سعید احمد اکبر آبادی اور غلام رسول مہر وغیرہ۔ وہ یا جمعیۃ العلماء میں سے کوئی صاحب مولانا کی مذہبی زندگی پر روشنی

ڈالنے کو صوم و صلوٰۃ کے معاملے میں ان کا شعار کیا تھا۔[1] ظاہر ہے کہ یہ ایک بھدا سا شوخی تھی۔ عبدالماجد جانتے تھے کہ "آجکل" کے ایڈیٹر ملک عرش ملسیانی ہیں۔ یہ کوئی شائع ہوتا تو کسی مسلمان ایڈیٹر سے نہیں ہوا تھا اور نہ آجکل میں مولانا کی مذہبی زندگی کا تذکرہ لازم تھا۔ اول تو صوم و صلوٰۃ کا تعلق انسان اور رب کے مابین ہے، کسی نمائش کی چیز نہیں دوسرے اس کا تعلق بلاغ خاص سے ہے۔ عبدالماجد نے سعید احمد اکبرآبادی اور غلام رسول مہر کا نام لکھ کر محض تکلف کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ دونوں بزرگ مولانا کے ساتھ کبھی نہیں رہے وہ مولانا سے کبھی کبھار ملتے ضرور تھے لیکن مولانا کے محرم نہ تھے۔ اس بارے میں اگر روشنی ڈالنا لازم تھا تو وہ لوگ قلم اٹھانے کے مجاز تھے جو مولانا کے ساتھ رہے یا جنہیں کسی طرح مولانا کی نمازوں کے مشاہدہ کا موقع ملا۔

عبدالماجد کو مولانا سے رنجش کے کئی اسباب تھے [illegible] خود بھی [illegible] تھے مثلاً علامہ شبلی، مولانا [illegible] سے متعلق خوش گمانی رکھتے تھے۔ اور یہ [illegible] عبدالماجد [illegible] کا ایک سبب تھا۔ دوسرا سبب ابتدا میں عبدالماجد سے ایک تھا۔ [illegible] جو بعد میں پھیل گیا۔ اس کے علاوہ مولانا سے محمد علی جوہر کا [illegible] تھا۔ عبدالماجد محمد علی جوہر کے ساتھ تھے۔ آخری سبب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی بیعت تھی۔ حضرت تھانوی اپنی شخصیت سے خاص تھے اور انہیں بیعت [illegible] کے ساتھ ہر جدوجہد سے [illegible]۔ عبدالماجد بھی جدوجہد کے [illegible] نہ تھے۔ ان کا مزاج سرکاری تھا۔ [illegible] ان سے بھائی [illegible] تھے۔ [illegible] مولانا [illegible] نہ تھا۔ ان کی ناراضگی کا ایک سبب شاید یہ بھی تھا کہ مولانا [illegible] بہت آگے [illegible] ہوگئے۔ لیکن عبدالماجد ہندوستان کی [illegible] جدوجہد میں [illegible] رہے۔ [illegible] معلوم نہیں تھا کہ مولانا وفات پاگئے۔ [illegible] مولانا تاریخ کی عظمت ہو کر رخصت ہوئے۔ انہوں نے مولانا کے وفات پاتے ہی ان کے کفن پر [illegible] شروع کی۔ [illegible] میں [illegible] تھا۔ عبدالماجد کے نزدیک کسی ایک [illegible] علیہ [illegible] ہیں لیکن مقدم [illegible] ہو کر مولانا [illegible] لکھتے ہیں۔ لیکن [illegible] نہیں دیتے راقم نے انہیں خط لکھا کہ "یہ حضرت مولانا آزاد کے بارے میں تسامح ہے یا تساہل یا آپ انہیں اس کا مستحق نہیں گردانتے؟" چونکہ راقم کے ساتھ ان کے تعلقات فیاضی کی حد تک وسیع تھے وہ اکثر باتیں بلا جھجک

---

[1] اس ضمن میں سوانحی برگ و بار کے تحت اشاراتی ذکر آچکا ہے۔

لکھتے تھے، فوراً پوسٹ کارڈ لکھا

"واہ صاحب، آپ بھی کیا غضب کرتے ہیں۔ ہر متوفی یقینی نہیں کہ جنتی ہو اور ہر کوئی اللہ کی رحمت کا استحقاق رکھتا ہے۔"

مولانا کی وفات کے ۲۷ روز بعد ۱۹ مارچ کو عبدالماجد نے راقم کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں سید صاحب سے منسوب اس روایت کا انکشاف کیا کہ مولانا ترک نماز، ترک روزہ اور شغل شراب سے ملوث تھے۔" ایک دوسرے خط میں ۱ اپریل ۱۹۵۰ [illegible] مولانا شبلی کی نظر ادھر بھی [illegible] سخت محتاط تھے۔

عبدالماجد [illegible] نذیر احمد کی مخالفت لکھ کر انہیں آلودہ ہاتھوں سے حیات [illegible] چھپنا چاہتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا ہے ظاہری حالت تو [illegible] منگوا لیجیے یعنی بتا تو نہ دو گے؟"

عبدالماجد نے خود خط میں [illegible] آپ کے خلوص ہی کا نتیجہ ہے کہ دل کھول کر آپ کے سامنے لکھ دیا ہے۔ [illegible] کے شغل شراب [illegible] کے قلم سے سنیے

"مولانا نے ابتدائی [illegible] ایک [illegible] تھے [illegible] مجھے میاں [illegible] تھے کہ [illegible] کوئی [illegible] نہیں [illegible] ۱۹۵ [illegible] میں میری خوب ملاقاتیں رہی تھیں۔ [illegible] لکھنؤ میں [illegible] اپنی کمپنی کے [illegible] ہوتے تھے۔

آغا صاحب کی تمام زندگی [illegible] ایک رحمت تک شراب کے شیشہ اور بستر کے درمیان رہے۔ ان کا لاہور میں انتقال ہوا۔ جنازہ اٹھا تو [illegible] میں چار آدمیوں کے سوا باقی سب ڈرامہ [illegible] شریک تھے۔ اور جب انہیں لحد میں اتارا گیا تو ایک مشہور طوائف ان کی قبر سے لپٹ لپٹ کے رو رہی تھی۔ اس کا نعرہ تھا آغا جی اب کس کے ساتھ پیا کروں گی۔ عبدالماجد کا اس قصہ کو یوں [illegible] خود ایک [illegible] کے نزدیک ایک کوئی [illegible] کسی حال میں ثقہ نہیں ہوتا۔

آغا صاحب مکالمہ نویسی اور افسانہ سازی میں یگانہ تھے۔ رہا یہ سوال کہ مولانا کی مذہبی زندگی کا حال

لیا تھا تو ملک خدا اللہ خان عزیز رکن جماعت اسلامی وایڈیٹر ہفتہ نامہ "تسنیم" نے جواب لکھا کہ وہ ۱۹۴۰ء میں مولانا کے ساتھ گونڈہ جیل میں رہے۔ مولانا نہایت خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے۔ اس کا اثر ان کے چہرے سے مترشح ہوتا۔ اور شدت تاثر سے ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ جن دنوں کانگریس کے صدر تھے تو نماز کے وقت مسند صدارت سے اٹھ کر اپنے خیمے میں چلے جاتے اور تھوڑی دیر بعد واپس آجاتے۔ ترجمان القرآن کے کاتب منشی عبد القیوم نے اپنے مضمون میں لکھا کہ وہ مولانا کی خدمت میں ڈیڑھ سال رہے۔ مولانا فجر و مغرب کی نماز قریب کی مسجد میں پڑھتے تھے۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی: نماز تہجد [illegible] مولانا رات بہت جلد سو جاتے۔ صبح ۳ یا ساڑھے تین کے بیدار ہوتے۔ وضو [illegible] آٹھ رکعت نماز تہجد کی حضور میں سربسجود ہوتے [illegible] نماز فجر پڑھ لیتے دوسرے کاموں میں لگ جاتے [illegible] انہوں نے [illegible] وقت [illegible] سید عطاء اللہ شاہ بخاری راوی تھے کہ مولانا نماز [illegible] خان عبد الغفار خان نے بیان کیا کہ مولانا نماز میں کوئی بھی غفلت نہ کرتے تھے۔

عبد الماجد کے ذہنی الجھن کا عجیب عالم [illegible] کے جو خطوط تھے ان کا مجموعہ مکتوبات سلیمانی کے نام سے ۱۹۶۳ء میں [illegible] نہیں تھا وہ ان خطوط ظاہر ہے عبد الماجد صاحب نے سید صاحب کے خطوط [illegible] دیا۔ اور اس مجموعہ میں [illegible] نقل [illegible] تھا۔ اس میں سید صاحب کے متعلق ایسی ہی غلط [illegible] اور شکایتوں کا ذکر تھا، جیسا کہ اس خط میں مولانا کے خلاف ان کے قلم سے نکل گئیں۔ عبد الماجد کے خیال میں یہ خط شروع ۱۹۴۳ء کا ہے۔ اگر ماجد صاحب اس خط کی اشاعت ضروری سمجھتے تھے اور اس کے بغیر ان کا مجموعہ ناقص رہتا تھا، تو ان کا فرض تھا کہ سید صاحب قدس سرہ کا خط بھی درج کرتے کیونکہ مجموعہ مکتوبات سلیمانی کا تھا۔ اس خط کی اشاعت سے عبد الماجد نے اپنے بغض کو آسودہ کرنا چاہا ورنہ یہ خط نہ تو سید صاحب نے شائع کرنے کا حوصلہ کیا، نہ سید صاحب کی موت پر صدق نے ان کے نام مولانا کے خطوط میں شائع کیا۔ اور نہ مولانا کی وفات پر چھاپا گیا۔ نصف صدی

تک خط پڑا رہا۔ جب کاتب و مکتوب الیہ اللہ کو پیارے ہو گئے تو عبدالماجد نے اس کی اشاعت سے اپنے دل کی ڈھارس بندھائی۔ سید صاحب نے اس خط میں مولانا کے اندرونی باتیں لکھیں کچھ تو ان کی ذات کے متعلق تھیں، کچھ الہلال کی تحریر و مضامین سے متعلق اور کچھ مال امانت و خیانت کے متعلق۔ مولانا نے اس خط میں سید صاحب کو صدیق الجلیل دام عزکم کے لقب سے مخاطب کیا۔ اور نہایت اخلاص سے جواب دیا۔ کہ آپ جن بدگمانیوں کا شکار ہیں وہ صحیح نہیں۔ ایک چیز مولانا نے ترجمان القرآن کے دیباچے میں لکھی ہے کہ وہ فسق و الحاد کی تمام وادیوں سے گزرے ہیں۔ اس خط میں بھی انہوں نے اس مختصر ذکر کا ذکر کیا کہ شاید ہی فسق و فجور کا کوئی درجہ ایسا ہو جو مجھ پر گزرنے نہ دیا ہو۔ لیکن یہاں تک پہنچ گیا تو یہ سب باتیں ختم ہو چکی تھیں۔ مولانا نے اس خط میں لکھا۔ ایک شخص نے آپ کے خط [illegible] پیچھے ہو اور اسی وجہ سے سید سلیمان جیسے شخص [illegible] معلوم نہیں ان کی نسبت آپ کا خیال [illegible] کی ہیں۔ لیکن [illegible] میں ان باتوں کا جواب نہیں کرتا۔ سید صاحب سے مولانا نے شکوہ کیا کہ چند دوستوں کے معاملہ میں شاید غلط فہمی ہو رہی ہے۔ مولانا نے لکھا آپ نے اس بیان سے دل بہت رنجیدہ [illegible] اس طویل خط میں سید صاحب کی تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ [illegible] سید صاحب کے خلاف [illegible] جواب دے دیئے۔ لیکن انہوں نے ایک جملہ [illegible] مولانا ۲۰ سال کی عمر سے قبل کچھ [illegible] پھر دستبردار ہو گئے۔ ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے فضل و کرم اور علم و نظر کے دروازے کھول دیئے۔ خود عبدالماجد ایک بڑی تحریک ملحدوں میں شامل رہے [illegible] ان کے شریک حال رہے۔ علاوہ اپنے اس دور کی [illegible] سے مکتوبات سلیمانی میں شامل کیا۔ جب انہوں نے توبہ کی اور اسلام کی راہ پر آ گئے قرآن کا دعوت نامہ سرتاپا بدل گیا۔ ان کا قلم اور ان کی زبان دونوں مسلمان ہو گئے۔ اگر کوئی شخص ان کے فسق و الحاد کی زندگی کریدے تو یہ اس کی بد مذاقی ہو گی۔ لیکن عبدالماجد کے نفس کی معراج کہیئے کہ ایک طرف تحریر کنارے سے بیچ کر مولانا کے کفن کو اپنے قلم کی مقراض سے کاٹنا چاہا۔ دوسری طرف لہو و لعب میں مشغلے ہوئے کئی انسانوں کا دفاع کیا۔ حتیٰ کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے

صرف اس لیے طرفدار ہوگئے کہ مولانا آزادؒ سے عناد و اہتمام میں وہ بھی ان کے شریک سخن تھے۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ بابائے اردو علامہ شبلی نوراللہ مرقدہ پر چھینٹے اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اور اگر کوئی مولف علامہ شبلی کی "رنگین زندگی" یا "حیات معاشقہ" کے زیر عنوان قلم اٹھاتا ہے تو اس کا دیباچہ بھی تیج دہج سے لکھتے ہیں۔ عبدالماجد جانتے تھے کہ بابائے اردو کا مذہبی ذوق کیا ہے۔ ان کا ذہن خدا کے تصور سے کس عمر تک منفی رہا۔ اور ان کی داستان حیات میں عرل کی خصوصی جھلک کس قدر رہی۔ لیکن مولانا ابوالکلامؒ سے بغض و عناد نے ان سب چیزوں پر پانی پھیر دیا۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ بابائے اردو نے مولانا محمد علی کے متعلق "چند ہم عصر" میں کیا لکھا تھا اور وہ دارالمصنفین کے متعلق کس قدر دل شکن تھے۔ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے متعلق بھی کوئی حسن ظن نہ تھا۔ عبدالماجد صاحب بابائے اردو سے اس لیے قریب ہو گئے کہ مولانا آزاد سے متعلق دونوں کے ہم مشرب تھے۔ داستان میں مولانا کے خلاف وہ خیر نہ رہ سکتے تھے۔

عبدالماجد نے مکتوبات سلیمانی میں مولانا کا خط کس طرح شامل کیا اس کا حال دارالمصنفین اعظم گڑھ میں سید صاحب کے ہمنشین اور ان کی سوانح عمری کے مرتب معین الدین ندوی سے راقم کو انہی دنوں ملا تھا وہ خط ۸ دسمبر ۱۹۶۲ء کا تحریر کردہ اور حسب ذیل ہے:

مکرمی!

السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ یہ خط ایک غرض سے لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا ابوالکلام اور مولانا عبدالماجد صاحب کے معاملات میں دارالمصنفین کی پوزیشن آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ لیکن سید صاحب کا تعلق دارالمصنفین سے بہت گہرا اور ناقابل انقطاع ہے۔ ان کی ان تحریروں کا بھی جن کو براہ راست دارالمصنفین سے کوئی تعلق نہ ہو اس سے ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنے مکتوبات سلیمانی کا مجموعہ شائع کر دیا ان میں بعض خطوط ایسے بھی ہیں جن کی اشاعت مناسب نہ تھی۔ مولانا ابوالکلام کا ایک خط جس کو انہوں نے حاشیہ میں شائع کیا ہے ہم لوگوں کی نگاہ میں ہرگز قابل اشاعت نہ تھا۔ گو اس سے مولانا کی بڑائی ہی ظاہر ہوتی ہے لیکن اس سے فتنہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ ان تمام خطوط کی

اشاعت کے خلاف تھے جن سے کسی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ یا کسی کی دل آزاری ہوتی ہو یا کسی کی نگاہ میں سید صاحب کی پوزیشن مجروح ہوتی ہو۔ چنانچہ ہم سب نے مولانا عبدالماجد کو اس سے روکنے کی کوشش کی مگر انہوں نے کسی کی شنوائی نہیں کی۔ مولانا عبدالماجد کا خط ان کے دوسرے خطوط کے ساتھ دار المصنفین میں محفوظ تھا۔ میں نے ان کے اور سب خط معارف میں شائع کئے تھے، مگر اس کو شائع نہیں کیا تھا۔ مولانا عبدالماجد صاحب کے علم میں یہ خط تھا۔ انہوں نے [illegible] اس کی نقل مانگی تھی۔ اس وقت مکتوبات سلیمانی کی اشاعت کا کوئی ذکر بھی نہ تھا، میں اس کی نقل دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس تاکید کے ساتھ اس کی نقل بھیجی گئی تھی کہ [illegible] شائع نہ کیا جائے [illegible] معلوم ہوتا [illegible] اس کی اشاعت [illegible] ان کی [illegible] ہوتی ہے [illegible] خطوط کی اشاعت کی ذمہ داری دار المصنفین پر نہیں [illegible] اس بارے میں جلد ہی معارف میں تفصیل سے لکھوں گا [illegible] کے پرچے میں میری تحریر نکل جائے گی [illegible] مولانا ابو الکلام کے متعلق [illegible] خیالات کا سوال [illegible] حضرت [illegible] سے پہلے برسوں ایک ساتھ رہ چکے تھے، اور اس زمانہ میں ایک دوسرے کے محاسن و معائب سے واقف تھے۔ [illegible] ایک دوسرے کو اس نظر سے نہیں دیکھتے تھے جس نظر سے ہم ان کو دیکھتے ہیں [illegible] خصوصاً نوجوانی کے زمانہ کے ہیں۔ جب دونوں جوان تھے، اس عمر میں اس قسم کی بدگمانیوں کا پیدا ہو جانا نہ قابل تعجب ہے اور نہ قابل اعتراض۔ اصل اعتبار تو پختہ عمر کے خیالات کا ہوتا ہے اور مجھے یہ معلوم ہے اس مجموعہ کے بعض خطوط سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے کہ مولانا ابو الکلام کے متعلق سید صاحب کے خیالات بہت بدل گئے تھے، میں نے بارہا سید صاحب کی زبان سے مولانا کے علم وفضل

ذہانت و طباعی، اصابت رائے اور دوسرے علمی و اخلاقی کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے ترجمان القرآن کے ریویو میں جن الفاظ میں مولانا کے کمالات کی داد دی ہے اس کی توقع کسی ہم رتبہ معاصر سے مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے ان میں معاصرانہ چشمک بھی رہی ہو اور کبھی کبھار اس کے مظاہر بھی نظر آ جاتے ہوں۔ تو اس سے نہ صرف معاصر علماء بلکہ مشائخ و صوفیا تک خالی نہیں ہیں۔ مگر اس سے نہ کسی کی عظمت اور بڑائی پر حرف آتا ہے اور نہ کوئی سوء ظن پیدا کرنا صحیح ہے۔ ہم [illegible] میں آپ بھی شامل ہیں عقیدہ تو یہ ہے کہ ان کے معاملات میں سکوت سے کام لیں۔

اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ [illegible] اور نہ اس کے [illegible]

(معین الدین احمد)

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے زندگی میں تو کبھی [illegible] کیا لیکن ان کی رحلت کے دو چار روز بعد اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کی [illegible] فرمایا:

"[illegible] نہیں [illegible] کی حمایت سے دست کش ہو جائیں [illegible] اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا۔"

[illegible] نے بابائے اردو کے [illegible] مارچ ۱۹۵۹ء کے جنگ میں اداریہ لکھا اور [illegible] سوال کیا کہ اس روایت کی حقیقت کیا ہے جو بابائے اردو کو معلوم تھا کہ وہ پاکستان میں [illegible] کی روایتیں بآسانی گھڑ سکتے ہیں [illegible] نے روایت گھڑی اور پاکستان کے سیاسی ذہن سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس کے برعکس بابائے اردو کے ایک شاگرد ڈاکٹر عبادت بریلوی پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے "نقوش" کے شخصیات نمبر میں ایک دوسری کہانی لکھی۔ "حکومت ہند اور بابائے اردو کے درمیان انجمن ترقی اردو کے معاملات طے کرنے کے لیے کئی دن تک طویل گفت گو ہوتی رہی۔ حکومت کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد اس کام کے لیے مقرر تھے۔ مولانا دوران گفت گو میں بار بار یہی کہتے کہ حکومت یہ نہیں چاہتی کہ آپ ہندوستان میں رہیں۔ مولوی صاحب (بابائے اردو) سے نہ رہا گیا۔ جل کر کہنے لگے۔ آپ بار بار حکومت

کا ذکر کرتے ہیں کہ حکومت یہ نہیں چاہتی، حکومت وہ نہیں چاہتی۔ حکومت اب کہاں ہے؟ وہ تو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ختم ہو گئی۔ آپ اپنے آپ کو حکومت سمجھتے ہیں۔ بابائے اردو نے بیان کیا کہ مولانا آزادؒ کو یہ بات بڑی تو بہت معلوم ہوئی کیونکہ جب میں نے یہ بات کہی تو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا ظاہر ہے کہ یہ سفید جھوٹ تھا۔ بابائے اردو اس کس بل کے انسان ہی نہ تھے کہ ۱۵ اگست کے بعد مولانا سے اس انداز میں گفتگو کرتے یا حکومت ہند ان سے مذاکرہ کرتی۔ اللہ تعالیٰ ہی علیم و خبیر ہیں کہ بابائے اردو نے ڈاکٹر عبادت بریلوی کو اپنی ذہنی حالت سے آگاہ کیا، یا ڈاکٹر صاحب نے ان کی شخصیت کو داغدار کرنے کے لیے افسانہ وضع کیا۔ پروفیسر آل احمد سرور، جو بابائے اردو کے بعد انجمن ترقی اردو ہند کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے [illegible] ۱۹۵۵ء [illegible] مولوی عبدالحق صاحب کے ریمارک دیکھ کر خیال آیا کہ حکومت ہند سے آپ کو گلہ ہو [illegible] بعد میں حقیقت خود ہی سامنے آگئی۔ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم میرے بزرگ و محترم ہیں اور مجھے ان سے بہت عقیدت ہے مگر مولانا مرحوم کے متعلق ان کی رائے مجھے معلوم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے انجمن کی بڑی مدد کی۔ گردو فساد کے زمانے میں حفاظت کا انتظام کر دیا ورنہ کتب خانہ بالکل برباد ہو گیا ہوتا۔ مولانا نے مولوی صاحب کو پاکستان جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں کام کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ کسی طرح مناسب نہ تھا بالخصوص ان حالات میں۔ دونوں طرف غلط فہمی اور مقامی فسادات کا قوی احتمال تھا۔ انجمن کی مولانا آزاد نے جو مدد کی ہے وہ سب پر عیاں ہے اور مولانا کے کردار کی بلندی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

بابائے اردو نے جو کچھ کہا اور ڈاکٹر عبادت بریلوی نے جو لکھا اس کی حقیقت مولانا آزادؒ کے اس ایک خط سے آشکار ہو جاتی ہے جو جناب نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مولوی عبدالحق کے نام لکھا، لیکن وہ خود بابائے اردو نے جیتے جی اخفا میں رکھا۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو یوسف شاہجہانپوری نے مکاتیب ابوالکلام میں شائع کیا۔ خط حسب ذیل ہے۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء دہلی

جناب من

آپ اپنے خط مورخہ ۸ اکتوبر میں لکھتے ہیں: ”آپ نے انجمن کے متعلق جو مشورہ

دیا تھا، اس سے مجھے اتفاق ہے؟ مشورہ سے مقصود غالباً یہ معلوم ہے کہ اب انجمن ترقی اردو کو پاکستان منتقل کر دیا جائے۔ اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے صورت حال کی جو تعبیر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ [illegible] اپنے فیصلے کو میرے مشورے کا جامہ پہنایا ہے۔

اس سلسلے میں جو حالات پیش آئے وہ حسب ذیل ہیں۔ دہلی کے فسادات کے بعد جب آپ ملے تو آپ نے مجھے یقین دلایا کہ انجمن بدستور [illegible] جاری رکھنا چاہتی ہے اور آپ ایک نیا مکان دفتر کے لیے ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ کراچی چلے گئے اور ایک عرصے تک کوئی خبر آپ کی نہیں ملی۔ [illegible] تو آپ کے پرمٹ سے معلوم ہوا کہ آپ نے انڈین یونین کی سکونت ترک کر دی ہے اور پاکستان کے باشندہ ہونے کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا [illegible] آپ نے یہاں مکان حاصل کر لیا ہے اور انجمن کو وہاں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد جب آپ مجھ سے ملے تو میں نے یہ رائے ظاہر کی کہ تعطل و تعلیق کی یہ صورت حال جلد سے جلد ختم کر دینی چاہیے۔ آپ نے ایک قدم پاکستان میں [illegible] جہاں رہنا چاہتے ہیں، [illegible] انجمن کے لیے مفید نہ ہوگا [illegible] آپ کو کراچی میں ایک بہت اچھا مکان مل گیا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ انجمن کو وہاں منتقل [illegible] اس بارے میں آپ نے جو رائے بھی قائم کی ہے [illegible] اسے میرے مشورے سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے میں [illegible] ظاہر کر چکا ہوں کہ انجمن ہندوستان میں قائم ہوئی تھی اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی [illegible] یہاں جاری نہ رکھے۔ جہاں تک گورنمنٹ آف انڈیا کا تعلق ہے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی خواہشمند نہیں ہے کہ انجمن اپنے کاموں کو یہاں بند کر دے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسی سال ایجوکیشن منسٹری نے انجمن کے لیے ایک گرانٹ منظور کی ہے اور اسے کام میں لانے کی پوری ذمہ داری ارکان انجمن کے سر ہے۔ چار لاکھ عمارت کے لیے اور چالیس ہزار سالانہ انجمن کے

کاموں کے لیے گورنمنٹ منظور کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو گورنمنٹ انجمن کو گرانٹ دے رہی ہے وہ انجمن کے اجراء کار کی مخالفت کیسے ہو سکتی ہے؟

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ گرانٹ کی درخواست انٹیرم گورنمنٹ کے زمانہ میں کی گئی تھی اس وقت مالیات کا صیغہ مسٹر لیاقت علی کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے گرانٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب نئی قومی حکومت بنی تو اس کے عہد میں از سر نو یہ معاملہ اٹھایا گیا اور گرانٹ منظور کی گئی [illegible] انجمن پورے سکون اور جمعیت کے ساتھ اپنے کاموں کو آگے بڑھا سکتی ہے۔ بہتر طریقہ کام کرنے کا [illegible] میں [illegible] غلط فہمی [illegible] ۲۴ [illegible] کے مجوزہ جلسے کے ساتھ [illegible] پیش کر دیا جائے۔ والسلام

ابوالکلام

[illegible] ہی کی تصنیف ہے۔ اس [illegible] کی جانب [illegible] [illegible] [illegible] سے رہ [illegible] اس درجہ معروف تھے کہ انہیں [illegible] سید صاحب [illegible] سے سید [illegible] صاحب [illegible] منظور [illegible] [illegible] تھی کہ الہلال [illegible] کے بعض مضامین [illegible] کا ایک ورق [illegible] کے نام سے [illegible] سید صاحب کا دعویٰ تھا [illegible] کے قلم سے تھے [illegible] سید صاحب کے قلم سے تھے یا نہیں؟ اور تھے تو کس قدر؟ [illegible] سید صاحب کا طرز نگارش ہمیشہ ان سے مختلف رہا ان کی تمام تحریروں کا رنگ ہی دوسرا ہے۔ ان مضامین سے مولانا کا [illegible] ہے۔ مولانا [illegible] سید صاحب کی وفات کے بعد جب ان مضامین کی ملکیت کا سوال [illegible] سید صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے دعویٰ کیا تو مولانا کے مخلصین نے جوابی مضامین میں اس دعوے کی تغلیط کی اور لکھا کہ ان مضامین کا طرز نگارش مولانا کا اسلوب نگارش ہے اور اگر وہ مضامین سید صاحب کے تھے تو الہلال سے رخصت ہونے کے بعد ان کی کسی تحریر میں اس رنگ کی جھلک کیا پہ تو نہیں۔ حقیقتاً یہ ایک غلط بحث تھی۔ جن مجموعوں میں یہ مضامین چھپے وہ مولانا نے مرتب نہیں کیے تھے۔ مولانا قلعہ احمد نگر میں نظربند تھے تو اس دوران میں بعض پبلشروں

نے الہلال کے دستیاب شماروں میں سے بعض مضامین اخذ کیے اور اپنی دکانداری کے لیے چھاپ دیے۔ مولانا کو ان مجموعوں کا علم ہی نہ تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا تو انہوں نے ناشروں کی اس حرکت پر افسوس کیا۔ لیکن وہ کس سے کہتے اور کیا کہتے؟ اگر فی الواقعہ یہ کوئی بہت بڑا دینی تھا تو سید صاحب خود مولانا کو لکھ سکتے تھے۔ پھر ان مضامین کی اہمیت ایسی نہ تھی کہ مولانا نے خود کسی مجموعہ میں شامل کیا ہو یا اس سے کچھ حاصل کیا ہو۔ جو لوگ اس طرح کی حرکتیں کرتے رہے وہ ان سے اعتنا ہی نہ کرتے تھے۔ لاہور کے ایک پبلشر نے ایک بوسیدہ قلم مصنف سے خدیجہ نام کا ڈرامہ لکھوا کر مولانا کے نام سے شائع کیا اور دیباچہ میں لکھا کہ اس نے آئندہ اپنی زندگی اس طرح کی تحریروں کے لیے وقف کر دی ہے۔ یہ ڈرامہ مولانا کی ثقاہت کے خلاف ایک بازاری مذاق تھا۔ اور اس کی زبان انتہائی ناقص [illegible] وہ خود کر سکتے تھے۔ الہلال کے جن مضمون [illegible] چاہتے ہیں، مجھے کوئی عذر نہیں [illegible] کر سکتے ہیں۔

[illegible] سید صاحب [illegible] مضامین [illegible] مجموعے شائع کر دیے لیکن الہلال [illegible] کوشش [illegible] کسی [illegible] ضرورت ہی محسوس [illegible] مضامین پر کبھی [illegible] ان مضامین میں [illegible] نقطۂ نظر کی شاہد نہیں ایک ہفتہ وار [illegible] کے [illegible] مذکورہ مضمون سید صاحب کے قلم سے تھے تو ان دو چار مضمونوں کے لیے سید صاحب [illegible] کہ مولانا کے نام سے کسی نثری مجموعہ میں چھپ سکتے ہیں، ان کے مقام و مرتبہ سے بعید تھا۔

ذرا سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

الہلال صرف ان چار مضمونوں کی وجہ سے نہ ابھرا تھا۔ اس میں سینکڑوں مضمون چھپے اور وہ سحر مولانا کے قلم کی بدولت تھا۔ جس نے الہلال کو الہلال بنا دیا۔ سید صاحبؒ نے الہلال کے ادارہ تحریر سے الگ ہو کر جن خطرناک بدگمانیوں کا اظہار کیا مولانا نے ہر ایک کا جواب دیا۔ اور وہ جواب عبدالماجد نے مدۃ العمر کے بعد دار المصنفین سے بہ لطائف الحیل حاصل کر کے مکتوبات سلیمانی میں شائع کر دیا۔ سید صاحبؒ

کی بدگمانیاں رفع ہو چکی تھیں تو انہوں نے یوسف ثانی کے عنوان سے مولانا کو خراج ادا کیا۔ اور اس پر ختم کیا کہ ان سطروں کو لکھتے وقت مجھ کو یہ دھوکا ہو رہا ہے کہ میں خود ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ یا شمس الائمہ سرخسیؒ اور امیرؒ بن عبدالعزیزؒ اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا۔ پھر جب ترجمان القرآن کی دونو جلدیں شائع ہو گئیں تو سید صاحب نے اس کے محاسن و مطالب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ترجمان القرآن وقت کی اہم چیز ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو گھر گھر پھیلایا جائے اور نوجوانوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے اور [illegible] اسلامی درسگاہوں میں [illegible] داخل نصاب [illegible]۔ لیکن اپنی عمر کے آخری دور میں سید صاحب مولانا سے ناراض ہو گئے [illegible] کی چھوٹی کی [illegible] جو ان کی علمی وجاہت کے منافی تھا۔ اس سلسلہ میں مسعود علی ندوی [illegible] ندوی نے راقم کو جو خطوط لکھے۔ ان میں تو ناراضی سے انکار کیا۔ اور سید صاحب کے [illegible]۔ لیکن عبدالماجد نے راقم کے نام اپنے خط بابت ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء میں [illegible] اپنی صحبتوں میں [illegible] کا سفر عراق [illegible] سب کو وہ [illegible] سمجھتے تھے۔ اسی طرح ترجمان القرآن کے وہ ذرا بھی قائل نہ تھے۔"

راقم نے بعض دوسرے خطوط کے ساتھ [illegible] ۱۹۶۵ء کے [illegible] میں یہ خطوط شائع کیے۔ اس وقت مسعود علی ندوی اور معین الدین ندوی [illegible] اس خط کے ضمن میں [illegible] کہ [illegible] نے کبھی خلوت و جلوت میں [illegible] کوئی لفظ نہیں کہا ہمیشہ احترام سے ذکر کیا اور ان کی علمی خدمات کو سراہا۔ سید صاحب [illegible] عبدالماجد نے بھی کچھ لکھا لیکن ان کی بہرہ کشائی نہ کی۔ اور ندوۃ المصنفین [illegible] حتیٰ کہ سید صاحب کے غالی عقیدت مند بھی اس سلسلہ میں کچھ بتانے سے قاصر رہے [illegible] صاحب کو شخصی یا جذباتی [illegible] یا شکایت نہ تھی۔ اگر کچھ تھا تو معاصرت کا روایتی شعار تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ علما کا علم قبول کرو لیکن ایک کے خلاف دوسرے کے قول کا یقین نہ کرو کیونکہ [illegible] بھی وہ جلن نہیں ہوتی جیسی علما میں ہوتی ہے۔" اسی طرح ابو حازم کا قول ہے کہ ہمارے زمانے [illegible] یہ ہے کہ عالم اپنے سے بڑے عالم میں کیڑے نکالتا رہے۔"

مولانا کو بتایا گیا کہ سید صاحب ان سے متعلق پاکستان میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو فرمایا کہ ان کے متعلق اپنی سوچ کو غلط راستہ پر ڈال کر میں زبان کی معصیت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ سید صاحب کو میرے بزرگوں کے متعلق کوئی سا شبہ ہے تو ان کی رنجش یا شکایت مجھ سے کیا ہوئی؟ میں نے تذکرے میں لکھا ہے کہ "میں حسب و نسب کا استخوان فروش نہیں اور کبھی اس طرح نقد عزت و شرف کے حصول کی جستجو نہیں کی۔ اسلام کے نزدیک ایک انسان کا حسب و نسب اس کا علم و عمل ہے۔"

عبدالماجد کی اس روایت پر کہ سید صاحب ترجمان القرآن کے ذرا بھی قائل نہ تھے۔ اور قدسی نے چٹان میں ان سے سوال کیا تھا کہ ترجمان القرآن پر سید صاحب نے معارف پر جو تبصرہ کیا تھا، وہ تقریظ تھی، تسامح تھا یا ظاہر و باطن کا تضاد؟

اگر سید صاحب کو کوئی واقعی کوئی شکایت یا رنجش ہوتی تو غلام محمد طور نے جنھیں ہند ... مولف تذکرہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں ... سید صاحب کو رنجش الہلال اور الہلال سے ان کی علیحدگی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ الہلال پر نام چونکہ مولانا آزاد کا ہوتا تھا اس لیے بہت سوں کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ الہلال کس کی محنت سے ہر دل عزیز بن گیا ہے۔ مگر جب ایک سال کی رفاقت کے بعد بعض وجوہ سے صاحب زمست ہستی سے تعلق ہوئی تو خود بدر تھا وہ ہلال بھی بدر نہ سکا، محاق بن کے نکلا۔ مولانا آزاد کو فکر ہوئی، سید صاحب کو خط لکھا کہ آپ الہلال بالکل سنبھالیے اور جس طرح بھی چاہیے اسے چلائیے۔ صرف اپنے مضامین دست دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا۔"

گویا الہلال کے لیے عمدہ کی مدد شی مولانا کا شخص تھا اور سید صاحب کے بغیر الہلال کا سلوخانی ہو جاتا تھا۔ سید صاحب الہلال کے دور اول میں غلام محمد کی روایت کے مطابق ایک سال منسلک رہے اور الہلال اس دور میں دو سال چار مہینے نکلا۔ پھر ضبطی ضمانت کے باعث بند ہوگیا۔ غلام محمد کے نزدیک غالباً یہی بندش کا نام محاق تھا۔ پھر ایک سال بعد البلاغ نکلا اور پونے پانچ ماہ جاری رہا۔ مولانا مارچ ۱۹۱۶ء میں بنگال بدر کر دیے گئے۔ اور ۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء سے یکم جنوری ۱۹۲۰ء تک رانچی (آسام) میں نظر بند نہ ہوتے تو الہلال سید صاحب کی علیحدگی کے بعد بھی چل رہا تھا۔ حکومت تعرض نہ کرتی تو البلاغ جاری رہتا۔ لیکن مولانا کی نظر بندی سے صورت حال مختلف ہوگئی اور رہا ہوئے تو ان کے شب و روز سیاست کے ہو گئے۔

سید صاحب نے پاکستان آکر مولانا کے خلاف بہت سی باتیں کیں۔ کچھ تو وہی تھیں جن کا عبدالماجد کے حوالے سے ذکر آچکا ہے اور کچھ ان کے شعلہ گفتار کی بعض دوسری چنگاریاں تھیں۔

۱۔ یہ کہ مولانا ملک سے باہر نہیں گئے۔ ان کا سفرِ عراق محض افسانہ ہے۔ یہ کہنا کہ بغداد میں کسی علمی صحبت یا تعلیمی حلقے سے مستفید ہوئے سراسر دروغ ہے۔

۲۔ ترجمان القرآن کا ایک انتساب مصنوعی کہانی ہے

۳۔ مسجد کانپور کی تحریک کے دوران میں مولانا [illegible] کے عذر پر مسوری چلے گئے۔ اس موضوع پر بعد میں جو کچھ نکلا وہ ان کے دستِ صاحبِ قلم سے تھا۔

سید صاحب نے [illegible] ایک عقیدت مند کو [illegible] ان سے وہ خط چھپوا دیا سید صاحب خود [illegible] نہیں [illegible] مولانا کے [illegible] باتیں لکھوائیں انہی دنوں سید صاحب [illegible] مولانا [illegible] سید صاحب نے سنبھالا فرمایا [illegible] مولانا [illegible] کچھ نہ جانتے ہیں۔ سید صاحب نے [illegible] بھی برداشت نہیں رکھا۔ اور [illegible] ایک [illegible] جواب تھا۔ مولانا غلام رسول مہر اور ڈاکٹر سید عبداللہ بھی وہاں موجود تھے۔ دونوں [illegible] کہ سید صاحب کس بلندی سے انسان [illegible] رہے ہیں۔

رہا یہ اعتراض کہ مولانا عراق نہیں گئے [illegible] صاف ہے جو کبھی نہ مولانا کی تیسری برسی پر پروفیسر ہمایوں کبیر نے مولانا سے متعلق مختلف افراد کے مضامین کا مجموعہ شائع کیا۔ اس میں ایک مضمون مشہور فرانسیسی مستشرق [illegible] کے قلم سے تھا جس نے لکھا کہ وہ مولانا [illegible] ۱۹۰۸ء میں بغداد کی مسجد مرجان میں حاجی علی آلوسی سے پڑھتے رہے اور حاجی علی آلوسی کے خزانہ علم وفضل سے جو موتی چنے ان سے مولانا آزاد کی نگاہیں پہلے ہی آشنا تھیں۔

سید صاحب کا دوسرا اعتراض ترجمان القرآن کے انتساب پر تھا۔ کہ محض عبارت آرائی ہے اور ساری کہانی مصنوعی ہے۔ اس کا رد بھی مولانا کی وفات کے اگلے ہی سال دسمبر ۱۹۵۹ء کے برہان دہلی میں ایک خط کی اشاعت سے ہوگیا۔ مولانا محمد یوسف کوکن ایم۔ اے مصنف ابن تیمیہ کو مولانا حکیم فضل الرحمٰن سواتی نے ایک طویل خط لکھا۔ جس میں اس شخص کی نشاندہی بھی کی جس کے نام ترجمان القرآن کا انتساب ہے

اس کا نام مولوی [illegible] محمد قندھاری تھا۔ اور وہ اس خط کے مطابق جیسا کہ ترجمان القرآن میں درج ہے قندھار سے پیدل کوئٹہ پہنچا۔ وہاں سے تین ہم وطن سوداگروں کے ساتھ آگرہ آیا، اور آگرہ سے رانچی چلا گیا۔ وہاں مولانا سے استفادہ کر کے چپ چاپ لوٹ گیا۔ کچھ عرصہ مولانا عبدالباری کے فرنگی محل لکھنؤ میں استاد رہا، پھر شاہجہانپور چلا گیا۔ ہلال سے اس کے عشق کا یہ عالم تھا کہ حکیم فضل الرحمن سواتی کو اس کے مطالعہ کا شوق دلایا پھر اپنے استاد مولانا عبدالحنان کو رغبت دلائی۔ حکیم فضل الرحمن [illegible] کے بیٹے حارث "البلاغ" کے تین پرچے لے گئے۔ اور کابل سے چار دن کی مسافت پیدل طے کر کے [illegible] پہنچے۔ مولانا عبدالحنان نے مطالعہ کیا تو کہنے لگے "مولانا آزاد فی الواقع بڑے حق گو اور جری [illegible] ہوتے ہیں۔"

سید صاحب کو مسجد کانپور کے سلسلہ میں شاید [illegible] مولانا سے [illegible] جس کا تعلق میں کیا لکھ چکے ہیں [illegible] حضرت [illegible] کو خط بھی لکھا کہ مولانا مسجد کانپور کی تحریک کے دوران میں [illegible] بیٹھ گئے تھے [illegible] الہلال میں اس سلسلہ کے مضامین ان کے [illegible] فراست [illegible] نہیں [illegible] سید صاحب نے حیات شبلی (صفحہ ۶۰۷) میں تحریر کیا ہے کہ "مولانا ابوالکلام اس زمانہ میں مسلمانوں کے سب سے مقبول رہنما اور اس تحریک کی جان تھے۔ علامہ شبلی نے مولانا کو لکھی [illegible] کانپور کا معاملہ [illegible] فیصلہ ہو گیا [illegible] اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں [illegible] ہندوستان کے مسلمانوں کو [illegible] میں [illegible] ہیروں کی دل دہی اور دوست [illegible] کی زبان و قلم کا سب سے زیادہ [illegible] ہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد کی ذات ہے۔ حیات شبلی ۱۹۴۳ء میں مکمل ہوئی [illegible] اس وقت سید صاحب کا دل مولانا کے معاملہ میں [illegible] نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ سید صاحب [illegible] کے بعض ندوی دوستوں نے مولانا سے ان کا ذہنی کھچاؤ بڑھا دیا۔ اور ان کے متعلق [illegible] کی ہر تحریک پر [illegible] صاد کیا۔ حتیٰ کہ ہندوستانی مسلمانوں کی بیداری سے متعلق اپنی بعض کتابوں میں مولانا کی ہر نوع کی خدمات سے صرف نظر کیا۔ سید صاحب نے حیات شبلی ہی کے صفحہ ۴۵۶ پر لکھا ہے کہ:

"ملک میں ندوہ کے انقلاب و اصلاح کا صور جس نے پھونکا وہ مولانا ابوالکلام کا آتش ریز قلم تھا۔"

اسی طرح حیاتِ شبلی کے صفحہ [illegible] پر ندوہ کے اجلاس لکھنؤ ۱۹۱۲ء کی روداد بیان کرتے ہوئے علامہ رشید رضا مصری کی صدارتی تقریر کا ذکر کیا کہ انہوں نے عربی زبان میں ڈھائی گھنٹہ تک ایک دل آویز و فصیح تقریر ارشاد فرمائی۔ ان کا اندازِ بیان اس قدر دلچسپ تھا کہ سماں بندھ گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد عربی تقریر کا خلاصہ اُردو میں بتانے کے لیے کھڑے ہوئے تو بجائے خود سحر بیانی سے دلوں میں تلاطم برپا کر دیئے۔ ان کی قادر الکلامی کے خوب خوب مناظر سامنے آئے۔"

یہ صحیح ہے کہ سید صاحب نے اپنے قلم سے ایک آدھ خط کے سوا مولانا کے خلاف کچھ نہ لکھا، یا بعض نجی خطوں میں چٹکیاں لیتے رہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عمر کے آخری دور میں مولانا کے خلاف خوب کلوخ اندازی کی۔ ان کا نام آتے ہی بھڑک اُٹھتے۔ اس ناراضی کا سبب کوئی ٹھوس نہ تھا۔ اگر مسلم لیگ کی سیاست کے باعث کشیدہ ہوتے تو اس طرز کی باتیں نہ کرتے۔ سید صاحب لیگ کے ساتھ کبھی نہ رہے تھے، خود علامہ شبلی لیگ کے مخالف تھے۔ ان کے ساتھیوں کا ذہن بھی لیگی سیاست سے متفق نہ تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی بیعت کے بعد ان کی کایا کلپ ہو گئی اور شاید اسی فضا کا اثر تھا کہ وہ تھانوی گروپ کی سیاسی شرمندگی مٹانے کے لیے مولانا کے خلاف گل کترنے لگے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کی تحریک پر پاکستان آ گئے لیکن جس خواب کو لے کر پاکستان آئے تھے اس کی تعبیر سے محروم رہے۔ پاکستان نے ان کے تبحر علمی سے فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ ان کے ساتھ ہر سیاسی دعدہ دوشیزہ کی کہہ مکرنی ہو گیا۔

سید صاحب کی ناراضی کے ایسے ہی کچھ اور سبب تھے۔ مثلاً دونوں علامہ شبلی سے فیض یاب تھے۔ سید صاحب تو ان کے شاگرد رہے لیکن مولانا ایک دوست تھے۔ علامہ شبلی آزاد سے بے تکلف تھے اور یہ سید صاحب کی معاصرت کو گوارا نہ تھا۔ مولانا سیاست کی رفعتوں کو پہنچ گئے تو پرانے دوستوں سے بے تعلق سے ہو گئے۔ سید صاحب کو اس کی شکایت رہی، جب مولانا قلعہ احمد نگر سے رہا ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں غبارِ خاطر چھپی تو سید صاحب نے جون ۱۹۴۶ء کے معارف میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

> "مخاطب تنہا" صدیق مکرم حبیب الرحمٰن خان شیروانی ہیں جن کے ساتھ ان کے چہل سالہ تعلقات محبت ہیں۔ لیکن بعض ان کے ایسے صدیق بھی زندہ ہیں جن کو گو دوستی کا دعویٰ نہیں لیکن نیازمندی کا تو بہرحال ہے۔ اور جس کی مدت اس چالیس سال کے تعلق سے بھی زیادہ ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ لسان الغیب حافظ نے اس واقعہ کی پیش گوئی صدیوں

پہلے اس شعر میں فرمادی تھی ؎

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفاں بادہ پیما را

اللہ تعالیٰ نے ان کو ذہانت اور حافظہ کی غیر معمولی دولت اور قوت اظہار و بیان کی بے مثال فراوانی عنایت فرمائی ہے۔ اور یہی ان کے خداداد فضل و کمال کے ایوان کے ستون ہیں۔ ان کو جو کچھ ملا ہے وہ سراسر عطائے الوہیت ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

سید صاحب کو اپنے ماضی کی دوستانہ محفلوں کا احساس تھا مولانا انہیں صدیق عزیز لکھتے رہے اور وہی تاثر و تصور اس تبصرہ میں ابل آیا تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی راوی تھے کہ سید صاحب نے کئی دفعہ مولانا کو دار المصنفین میں بلانے کی سعی کی۔ مولانا نے وعدہ کیا سید صاحب نے ہیچ و پیچ سے انتظام کیا لیکن عین موقع پر تار آجاتا رہا کہ مولانا فلاں وجہ سے نہیں آرہے۔ سید صاحب مولانا سے کچھ اور توقعات بھی رکھتے تھے لیکن مولانا ان توقعات میں نہ شریک ہوئے اور نہ کبھی سید صاحب کے علمی کارناموں پر قلم اٹھایا۔ حتیٰ کہ حیات شبلی کے سلسلہ میں بھی تعاون نہ کیا۔ اور اس پر کوئی رائے دینے سے بھی گریز کیا۔ یہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں مولانا اشرف علی تھانوی کی حلقہ بگوشی کے بعد عبدالماجد دریاآبادی کے پراسنے بغض کی وساطت سے سید صاحب کو اس سطح پر لے آئیں کہ وہ مولانا کی سیرت کو یورپ کی پراپگنڈا روایت کے مطابق اتقل بتقل کرنے پر تل گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ علامہ شبلی شاعرانہ طبیعت رکھتے تھے اور عطیہ فیضی کے نام ان کے خطوط میں انگشت نمائی کا سروسامان ہے۔ خود مولانا کے نام علامہ شبلی کا خط محررہ ۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کندہ قصاب سے باہر کی چیز نہ تھا۔ علامہ نے مولانا کو لکھا:

"بے شبہ مری خواہش ہے کہ چند روز دنیا سے الگ بسر کروں۔ ایسی حالت میں ایک تصنیف بھی انجام پائے۔ لیکن مستقل دن رات تو وحشت کدہ میں بسر نہیں ہو سکتے۔ شیعوں کے عملی فلسفہ کی کوئی صورت پیدا ہو تو البتہ ممکن ہے۔"

اور عملی فلسفہ کیا ہے؟ راقم نے خود سید معین الدین ندوی ناظم دار المصنفین سے اس بارے میں استفسار کیا تو ان کا جواب تھا آپ جانتے ہیں، صرف نظر کیجئے۔ لیکن سید صاحب نے اس کی اشاعت

کے وقت صرف نظر نہ کیا۔ اور سہو ہوگیا۔ علامہ اقبال بھی ابتدائی عمر میں اسی کوچہ سے نکلے تھے جس کوچہ کی سیاحت کے مفروضہ پر سید صاحب نے مولانا کو معاف نہ کیا۔ لیکن انہوں نے سید صاحب کو استاذ الکل لکھا اور سید صاحب کے محبوب و مطاع ہو گئے۔ عبدالرزاق کانپوری نے "یاد ایام" میں علامہ شبلی کے تذکرے میں بعض بے تکلف باتیں لکھیں۔ مثلاً یہ کہ وہ خوبصورت چہروں سے اُنس رکھتے تھے۔ انہیں کالی کلوٹی صورت گوارا ہی نہ تھی۔ ایک دفعہ ان کا خوبرو ذاتی ملازم چند دن چھٹی پر گیا تو عارضی طور پہ ایک دوسرا نوکر دے گیا۔ وہ کالا بھجنگ تھا۔ علامہ نے اس سے کہا: "تمہارے اندر آنے کی ضرورت نہیں تم دروازے پر کھانا رکھ کر کھٹکھٹا دیا کرو۔ میں خود اُٹھا لیا کروں گا۔"

سید صاحب نے عبدالرزاق کانپوری کو "یاد ایام" کا مسودہ واپس کرتے ہوئے ذیل کا خط لکھا۔

"مکرم!

السلام علیکم۔ یاد ایام کی اصل اور کاپیاں واپس مرسل ہیں۔ میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا شبلی کے حال میں نہایت بے تکلفی سے بعض واقعات نقل کیے ہیں۔ جو احباب کے لیے اور وہ بھی آغاز شباب کے لیے ہوتے ہیں۔ دور جوانی اگرچہ نادانی ہے۔ مگر اب وہ اواخر عمر میں ایک مقدس کام کے بانی ہوئے تو ان کا تذکرہ کرنا اور لکھنا بالکل نامناسب ہے۔ گناہ کا ستر چاہیئے نہ کہ تشہیر۔ اس لیے از راہ عنایت بلکہ اس دوستی کے واسطے جو آپ کو مولانا مرحوم سے تھی یہ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات پر پردہ ڈالیئے تاکہ ان کا نیک نام ضائع نہ ہو اور یوں بھی عیب و گناہ کا برملا اظہار اور فخر مسلمان کے لیے زیبا نہیں۔

والسلام

سید سلیمان

کاش! سید صاحب اپنے اس خط ہی کو نظر بنا لیتے لیکن انہوں نے مولانا کے متعلق فرضی روایتوں کا برملا اظہار کیا۔ اور اس پہ فخر کیا انہیں یاد نہ رہا کہ یہ چیزیں مسلمان کے لیے زیبا نہیں۔ ان راویوں پر اعتماد کرنا جو عمر کے آخری دن تک لہو و لعب میں رہے ہوں۔ سید صاحب علیہ الرحمۃ کی شان سے فروتر تھا۔

© OneUrdu.com